فتاویٰ دارالعلوم زکریاؒ

کتاب الصلاۃ

جلد دوم

تہذیب وترتیب
حضرت مفتی عبدالباری و مولانا محمد الیاس شیخ

افادات
حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب دامت برکاتہم
استاذ الحدیث ومفتی دارالعلوم زکریا، جنوبی افریقا

زمزم پبلشرز

فتاوٰی دارالعلوم زکریاؒ

جلد دوم

کتاب الصلاۃ

افادات
حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب دامت برکاتہم
اُستاذ الحدیث ومُفتی دارالعُلوم زکریا، جنوبی افریقا
تہذیب وترتیب
حضرت مفتی عبدالباری ومولانا محمد الیاس شیخ

ناشر
زمزم پبلشرز
نزد مُقدس مسجد، اُردو بازار، کراچی

کتاب کا نام ــــ فتاویٰ دار العلوم زکریا جلد دوم

تاریخ اشاعت ــــ نومبر ۲۰۰۸ء

باہتمام ــــ احباب زمزم پبلشرز

کمپوزنگ ــــ

سرورق ــــ احباب زمزم پبلشرز

مطبع ــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-2760374 - 021-2725673

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم نیو ٹاؤن کراچی۔ فون: 2018342
- دار الاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک کراچی۔
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

Darul Uloom Zakaria
P.O. Box 10786, Lenasia
1820 Gauteng
South Africa

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone 020-8911-9797

ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
U.S.A
Tel/Fax : 01204-389080

اجمالی فہرست

کتاب الصلاۃ

نمبر شمار صفحہ نمبر



فہرستِ عنوانات

فتاوی دار العلوم زکریا جلد دوم

کتاب الصلاۃ

باب ۔۔۔۔۔ ۱

اوقاتِ نماز کا بیان

نمبر شمار — صفحہ نمبر

باب ...... (۲)

اذان اور اقامت کا بیان ۶۶

باب ......﴿۳﴾

باب ...... ﴿۵﴾

قراءت وتجوید اور قاری کی لغزشوں کا بیان ۱۷۸

فصلِ دوم

جماعت کے احکام

فصلِ پنجم

محاذات کا بیان ۲۷۴

فصلِ ششم

اقتداء کے احکام ۲۸۳

فصلِ ہفتم

مسبوق اور لاحق کے احکام

فصلِ ہشتم

حدث اور استخلاف کے مسائل

باب ۷

فیما یفسد الصلاة وما یکره فیها

فصلِ اول

فصلِ دوم

فصلِ سوم

باب ......﴿۸﴾

نمازِ وتر اور دعاء قنوت کا بیان

فصلِ اول

فصلِ دوم

فصلِ سوم

قنوتِ نازلہ کا بیان ۳۷۱

باب ...... ﴿۹﴾

سنن اور نوافل کا بیان ۳۷۹

باب ...... ﴿۱۰﴾

تراویح کی نماز کا بیان

باب ۔۔۔ ۱۱

قضاء الفوائت

باب ۱۲

سجدۂ سہو کا بیان ۴۵۸

باب ……۱۳

سجدۂ تلاوت کا بیان

باب ……۱۴

معذور اور مریض کی نماز کا بیان

باب ۱۵

مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان ۴۹۸

باب ۱۶

نمازِ جمعہ کا بیان

باب ...... ﴿۱۷﴾

نمازِ عیدین کا بیان

باب ۱۸

مسائلِ شتیٰ

باب ۱۹

احکام الجنائز

فصلِ اول

فصلِ پنجم

فصلِ ششم

تعزیت کا بیان

فصلِ ہفتم

شہید کے احکام کا بیان ٦٧٨



بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

فتاوی دار العلوم زکریا

جلد دوم

کتاب الصلاۃ

افادات

حضرت مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث و مفتی دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

زیر اہتمام

مفکرِ اسلام حضرت مولانا شبیر احمد سالوجی مدظلہ

مہتمم دار العلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

تہذیب و تحقیق

محمد الیاس شیخ عفی عنہ

رفیقِ دار الافتاء دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار العلوم زکریا پر ایک طائرانہ نظر

۞ ۱۹۸۱ء میں حضرت برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے جنوبی افریقہ تشریف لا کر دعا فرمائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت ہی کے نام پر دار العلوم زکریا کی بنیاد رکھی گئی تھی۔

۞ ۱۹۸۳ء دسمبر میں حضرت قاری عبد الحمید صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب اور ان کے رفقاء کی سرپرستی میں مدرسہ کا باقاعدہ افتتاح ہوا، اور ۱۹۸۵ء تک مہتمم قاری عبد الحمید صاحب رہے۔

۞ قاری عبد الحمید صاحب کے ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد مولانا شبیر احمد سالوجی صاحب مہتمم اور حافظ بشیر صاحب ناظم مدرسہ مقرر ہوئے، اور تا ہنوز خدمت انجام دے رہے ہیں، اور انھیں کی توجہات وشبانہ روز محنت سے دار العلوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء.

دار العلوم زکریا کے مختلف شعبے

۞ شعبۂ تحفیظ القرآن: اکابرین کی توجہ اور دعا کی برکت اور اساتذۂ کرام کی محنت سے ماشاء اللہ خوب رو بہ ترقی ہے۔ اساتذۂ درجاتِ حفظ کی تعداد: ۱۳، اور طلبائے عزیز کی تعداد: ۲۸۳، اور درسگاہوں کی تعداد: ۱۰ ہے۔

۞ درسِ نظامی: طلبائے کرام علومِ عالیہ وآلیہ سے تشنگی کی آگ بجھا رہے ہیں۔ اساتذۂ کرام کی تعداد ۲۱ ہے۔ اور طلبائے کرام کی تعداد ۳۹۶ ہے، مقامی ان میں سے ۲۹۷، اور دیگر ۵۵ ممالک کے تقریباً ۳۸۲ طلباء تحصیلِ علم میں مشغول ہیں۔

۞ شعبۂ افتاء واستفتاء: ۱۹۸۷ء سے حضرت مفتی رضاء الحق صاحب کی نگرانی میں رواں دواں ہے ابتدا میں حضرت بذاتِ خود تحریر فرماتے تھے پھر ۱۹۹۲ء میں مستقل دار الافتاء کا نظام شروع ہوا۔

۞ شعبۂ قراءت وتجوید: ۱۹۸۸ء میں قراءت وتجوید کا مستقل شعبہ شروع ہوا۔

۞ شعبۂ ''النادی العربی'': طلبائے عزیز کا عربی ادب سے ذوق وشوق بڑھا اور تقریراً وتحریراً اس میں حصہ لیا اور مستقل شعبہ ''النادی العربی'' کے نام سے شروع ہوا۔

۞ دار العلوم زکریا کی شاخ: برائے حفظ منتظمین حضرات نے مدرسہ ہذا سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ۲۰۰۰ء میں جناب عبد الرحمن میاں صاحب کی درخواست پر ان کی والدہ کی خواہش پر انھیں کی زمین پر ایک

چھوٹا سا مدرسہ قائم کیا ہے جس میں تقریباً ۹۶ طلباء اور ۵، اساتذۂ کرام ہیں، اور ۵ درسگاہیں ہیں۔

۞ اللہ تعالیٰ تمام اساتذۂ کرام و منتظمین اور کارکنانِ مدرسہ ہذا کو جزاء خیر عطا فرمائیں۔ نیز دار العلوم کو اور دیگر علمی اداروں کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ فرما کر اپنی رحمتِ خاصہ نازل فرمائیں۔ آمین۔

۞ اکابرین وائمہ اور دیگر مہمانانِ کرام کے قدوم میمنت لزوم سے یہ وادی خوشنما اور دلربا بنتی گئی۔ ان میں سے: حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی دار العلوم دیوبند۔ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ڈاکٹر عبد الرزاق صاحب۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت حاجی فاروق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت مولانا عمر صاحب پالنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ بھائی پاڈیا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت مولانا عمر جی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت مولانا عبد الحفیظ مکی صاحب۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب۔ حضرت مولانا عبد اللہ کاپودروی۔ حضرت مولانا ادریس صاحب میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ شیخ عبد الفتاح ابوغدہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ شیخ عبد الرحمٰن السدیس۔ شیخ شریم۔ شیخ صالح بن حمید۔ شیخ عبد الرحمٰن حذیفی۔ شیخ سبیل۔ شیخ صلاح بدیر۔ شیخ محمد علی صابونی۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب۔ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔ حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب۔ دکتور عبد اللہ عمر نصیف صاحب۔ حضرت مولانا سید رابع صاحب۔ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب۔ حضرت مولانا سلمان صاحب۔ حضرت حکیم اختر صاحب۔ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری۔ حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت مولانا یونس صاحب پونا رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولا۔ شیخ الحدیث مولانا یونس صاحب۔ حضرت مولانا بدیع الزمان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت مولانا سالم صاحب۔ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت بھائی طلحہ بن حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کشمیری صاحب۔ حضرت مولانا ابو القاسم بناری۔

بندۂ عاجز **محمد الیاس** شیخ عفی عنہ

رفیقِ دار الافتاء دار العلوم زکریا، لینیشیا، جنوبی افریقہ

مؤرخہ: ۱۰/ رجب ۱۴۲۹ھ مطابق: ۱۴/ جولائی ۲۰۰۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سألت النبیا

﴿"أی العمل أحب إلی اللہ

قال: الصلاۃ علی وقتها"﴾

(رواہ البخاری)

کتاب الصلاۃ

باب ﴿۱﴾

اوقاتِ نماز کا بیان

باب ……﴿۱﴾

اوقاتِ نماز کا بیان

نمازِ پنجگانہ کو اوقاتِ خمسہ پر تقسیم کرنے کی دلیل اور حکمت:

سوال: نمازِ پنجگانہ کو اوقاتِ خمسہ پر کیوں تقسیم کیا گیا؟ اس کی مشروعیت کی کیا دلیل ہے؟ نیز اوقات کی حکمت کیا ہے؟

الجواب: قرآن کریم کی بہت سی آیات سے اوقات کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے، نیز حدیث امامت جبرئیل اور اس کے علاوہ احادیث بھی اوقات کی مشروعیت کی دلیل ہیں۔

ملاحظہ ہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أقم الصلاة لدلوك الشمس إلى غسق الليل وقرآن الفجر إن قرآن الفجر كان مشهودًا﴾.

(سورة بني اسرائيل: الآية:۷۸)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

جمہور مفسرین نے اس آیتِ کریمہ کو پانچوں نمازوں کے لئے جامع حکم قرار دیا ہے……﴿دلوك الشمس إلى غسق الليل﴾ میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء……﴿وقرآن الفجر﴾ اس جگہ لفظ قرآن بولکر نماز مراد لی گئی ہے کیونکہ قرآن نماز کا جزو اہم ہے۔ اکثر ائمہ تفسیر، ابن کثیر، قرطبی، مظہری وغیرہ نے یہی معنی لکھے ہیں اس لئے مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ ﴿دلوك الشمس إلى غسق الليل﴾ کے الفاظ میں چار نمازوں کا بیان تھا یہ پانچویں نماز فجر کا بیان ہے۔ اس کو الگ کر کے بیان کرنے میں اس نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (معارف القرآن:۵/۵۰۲)

قال الله تعالىٰ: ﴿فسبحٰن الله حين تمسون وحين تصبحون وله الحمد في السمٰوٰت والأرض وعشيًا وحين تظهرون﴾. (سورة الروم: الآية:۱۷،۱۸)

درمنثور میں ہے:

أخرج عبد الرزاق والفريابي وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم والطبراني والحاكم

وصححه عن أبي رزين قال: جاء نافع بن الأزرق إلى ابن عباس رضي الله تعالى عنه فقال: هل تجد الصلوات الخمس في القرآن؟ قال: نعم، فقرأ: ﴿فسبحٰن الله حين تمسون﴾ صلاة المغرب، ﴿وحين تصبحون﴾ صلاة الصبح، ﴿وعشيًا﴾ صلاة العصر، ﴿وحين تظهرون﴾ صلاة الظهر، وقرأ: ﴿ومن بعد صلاة العشاء﴾ وأخرج ابن أبي شيبة وابن جرير وابن المنذرعن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: جمعت هذه الآية مواقيت الصلاة ﴿فسبحٰن الله حين تمسون﴾ قال: المغرب والعشاء ...... (الدر المنثور:٦/٤٨٨)

معارف القرآن میں ہے:

علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں پانچوں نمازوں کا مع ان کے اوقات کے ذکر آ گیا ہے۔جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں پانچ نمازوں کا ذکر صریح ہے؟ تو فرمایا: ہاں! اور استدلال میں یہی آیت پیش کر کے فرمایا......اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ﴿حین تمسون﴾ میں مغرب اور عشاء دونوں داخل ہیں۔ (معارف القرآن:٦/٧٢٩)

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب أن عمربن عبد العزيز رحمه الله تعالى أخر الصلاة يومًا فدخل عليه عروة بن الزبير فأخبره أن المغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه أخر الصلاة يومًا وهو بالعراق فدخل عليه أبومسعود الأنصاري رضي الله تعالى عنه فقال: ماهذا يا مغيرة ؟ أليس قد علمت أن جبرئيل عليه الصلاة والسلام نزل فصلىٰ فصلىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم صلىٰ فصلىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم ...... ثم قال: بهذا أمرت ...... الخ. (رواه البخاري: ١/٧٥/٥١٥،باب مواقيت الصلاة)

ترمذی شریف میں ہے:

أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أمني جبرئيل صلى الله عليه وسلم عند البيت مرتين فصلى الظهرفي الأولى منهما حين كان الفيء مثل الشراك ثم صلى العصرحين كان كل شيء مثل ظله ثم صلى المغرب حين وجبت الشمس وأفطر الصائم ثم صلى العشاء حين غاب الشفق ثم صلى الفجرحين برق الفجروحرم الطعام على الصائم وصلى المرة الثانيه الظهر ...... ثم التفت إلى جبرئيل عليه الصلاة والسلام فقال: يامحمد هذا وقت الأنبياء من قبلك والوقت فيما بين هذين الوقتين.

(رواه الترمذي: ١/٣٨،ابواب الصلاة۔وأبوداؤد: ١/٥٦)

درس ترمذی میں ہے:

یہ حدیث حدیث امامتِ جبرئیل کہلاتی ہے، اور بابِ مواقیت میں اصل ہے، اللہ تعالیٰ اگر چاہتے تو یہ بھی ممکن تھا کہ مواقیت کی تعلیم زبانی طور سے دیدی جاتی، لیکن جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعہ عملی تعلیم کو اختیار کیا گیا، کیوں کہ وہ اوقع فی الذہن ہوتی ہے۔　　(درس ترمذی: ۱/۳۹۳)

اوقات پر تقسیم کرنے کی حکمت:

فجر کے بعد بیدار ہونا موت کے بعد زندگی ملنے کے مترادف ہے، لہٰذا شکریہ کے طور پر نماز ادا کریں۔ زوال میں انسان کی زندگی کے زوال کی طرف اشارہ ہے لہذا موت کی تیاری میں لگنا چاہئے۔ عصر کا وقت گویا موت کے قریب ہونے کی علامت ہے کہ سورج کی طرح میں بھی جانے والا ہوں۔ مغرب میں سورج ڈوبنے میں زندگی کے سورج کے ڈوبنے کی طرف اشارہ ہے۔ تو عبادت میں مشغول ہونا چاہئے۔ اور عشاء میں سورج کے نشانات بھی مٹ جانے ہیں تو ایک دن آپ کے نشانات اور ذکر بھی ختم ہو جائے گا لہٰذا خود اپنے لئے تیاری کرلو اور عشاء پڑھلو۔ واللہ اعلم۔

رمضان المبارک میں فجر کی نماز اول وقت میں پڑھنا:

سوال: رمضان المبارک میں حنفی حضرات فجر کی نماز اول وقت میں پڑھتے ہیں حالانکہ فجر کی نماز اسفار میں مستحب ہے تو رمضان میں تعجیل کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: اس کی دلیل حدیث شریف میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی پھر صبح کی نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، راوی نے دریافت کیا سحری اور نماز کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ فرمایا کہ جتنی دیر میں پچاس آیتیں پڑھ سکیں۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال تسحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قمنا إلی الصلاۃ قال: قلت: کم کان قدر ذلک قال: قدر خمسین آیة.

(رواہ الترمذی: ۱/۱۵۰، باب ماجاء فی تاخیر السحور)

حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لقد تحیر الحافظ فی هذا الحدیث فإن قدر خمسین آیة یمکن فی أقل من أربع دقائق ثم

قال: إن هذا التبيين من شان النبوة لايمكن لغيره وهو حقيقة الأمرودل الحديث على تغليسه عليه الصلاة والسلام في رمضان وهو عمل قطان ديوبند.

(عرف الشذي: ١/١٥١، باب ماجاء في تاخير السحور)

نیز علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی معارف السنن میں یہی تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(معارف السنن: ٥/٣٦٢، سعيد)

ہدایہ کے بعض شارحین نے تحریر فرمایا ہے کہ اصل اول وقت میں نماز پڑھنا ہے اور فجر میں تاخیر تکثیر جماعت کی وجہ سے ہے اور رمضان المبارک میں تکثیر جماعت اول وقت میں ہے ورنہ لوگ سحری کھا کر سو جائیں گے اور نماز قضاء ہو جائے گی اسی وجہ سے رمضان المبارک میں اول وقت نماز فجر ادا کرنا افضل ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

نعم ذكر شراح الهداية وغيرهم في باب التيمم أن أداء الصلاة في أول الوقت أفضل إلا إذا تضمن التأخير فضيلة لاتحصل بدونه كتكثير الجماعة، ولهذا كان أولىٰ للنساء أن يصلين في أول الوقت لأنهن لايخرجن إلى الجماعة كذا في مبسوط السرخسي وفخر الإسلام. والله أعلم۔ (شامي: ١/٣٦٧، سعيد)

غیر معتدل الایام ممالک میں نماز روزہ اور عید منانے کا حکم:

سوال: طویل الایام ممالک میں یا تو شفق غروب نہیں ہوتا ہے یا وقت ہی نہیں ملتا تو نماز، روزہ اور عید کا کیا حکم ہے؟

الجواب: غیر معتدل ایام ممالک تین قسم پر ہیں:

(۱) دن رات تو چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں لیکن دن کے بعض اجزاء مفقود ہوتے ہیں (مثلاً شفق غروب نہیں ہوتا تو رات نہیں ہوتی یا شفق تو ظاہر ہوتا ہے لیکن سورج طلوع نہیں ہوتا) اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اوقات کا اندازہ لگا کر نماز پڑھیں گے، اور اندازہ لگانے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) سال بھر میں معتدل ایام کے آخری دن کا حساب غیر معتدل ایام کی پوری مدت پر لگا کر نماز وغیرہ ادا کریں گے۔ (لیکن یہ بہت مشکل ہے، مثلاً آخری دن جب شفق غروب ہوا اور پھر صبح طلوع ہوئی اس میں ۸ منٹ کا فاصلہ تھا تو ۸ منٹ کے انتظار میں بیٹھنا اور نماز ادا کرنا بہت مشکل ہے)۔

(۲) قریب ترین علاقے کا اعتبار کیا جائے جہاں باقاعدہ شفق غروب ہوتا ہے۔

(۳) شفق جب غروب کی طرف مائل ہوتو وہ مغرب وعشاء کا وقت ہوگا، اس طور پر کہ نصفِ اول مغرب کے لئے اور نصفِ ثانی عشاء کے لئے۔ اور جب شفق طلوعِ شمس کی طرف مائل ہوتو وہ فجر کا وقت ہوگا۔

(ان تینوں میں سے جو بھی آسان ہو اس پر عمل کر سکتے ہیں)۔

(۲) دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں اور تمام اوقات بھی پائے جاتے ہیں لیکن بعض اوقات بہت ہی مختصر ہوتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں نماز اپنے معروف اوقات ہی میں ادا کی جائے گی، اگرچہ وقت بہت کم ہو۔ ہاں سنن اور نوافل کا موقع نہ ملے تو صرف فرض پر اکتفاء کرلے پھر دوسرے وقت میں چھوٹی ہوئی سنتوں کے بقدر نوافل پڑھ لے۔

لیکن وقت اتنا مختصر ہے کہ چار رکعات فرض بھی ادا نہیں کر سکتے ہیں تو دو احتمال ہیں:

(۱) اسی وقت میں نماز پڑھے اگرچہ وقت نکل جانے کے بعد پوری ہو۔

(۲) اندازہ لگا کر نماز پڑھے۔

(۳) دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے نہیں ہوتے بلکہ کبھی رات چھ مہینے کی ہوتی ہے اور کبھی دن چھ مہینے کا ہوتا ہے۔ ایسے ممالک میں قریب ترین علاقوں کا اعتبار کیا جائے گا۔

حکم الصوم:

جہاں دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں لیکن رات بہت ہی مختصر ہوتی ہے تو اگر روزہ قابلِ تحمل ہے تو پورے دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے۔

اور اگر قابلِ تحمل نہیں ہے۔ مثلاً کھانے پینے کے لئے وقت کافی نہیں ہے یا چوبیس گھنٹوں میں ایک بار کھانا کافی نہیں ہے تو اس صورت میں قریب ترین علاقوں کا اعتبار کیا جائے۔

نیز جہاں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے وہاں بھی قریبی ممالک کا اعتبار کرتے ہوئے اندازہ لگا کر روزہ رکھے اور افطار کرے۔

عید منانے کا طریقہ:

رمضان اور عید منانے کا طریقہ چاند ہی سے معلوم ہوگا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

صوموا لرویته وأفطروا لرویته. (ترمذی شریف: ۱/۱۴۷، باب ماجاء لاتتقدموا الشهر بصوم)

اور اگر چاند نظر نہیں آتا تو تیس دن کا مہینہ شمار کریں گے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”فان حالت دونه غيابة فأكملوا ثلثين يومًا“.

(ترمذی شریف: ۱/۱۴۸، باب ماجاء ان الصوم لروية الهلال الافطارله)

یہ حکم پہلی دو قسموں کے لئے ہے جہاں دن رات چوبیس گھنٹوں میں پورے ہوتے ہیں۔

رہی آخری قسمیں جہاں مسلسل رات یا مسلسل دن ہوتا ہے وہاں اندازہ لگائیں گے۔ اور اندازہ لگانے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) چوبیس گھنٹوں کو ایک دن شمار کریں اور مہینہ تیس دن کا شمار کریں۔

(۲) قریب ملک کی پیروی کریں جہاں دن رات معتدل ہوتے ہیں۔

اس مسئلہ کی دلیل حدیثِ دجال ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوۃ شریف میں ہے:

”عن النواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ذكر رسول الله ﷺ الدجال فقال: إن يخرج وأنا فيكم فأنا حجيجه دونكم إلى قوله ...... قلنا يارسول الله ومالبثه فى الأرض قال: أربعون يومًا يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر أيامه كأيامكم، قلنا يارسول الله فذلك اليوم الذى كسنة أيكفينا فيه صلاة يوم؟ قال: لا، أقدروا له قدره.

(مشکوۃ شریف: ۲/۴۷۳، باب العلامات بين يدى الساعة وذكر الدجال)

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

(وفاقد وقتهما كبلغار فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق فى أربعينية الشتاء مكلف بهما فيقدر لهما) اعلم أن التقدير له معنيان أحدهما: ماسيأتى تقريره فى مسئلة الدجال والثانى: فيه طريقتان: الأولى: أن يعتبر بأقرب البلاد إليهم كما ذكره الشافعية ...... والثانية: أن ينظر إلى وقت العشاء فى القريبة منها ماذا يكون من ليلهم فبقدر هذه النسبة يفعل فى هؤلاء فإن كان السدس جعلنا لهؤلاء سدسه وقت المغرب وبقية وقت العشاء وإن قصر جدًا، وكذا يقدرون فى الصوم ليلهم بأقرب بلد يليهم ...... (قوله واختاره الكمال) حيث قال: ومن لم يوجد عندهم وقت العشاء أفتى البقال بعدم الوجوب عليهم لعدم السبب كما يسقط غسل اليدين من الوضوء عن مقطوعهما من المرفقين ولايرتاب متأمل فى ثبوت الفرق بين عدم محل الفرض وبين سببه الجعلى الذى جعل علامة على الوجوب الخفى الثابت فى نفس

الأمر لجواز تعدد المعرفات للشیء فانتفاء الوقت انتفاء المعرف وانتفاء الدلیل علی الشیء لایستلزم انتفائه لجواز دلیل آخر وقد وجد وھو ما توالت علیه أخبار الإسراء من فرض اللّٰہ تعالیٰ الصلوات خمسًا بعد أمر اللّٰہ تعالیٰ أولاً بخمسین ثم استقر الأمر علی الخمس شرعاً عاماً لأھل الآفاق لاتفصیل فیه بین قطر وقطر وما روی أنه ﷺ ذکر الدجال قلنا مالبثه فی الأرض قال: أربعون یوماً یوم کسنة ویوم کشھر......فقد أوجب أکثر من ثلثمأة عصر قبل صیرورة الظل مثلاً أو مثلین وقس علیه فاستفدنا أن الواجب فی نفس الأمر خمس علی العموم غیر أن توزیعھا علی تلک الأوقات عند وجودھا ولایسقط بعدمھا الوجوب ولذا قال ﷺ خمس صلوات کتبھن اللّٰہ علی العباد .... (طحطاوی علی الدر المختار: ۱/۱۷۵-۱۷۶)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (تکملة فتح الملھم: ۶/۳۷۳،۳۸۲) واللہ اعلم۔

دوبارہ وقت داخل ہوتو نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے جمعہ کی نماز اول وقت میں پڑھی پھر تیز رفتار فلائٹ میں گیا جہاں پہنچا وہاں پھر جمعہ کا وقت داخل ہوا تو دوبارہ نماز فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: فرض نماز دوبارہ پڑھنا لازم نہیں ہے فریضہ ادا ہو چکا، البتہ احتراماً للوقت اور مسلمانوں کی موافقت میں پڑھ لینا چاہئے۔

ملاحظہ ہو فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہونچ جائے۔ مکہ میں مغرب کی نماز تفاوتِ وقت کے سبب ابھی ہی ہوتی ہے کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟

الجواب: احتراماً للوقت وموافقة للمسلمین وہ نماز پڑھے اگرچہ اس کا فریضہ ادا اور مکمل ہو چکا۔

(فتاوی محمودیہ: ۱۰/۳۷، کتاب الصوم، جامعہ فاروقیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک شخص مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز پر سوار ہوا جہاز مغرب کی طرف اتنا تیز چلا کہ آفتاب دوبارہ نظر آنے لگا تو کیا اس پر مغرب کی نماز دوبارہ واجب ہوگی؟

الجواب: باسم ملہم الصواب: مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں۔ قال فی شرح التنویر فلو

غربت ثم عادت هل يعود الوقت؟ الظاهر نعم. قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله الظاهر نعم) بحث صاحب النهر حيث قال: ذكر الشافعية ان الوقت يعود ...... قلت: على ان الشيخ إسمٰعيل رد ما بحثه في النهر تبعاً للشافعية بان صلاة العصر بغيبوبة الشفق تصير قضاءً ورجوعها لايعيدها أداءً وما في الحديث خصوصية على رضي الله تعالى عنه كما يعطيه قوله عليه الصلاة والسلام: إنه كان في طاعتك وطاعة رسولك. قلت: ويلزم على الأول بطلان صوم من أفطر قبل ردها وبطلان صلاة المغرب لوسلمنا عود الوقت بعودها للكل. والله اعلم.

(ردالمحتار ۱/۳۳۴- احسن الفتاوی: ۴/۶۹)

صبح صادق اور طلوعِ شمس کے درمیان نیز غروب اور ابتدائے عشاء کے درمیان فاصلہ کی مقدار:

سوال: صبح صادق اور طلوعِ شمس کے درمیان نیز غروب اور ابتدائے عشاء کے درمیان ایک گھنٹہ کا فاصلہ ہوتا ہے یا زیادہ بعض لوگ ۱۸ درجہ کے قائل ہیں اور بعض ۱۵ کے کونسا قول درست ہے؟

الجواب: ان دونوں اوقات کے مابین فاصلہ کی مقدار اکثر حضرات نے ایک گھنٹہ بیس منٹ سے اڑتیس منٹ کے درمیان تک بتلائی ہے، البتہ حضرت مفتی رشید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ احسن الفتاوی نے ۵۷ منٹ بتلائی ہے لیکن یہ ان کا تفرد ہے اکثر حضرات کی رائے اس کے خلاف ہے۔ اور ۱۸ درجے والے قول کو اکثر حضرات نے اختیار کیا ہے۔

ملاحظہ ہو کفایۃ المفتی میں ہے:

یہ وقفہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ماہ بماہ یعنی تھوڑے تھوڑے دن میں اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر یہ وقفہ ایک گھنٹہ اکیس منٹ سے کبھی کم نہیں ہوتا جون کے مہینے میں وہ سب سے زائد یعنی ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ کا ہوتا ہے اور ستمبر میں وہ سب سے کم یعنی ایک گھنٹہ اکیس منٹ کا ہوتا ہے۔ (کفایۃ المفتی: ۳/۷۲)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

غروب کے بعد عشاء کا وقت عند الامام ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقت ہوتا ہے کہ شفق ابیض غائب ہو جاوے اس کی مقدار بعض موسموں میں ایک گھنٹہ چوبیس پچیس منٹ اور بعض موسموں میں ایک گھنٹہ ۲۷ منٹ اور بعض موسموں میں اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ پس مغرب وعشاء میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کم فاصلہ نہ کرنا چاہئے بلکہ

احتیاطاً پونے دوگھنٹہ کا فاصلہ کرنا چاہئے اور جنتری طلوع وغروب آفتاب وصبح صادق وغیرہ سے مقدار وقت ہر زمانہ میں معلوم ہوسکتی ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیو بند: ۲/۴۲، ۴۶، از مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

سوسال پہلے صبح صادق کی تحقیق

آج سے تقریباً سوسال پہلے ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۸۹۶ء صبح صادق کے بارے میں ایک رسالہ بنام "حل الدقائق فی تحقیق الصبح الصادق" عالمِ ربانی حضرت مولانا محمد لطف اللہ صاحب مفتی ریاست رام پور نے تالیف فرمایا تھا، جس میں وہ صبح صادق کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

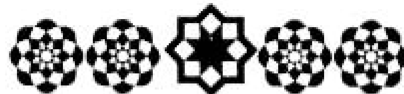
الغرض زمانہ مابین طلوعِ صبح صادق وطلوعِ آفتاب کا برابر ومساوی ہے زمانہ مابین غروبِ آفتاب وغروبِ شفق کے ان دونوں وقتوں کے برابر ہونے کی وجہ ظاہر، علاوہ وجوہاتِ نقلیہ کے یہ ہے کہ جب آفتاب زمین کے نیچے سے طلوع ہونے کے واسطے چلتا ہے یہاں تک کہ اس کو افق سے ۱۸ درجہ طے کرنے باقی رہ جاتا ہیں تو اس وقت سے ایک روشنی افق میں عرضاً ظاہر ہوتی ہے جس کا نام صبحِ صادق ہے اور یہ روشنی زیادہ ہوتی جاتی ہے یہاں تک آفتاب نکل آتا ہے۔

اسی طرح جب زمین کی طرف بعد غروب کے جاتا ہے یہاں تک کہ ۱۸ درجہ تک زمین کی طرف پہونچ جاتا ہے تو وہ سفیدی کہ جو بعد غروبِ آفات کے ہوا کرتی ہے اور اس کا نام شفق ہوتا ہے غائب ہوجاتی ہے۔

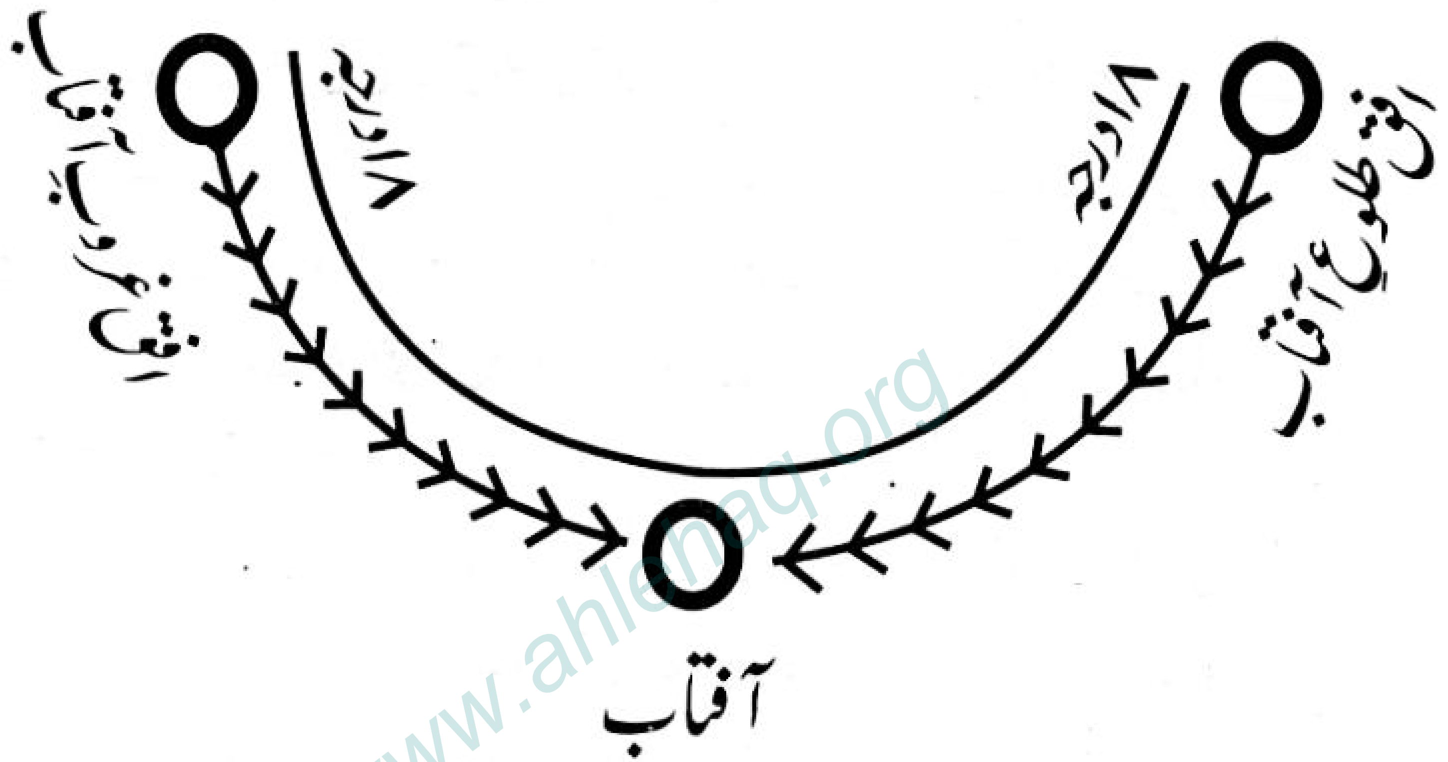
یہ ظاہر بات ہے کہ جب طلوع کے وقت ۱۸ درجہ پر اس نے روشنی دیدی تھی تو اسی طرح غروب کے وقت ۱۸ درجہ کے بعد اس کی روشنی زائل بھی ہونی چاہئے، اور اس شفق کے غائب ہونے کے بعد نمازِ عشاء کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور اسی پر آج کل عام طور سے تعامل ہے۔ (حل الدقائق: ص:۳۲)

اسی زمانہ میں منشی محمد اعلی رئیس میرٹھ نے بھی ایک رسالہ بنام "صبح صادق" تالیف فرمایا تھا اس میں بھی صبح صادق کو ۱۸ درجہ آفتاب کے زیر افق ہونے پر لکھا گیا ہے۔

ان دونوں رسالوں کی اکابرِ علماء دیو بند میں سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری صاحبِ "بذل المجهود" اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، اور حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی، نیز حضرت مولانا حافظ احمد بن حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دار العلوم دیو بند قدس اللہ اسرارھم نے تصدیق فرمائی اور ان پر تقاریظ لکھیں۔



نقشہ



(برطانیہ واعلی عروض البلاد پر صبح صادق و شفق کی تحقیق، از مولانا یعقوب قاسمی ص: ۸۰، ۸۱، جامعہ علوم القرآن جمبوسر)



صبح صادق کے ابتدائی وقت کے بارے میں ۱۸ درجہ والے قول کے دلائل:

صاحبِ روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی سورۂ تکویر کی آیتِ کریمہ: ﴿والصبح اذا تنفس﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان تنفس الصبح وضياءه بواسطة قرب الشمس إلى الأفق الشرقي بمقدار معين وهوفي المشهورثمانية عشرجزءً. (روح المعانی: ۵۹/۳۰)

ترجمہ: صبح آفتاب کے مشرقی افق پر مقدارِ معین سے قریب ہونے پر ظاہر ہونے والی روشنی ہے اور مشہور قول کے مطابق وہ ۱۸ درجہ (ڈگری) ہے۔

یہاں صبح سے مراد صبح صادق ہی ہے کیونکہ اس سے پہلے علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فی الآية إشارة إلى الفجر الثاني الصادق وهوالمنتشرضوءه معترضا بالأفق.

ربع المجیب میں مرقوم ہے:

وعلى قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى المعتبرفي الحصتين أن يكون الشمس منحطة(۱۸ درجة) والدائرة لإرتفاع ۱۸ بدرجة النظيرهو الحصة لكل منهما فهما مستويان.

(ربع المجیب: ۲۳)

دورِ حاضر کے علمِ فلکیات کے ماہر استاد علامہ محمد بن عبدالوہاب مراکشی زید عمرہ کی کتاب "ایضاح القول الحق في مقدار انحطاط الشمس وقت طلوع الفجروغروب الشفق" میں مرقوم ہے:

(۱) وقد عرف بالتجربة أن انحطاط الشمس عند أول طلوع الفجر۱۸ جزءا. (ص ۱۰)

(۲) وممن قال بالثمانية عشر أبوالحسن عبد الرحمن الصوفي البزازالمتوفي ۶۷۳.

(۳) وممن قال بالثمانية عشرفي الفجروفي الشفق الأستاذ الرئيس أبوعلي الحسن بن عيسى المجاصي فقد قال في رسالته تذكرة أولي الألباب في عمل صفة الإصطرلاب، فصل في تخطيط أوقات الصلاة أما الفجرو الشفق فان خطيهما هومقنطرة ثمانية عشر في كل عرض وفي كل زمان. (ص ۱۴)

(۴) عمل طائفة من المتقدمين من فلكي الإسلام على أن حصتي الفجرو الشفق متساويان وان ابتداء طلوع الفجروانتهاء غروب الشفق يكونان عند انحطاط الشمس عن الافق ۱۸ عشر درجة. (ص ۱۶)

آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے مولانا محمد عبدالواسع پروفیسر دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن (انڈیا) نے اپنی کتاب میں صبح وشفق کی تفصیلی وضاحت کے بعد تحریر فرمایا ہے: صبح کی ابتداء اور شفق (ابیض) کی انتہاء اس وقت ہوتی ہے جب آفتاب افق سے عموداً ۱۸ درجہ نیچے ہوتا ہے۔ (معیار الاوقات للصیام و الصلوات:۱۰۵)

پروفیسر عبداللطیف صاحب کراچی اپنی کتاب میں مفصل بحث کے بعد برصغیر ہندوپاک کے اوقات نماز کے نقشوں کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

سالہا سال سے برصغیر پاکستان وہندوستان میں اوقات کے قدیم نقشوں اور جنتریوں کے مطابق جس وقت فجر کی اذان دی جاتی ہے یا جس وقت کو صبح صادق قرار دیا گیا ہے یا وہ وقت جس کو منتہائے وقت سحری بھی کہتے ہیں، وہ اس مخصوص لمحہ کے اوقات ہیں جب کہ سورج طلوع ہونے سے قبل ۱۸ درجات زیرِ افق کی حد کو پہونچتا ہے اور اس وقت ماہرین فلکیات کے اعتبار سے صبح صادق کا وقت شروع ہوجاتا ہے......۔

(ملخص از کتاب "برطانیہ واعلیٰ عروض البلاء پرصبح صادق و شفق کی تحقیق":ص ۷۳۔۷۸،مؤلف:حضرت مولانا یعقوب قاسمی رکن جامعہ علوم القرآن مجلس شوریٰ ناشر: جمبو سرو برطانیہ، ڈیوزبری)

عمدۃ الفقہ میں حضرت مولانا سید زوّار حسین شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: آج کل گھنٹے گھڑیاں عام ہیں اوقات بتانے والی جنتریاں اور نقشے اکثر مسجدوں میں موجود ہیں ان کے مطابق نمازوں کے وقت کی پابندی کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے گھڑیاں صحیح رکھنا چاہئیں، ہمارے ملک میں طلوعِ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک کم از کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ کا وقفہ ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ کا ہے۔

(عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۲۶ المجددیۃ)

اس مسئلہ میں ۱۸ درجہ کا قول ہی راجح اور معتمد ہے اور یہی زیادہ مشہور اور تجربہ سے بھی ثابت ہے:

حضرت مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

نیز واضح ہو کہ صبح صادق کا وقت طلوعِ شمس سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل شروع نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ سوا ایک گھنٹہ قبل شروع ہوتا ہے۔ کما ہو یعلم من المشاہدۃ و الریاضی۔ (فتاوی فریدیہ: ۲/۱۴۵،باب المواقیت)

نوٹ: حضرت مفتی صاحب نے بعض ایام کے بارے میں فرمایا ہوگا ورنہ بعض ایام میں سوا گھنٹہ سے زیادہ وقت ہوتا ہے۔

ہمارے مشاہدہ کی بناء پر غالباً سوا گھنٹہ وقت فجر کا ہوتا ہے اور اسی طرح مغرب کا۔

(فتاوی فریدیہ: ۲/۱۵۱،باب المواقیت)

جب سورج یقیناً ڈوب جائے اور اس کے بعد سوا گھنٹہ گذر جائے تو عشاء کا وقت داخل ہوجاتا ہے ہمارے

مشاہدہ اور تجربہ سے یہ ثابت ہے۔ (فتاوی فریدیہ ۲/ ۱۵۶، باب المواقیت)

منہاج السنن میں ہے:

قلت: وصرح المشائخ بتفاوت الوقت بين طلوع الفجر الصادق و طلوع الشمس و كذا بين غروب الشمس و غيوب البياض بتفاوت المواسم والبلاد والمشاهد في ديارنا قدر ساعة وربع ساعة. (منهاج السنن: ۲/ ۱۰، باب مواقيت الصلاة)

جہاں تک مشاہدہ کا تعلق ہے تو اس کی ایک بہت بڑی دلیل کتاب "تسہیل الفلکیات" (مصنفہ پروفیسر عبد اللطیف صاحب) پر جامعہ دار العلوم وزیرستان (وانا) کے مہتمم صاحب مولانا نور محمد کی تقریظ بھی ہے جس کی فوٹو کاپی بھی موجود ہے اور وہ تقریظ حسب ذیل ہے:

مکرمی جناب عبد اللطیف صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے مطلوبہ اوقات کے متعلق پہلے بھی تحقیق ارسال کر چکا ہوں اب پھر گذارش ہے کہ میں نے دار العلوم وزیرستان وانا کے جید علماء کی حسب ذیل کمیٹی مقرر کی انہوں نے مؤرخہ ۱۳ جون ۸۸ سے ۲۱ جون تک صبح صادق اور غروب کے اوقات چیک کئے اور پھر مجھے دیدئے جب میں نے آپ کے ارسال کردہ اوقات کے ساتھ چیک کیا تو بالکل آپ کے نقشہ کے سو فیصد مطابق تھے حالانکہ میں نے مذکورہ علماء کو آپ صاحب کے نقشے کے اوقات نہیں بتائے تھے، اس لئے آپ کو خوش خبری دیتا ہوں کہ وانا کے اوقات کے متعلق آپ کا نقشہ بالکل درست ہے۔

کمیٹی کے علماء کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا عبد الوارث صاحب (۲) مولانا عبد المجید صاحب

(۳) مولانا اصلاح الدین صاحب (۴) مولانا فرید احمد صاحب

والسلام

نور محمد مہتمم دار العلوم وزیرستان وانا وخطیب مرکزی جامع مسجد وانا جنوبی وزیرستان ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

اس تقریظ میں یہ بات واضح ہے کہ جناب عبد اللطیف صاحب کا نقشہ بالکل صحیح ہے اور یاد رہے کہ ان کا نقشہ ۱۸ درجہ کے مطابق ہے۔

اس موضوع سے متعلق برطانیہ میں منعقد اجلاس، اور اس سے متعلق حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

چونکہ برطانیہ میں صبح صادق، رؤیتِ ہلال کا مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہتا ہے ہر ایک کے پاس اپنے دلائل ہیں اور ایک اپنی رائے پر مصر ہے، ۱۴۰۳ھ میں جب حضرت مفتی محمود صاحب وہاں تشریف لے گئے تو وہاں کے علماء نے اس مسئلہ میں آپ سے رجوع کیا، آپ نے علماءِ کرام کے دلائل وشواہد کا مطالعہ فرما کر تحریر فرمایا، خلاصہ اس کا یہ ہے:

علاقہ برطانیہ میں صبح صادق، شفقِ بیاض منتشر کا مسئلہ دیر سے چھڑا ہوا ہے، وقت مغرب وعشاء، وقتِ فجر منتہائے سحر، ابتداءِ صوم کا اس سے خاص تعلق ہے، بندہ ناکارہ علماء کی تحریرات سے مشرف ہوا مگر بصد ندامت اعتراف کرتا ہے کہ مطالعہ کے بعد کسی حتمی فیصلہ پر پہنچنے سے قاصر رہا۔ احقر محمود غفرلہ ۱۶ شعبان ۱۴۰۳ھ۔

مگر اس کے بعد تمام علمائے کرام نے غور وفکر کے بعد اقرب الایام والی تجویز پر متفق ہو گئے اور سب نے اس تجویز کو قبول کرلیا، حضرت مفتی صاحب نے اس پر دستخط فرمادئے اور اپنی سابقہ تحریر واپس لے لی۔

متفقہ فیصلہ:

آج ۱۶ شعبان ۱۴۰۳ھ جمعیۃ العلماء برطانیہ کے زیر اہتمام بریڈفورڈ میں علماء کا ایک اجلاس زیر پرستی حضرت مفتی محمود صاحب منعقد ہوا جس میں برطانیہ میں صبح صادق کے بارے میں طویل غور وفکر کے بعد شریکِ اجلاس علماء نے حسبِ ذیل متفقہ فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے برطانیہ میں جو نوٹیکل ٹوائلائٹ ۱۲ درجہ (ڈگری) صبح صادق قرار دیا تھا وہ قطعاً غلط تھا۔

اور برطانیہ میں جن دنوں صبح صادق کا تحقق ہوتا ہے یعنی آفتابِ افق سے ۱۸ درجے نیچے جاتا ہے اس کو اصطلاح میں سٹرونومیکل ٹوائلائٹ کہا جاتا ہے، ان دنوں میں اسی وقت صبح صادق قرار دی جائے گی کیونکہ یہی وقت دراصل صبح صادق کا صحیح وقت ہے، البتہ جن دنوں برطانیہ کے مختلف عرض البلد پر مختلف ایام میں آفتاب افق سے ۱۸ درجے نیچے نہیں جاتا، ان دنوں میں صبح صادق کے بارے میں یہی طے کرالیا گیا کہ اپنی جگہ کے عرض البلد پر آخری تاریخ میں جو صبح صادق کا وقت تھا، اسی کے مطابق اتنے ہی بجے بقیہ دنوں میں بھی صبح صادق کی ابتداء واختتام سحر مقرر کی جائے۔ العبد شبیر احمد عفی عنہ۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس فیصلہ کی تحسین فرمائی اور علماءِ کرام کو مبارک باد دی اور اپنی سابقہ تحریر واپس منگوائی۔

حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تحریر:

۱۶ شعبان ۱۴۰۳ھ کو صبح صادق، بیاض منتشر منتہائے سحر سے متعلق گفتگو کرنے کے لئے جمیعۃ علماء برطانیہ کی مجلس ہوئی، اس میں احقر بھی شامل تھا، اس سے قبل علمائے کرام کی متعدد تحریرات کا اس مسئلہ پر احقر مطالعہ کر چکا

تھا مگر کسی رائے کو ترجیح دینا دشوار ہے...... مگر پھر علماء کرام نے گفتگو کر کے ایک رائے پر اتفاق کرلیا اور کسی نے اس کو باطل نہیں کیا تو پھر احقر نے بھی اس پر دستخط کر لئے اور اپنی تحریر واپس منگالی جو احقر کو موصول ہوگئی۔

(ملخص از حیات محمود:ص ۲۰۱۔۲۰۵)۔

نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

دائمی اوقاتِ نماز برائے ضلع اعظم گڑھ

تاریخ	صبح صادق	طلوعِ آفتاب	درمیان کا وقت	غروبِ آفتاب	ابتدائے عشاء	درمیان کا وقت
مہینے	گھنٹہ منٹ	گھنٹہ منٹ	گھنٹہ منٹ	گھنٹہ منٹ	گھنٹہ منٹ	گھنٹہ منٹ
۱،جنوری	۵:۱۷	۶:۴۳	۱:۲۶	۵:۱۹	۷:۴۱	۱:۲۲
۱،فروری	۵:۱۹	۶:۴۱	۱:۲۲	۵:۴۲	۷:۰۱	۱:۱۹
۱،مارچ	۵:۰۱	۶:۲۱	۱:۳۰	۶:۰۰	۷:۱۷	۱:۱۷
۱،اپریل	۴:۳۰	۵:۵۰	۱:۲۰	۶:۱۳	۷:۳۱	۱:۱۷
۱،مئی	۳:۵۶	۵:۲۳	۱:۲۷	۶:۲۸	۷:۵۰	۱:۲۲
۱،جون	۳:۳۶	۵:۰۸	۱:۳۲	۶:۴۳	۸:۱۳	۱:۳۰
۱،جولائی	۳:۳۶	۵:۱۱	۱:۳۵	۶:۵۲	۸:۲۲	۱:۳۰
۱،اگست	۳:۵۶	۵:۲۵	۱:۲۹	۶:۴۳	۸:۰۹	۱:۲۶
۱،ستمبر	۴:۱۶	۵:۳۹	۱:۲۳۰	۶:۱۷	۸:۳۸	۱:۲۱
۱،اکتوبر	۴:۲۹	۵:۵۰	۱:۲۱	۵:۴۶	۷:۰۱	۱:۱۵
۱،نومبر	۴:۴۲	۶:۰۵	۱:۲۳	۵:۱۸	۶:۳۶	۱:۱۸
۱،دسمبر	۵:۰۰	۶:۲۶	۱:۲۶	۵:۰۷	۶:۲۸	۱:۲۱

(ایک عالمی تاریخ از حضرت مولانا عثمان معروفی ص ۱۶۱۔۱۷۲)۔

نقشہ برائے جوہانسبرغ

تاریخ	صبح صادق	طلوعِ آفتاب	درمیان کا وقت	غروب آفتاب	ابتدائے عشاء	درمیان کا وقت
مہینے	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ	منٹ گھنٹہ
۱،جنوری	۳:۵۰	۵:۲۰	۱:۳۰	۷:۰۶	۸:۳۳	۱:۲۷
۱،فروری	۴:۱۹	۵:۴۳	۱:۲۴	۷:۰۳	۸:۲۴	۱:۲۱
۱،مارچ	۴:۴۳	۶:۰۲	۱:۱۹	۶:۴۲	۷:۵۷	۱:۱۵
۱،اپریل	۵:۰۰	۶:۱۷	۱:۱۷	۶:۱۰	۷:۲۳	۱:۱۳
۱،مئی	۵:۱۳	۶:۳۱	۱:۱۸	۵:۴۲	۶:۵۷	۱:۱۵
۱،جون	۵:۲۶	۶:۴۷	۱:۲۱	۵:۲۷	۶:۴۶	۱:۱۹
۱،جولائی	۵:۳۳	۶:۵۶	۱:۲۳	۵:۳۱	۶:۵۰	۱:۱۹
۱،اگست	۵:۲۷	۶:۴۷	۱:۲۰	۵:۴۵	۷:۰۱	۱:۱۶
۱،ستمبر	۵:۰۴	۶:۲۱	۱:۱۷	۵:۵۹	۷:۱۳	۱:۱۴
۱،اکتوبر	۴:۳۱	۵:۴۸	۱:۱۷	۶:۱۱	۷:۲۵	۱:۱۴
۱،نومبر	۳:۵۷	۵:۱۹	۱:۲۲	۶:۲۸	۷:۴۷	۱:۱۹
۱،دسمبر	۳:۳۹	۵:۰۸	۱:۲۹	۶:۴۹	۸:۱۵	۱:۲۶

نوٹ: جس ماہ کی جس تاریخ میں غروب آفتاب اور غروب شفق میں جس قدر فاصلہ رہتا ہے۔ تقریباً اتنا ہی فاصلہ صبح صادق اور طلوع آفتاب میں بھی ہوتا ہے۔ (فتاوی رحیمیة: ۳/۳٤)

امداد الاحکام میں ہے:

صبح صادق طلوع آفتاب سے ۱۸ درجہ پہلے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(امداد الاحکام: ۱/٤٠١، دار العلوم کراچی)

غیر مسلم کی تحقیق قبول کرنے کا حکم:

سوال: کیا فجر صادق کے طلوع یا شفق کے بارے میں غیر مسلموں کی تحقیق کا اعتبار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ مسلمان بھی نہیں۔

الجواب: غیر مسلموں کی تحقیق خالص دین کی باتوں میں قبول نہیں جیسے پانی پاک ہے یا ناپاک ہے، یہ کھانا حلال ہے یا حرام ہے، لیکن اگر وہ کوئی ایسی بات بتلادیں جس پر دینی بات مرتب ہو تو ان کی وہ بات معتبر ہے بشرطیکہ دل اسکی صداقت کی گواہی دے، مثلاً یہ کہہ دیں کہ میں نے یہ کھانا فلاں مسلمان سے خریدا ہے تو ظاہر بات ہے کہ مسلمان سے خریدنے کے بعد اس پر حلال ہونے کا حکم مرتب ہوگا۔

درمختار میں ہے:

ویقبل قول کافر ولو مجوسیاً قال: اشتریت اللحم من کتابی فیحل أو قال: اشتریته من مجوسی فیحرم ولا یردہ بقول الواحد وأصله أن خبر الکافر مقبول بالإجماع فی المعاملات لا فی الدیانات وعلیه یحمل قول الکنز ویقبل قول الکافر فی الحل والحرمة یعنی الحاصلین فی ضمن المعاملات لا لمطلق الحل والحرمة. (الدر المختار مع الشامی: ٦/٣٤٤، ٣٤٥، کتاب الحظر والإباحة، سعید)

طحطاوی میں ہے:

وإذا صح قول الواحد فی أخبار المعاملات عدلاً کان أو غیر عدل فلابد فی ذلك من تغلیب رأیه فیه أن خبره صادق فإن غلب علی رأیه ذلك عمل علیه وإلا لا.

(حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ٤/١٧٤، کتاب الحظر والإباحة، کوئٹة)

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلا کہ اگر ان کی تحقیق پر ظنِ غالب ہو کہ صحیح ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا یقبل قول الکافر فی الدیانات إلا إذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات فحینئذٍ تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات فیقبل قوله فیها ضرورة هکذا فی التبیین، من أرسل أجیرًا له مجوسیًا أو خادمًا فاشتری لحمًا فقال: اشتریته من یهودی أو نصرانی أو مسلم وسعه أکله وإن کان غیر ذلك لم یسعه أن یأکل منه معناه إذا کان ذبیحة غیر الکتابی والمسلم لأنه لما قبل قوله فی الحل أولیٰ أن یقبل فی الحرمة کذا فی الهدایة.

(الفتاوی الهندیة: ٥/٣٠٨، کتاب الکراهیة: الباب الأول فی العمل بخبر الواحد)

صورتِ مسئولہ میں بھی غیر مسلم نے صبح صادق اور شفق کے غروب کی بات بتلادی جو براہِ راست دین کی بات نہیں بلکہ آسمان کے افق کی تحقیق ہے پھر اس پر نماز کا وقت ہونا یا نہ ہونا روزہ کی ابتداء کا ہونا نہ ہونا مرتّب ہوگا، لہٰذا صبح صادق اور شفق کے بارے میں غیر مسلموں کی تحقیق معتبر ہے، نیز یہ تحقیق صرف غیر مسلموں کی نہیں بلکہ مسلمان ماہرِ فلکیات کی تحقیق بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

عصر کی نماز کو اتنا مؤخر کرنا کہ وقت مکروہ کا شبہ ہونے لگے:

سوال: ہمارے یہاں عصر کی نماز پانچ بجے ہوتی ہے اور آج کل غروب تقریباً ۵:۲۵ پر ہے اور کافی مسبوق ہوتے ہیں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ وقت صحیح ہے یا مکروہ یا اس سے جلدی نماز پڑھنا چاہئے تاکہ مکروہ سے بچے؟

الجواب: تاخیر عصر مستحب ہے لیکن اتنی تأخیر کرنا کہ وقت مکروہ کا شبہ ہونے لگے درست نہیں ہے اور عام طور پر غروب سے ایک گھنٹہ قبل پڑھنا وقت مکروہ سے بہت پہلے ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔ وقت مکروہ اس کے بہت بعد شروع ہوتا ہے البتہ صورت مسئولہ میں ۵ بجے شروع کرنا اور تقریباً ۵ بجکر ۱۰ منٹ پر ختم کرنا کراہت کے قریب ہے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وتأخير عصر صيفًا وشتاءً توسعةً للنوافل مالم يتغير ذكاء بأن لاتحار العين فيها في الأصح. قوله في الأصح صححه في الهدايه وغيرها وفي الظهيريه: إن أمكنه إطالة النظر فقد تغيرت وعليه الفتوى وفيها: وينبغي أن لايؤخر تأخيرًا لايمكن المسبوق قضاء مافاته. وقيل حد التغير أن يبقى للغروب أقل من رمح وقيل أن يتغير الشعاع على الحيطان كما في الجوهرة، ابن عبد الرزاق. (الدر المختار مع الشامي: ۱/ ۳۶۷، سعید)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ويستحب تأخير العصر في كل زمان مالم تتغير الشمس والعبرة لتغير القرص لا لتغير الضوء فمتى صار القرص بحيث لاتحار فيه العين فقد تغير وإلا لا كذا في الكافي. وهو الصحيح كذا في الهداية. واللہ اعلم۔

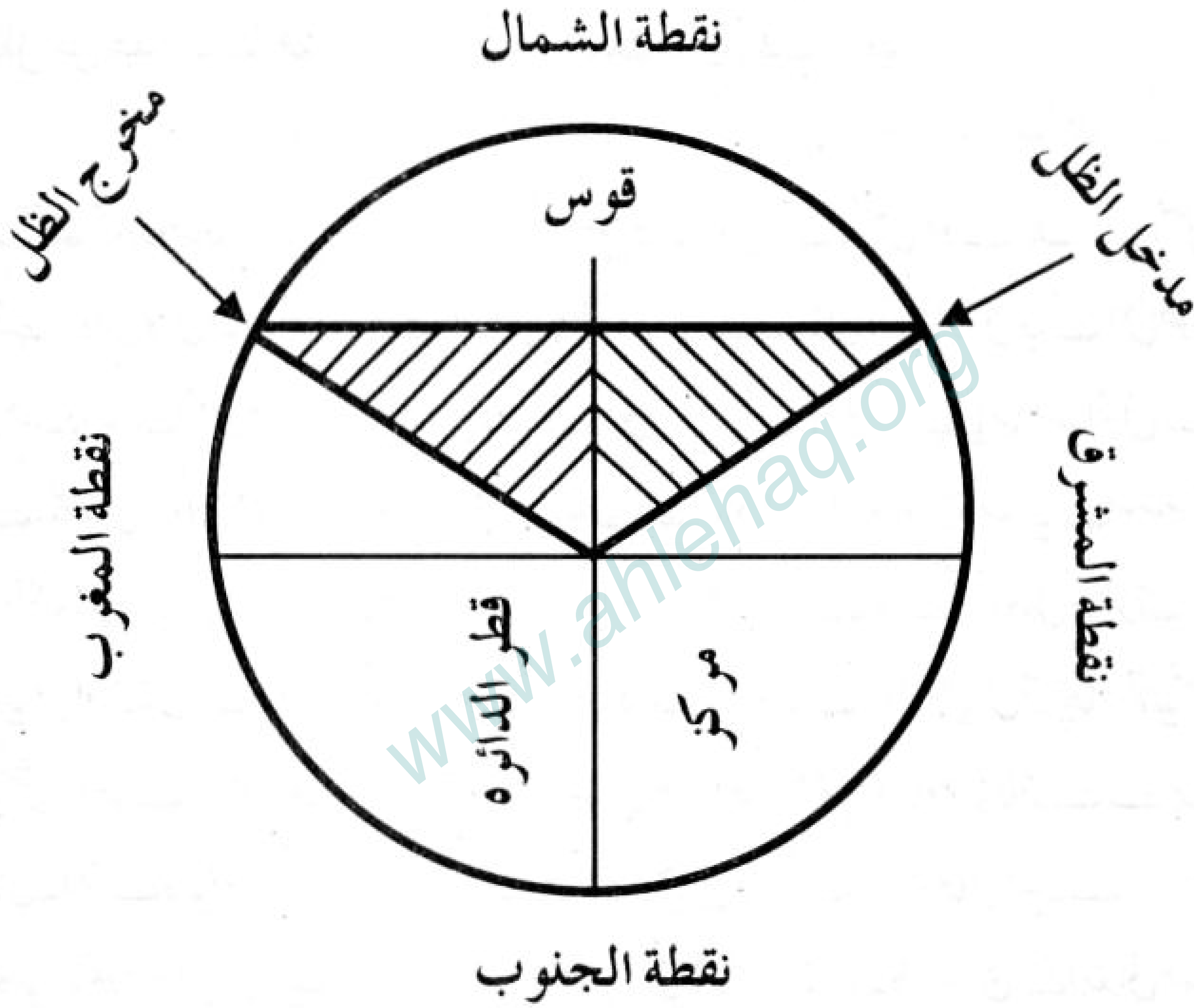
(الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۲۔ وكذا في شرح المنية: ص ۲۳۳، سهيل)

زوال اور فئی الزوال معلوم کرنے کے لئے دائرہ ہندیہ کا استعمال:

سوال: دائرہ ہندیہ کیا چیز ہے اور کیا کام آتا ہے؟

الجواب: دائرہ ہندیہ مندرجہ ذیل نقشہ میں ملاحظہ ہو:

نقشۂ دائرئہ هنديه



یہ دائرہ ہندیہ کا نقشہ ہے جو زوال اور فئی الزوال معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے استعمال کا طریقہ شرح وقایہ میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

وللظهر من زوالها إلى بلوغ ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال. لابد ههنا من معرفة وقت الزوال. وطريقه ان تسوى الأرض بحيث لايكون بعض جوانبها مرتفعًا وبعضها منخفضًا اما بصب الماء أو ببعض موازين المقنين وترسم عليها دائرة وتسمى الدائرة الهندية، وينصب في مركزها مقياس قائم بان يكون بعد رأسه عن ثلث نقط من محيط الدائرة متساويًا ولتكن قائمته بمقدار ربع قطر الدائرة فرأس ظله في أوائل النهار خارج

الدائرة لكن الظل ينقص إلى أن يدخل في الدائرة فتضع علامة على مدخل الظل من محيط الدائرة، ولاشك أن الظل ينقص إلى حد ما ثم يزيد إلى أن ينتهي إلى محيط الدائرة ثم يخرج منها، وذلك بعد نصف النهار فتضع علامة على مخرج الظل فتنصف القوس التي هي مابين مدخل الظل ومخرجه وترسم خطًا مستقيمًا من منتصف القوس إلى مركز الدائرة مخرجًا إلى الطرف الآخر من المحيط، فهذا الخط هو خط نصف النهار، فإذا كان ظل المقياس على هذا الخط فهو نصف النهار، والظل الذي في هذا الوقت هو فيء الزوال، فإذا زال الظل من هذا الخط فهو وقت الزوال، فذلك أول وقت الظهر.

(شرح الوقاية مع الحاشية: ١/١٢٨ ـ وحاشية المختصر القدوري: ٢٦: ق سعيد)

ترجمہ: اور وقتِ ظہر کی ابتداء زوال سے ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہونے تک سایۂ اصلی کو چھوڑ کر، یہاں وقتِ زوال کو بھی جاننا ضروری ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ زمین ہموار کردی جائے اس طور پر کہ زمین کا بعض حصہ دوسرے بعض حصہ سے اونچا نہ رہے یا پانی بہا کر ٹھیک کردی جائے یا سائنسدانوں کے اوزار کے ذریعہ سے، پھر اس ہموار زمین پر ایک دائرہ یعنی گول حلقہ بنالے، اور اس دائرہ کو دائرۂ ہندیہ سے موسوم کیا جاتا ہے، پھر مرکزِ دائرہ میں مقیاس (لکڑی یا تار) عموداً اس طور پر گاڑ دیں کہ اس کے سرے کی دوری ہر طرف سے برابر ہو (یعنی مقیاس اور زمین کے درمیان چاروں طرف زاویہ قائمہ پیدا ہوجائے۔ اگر مقیاس ترچھا ہو تو یہ عمل صحیح نہیں، پیمانۂ پیمائش یا دھاگے کے ذریعہ یہ معلوم کرلیں کہ مقیاس کا سر اشمالاً وجنوباً، شرقاً وغرباً دائرے سے برابر فاصلہ پر ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو یہ عموداً کھڑا ہے ورنہ ترچھا ہے) نیز مقیاس دائرے کے چوتھائی حصہ کے برابر ہو (یعنی اگر پورا دائرہ چار ہاتھ ہو تو مقیاس ایک ہاتھ کے بقدر ہو) پس اس مقیاس کے سایہ کا سرہ دن کے ابتدائی حصہ میں دائرۂ ہندیہ سے خارج ہوگا لیکن سایہ کم ہوتا چلا جائے گا یہاں تک کہ مقیاس کا سایہ مغرب کی جانب سے دائرہ میں داخل ہوجائے گا پس اس جگہ ایک علامت لگادی جائے۔ (یہ نصف النہار سے پہلے ہوگا) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سایہ برابر کم ہوگا ایک حد تک، پھر جانبِ مشرق میں بڑھنا شروع ہوگا یہاں تک کہ محیط دائرہ تک پہنچ کر دائرہ سے باہر نکل جائے گا، اور یہ نصف النہار کے بعد ہوگا، پس نکلنے کی جگہ پر بھی علامت لگادی جائے، پھر مدخل الظل اور مخرج الظل کے درمیان قوس کے دو حصے کردیئے جائیں اور نصفِ قوس سے ایک سیدھا خط کھینچا جائے، یہ خط مرکز سے گذرتا ہوا محیط دائرہ پر منتہی ہوگا پس یہ خط خط نصف النہار کہلاتا ہے اور جب مقیاس کا سایہ خط نصف النہار پر ہوگا وہ نصف النہار ہے، (یعنی استواء شمس) اور جو سایہ اس وقت ہوگا وہ سایۂ اصلی ہے، اور جیسے ہی سایہ اس خط

نصف النہار سے جانبِ مشرق میں رخ کرے گا وہ زوال کہلائے گا پس اسی سے وقتِ ظہر کی ابتداء ہوگی۔
(عملی طریقہ نقشہ میں ملاحظہ فرمائیں)

قواعد الفقہ میں ہے:

الدائرة الهندية لمعرفة فيء الزوال في كل بلدة صفتها في شرح الوقاية فليراجع. والله اعلم. (قواعد الفقه:ص ٢٨٧)

زوال کتنی دیر رہتا ہے کہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

سوال: زوال کتنی دیر رہتا ہے کہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

الجواب: استواء قارن سے زوال فارق تک تقریباً دس منٹ کی تخمین ہے، لہٰذا نقشوں میں دیئے ہوئے وقت زوال سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله واستواء) وفي القنية: واختلف في وقت الكراهة عند الزوال، فقيل من نصف النهار إلى الزوال لرواية أبي سعيد رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم "أنه نهى عن الصلاة نصف النهار حتى تزول الشمس" قال ركن الدين الصباغي: وما أحسن هذالأن النهي عن الصلاة فيه يعتمد تصورها فيه وعزا في القهستاني القول بأن المراد انتصاف النهار العرفي إلى أئمة ما وراء النهر وبأن المراد انتصاف النهار الشرعي وهو الضحوة الكبرىٰ إلى الزوال إلى أئمة خوارزم ...... وفي شرح النقاية للبرجندي: وقد وقع في عبارات الفقهاء أن الوقت المكروه هو عند انتصاف النهار إلى أن تزول الشمس ولايخفى أن زوال الشمس إنما هو عقيب انتصاف النهار بلافصل، وفي هذا القدر من الزمان لايمكن أداء الصلاة فيه، فلعل المراد أنه لاتجوز الصلاة بحيث يقع جزء منها في هذا الزمان....... (شامي:١/ ٣٧١،سعيد)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

کراہت نماز میں نصف النہار عرفی معتبر ہے۔ علامہ برجندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح نقایہ میں اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے کہ نصف النہار عرفی کا وقت ممتد نہیں اس لئے اس میں نماز متصور ہی نہیں ہوسکتی تو اس سے نہی صحیح نہیں، اس بنا پر بعض حضرات نے نصف النہار شرعی سے لیکر نصف النہار حقیقی تک پورے وقت کو نماز کے لئے مکروہ

قرار دیا ہے، جب کہ کسی ایک حدیث سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی بلکہ جمیع احادیث نصف النہار عرفی پر دلالت کرتی ہیں اشکال مذکور کے متعدد جواب ہو سکتے ہیں:

(۱) اگر چہ اس وقت میں پوری نماز متصور نہیں ہو سکتی مگر مقصد یہ ہے کہ نماز کا کوئی جزء بھی اس وقت میں واقع نہ ہو یہ جواب خود علامہ برجندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی دیا ہے۔ (رد المحتار ۱/ ۳٤٤)

(۲) مرکزِ شمس کے بجائے اس کے پورے جرم کا اعتبار ہے۔ کما في حديث عبد الله الصنابحي رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم إذا استوت قارنها فإذا زالت فارقها. (مؤطا مالك رحمہ اللہ تعالیٰ :ص ۲۰۱) دائرہ نصف النہار سے محیط شمس کا ایک کنارہ گذرنے سے لیکر دوسرا کنارہ گذرنے تک بروئے حساب دو منٹ آٹھ سیکنڈ صرف ہوتے ہیں، اتنے وقت میں نماز متصور ہو سکتی ہے۔

(۳) احکام شرعیہ کا مدار حسابات ریاضیہ پر نہیں بلکہ مشاہدہ پر ہے اور مشاہدہ میں استواء قارن سے زوال فارق تک تقریباً دس منٹ کی تخمین ہے، لہٰذا نقشوں میں دئے ہوئے وقت زوال سے پانچ منٹ قبل اور پانچ منٹ بعد نماز نہیں پڑھنا چاہئے۔ ویؤید ما نقله ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ عن الطحطاوي رحمہ اللہ تعالیٰ في تفسير قول شارح التنوير (ووقت الظهر من زواله أي ميل ذكاء عن كبد السماء) أي وسطها بحسب مايظهر لنا (رد المحتار: ۱/ ۳۳۲) تعلیل کراہت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، نماز کی طرح عبادت شمس بھی آنِ واحد میں تو متصور نہیں ہو سکتی، ظاہر ہے کہ عبدۃ الشمس استواء بحسب مشاہدہ ہی کو وقت عبادت قرار دیتے ہوں گے۔ فقط واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۲/ ۱۳۷)

مزید ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/ ۱۰۵، اوقاتِ نماز۔ فتاوی محمودیہ: ۵/ ۳۸۳، باب المواقیت)۔ واللہ اعلم۔

اوقاتِ ظہر وعصر میں فقہائے احناف کا اختلاف اور نماز ادا کرنے کا احوط طریقہ:

سوال: ظہر کے وقت کی انتہاء اور عصر کے وقت کی ابتداء میں فقہائے احناف کا کیا اختلاف ہے؟ اور ظہر اور عصر کی نماز ادا کرنے کا احوط طریقہ کیا ہے؟ نیز اگر کسی شخص نے عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھی کیا واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب: وقتِ ظہر کی انتہاء کے بارے میں امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مختلف روایات مروی ہیں، مشہور روایت کے مطابق مثلین تک ظہر کا وقت ہے اور مثلین کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نزدیک مثل اول ظہر کا وقت ہے اور مثل ثانی عصر کا وقت ہے، لیکن مسلک احناف میں

احوط طریقہ یہ ہے کہ ظہر مثل اول میں پڑھ لے، اور عصر مثل ثانی کے بعد پڑھے تاکہ اختلاف سے نکل جائے۔ ہاں اگر کسی شخص نے عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھی تو نماز صحیح ہے واجب الاعادہ نہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

(ووقت الظهر من زواله إلى بلوغ الظل مثليه) وعنه مثله وهو قولهم وزفر والأئمة الثلاثة قال الإمام الطحاوى رحمه الله تعالىٰ وبه نأخذ وفى غرر الأذكار وهو المأخوذ به وفى البرهان وهو الأظهر لبيان جبرئيل عليه الصلاة والسلام وهو نص فى الباب وفى الفيض وعليه عمل الناس اليوم وبه يفتى. وفى الشامى: (قوله إلى بلوغ الظل مثليه) هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهاية وهو الصحيح بدائع ومحيط وينابع وهو المختار غياثية واختاره الإمام المحبوبى وعول عليه النسفى وصدر الشريعة تصحيح قاسم واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون فقول الطحاوى رحمه الله تعالىٰ وبقولهما نأخذ لايدل على أنه المذهب، وما فى الفيض من أنه يفتى بقولهما فى العصر والعشاء مسلم فى العشاء فقط على مافيه وتمامه فى البحر. (وقوله وعنه) أى عن الإمام أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ وفى رواية عنه أيضاً أنه بالمثل يخرج وقت الظهر ولايدخل وقت العصر إلا بالمثلين ذكرهما الزيلعى وغيره وعليها فما بين المثل والمثلين وقت مهمل. (قوله وهو نص فى الباب) فيه أن الأدلة تكافأت ولم يظهر ضعف دليل الإمام بل أدلته قوية أيضًا كما يعلم من مراجعة المطولات وشرح المنية وقد قال فى البحر لايعدل عن القول الإمام إلى قولهما أوقول أحدهما إلا لضرورة من ضعف دليل أوتعامل بخلافه كالمزارعة وإن صرح المشايخ بأن الفتوىٰ على قولهما كما هنا. (قوله وعليه عمل الناس اليوم) أى فى كثير من البلاد والأحسن ما فى السراج عن شيخ الإسلام أن الاحتياط أن لايؤخر الظهر إلى المثل وأن لايصلى العصر حتى يبلغ المثلين ليكون مؤديًا للصلاتين فى وقتهما بالاجماع.

(الدر المختار مع الشامى: ٣٥٩/١، سعيد۔ وكذا فى الطحطاوى على الدر المختار: ١٧٣/١۔ وهكذا فى المبسوط للامام السرخسى رحمه الله تعالىٰ: ١٤٢/١۔ وفى شرح منية المصلى: ص٢٢٧ سهيل۔ والبحر الرائق: ٢٤٥/١۔ و فتح القدير: ٢١٩/١، دار الفكر۔ وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص١٧٦، قديمى۔ ومجمع الانهر فى شرح ملتقى الابحر: ٦٩/١۔٧٠۔ والفتاوى الهندية: ٥١/١)

فیض الباری میں ہے:

فتحصل أنه صلى الظهر تارة فى المثل وهو وقتها المختص وتارة فى المثل الثانى

وهو الوقت الصالح لها و كذلك صلى العصر تارة بعد المثل الأول وهو وقت صالح لها أيضًا وصلاها تارة بعد المثل الثانی قبل نهاية المثل الثالث وهو الوقت المختص بها مع إبقاء الفاصلة بين الصلا تين في اليومين، وهذا عين مذهبنا، فلله الحمد أولاً و آخرًا.

(فیض الباری: ۲/ ۹۹، کتاب مواقیت الصلاۃ)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

قولِ مختار اور مفتی بہ تو یہی ہے کہ وقتِ عصر مثلین سے شروع ہوتا ہے مگر دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مثل واحد کے بعد ہی شروع ہوجاتا ہے اور اس وقت پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ: ۵/ ۳۳۸، باب المواقیت، جامعہ فاروقیہ۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۳۶، باب المواقیت)۔

حرمین شریفین میں عصر کی نماز مثل ثانی میں پڑھنے کا حکم:

سوال: مسلکِ احناف کے مطابق عصر کی نماز مثلِ ثانی میں پڑھنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ مسئلہ حرمین شریفین میں بکثرت پیش آتا ہے۔

الجواب: مسلکِ احناف میں قولِ مختار یہی ہے کہ وقتِ عصر مثلین سے شروع ہوتا ہے۔ پس عام حالات میں مفتی بہ قول پر عمل کرنا چاہئے احتیاط اسی میں ہے۔ البتہ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ وقتِ عصر مثل اول کے بعد شروع ہوجاتا ہے لہٰذا کوئی معذور ہو یا مسافر ہو یا کسی شافعی المسلک امام کے پیچھے عصر کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوجائے تو مثل ثانی میں عصر کی نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔ خصوصاً حرمین شریفین میں تو جماعت کے ساتھ ہی نماز پڑھنا چاہئے مسجد اور جماعت کی فضیلت ترک نہیں کرنا چاہئے یہی افضل ہے۔

فیض الباری میں ہے:

فتحصل أنه صلى الظهر تارة في المثل وهو وقتها المختص وتارة في المثل الثانی وهو الوقت الصالح لها و كذلك صلى العصر تارة بعد المثل الأول وهو وقت صالح لها أيضًا وصلاها تارة بعد المثل الثانی قبل نهاية المثل الثالث وهو الوقت المختص بها مع إبقاء.

الفاصلة بين الصلا تين في اليومين، وهذا عين مذهبنا، فلله الحمد أولاً و آخرًا.

(فیض الباری: ۲/ ۹۹، کتاب مواقیت الصلاۃ)

فتح القدیر میں ہے:

اعلم أن الروايات عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى اختلفت في آخر وقت الظهر، روى محمد رحمه الله تعالى عنه إذا صار ظل كل شيء مثليه سوى فيء الزوال خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر وهو الذي عليه أبو حنيفة رحمه الله تعالى، وروى حسن بن زياد رحمه الله تعالى عنه إذا صار ظل كل شيء مثله سوى فيء الزوال خرج وقت الظهر ودخل وقت العصر وبه أخذ أبو يوسف رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى وزفر رحمه الله تعالى والشافعي رحمه الله تعالى.

(فتح القدير: ١/٢١٩، دار الفكر۔ وكذا في فتاوى اللكنوي: ص ١٩٤۔١٩٨، بيروت)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

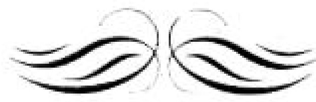
قالوا الاحتياط أن يصلي الظهر قبل صيرورة الظل مثله ويصلي العصر حين يصير مثليه ليكون الصلاتان في وقتهما بيقين. (الفتاوى الهندية: ١/٥١)

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

عصر کی نماز مثلین کے بعد پڑھنا افضل ہے اگر چہ اس میں جماعت فوت ہو جانے کا خدشہ ہو مگر یہ حکم دیگر عام مقامات کے لئے ہے، حرمین شریفین کی حرمت اور فضیلت کی وجہ سے جماعت میں شریک ہونا چاہئے اور مثلین تک تاخیر کرنا ضروری نہیں، بلکہ حرمین شریفین میں با جماعت نماز پڑھنا افضل ہے۔

(فتاوی حقانیہ: ٣/٤٢، باب المواقیت)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ٥/٣٤١، باب المواقیت۔ جامعہ فاروقیہ) واللہ اعلم۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"المؤذنون أطول الناس أعناقًا یوم القیامة"﴾

(رواہ مسلم)

باب......﴿۲﴾

اذان اور اقامت کا بیان

باب ﴿۲﴾

اذان اور اقامت کا بیان

اذان میں۔ لفظ ''اللہ'' کے مد کو دراز کرنے کی مقدار:

سوال: اذان میں لفظ ''اللہ'' کے مد کو کتنا دراز کرنا چاہئے؟

الجواب: فنِ تجوید کے اعتبار سے اذان کے ان کلمات کو جن پر مدِ اصلی ہے تعظیم واہتمام کی غرض سے ایک الف سے زائد کھینچنا درست ہے۔ حضراتِ قراء نے اسبابِ مد میں مدِ تعظیمی کو بھی شمار کیا ہے۔ حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''مفتاح الکمال'' میں تحریر فرمایا ہے: سببِ مد کی دو قسمیں ہیں: ایک لفظی، دوسری معنوی، معنوی بھی دو ہیں: (۱) نفی میں مبالغہ (۲) تعظیم یعنی شان کی بڑائی ظاہر کرنا، اور یہ لفظِ ''اللہ'' میں ہوتا ہے اس میں فقہاء نے سات الف کے برابر مد کرنا بھی درست بتایا ہے۔ (مفتاح الکمال: ٦٥، ٦٦)
اور ایک قول کے مطابق اس سے زائد بھی کھینچ سکتے ہیں۔

تبیین الحقائق میں ہے: **وإن كان المد في لام الله فحسن مالم يخرج عن حدها.**
(تبيين الحقائق: ١/ ١١٤)

فتاوی ہندیہ میں ہے: **ومد لام الله صواب.** (الفتاوى الهندية: ١/ ٧٣)

الاذکار میں ہے: **واعلم أن محل المد بعد اللام من الله ولايمد في غيره.** (الاذكار: ص ٤٢)

کشف القناع میں ہے:

ولاتضر زيادة المد على الألف بين اللام والهاء لأنها أي زيادة المد إشباع لأن اللام ممدودة فغايته أنه زاد في مد اللام ولم يأت بحرف زائد وحذفها أي حذف زيادة المد أولىٰ لأنه يكره تمطيطه أي التكبير. (كشف القناع: ١/ ٣٣٠)

کتاب الفروع میں ہے:

ولايضر لوخلل بين اللام والهاء لأنه إشباع وحذفها أولىٰ لأنه يكره تمطيطه والزيادة على التكبير قيل يجوز وقيل يكره. (كتاب الفروع: ١/ ٤٠٩)

فتاوی الرملی میں ہے:

وفي التهذيب ولو مد التكبير بين اللام والهاء في كلمة الله يجوز.

(فتاوى الرملي بهامش الفتاوى الكبرى: ص ١٣١)

وقد جاء في كتاب: تمكين المد للعلامة مكي بن أبي طالب ما هو أوسع من ذلك:
فصل: في أن مده لا يضر وأن تقديره بالألفات للتقريب على المبتدئين والتقدير عندنا للمد بالألفات إنما هو تقدير على المبتدئين وليس على الحقيقة لأن المد إنما هو فتح الفم بخروج النفس مع امتداد الصوت وذلك قدر لا يعلمه إلا الله ولا يدرى قدر الزمان الذى كان فيها المد للحرف ولا قدر النفس الذى يخرج مع امتداد الصوت في حيز المد إلا الله تعالىٰ فمن ادعىٰ قدر المد حقيقة فهو مدعى على الغيب ولا يدعى ذلك من له عقل وتمييز وقد وقع في كتب القراء التقدير بالألف والألفين والثلاثة على التقريب للمتعلمين ألا ترى أنهم حين أرادوا التحقيق للمد ذكروا أنه لا يحكيه إلا المشافهة وقسمه بعضهم على رتب وعلى أربع رتب وبعضهم على ثلاث رتب ولم يقل أحد من القراء والنحويين أن المد يحصر في قدر الألف وقدر الألفين وأنه لا يكون أكثر ولا أقل هذا لم يقله أحد ألا ترى أن أبا إسحاق الزجاج قال: لو مددت صوتك يوماً وليلة لم يكن الألف واحداً ألا ترى إلى قول سيبويه في حروف اللين هي حروف المد التي تمد بها الصوت وتلك الحروف الألف والياء والواو وقد ذكر أن الصوت يمد بها ولم يحد مقدار المد. (البلاغ کے ایک فتویٰ کا خلاصہ جو دار العلوم کراچی سے نکلتا ہے)

ماہنامہ المحمود میں مفتی عبد القیوم راجکوٹی صاحب معین مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کا ایک فتویٰ چھپا ہے اس میں مذکور ہے:

یہاں ایک نکتہ فراموش نہ ہو وہ یہ ہے کہ اذان میں رفع صوت مطلوب و مستحسن ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

مراقی الفلاح میں ہے:

ويستحب ترتيل الأذان ورفع الصوت. ويستحب أن يجعل إصبعيه في أذنيه لقوله ﷺ لبلال رضي الله تعالىٰ عنه اجعل إصبعيك في أذنيك فإنه أرفع لصوتك.

(مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي: ص ١٩٧، قديمي)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومن السنة أن يأتي بالأذان والأقامة جهرًا رافعًا بهما صوته. (الفتاوى الهنديه: ١/٥٥)

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس استحباب پر عمل کرنے کے لئے قصر (جس کی مقدار ایک الف ہے) مفید ومؤثر ہے یا طول (یعنی ایک الف سے زائد کھینچنا جس کی مقدار مذکور ہوئی) ظاہر بات ہے کہ قصر کرتے ہوئے رفعِ صوت والے استحباب پر عمل مشکل نہ سہی مگر تکلف سے خالی نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں مؤذن کی آواز کامل طور پر ابھی بلند نہ ہونے پائے گی کہ قصر کی مقدار (ایک الف) پوری ہو جائے گی، جب کہ طول کی صورت میں علی وجہ الاتم رفعِ صوت والے استحباب پر عمل ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ طولِ مذکور استحباب کے لئے مقدمہ ہے جس طرح واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے۔ ایسے ہی مستحب کا مقدمہ مستحب نہ سہی کم از کم جائز تو ضرور ہوگا۔ اس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ کلماتِ اذان کو کھینچا جاوے۔

بہر حال مسئلہ مختلف فیہ ہے حلت وحرمت کا مسئلہ نہیں اس لئے اس میں تشدد نہیں چاہئے۔ جو حضرات نہیں کھینچتے ان کی تغلیط نہ کی جاوے، اور جو حضرات حد میں رہ کر امتداد کرتے ہیں ان کی تردید کر کے روکا نہ جاوے۔

حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میرا حال یہ ہے کہ اگر کوئی نہیں کھینچتا تو اسے نہیں کہتا کہ کھینچو۔ (ملفوظات فقيه الامت: قسط:٦/٢٣)

حالانکہ حضرت فقیہ الامت کا رجحان امتداد کی طرف ہے۔

مختلف فیہ مسائل میں حدودِ شریعت کا پاس رکھتے ہوئے امرِ تسہیل ملحوظ رکھنا ہی احوط ہے۔

شرحِ عقود رسم المفتی میں ہے:

التاسع: ما إذا كان أحدهما أوفق لأهل الزمان فإن كان أوفق لعرفهم أو أسهل عليهم أولىٰ بالاعتماد عليه. (شرح عقود رسم المفتي: ص٨٩)

نوٹ: ایک الف کی مقدار ہے، بند انگلی کو کھولنے کے بقدر یا کھلی انگلی کو بند کرنے کے بقدر۔ واللہ اعلم۔

(ماهنامه المحمود: ص ٤٠-٤١)

اذان میں لفظِ "اللہ اکبر" کی راء کا اعراب:

سوال: اذان میں لفظِ "اللہ اکبر" کی راء پر فتحہ پڑھنا چاہئے یا ضمہ یا کسرہ یا ساکن ہونا چاہئے؟

الجواب: اذان میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے لہٰذا ثانی تکبیر کو ساکن پڑھیں گے اور اول کو ساکن پڑھنا بھی صحیح ہے اور اگر ملائے تو فتحہ پڑھنا چاہئے۔ ضمہ پڑھنا خلافِ سنت ہے، اگر کوئی اشکال کرے کہ ساکن کو کسرہ دینا چاہئے کیونکہ قاعدہ ہے: الساكن إذا حرك حرك بالكسر. تو جواب یہ ہے کہ اللہ اکبر کی راء کو کسرہ دینا سنت اور طریقہ معروفہ کے خلاف ہے۔ نیز کسرہ دینا اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت وکبریائی کے ساتھ مناسب بھی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويفتح راء أكبر والعوام يضمونها. وفي الشامية: فائدة: في روضة العلماء قال ابن الأنباري: عوام الناس يضمون الراء في أكبر، وكان المبرد يقول: الأذان سمع موقوفًا في مقاطيعه والأصل في أكبر تسكين الراء فحولت حركة ألف اسم الله إلى الراء كما في "الٓمٓ اللّٰه" وفي المغني: حركة الراء فتحة وإن وصل بنية الوقف، ثم قيل هي حركة الساكنين ولم يكسر حفظًا لتفخيم الله.

قلت: والحاصل أن التكبيرة الثانية في الأذان ساكنة الراء للوقف حقيقة ورفعها خطأ، وأما التكبيرة الأولى من كل تكبيرتين منه وجميع تكبيرات الأقامة، فقيل محركة الراء بالفتحة على نية الوقف، وقيل بالضمة إعرابًا، وقيل ساكنة بلاحركة على ما هو ظاهر كلام الإمداد والزيلعي والبدائع وجماعة من الشافعية ...... ثم رأيت لسيدى عبد الغني رسالة في هذه المسئلة سماها " تصديق من أخبر بفتح راء الله أكبر "أكثر فيها النقل وحاصلها أن السنة أن يسكن الراء من الله أكبر الأول أو يصلها بالله أكبر الثانية، فإن سكنها كفى، وإن وصلها نوى السكون فحرك الراء بالفتحة، فإن ضمها خالف السنة. لأن طلب الوقف على أكبر الأول صيره كالساكن أصالة فحرك بالفتح.

(الدر المختار مع الشامي: ۱/ ۳۸٦، مطلب في الكلام على حديث "الاذان جزم"، سعيد)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اذان اور اقامت میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے، اذان میں ہر دو تکبیروں میں سے پہلی تکبیر اور اقامت میں پہلی تین تکبیروں کی راء پر رفع پڑھنا خلافِ سنت ہے، اس کو ساکن پڑھنا چاہئے یا مفتوح کر کے دوسری تکبیر کے ساتھ ملایا جائے۔ (احسن الفتاوی: ۲/ ۲۹٦)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس طرح پڑھے "اللّٰہ اکبرْ اللّٰہ اکبرْ"، یعنی دونوں جگہ راء کو ساکن کردے اس پر کوئی حرکت نہ پڑھے۔ اگر پہلی راء پر حرکت پڑھنا ہے تو زبر پڑھے۔ پیش لگا کر پڑھنے کو رد المحتار میں خلافِ سنت لکھا ہے۔ دوسرے "اکبر" کی راء کو بہر حال ساکن پڑھے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیه: ۵/ ۴۰۹، کلمات اذان کابیان، جامعه فاروقیه)

کلماتِ اذان کے مابین وقفہ کی مقدار:

سوال: بعض جگہ اذان کے کلمات میں بہت وقفہ کرتے ہیں جس سے اذان ختم ہونے کا گمان ہوتا ہے حالانکہ ختم نہیں ہوتی شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کلماتِ اذان کے مابین وقفہ قلیلہ جس میں اچھی طرح اذان کا جواب دیا جا سکے سنت ہے اور اس سے زیادہ وقفہ کرنا کہ فاصلہ شمار کیا جائے اور اذان ختم ہونے کا گمان ہو جائے درست نہیں بلکہ خلافِ سنت ہے اور اذان کا اعادہ مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويترسل) أي يتمهل (قوله بسكتة) أي تسع الأجابة. (شامی: ۱/۳۸۷، سعید)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

سئل عمن يقف في خلال الأذان؟ قال: يعيد الأذان قال: هذا إذا كانت الوقفة كثيرة بحيث تعد فاصلة فأما إذا كانت يسيرة مثل التنحنح والسعال فانه لايعيد. (الفتاوی التاتارخانية: ۱/۵۲۳)

نفع المفتی والسائل میں ہے:

وفي القنية "مت" أي مجد الائمة الترجماني وقف في الأذان لتنحنح أو سعال لايعيد وإن كانت الوقفة كثيرة يعيد. (نفع المفتی والسائل: ص ۷۰، ادارۃ القرآن)

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان کے ہر کلمہ کے بعد اتنا توقف کرنا کہ اس میں جواب دیا جا سکے مسنون ہے۔ اس سنت کا ترک مکروہ ہے اور اس صورت میں اذان کا اعادہ مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی: ۲/۲۸۶ ۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/۶۴، باب الاذان والاقامة)

اذان میں "أشهد أن محمدًا رسول الله" پڑھ کر یا سن کر درود پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص اذان میں "أشهد أن محمدًا رسول الله" پڑھ کر یا سن کر درود پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بوقتِ اذان "أشهد أن محمدًا رسول الله" پڑھ کر یا سن کر درود پڑھنا ثابت نہیں بلکہ خلافِ سنت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جب تم اذان سنو تو وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے پھر اذان

کے بعد مجھ پر درود بھیجو اور پھر دعاء پڑھو۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ درود شریف اذان کے بعد پڑھنا ثابت ہے نہ کہ اذان کے درمیان۔ ہاں سامع جواب میں جب یہ کلمہ "أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه" دوہرائے تو ساتھ میں "صلی اللّٰه علیه وسلم" پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مسلم شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰه بن عمرو بن العاص ﷺ أنه سمع النبی ﷺ یقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فإنه من صلی علی واحدة صلی اللّٰه علیه بها عشرًا ثم سلوا اللّٰه لی الوسیلة فإنها منزلة فی الجنة لاتنبغی إلا لعبد من عباد اللّٰه وأرجو أن أکون أنا هو فمن سأل لی الوسیلة حلت علیه الشفاعة. (رواه مسلم: ۱/۱۶۶)

شامی میں ہے:

ویستحب أن یقال عند سماع الأولی من الشهادة: صلی اللّٰه علیك یارسول اللّٰه ...... وذکر ذلك الجراحی وأطال، ثم قال: ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شیء. (شامی: ۱/۳۹۸)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

اذان میں حضور ﷺ کے نام کے ساتھ درود شریف نہ منقول ہے نہ معمول بلکہ اس کے برعکس حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم بھی وہی کلمات کہو جو مؤذن کہتا ہے پھر اذان کے بعد پہلے درود شریف پڑھو پھر دعا۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاویٰ: ۲/۲۷۸)۔

اذان میں "حی علی خیر العمل" کہنے کا حکم:

سوال: اذان میں "حی علی خیر العمل" کہنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کتبِ حدیث میں اذان میں اس کا ذکر نہیں البتہ ابن عمر سے یہ الفاظ مروی ہیں مگر یہ روایت موقوف ہے نیز وہ تثویب یعنی اعلان پر محمول ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اہل سنت والجماعت کا اس پر عمل نہیں اور یہ روافض کا شعار اور علامت ہے اس لئے ان الفاظ سے اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا حاتم بن إسماعیل عن جعفر عن أبیه ومسلم بن أبی مریم أن علی بن حسین کان یؤذن فإذا بلغ حی علی الفلاح قال: حی علی خیر العمل ویقول هو الأذان الأول.

(رقم الحدیث: ۲۲۵۳)

حدثنا أبو خالد عن ابن عجلان عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان يقول فی أذانه: الصلاة خير من النوم وربما قال: حی علی خير العمل. (رقم الحديث: ٢٢٥٤).

حدثنا أبو أسامة قال: حدثنا عبيد الله عن نافع قال: كان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ربما زاد فی أذانه: حی علی خير العمل. (رقم الحديث: ٢٢٥٥)

اس کے تحت شیخ محمد عوامہ نے یہ لکھا ہے:

قول علی زين العابدين هو الأذان الأول يشعر بأن هذه الجملة "حی علی خير العمل" كانت علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فهی فی حكم المرفوع المرسل وأنها نسخت.

والذی فی كتب السنة مما يشهد لرفع هذه الجملة حديث واحد مرفوع: رواه الطبرانی فی الكبير: (١٠٧١) والبيهقی: (٤٢٥/١) ويستفاد من إسناد البيهقی أن أبا الشيخ رواه أيضا، كلهم من طريق يعقوب بن حميد بن كاسب عن عبد الرحمن بن سعد بن عمار عن عبد الله بن محمد بن عمّار، وعمّار وعمر ابنی حفص بن عمر بن سعد القرظ، عن آبائهم، عن أجدادهم، عن بلال أنه كان ينادی بالصبح فيقول: حی علی خير العمل، فأمره صلی اللہ علیہ وسلم أن يجعل مكانها، الصلاة خير من النوم وترك حی علی خير العمل.

وابن كاسب فيه كلام كثير وشيخه عبد الرحمن، وشيخه عبد الله: ضعيفان، وعمّار بن حفص، وأخوه عمر ليسا بشیء عند ابن معين، فالإسناد مسلسل بالضعفاء لهذا قال البيهقی: هذه اللفظة لم تثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فيما علّم بلالا وأبا محذورة، ونحن نكره الزيادة فيه، وهذا فيه إشارة إلی إعلال آخر للحديث السابق، وهو أنه مخالف للثابت المستفيض من أحاديث بلال وأبی محذورة رضی اللہ تعالیٰ عنہم، إذ لم يرد فی واحد منها ذكر لهذه الجملة، وأريد أنه لم يرد فی أحاديث ابن أم مكتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ أيضا ذكر هذه الزيادة، وأما الأثران التاليان عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: فواضح منهما أنه كان يقول هذه الجملة علی سبيل التثويب والحض علی القيام لصلاة الفجر بدلا من قوله: الصلاة خير من النوم علی أن فی رواية ابن عجلان عن نافع، اضطرابا عند يحيی القطان.

وفی الأثر الأخير عليه زيادة ملاحظة، فلفظه: ربما زاد فی أذانه ...... ولو كان عند ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عهد من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلك لما تركه، لما عهد عنه من التمسك بسنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فهو واضح أنها زيادة من عنده للتثويب، لاعلى أنها من ألفاظ الأذان الملتقى عن النبي ﷺ.

(المصنف لابن أبي شيبة: كتاب الأذان، من كان يقول في أذانه حي على خير العمل: ٢/٣٤٥، المجلس العلمي۔ و كذا في البيهقي: ١/٤٢٥، باب ما روى في حي على خير العمل۔ ومجمع الزوائد: ١/٣٣٠، باب كيف الأذان)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قوله (من علم) كمنكر الرؤية (أو عمل) كمن يؤذن بحي على خير العمل الخ.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ٣٠٣، كتاب الصلاة، باب في بيان الأحق بالإمامة)

فتاویٰ دار العلوم دیو بند میں ہے:

پنج گانہ نماز کی اذان میں بجائے ''حي على الفلاح'' کے ''حي على خير العمل'' کہنا جائز نہیں ہے، تمام احادیث صحیحہ میں ''حي على الصلاة، حي على الفلاح'' وارد ہے، ملک نازل من السماء کی اذان میں یہ ہی کلمات ہیں ''حي على خير العمل'' نہیں اور فرشتہ نازل من السماء ہی کی اذان اس بارہ میں اصل ہے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے ثابت وقائم رکھا اس پر صحابہ اور تمام امت کا عمل درآمد رہا ہے، خلافِ سنت متوارثہ اور خلاف اجماع کوئی امر اختیار کرنا سراسر گمراہی اور ضلالت ہے ''من شذ شذ في النار'' حدیث شریف میں وارد ہے، تمام ائمہ دین کا یہی مسلک اور طریقہ ہے، کسی کا اس میں خلاف نہیں، بجز روافض کے خذلهم الله تعالى فقط.

(فتاوی دار العلوم دیوبند: ٢/١١٨، الباب الثاني في الأذان)

علامہ کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقدمات کوثری میں ذکر کیا ہے:

ولفظ خير العمل في الأذان يوازن الجهر بالبسملة، فيجريان في مجرى واحد حيث صح فيهما الموقوف دون المرفوع الصريح في التحقيق، وقد روى محمد بن الحسن في المؤطا عن مالك، عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه اللفظ المذكور، كما يروى مثله الليث عن نافع، وأخرج ابن أبي شيبة والحاكم والبيهقي نحو ذلك عن عدة من الصحابة والتابعين، ولاسيما عن عليّ زين العابدين بن الحسين رضي الله تعالى عنهم، فالجمهور أخذوا بالمرفوع فيهما، ومن تمسك بالموقوف يعتبره في حكم المرفوع في المسألتين، وأما قول ابن تيمية رحمه الله تعالى في منهاجه بأن اللفظ المذكور بدعة الروافض وشعارهم، فمن مجازفاته، ويأبى الله أن يكون ابن عمر رضي الله تعالى عنه وعلي بن الحسين رحمه الله تعالى يبتدعانه، أو أن يوصما برفض، على أن الرفض كالنصب من أبغض الخلال إلى بيت النبوة. (مقدمات الامام الكوثري: ٤١٢، ثالثا في الفقه العام والأحكام

والاصول) (فلنا کون حی علی خیر العمل شعارًا للروافض لایخفی علی الأمة فقول الشیخ الکوثری رحمہ اللہ تعالیٰ ممالاتفھم). واللہ اعلم۔

بوقتِ اذان انگوٹھے چومنا:

سوال: بوقتِ اذان انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

الجواب: اذان کے وقت آنحضرت ﷺ کا نام مبارک سن کرانگوٹھے کے ناخن چومنا اورآنکھوں پر رکھنا اوراس فعل کوسنت سمجھنا اورحدیثِ نبوی سے ثابت تصور کرنا اور نہ چومنے والے کولعن طعن اورملامت کے قابل سمجھنا یہ سب غلط ہے اور دین میں تحریف ہے۔اتنی بات درست ہے کہ بعض علماء نے اس عمل کو جائز قرار دیا ہے مگر یہ بھی آنکھ کی بیماری کے عمل اورعلاج کے طور پر عبادت اورسنتِ مقصودہ اورآنحضرت ﷺ کی تعظیم اورعظمت کے لئے نہیں۔

ملاحظہ ہوعلامہ شامی فرماتے ہیں:

وفی کتاب الفردوس "من قبل ظفری أبھامه عند سماع "أشھد أن محمدًا رسول اللّٰه" ...... وذکر ذلك الجراحی وأطال، ثم قال: ولم یصح من المرفوع من کل ھذا شیء.

(شامی: ۱/ ۳۹۸،سعید)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

اذان کے وقت انگوٹھے چومنے کے متعلق جواحادیث اورروایات آئی ہیں وہ مسند الفردوس دیلمی کے حوالے سے موضوعاتِ کبیراورتذکرۃ الموضوعات اورالفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ وغیرہ میں منقول ہیں۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ روایات کے متعلق نقل فرماتے ہیں کہ "لایصح" (موضوعاتِ کبیر:ص ۷۵) یعنی روایات صحیح نہیں ہے۔

اورعلامہ محمد طاہر رحمہ اللہ تعالیٰ رقمطراز ہیں کہ "ولا یصح" (تذکرۃ الموضوعات ص ۳٤) یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

اورامام المحدثین علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: الأحادیث التی رویت فی تقبیل الأنامل وجعلھا علی العینین عند سماع اسمه ﷺ عن المؤذن فی کلمة الشھادة کلھا موضوعات. یعنی مؤذن سے کلمہ شہادت میں آپ ﷺ کا نام مبارک سن کرانگلیاں چومنےاورآنکھوں پر رکھنے کے متعلق جوحدیثیں نقل کی جاتی ہیں وہ سب موضوع یعنی غلط اور بناوٹی ہیں۔ (تیسیر المقال وغیرہ) موضوع حدیث پرعمل ناجائز ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/ ٦۰)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

اذان میں بوقتِ شہادتین انگوٹھا چومنا سنت سمجھ کر صحیح نہیں ہے۔ اور چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ سنت سمجھ کر کرتے ہیں اور تارک کو ملام اور مطعون کرتے ہیں اس لئے اب اس کو علماء محققین نے متروک کر دیا۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/ ۹۰،از مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

کفایت المفتی میں ہے:

اذان میں بوقتِ شہادتین انگوٹھا چوم کر آنکھوں پر لگانے کا کوئی ثبوت نہیں۔ واللہ اعلم۔

(کفایت المفتی:۳/ ۵۱)

بوقتِ اذان صرف علاج کے لئے انگلیوں کو آنکھوں پر رکھنا:

سوال: اگر کوئی شخص اذان کے وقت انگلیوں کو آنکھوں پر علاج اور تکلیف دور کرنے کے لئے رکھے اس کو سنت نہ سمجھے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: کفایت المفتی میں ہے:

تقبیلِ ابہامین کا کوئی پختہ ثبوت نہیں اس لئے اس کو موجب ثواب سمجھ کر کرنا بے ثبوت بات ہے۔ البتہ بعض لوگ اس کو بیماری چشم سے محفوظ رہنے کا عمل سمجھ کر کرتے ہیں تو اس صورت میں مثل دیگر عملیات وتعویذات کے یہ عمل بھی مباح ہوگا۔ مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تارک پر کوئی طعن یا ملامت نہ کی جائے جو اس عمل کو کرے، کرے جو نہ کرے نہ کرے۔

نیز دوسری جگہ مذکور ہے:

بعض بزرگوں نے اس فعل کو آنکھوں کی بیماری سے محفوظ رہنے کا ایک عمل قرار دیا ہے تو یہ شرعی بات نہ ہوئی اگر اس کو یہ سمجھ کر کرے کہ اس عمل کو کرنے سے آنکھیں نہیں دکھتیں تو اسے اختیار ہے۔ (کفایت المفتی:۳/ ۵۷)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ یہ آشوبِ چشم کا مجرب علاج ہے اس کو سنتِ ہدی سمجھ کر بطورِ عبادت کرنا بے اصل بلکہ بدعت ہے اس لئے ترک لازم ہے۔ ہاں اگر کوئی آشوبِ چشم کے علاج کی غرض سے اس طرح کرے جس سے دوسروں کو سنت وثواب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو درست ہے۔

(فتاوی محمودیہ:۳/ ۱۶۰،باب البدعات والرسوم، جامعہ فاروقیہ)

تقبیل ابہامین سے متعلق روایات کی تفصیل المقاصد الحسنہ میں ص:۳۸۴ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اذان کے بعد کی دعا میں "والدرجة الرفيعة" پڑھنے کا حکم:

سوال: اذان کے بعد کی دعا میں "والدرجة الرفيعة" عمل الیوم واللیلة لابن السنی کے ہندستانی نسخہ میں موجود ہے اور غیر ہندستانی نسخوں میں نہیں ہے تو کیا ان لفظوں کو پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: بعض نسخوں میں یہ اضافہ مرقوم ہے مثلاً ہندستانی نسخہ اور دیگر بعض میں نہیں ہے مثلاً آرام باغ کراچی سے ایک مصری عالم کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوا ہے، اسی طرح دکتور عبدالرحمٰن کوثر بن محمد عاشق الٰہی کی تحقیق کے ساتھ چھپا ہے اس میں بھی یہ اضافہ نہیں ہے۔ (ص:۷۷، دار الأرقم)

نیز شیخ عبدالرحمٰن اس کی ابتداء میں تحریر فرماتے ہیں:

وكانت عندي نسخة مخطوطة حصلت بمساعي سيدي الوالد من مكتبة المولوي خدا الواقعة في بيته (بهار) الهند، ونسختان طبعتا بدائرة المعارف العثمانيه في حيدرآبادالدكن (الهند)، ونسخة طبعت بدار المعرفة بيروت، ونسخة نشرت من مكتبة التراث الإسلامي بجوار إدارة الأزهر. (ص:۱۰)

حضرت نے کافی سارے نسخوں کو سامنے رکھ کر تحقیق فرمائی اس کے باوجود یہ زیادتی دستیاب نہیں ہوئی، لہٰذا جو ثابت ہے اس کو پڑھنا چاہئے اور جو ثابت نہیں ہے اس کو نہیں پڑھنا چاہئے، ہاں آخر میں "**إنك لاتخلف الميعاد**" بعض روایات میں ہے لہٰذا اس کا پڑھنا درست ہے۔

مواہب الجلیل شرح مختصر الخلیل میں ہے:

زاد بعضهم في الحديث المذكور بعد قوله والفضيلة والدرجة الرفيعة، قال الحافظ السخاوي في المقاصد الحسنة في الأحاديث المشتهرة على الألسنة: لم أره في شيء من الروايات، قال: وكان من زادها اغتربما وقع في بعض نسخ الشفاء في الحديث المشار إليه لكن مع زيادتها في هذه النسخة علم عليها كاتبها بما يشير إلى الشك فيها، ولم أرها في سائر نسخ الشفاء بل عقد لها في الشفاء فصلا في معان آخر ولم يذكر فيه حديثًا صريحًا وهو دليل لغلطها انتهى. قلت: يشير إلى قوله: فصلٌ في تفضيله في الجنة بالوسيلة والدرجة الرفيعة والكوثر والفضيلة انتهى. وقال الدميري من الشافعية في شرح المنهاج: وقع في الشرح والروضة والمحرر بعد "الفضيلة" زيادة والدرجة الرفيعة ولا وجود لها في كتب الحديث. (مواهب الجليل: ۲/۱۰٤)

ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

وأما زيادة والدرجة الرفيعة المشتهرة على الألسنة فقال السخاوى لم أره فى شىء من الروايات. (مرقاة المفاتيح: ۲/۱۶۳)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

قال ابن حجر فى شرح المنهاج: وزيادة "والدرجة الرفيعة" وختمه بـ"يا أرحم الراحمين" لاأصل لهما. (الشامى: ۱/۳۹۸، سعيد)

اعلاء السنن میں ہے:

وأما زياده يا أرحم الراحمين فلا وجود لها فى كتب الحديث، قلت: وكذلك زيادة وارزقنا شفاعته لم أرها فى حديث، وحكم مثل هذه الزيادة الغير الثابتة قد مر قريبا، وفى المقاصد الحسنة: (ص ۱۰): حديث الدرجة الرفيعة المدرج فيها يقال بعد الأذان لم أره فى شىء من الروايات. (اعلاء السنن: ۲/۱۲۸، ادارة القرآن كراچى)

بذل المجہود میں ہے:

وأما زيادة والدرجة الرفيعة المشتهرة على الألسنة فقال السخاوى: لم أره فى شىء من الروايت وزاد البيهقى فى روايته "إنك لاتخلف الميعاد" وأما زيادة يا أرحم الراحمين فلا وجود لها فى كتب الحديث. (بذل المجهود: ٤/٩٤)

شیخ البانی ارواء الغلیل میں لکھتے ہیں:

تنبيه: وقع عند البعض زيادات فى متن هذا الحديث فوجب التنبيه عليها ...... الرابعة عند ابن السنى والدرجة الرفيعه وهى مدرجة أيضا من بعض النساخ فقد علمت مما سبق أن الحديث عنده من طريق النسائى وليست عنده ولا عند غيره، وقد صرح الحافظ فى التلخيص: (ص ۷۸) ثم السخاوى فى المقاصد: (ص ۲۱۲) انها ليست فى شىء من طرق الحديث. (ارواء الغليل: ۱/۲٦۱، المكتب الاسلامى بيروت)

کفایت المفتی میں ہے:

والدرجة الرفيعه اور وارزقنا شفاعته يوم القيامة کا ثبوت نہیں، ہاں آخر میں انك لاتخلف الميعاد بیہقی کی روایت میں آیا ہے کذا فی الشامی، پس غیر ثابت الفاظ کو نہیں پڑھنا چاہئے لیکن اگر کوئی شخص اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ الفاظ ثابت نہیں ہیں پڑھ لے تو مضائقہ بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔ (كفايت المفتى: ۳/٦۰)

اذان ختم ہونے کے بعد جواب دینے کا حکم:

سوال: اذان ختم ہوئی اور سامع نے ساتھ ساتھ جواب نہیں دیا تو بعد میں جواب دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اذان ختم ہونے کے بعد اگر زیادہ وقت نہیں گذرا تب بھی جواب دینا مستحب ہے۔ اگر زیادہ وقفہ ہوگیا تو جواب نہ دے۔

ملاحظہ ہو بحر میں ہے:

ولم أر حكم ما إذا فرغ المؤذن ولم يتابعه السامع هل يجيب بعد فراغه، وينبغي أنه إن طال الفصل لايجيب وإلايجيب. (البحر الرائق: ۱/ ۲٦۰، باب الاذان)

درمختار میں ہے:

ولو لم يجبه حتى فرغ لم أره، وينبغي تداركه إن قصر الفصل وفي الشامية: (قوله لم أره) البحث لصاحب البحر، وصرح به ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ في شرح المنهاج حيث قال: فلوسكت حتى فرغ كل الأذان ثم أجاب قبل فاصل طويل كفىٰ في أصل سنة الإجابة كما هو ظاهر. واللہ اعلم۔

(الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۳۹۸، سعید کمپنی۔ وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۱۰۹ قدیمی)

جنبی اور حائضہ کے لئے اذان کا جواب دینے کا حکم:

سوال: جنبی اور حائضہ اذان کا جواب دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: جنبی بالاتفاق اذان کا جواب دے سکتا ہے البتہ حائضہ کے بارے میں دوقول ہیں، لیکن اکثر فقہاء کے نزدیک حائضہ اذان کا جواب نہیں دے گی۔

درمختار میں ہے:

ويجيب وجوبًا، وقال الحلواني ندبًا، ...... ولوجنبًا لاحائضًا ونفساء ...... وفي الشامية: (قوله ولوجنبًا) لأن إجابة المؤذن ليست بأذان بحر عن الخلاصة. (قوله لاحائضًا ونفساء) لأنهما ليسا من أهل الإجابة بالفعل فكذا بالقول إمداد: أي بخلاف الجنب فإنه مخاطب بالصلاة ولأن حدثه أخف من الحيض والنفاس لإمكان إزالته سريعًا.

(الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۳۹٦)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

علماء کرام نے لکھا ہے کہ حائضہ اور نفاس والی خواتین کو اذان کا جواب دینا صحیح نہیں۔ (فتاوی حقانیہ:۳/۶۸)

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوی الهندية: ۱/ ۳۸، والفقه الاسلامي وأدلته: ۱/ ۵۵٤، ومراقي الفلاح: ص ۱۱۰) واللہ اعلم۔

حالتِ جنابت میں اذان دینے کا حکم:

سوال: حالتِ جنابت میں اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب: حالتِ جنابت میں اذان دینا مکروہ ہے اور اگر ایسی حالت میں اذان دی گئی تو قابلِ اعادہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويكره أذان جنب) لأنه يصير داعيًا إلى ما يجيب إليه، وإقامته أولىٰ بالكراهة، وصرح في الخانية بأنه تجب الطهارة فيه عن أغلظ الحدثين، وظاهر أن الكراهة تحريمية بحر. (قوله ويعاد أذان جنب) ندبًا وقيل وجوبًا وعلل الوجوب بأنه غير معتد به والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص، قال: وهو الأصح كما في التمرتاشي. (شامی: ۱/ ۳۹۳، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وكره أذان جنب وإقامته باتفاق الروايات والأشبه أن يعاد الأذان ولا تعاد الإقامة. واللہ اعلم.

(الفتاوی الهندية: ۱/ ۵٤)

حي على الصلاة اور حي على الفلاح کے وقت پورا جسم گھمانے کا حکم:

سوال: اذان میں حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے وقت پورا جسم گھمائے یا صرف سر گھمانا کافی ہے؟

الجواب: صرف سر ہی کو گھمائے سینہ اور قدم کو نہ گھمائے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ويلتفت) أي يحول وجهه لا صدره قهستاني ولا قدميه نهر. (شامی: ۱/ ۳۸۷، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا انتهى إلى الصلاة والفلاح حول وجهه يمينًا وشمالاً وقدماه مكانهما. واللہ اعلم.

(الفتاوی الهندية: ۱/ ۵٦)

مساجد میں سیٹلائٹ کے ذریعہ ٹیلیکاسٹ کرنے کا حکم:

سوال: آج کل بعض ممالک میں صرف ایک ہی مسجد میں اذان دی جاتی ہے اور بقیہ مساجد میں اسی اذان کو سیٹلائٹ (satellite) کے ذریعہ ٹیلیکاسٹ (telecast) کیا جاتا ہے۔ کیا یہ اذان دیگر مسجد کے لئے کافی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اذان صرف اعلان کا نام نہیں بلکہ اذان کے لئے شرائط وآداب ہیں استقبالِ قبلہ، کانوں میں انگلیاں ڈالنا وغیرہ یہ چیزیں سیٹلائٹ والی اذان میں نہیں پائی جاتیں۔ اگر اذان کا مقصد صرف اعلان واطلاع ہوتی تو پھر منفرد اور سفر میں جب ساتھی جمع ہوں اذان نہیں کہنی چاہئے تھی۔ لیکن اذان تو مخصوص کلمات کے کہنے اور کسی مسلمان مؤذن کی زبان سے ادا ہونے کا نام ہے۔ جیسے پلاسٹک لڑکی بیوی کے قائم مقام نہیں ہوسکتی اسی طرح اسٹیل کے آلہ کی اذان اصل مؤذن کی اذان کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔

البحر الرائق میں ہے:

سن الأذان لصلوات الخمس والجمعة سنة مؤكدة قوية قريبة من الواجب حتى أطلق بعضهم عليه الوجوب ولهذا قال محمد ﷫: واجتمع أهل بلد على تركه قاتلناهم عليه وعند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ يحبسون ويضربون وهويدل على تأكده لاعلى وجوبه ...... واختارفي فتح القديروجوبه لأن عدم الترك مرة دليل الوجوب ولايظهر كونه على الكفاية وإلا لمريأثم أهل بلدة بالإجماع على تركه إذا قام به غيرهم ولمريضربوا ولمريحبسوا ...... والظاهر كونه على الكفاية بمعنى أنه إذا فعل في بلد سقطت المقاتلة عن أهلها لابمعنى أنه إذا أذن واحد في بلد سقط عن سائر الناس من غير أهل تلك البلدة إذالمريحصل اظهاراعلام الدين.

(البحر الرائق: ۱/ ۲۵۵)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ويكره أداء المكتوبة بالجماعة في المسجد بغير أذان وإقامة كذا في فتاوى قاضيخان ولايكره تركهما لمن يصلي في المصرإذا وجد في المحلة......وإذا لمريؤذن في تلك المحلة يكره له تركهما. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵٤)

اللجنۃ الدائمۃ میں ہے:

سوال: هل من الواجب الأذان في جميع المساجد بمكبرات الصوت في حيّ واحد مع

العلم أن أذان مسجد واحد يسمعه جميع المسلمين؟ وهل يكفي الأذان في مسجد واحد من مساجد الحيّ؟

الجواب: الأذان فرض كفاية فإذا أذن مؤذن في الحيّ وأسمع سكانه أجزأهم، ويشرع لأهل كل مسجد أن يؤذنوا لعموم الأدلة. (اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء:٦/٧٣)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: دو مسجدیں قریب قریب ہیں ایک کی اذان دوسری تک سنائی دیتی ہے تو کیا ایک ہی مسجد میں پڑھنا کافی ہے یا نہیں؟ اگر کافی نہیں تو دوسری مسجد والے کہ جس میں اذان نہیں ہوتی تھی گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: دونوں مسجدوں میں علیحدہ علیحدہ اذان مسنون ہے، صرف ایک پر اکتفاء کرنا خلافِ سنت ہے، جولوگ ایسا کریں گے وہ تارکِ سنت ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ:٥/٣٩٩،باب الاذان،جامعہ فاروقیہ)

مسجد میں اذان دینے کا حکم:

سوال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے اس لئے کہ فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وينبغي أن يؤذن على المأذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية:١/٥٥ـوفي فتاوى قاضي خان على هامش الهندية:١/٧٨)

آج کل مساجد میں لاؤڈ سپیکر (loud speaker) میں اذان دی جاتی ہے تو کیا مسجد میں محراب کے پاس یا کسی اور جگہ اذان دینا مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد میں لاؤڈ اسپیکر (loud speaker) پر اذان دینا درست ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں اور جن فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اس کی علت فقط باہر آواز کا نہ پہونچنا ہے اور جب آواز ہر جگہ لاؤڈ اسپیکر سے پہنچ جاتی ہے تو یہ علت نہ پائی گئی، نفسِ مسجد سے کراہت کا کوئی تعلق نہیں۔

مفتی اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کی بہت اچھی تحقیق کی ہے، مفتی صاحب کے کلام کی روشنی میں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

اذان کے معنی لغت میں اعلام کے ہے اور اصطلاحِ شرع میں اعلامِ مخصوص کو اذان کہتے ہیں۔

درمختار میں ہے:

هو لغةً الإعلام، وشرعًا: الإعلام المخصوص. (الدر المختار: ۱/۳۸۳، سعید)

اذان کی مشروعیت کتب احادیث سے اس قدر ثابت ہے کہ نمازیوں کو اوقاتِ اذان کی اطلاع ہو جاوے اور مسجد میں حاضر ہو کر با جماعت نماز ادا کریں، وهذا ما أخرجه مسلم عن عبد الله بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال: كان المسلمون حين قدموا المدينة فيتحيّنون الصلوات وليس ينادى بها أحد فتكلّموا يوماً في ذلك، فقال بعضهم ...... إلى آخر الحديث. (مسلم شریف: ۱/۱٦٤)

وفي السنن الكبرى للبيهقي عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ذكروا أن يعلموا وقت الصلاة بشيء فيعرفونه فذكروا أن يضربوا ناقوسًا ...... الخ. (السنن الكبرى: ۱/۳۹۰، بيروت)

وفيه أيضًا عن بعض الأنصار اهتمّ النبي صلی اللہ علیہ وسلم للصلاة كيف يجمع الناس لها، فقيل له أنصب رأيةً ...... الخ. (السنن الكبرى: ۱/۳۹۰ـ وسنن أبي داؤد: ۱/۷۱)

اذان کے کلمات پر غور کرو تو صرف ذکر اللہ ہے یا ذکر اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے۔

ان کلمات کو مسجد سے کسی قسم کی منافات نہیں، اور خارجِ مسجد سے کوئی خاص مناسبت نہیں بلکہ بظاہر تو معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مساجد کی بناء نماز و ذکر اللہ کے لئے ہے۔

وذلك ما أخرجه مسلم عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ في قصة الأعرابي ...... ثم أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال له: إن هذه المساجد لاتصلح لشيء من هذا البول ولا القذر، إنما هي لذكر الله والصلاة وقراءة القرآن. (مسلم شریف: ۱/۱۳۸)

لیکن چونکہ اذان سے مقصود اعلام اور اطلاع عام ہے، اس لئے بلند جگہ اذان دینا اولیٰ ہوگا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بلند مقام پر اذان دینے کا اہتمام تھا، لیکن مسجد یا خارج مسجد کا کوئی التزام نہ تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد اور خارجِ مسجد دونوں جگہ اذان دینا ثابت ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وينبغي أن يؤذن على المأذنة أوخارج المسجد، ولايؤذن في المسجد كذا في فتاوى قاضي خان، والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه ويرفع صوته ولايجهد نفسه كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۵۵ـ وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۵۵ـ ورد المحتار: ۱/۳۸٤)

شامی میں ہے:

قلت: والظاهر أن هذا في مؤذن الحي، أما من أذن لنفسه أو لجماعة حاضرين فالظاهر أنه

لایسن له المکان العالی لعدم الحاجة تأمل. (شامی: ۱/ ۳۸۴، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ویکره الأذان قاعدًا وإن أذن لنفسه قاعدًا فلا بأس به. (الفتاوی الهندیة: ۱/ ٥٤)

(ان عبارات سے یہ بات واضح ہے کہ جہاں اعلام اور اطلاعِ عام مقصود نہ ہو وہاں بلند جگہ اذان دینا ضروری نہیں)۔

شامی میں ہے:

وقال ابن سعد بالسند إلی أم زید بن ثابت: کان بیتی أطول بیت حول المسجد، فکان بلال یؤذن فوقه من أول ما أذن إلی أن بنی رسول الله ﷺ مسجده، فکان یؤذن بعد علی ظهر المسجد، وقد رفع له شیء فوق ظهره. (شامی: ۱/ ۳۸۷، سعید)

والحدیث أخرجه ابن سعد فی الطبقات الکبری حیث قال: انا محمد بن عمر، ثنی محمد عن یحیی بن عبد الله بن عبد الرحمن بن سعد بن زرارة قال: أخبرنی من سمع النوار أم زید بن ثابت تقول: کان بیتی أطول بیت حول المسجد، فکان بلال یؤذن فوقه من أول ما أذن إلی أن بنی رسول الله ﷺ مسجده، فکان یؤذن بعد علی ظهر المسجد وقد رفع له شیء فوق ظهره.

(الطبقات الکبری لابن سعد: ۸/ ٤۲۰، من نساء بنی عدی بن النجار، النوار، دار صادر، بیروت)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجدِ نبوی کی تعمیر سے پہلے امِ زید کے مکان پر جو مسجد سے متصل تھا اذان ہوتی رہی، اور تعمیرِ مسجد کے بعد مسجد کی چھت پر ہونے لگی اور چھت پر اذان دینے کے لئے اسے کچھ بلند کر دیا گیا۔

اذان کی ابتداء عبد اللہ بن زید صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب سے ہوئی، چنانچہ اکثر کتب صحاح میں احادیث طویلہ اس مضمون کی موجود ہیں، مثلاً ابوداؤد میں ہے:

فجاء رجل من الأنصار فقال: یا رسول الله، إنی لما رجعت لما رأیت من اهتمامك، رأیت رجلًا کأن علیه ثوبین أخضرین فقام علی المسجد فأذن. (أبو داؤد: ۱/ ۷٤)

اس حدیث میں انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سبز پوش آدمی کو مسجد پر اذان دیتے ہوئے دیکھا۔

وفی سنن ابن ماجة بروایة عبد الله بن زید رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی ﷺ قال له: فاخرج مع بلال إلی المسجد فالقها علیه ولیناد بلال فانه أندی صوتًا منك قال: فخرجت مع بلال رضی الله تعالیٰ عنه إلی المسجد فجعلت ألقیها علیه وهو ینادی بها. (ابن ماجة: ٥١)

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسجد میں لے جا کر ان کو الفاظِ اذان بتلاؤ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

احادیثِ مذکورہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اذان مسجد اور مسجد کی چھت پر ہوئی، اور ظاہر ہے کہ مسجد کی چھت جملہ احکام میں مسجد ہے، بلکہ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ سب سے پہلی اذان حضور ﷺ ہی کے حکم سے مسجد میں ہوئی، الغرض چونکہ اطلاع عام کے لئے اس لئے بلند جگہ ہونا انسب ہے خواہ مسجد ہو یا خارجِ مسجد۔

میرے نزدیک تو حضرات فقہاء جو اذان کو مسجد میں مکروہ یا نامناسب فرماتے ہیں، اسکا یہی مطلب ہے کہ اذان میں اعلام تام ہونا چاہئے، مسجد میں اذان دینے سے اعلام کافی نہ ہوگا، لہٰذا مسجد میں کسی اونچی جگہ یا خارج مسجد ہونی چاہئے، چنانچہ ارشادِ فقہاء "یؤذن علی المسجد أو خارج المسجد"، علی سبیل الترديد ہے "أو" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ "میــــذنة" پر ہونے کی صورت میں خارج المسجد ہونے کی ضرورت نہیں، اور یہ بات بھی واضح ہوئی کہ "میــــذنة" جزو مسجد ہے، اس لئے اگر معتکف "میــــذنة" یا مسجد کی چھت پر چڑھ جاوے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند، عزیز الفتاوی: جلد اول: ۲۷۹ جلددوم ۱۸۰)

قولہ: "اعتکاف باطل نہ ہوگا" ذکرہ فی المبسوط: وصعود المعتکف علی المئذنة لایفسد اعتکافه. (المبسوط: ۴/ ۲۰۴)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو صعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلاخلاف. (بدائع: ۲/ ۱۱۵، سعید)

قولہ: "مئذنة مسجد کے حکم میں ہے" اس پر بہت سے جزئیات شاہد ہیں، مثلاً محیط میں مذکور ہے:

وإذا صلى في المئذنة مقتديًا بإمام في المسجد تجوز صلاته، وكذا لو صلى على سطح المسجد مقتديًا بإمام في المسجد تجوز صلاته. (المحیط: ۲/ ۱۲۰، دار احیاء التراث)

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۲/ ۲۹۴، ۲۹۵۔ واعلاء السنن: ۸/ ۸۶۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: مکمل و مدلل: ۲/ ۱۰۰۔ وبذل المجهود: ۶/ ۸۵) واللہ اعلم۔

اذان یا اقامت میں اگر کوئی کلمہ بھول جائے تو بعد میں یاد آنے پر اعادہ کا حکم:

سوال: اذان یا اقامت میں کوئی کلمہ بھول جائے اور بعد میں یاد آئے تو اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر فوراً یاد آگیا تو جو کلمہ چھوٹ گیا تھا وہیں سے اعادہ کرلے، البتہ استیناف افضل ہے۔ اور اگر کچھ دیر بعد یاد آیا تو شروع سے لوٹائے۔

درمختار میں ہے:

ولو قدم فيهما مؤخرًا أعاد ماقدم فقط. وفي الشامية: (قوله أعاد ما قدم فقط) كما لو قدم الفلاح على الصلاة يعيده فقط أي ولايستأنف الأذان من أوله.

(الدرالمختار مع الشامي: ۱/۳۸۹، سعيد)

وفي تقريرات الرافعي:

(قول الشارح أعاد ما قدم فقط) أي أجزأه ذلك لكن الاستئناف أفضل، حموي.

(تقريرات الرافعي على هامش الشامي: ۱/٤٦، سعيد)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ويرتب بين كلمات الأذان الإقامة كما شرع، وإذا قدم في أذانه وإقامته بعض الكلمات على بعض نحو أن يقول: "أشهد أن محمدًا رسول الله" قبل قوله: "أشهد أن لا إله إلا الله" فالأفضل في هنا أن ما سبق على أوانه لايعتد به حتى يعيده في أوانه وموضعه.

(الفتاوى الهندية: ۱/٥٦، الفصل الثاني في كلمات الاذان والاقامة۔ وكذا في بدائع الصنائع: ۱/۱٤۹، سعيد)

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

اگر کوئی کلمہ بھول جائے یا تقدیم وتاخیر کرے تو اختتام سے قبل اس کا ازالہ کر کے آگے ترتیب سے اذان کہنا شروع کرے، البتہ اگر غلطی کا احساس اذان کے بعد ہوا اور باتوں کی وجہ سے تدارک ممکن نہ ہو تو اعادہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی حقانیہ: ۳/٤۹)

وقت کا داخل ہونا معلوم ہو تو اذانِ فاسق کا حکم:

سوال: اگر وقت کا داخل ہونا معلوم ہے تو فاسق کی اذان مکروہ ہوگی یا بلا کراہت جائز ہوگی؟

الجواب: فاسق کو مستقل مؤذن بنانا مکروہ تحریمی ہے، یہ اذان کی اہمیت کم کرانے کے مترادف ہے، ہاں کبھی کبھی اذان دے اور وقت کا داخل ہونا معلوم ہو تو کوئی حرج نہیں۔

نورالایضاح میں ہے:

ويكره اقامة الفاسق واذانه. (نورالايضاح ص ٦٠)

درمختار میں ہے:

ويكره أذان جنب ...... وفاسق. وفي الشامي: (قوله ويعاد أذان جنب) زاد القهستاني:

والفاجر ...... وعلل الوجوب بأنه غير معتد به، والندب بأنه معتد به إلا أنه ناقص قال وهو الأصح كما في التمرتاشي ...... وينبغي أن لايصح أذان الفاسق بالنسبة إلى قبول خبره والاعتماد عليه أي لأنه لايقبل قوله في الأمور الدينية فلم يوجد الإعلام كماذكره الزيلعي وحاصله أنه يصح أذان الفاسق وإن لم يحصل به الإعلام: أي الاعتماد على قبول قوله على دخول الوقت ...... ثم الظاهر أن الإعادة إنما هي في المؤذن الراتب، أما لو حضر جماعة عالمون بدخول الوقت وأذن لهم فاسق أوصبي يعقل لايكره ولايعاد أصلاً لحصول المقصود تأمل. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۹۲، ۳۹۳، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ويكره أذان الفاسق ولايعاد هكذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵٤)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

فاسق کی اذان واقامت دیندار آدمی کی موجودگی میں مکروہ ہے، اوراس کواذان واقامت کا عہدہ دینا جائزنہیں ہے مکروہ تحریمی ہے۔ جوہرہ نیرہ میں ہے: ويكره ان يكون المؤذن فاسقاً. یعنی فاسق کومؤذن بنانا مکروہ ہے۔
(فتاوی رحیمیه: ۳/ ۱۵)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

ڈاڑھی منڈانے والے کا اذان دینا مکروہ ہے۔ (فتاوی محمودیه: ۵/ ٤۳۸، باب الاذان، جامعه فاروقیه)

احسن الفتاوی میں ہے:

فاسق کی أذان واقامت مکروہ تحریمی ہے، اس کی اذان کا اعادہ مستحب ہے اقامت نہ لوٹائی جائے۔ بحوالہ شامی۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۲/ ۲۸۷)

نومولود بچہ کے کان میں اذان دینے کا طریقہ:

سوال: اگرکوئی شخص نومولود بچہ کے کان میں اذان دے تواس کے لئے دائیں بائیں التفات کرنا مستحب ہے یانہیں؟

الجواب: نومولود بچہ کے کان میں اذان دیتے وقت بھی دائیں بائیں التفات کرنا مستحب ہے۔

درمختار میں ہے:

ويلتفت فيه يميناً ويساراً فقط ...... بصلاة وفلاح ولو وحده أولمولود لأنه سنة الأذان

مطلقًا. وفی الشامیة: وفی البحرعن السراج أنه من سنن الأذان ...... حتی قالوا: فی الذی یؤذن للمولود ینبغی أن یحول.

(الدرالمختار مع الشامی:۱/۳۸۳،سعید۔وھکذا فی مجمع الانہر:۱/۷۷۔وکذا فی الطحطاوی علی الدر:۱/۱۸۵۔ودررالاحکام:۱/۵۵۔والبحرالرائق:۱/۲۵۸۔والبنایة فی شرح الھدایة:۱/۵٤۱)

امدادالفتاویٰ میں ہے:

التفات یمین ویسار جیسا اذان میں مسنون ہے ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں۔ واللہ اعلم۔

(امداد الفتاوی:۱/۱۰۸۔واحسن الفتاوی:۲/۲۷۸)

فوت شدہ نمازوں کے لئے اذان واقامت کا حکم:

سوال: فوت شدہ نمازوں میں سے پہلی نماز کے لئے اذان واقامت کا کیا حکم ہے؟ اور بقیہ نمازوں کے لئے صرف اقامت کافی ہے یا نہیں؟ نیز یہ حکم جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کے لئے ہے یا منفرد کے لئے بھی؟

الجواب: پہلی نماز کے لئے اذان واقامت دونوں سنت ہیں، البتہ بقیہ نمازوں کے لئے اختیار ہے، اور یہ حکم جماعت کے ساتھ پڑھنے والوں کے حق میں اور منفرد کے حق میں یکساں ہے، لیکن اگر قضاء نماز مسجد میں ادا کرنا چاہے تو بغیر اذان واقامت کے ادا کرے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی عبیدة بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ إن المشرکین شغلوا رسول اللہ ﷺ عن أربع صلوات یوم الخندق،حتی ذھب من اللیل ماشاء فأمر بلالاً فأذن ثم أقام، ثم صلی الظھر، ثم أقام فصلی العصر، ثم أقام فصلی المغرب، ثم أقام فصلی العشاء. (رواہ الترمذی:۱/٤۳،باب ماجاء فی الرجل تفوته الصلوات بایتهن یبدأ)

البحرالرائق میں ہے:

ویؤذن للفائتة ویقیم لأن الأذان سنة للصلاة لاللوقت فإذا فاتته صلاة تقضی بأذان وإقامة لحدیث أبی داؤد وغیرہ أنه ﷺ أمر بلالاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالأذان والإقامة حین ناموا عن الصبح وصلوھا بعد ارتفاع الشمس. (البحرالرائق:۱/۱٦۳،کوئٹہ)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن فاتته صلوات أذن للأولی وأقام وکان مخیرفی الباقی إن شاء أذن وأقام وإن شاء

اقتصر على الإقامة كذا في الهداية وإن أذن وأقام لكل صلاة فحسن ليكون القضاء على سنن الأداء كذا في الكافي وهكذا في شرح المبسوط للسرخسي.

(الفتاوى الهندية ١/٥٥۔ وكذا في الشامي: ١/٣٩٠،سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

وذكر الشارح الضابط عندنا أن كل فرض أداء كان أوقضاء يؤذن له ويقام سواء أدى منفردًا أوبجماعة. (البحر الرائق: ١/٢٦٢،كوئٹه)

درمختار میں ہے:

ولافيما يقضى من الفوائت في مسجد فيما لأن فيه تشويشًا وتغليطًا. وفي الشامي: أي يظهر أن لو كان الأذان لجماعة،أماإذاكان منفردًا ويؤذن بقدرما يسمع نفسه فلا.

(الدرالمختار مع الشامي: ١/٣٩١،سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

وإذاكانوا قد صرحوا بأن الفائتة لاتقضى في المسجد لما فيه من إظهار التكاسل في إخراج الصلاة عن وقتها فالواجب الإخفاء فالأذان للفائتة في المسجد أولى بالمنع. والله اعلم.

(البحر الرائق: ١/٢٦٢،كوئٹه)

اذان کے وقت سلام کرنا اور اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینے کا حکم:

سوال: اذان کے وقت آپس میں سلام کرنا درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر کوئی سلام کرے تو جواب دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: بوقتِ اذان سامعین اذان کا جواب دیں گے، لہٰذا آپس میں کلام کرنا درست نہیں اور کوئی سلام کرے تو جواب دینا بھی ضروری نہیں۔

شامی میں ہے:

قال في المعراج :وفي التحفة وينبغي للسامع أن لايتكلم ولايشتغل بشيء في حالة الأذان والإقامة ولايرد السلام أيضًا لأن الكل يخل بالنظم، أقول: يظهرمن هذا أن قوله لايرد السلام ليس بواجب. (شامي: ١/٣٧١،سعيد۔وكذا في البحر الرائق: ١/٢٥٩،كوئٹه)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

سوال: سامعینِ اذان کوخواہ وہ اذان کا جواب دے رہے ہوں یا سکوت میں ہوں کسی آئندہ شخص کے سلام کا جواب دیناواجب ہے یانہیں اور کسی کوایسے موقع پرسلام کرنا چاہئے یانہیں؟

الجواب: ایسے وقت میں سلام نہ کرنا چاہئے۔اوراگرسلام کہاہوتو جواذان کا جواب دے رہاہےاس پرتو اس سلام کا جواب دیناواجب نہیں اور جوساکت ہے ظاہر یہ ہے کہ اس پربھی واجب نہیں۔لأن سماع الذکر کالذکر، کما فی الدرالمختار. واللہ اعلم. (امداد الفتاوی:١/١١٠)

اذان کاجواب دینے کے بعدوقت ہوتواس میں کلام کرنے کاحکم:

سوال: اگراتنی لمبی اذان دی جاتی ہوکہ جس میں جواب دینے کے بعد بہت وقت بچتاہوکیونکہ ایک کلمہ کے جواب میں تین سیکنڈخرچ ہوتے ہیں اورمؤذن کی ادائیگی ١٥/٢٠ سیکنڈ ہوتی ہےتو درمیان میں کوئی کلام کرسکتاہے یانہیں؟

الجواب: اصل چیزاذان کاجواب دیناہے۔اسی وجہ سےفقہاءنےاذان کےوقت سلام کرنےسےمنع کیا ہے کیونکہ اجابت میں خلل واقع ہوگا۔لیکن اگردرمیان میں اتناوقفہ ہےکہ جواب دینےکےبعدوقت بچ جاتاہےتو اس وقفہ میں ذکریاکوئی اورکلام کیاجاسکتاہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن النبی ﷺ قال:إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن. (رواه البخاری:١/٨٦)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

دنیاکی بات اثنائےسکوت مؤذن بھی درست ہے۔ (فتاوی رشیدیه: ص ٢٩٠)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

کلمات کے درمیان وقفہ میں یہ اموریعنی سلام وجوابِ سلام کرلیناجواب دینے کے منافی نہیں۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقه:٢/٤٢)

اذانِ فجرمیں"الصلاۃ خیرمن النوم" کےجواب میں"صدقت وبررت" کہنےکاحکم:

سوال: اذانِ فجرمیں"الصلاۃ خیرمن النوم" کےجواب میں"صدقت وبررت" کہناکسی روایت میں واردہےیانہیں؟نیزکہناچاہئےیانہیں؟

الجواب: اذانِ فجر میں "الصلاۃ خیر من النوم" کے جواب میں "صدقت وبررت" کہنا کسی روایت میں وارد نہیں ہے اور بعض فقہاء نے جس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، محدثین کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ البتہ علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعض سلف سے منقول ہیں، لہٰذا کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح شوافع اور حنابلہ کے نزدیک بھی کہنا مستحسن ہے۔ لیکن مالکیہ کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔

محدثین کے اقوال ملاحظہ ہو:

قال ابن الملقن رحمہ اللہ تعالیٰ فی تخریج أحادیث الرافعی: لم أقف علی أصله فی کتب الحدیث، وقال ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: لا أصل له. (الجد الحثیث فی بیان مالیس بحدیث: ۱/۱۲۳)

وقال القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: لا أصل له.

(کذا فی کشف الخفاء ومزیل الالباس عما اشتهر من الأحادیث علی ألسنة الناس: ۲/۲۱)

قال الألبانی فی إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل: ۱/۲۵۹: لا أصل لها.

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہو:

شامی میں ہے:

وفی: الصلاۃ خیر من النوم فیقول: صدقت وبررت، لورود خبر فیه، ورد بأنه غیر معروف وأجیب بأن من حفظ حجة علی من لم یحفظ. (الشامی: ۱/۳۹۷، سعید)

وفی تقریرات الرافعی: قال الرحمتی: ویأتی فی هذا ما تقدم فی الحیعلتین بل أولیٰ لأن حدیث قولوا مثل ما یقول یشمله ولم یرد حدیث آخر فی "صدقت وبررت" بل نقلوه عن بعض السلف رحمہ اللہ تعالیٰ، سندی. (تقریرات الرافعی: ۱/۴۷، سعید)

علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ امداد الفتاح میں فرماتے ہیں:

(وقال: صدقت وبررت) مروی ذلك عن بعض السلف کذا فی التجنیس والمزید.

(امداد الفتاح: ص ۲۲۱، بیروت)

مذہب شافعیہ:

قال النووی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح مسلم فی باب الأذان: إذا ثوب المؤذن فی صلاۃ الصبح فقال: الصلاۃ خیر من النوم قال سامعه: صدقت وبررت، هذا تفصیل مذهبنا.

مذہبِ حنابلہ:

کشاف القناع میں ہے:

ویقول المجیب عندالتثویب: أی قول المؤذن فی أذان الفجر: "الصلاة خیرمن النوم" صدقت وبررت. (کشاف القناع:۲/۱۷۹۔وکذافی فقه العبادات الحنبلی:۱/۱۴۶)

مذہبِ مالکیہ:

الشرح الکبیر میں ہے:

ولایحکی الصلاة خیرمن النوم ولایبدلها بقوله: صدقت وبررت. واللّٰہ اعلم.

(الشرح الکبیر: ۱/۱۹۷۔ کذافی حاشیة الدسوقی:۲/۲۲۶۔وحاشیة الصاوی:۱/۴۳۱)۔

اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا:

سوال: اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہئے یا بغیر ہاتھ اٹھائے؟

الجواب: جن دعاؤں کے لئے مخصوص الفاظ وارد ہوئے ہیں اور ان میں خصوصیت سے رفع یدین ثابت نہیں وہ دعائیں اذکار کے حکم میں ہیں ان کے لئے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے جیسے اذان کے بعد کی دعا اور کھانے پینے اور بیت الخلاء کی دعائیں۔

ملاحظہ ہو فیض الباری میں ہے:

(باب الدعاء عند النداء) والمسنون فی هذا الدعاء ألا ترفع الأیدی،لأنه لم یثبت عن النبی ﷺ رفعها والتشبث فیه بالعمومات بعد ما ورد فیه خصوص فعله ﷺ لغو، فإنه لم یرد فیه خصوص عادته ﷺ لنفعنا التمسك بها، وما إذا نقل إلینا خصوص الفعل فهو الأسوة الحسنة لمن کان یرجو اللّٰه والدار الآخرة. (فیض الباری:۲/۱۶۷،باب الدعاء عند النداء)

احسن الفتاوی میں ہے:

دعا کی دو قسمیں ہیں: (۱) بدونِ توظیف الفاظ مخصوصہ مطلق کوئی حاجت طلب کرنا (۲) الفاظِ مؤظفہ خواہ کسی خاص وقت سے متعلق ہوں یا مطلق ہوں، رفعِ یدین کی احادیث قسمِ اول سے متعلق ہیں قسمِ دوم سے متعلق نہیں، الا ماورد فیه النص، چنانچہ بعد وضو، مسجد میں دخول وخروج، گھر میں دخول وخروج، بیت الخلاء میں دخول وخروج وغیرہ ادعیہ ماثورہ میں کوئی بھی رفعِ یدین کا قائل نہیں۔ (احسن الفتاوی:۲/۲۹۸)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر رفع یدین ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند :۲/۱۱۰،ازمفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

اقامت کا جواب دینا سنت ہے یا نہیں اور اس کے الفاظ کیا ہیں؟

سوال: اقامت کا جواب دینا سنت ہے یا نہیں اور اس کے الفاظ کیا ہیں؟

الجواب: اقامت کا جواب دینا مستحب ہے۔ اور "قد قامت الصلاة" کے جواب میں "أقامها الله وأدامها" کہنا چاہئے اور اس سے زائد الفاظ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن أبي أمامة أو بعض أصحاب النبي ﷺ أن بلالاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ أخذ في الإقامة فلما أن قال: قد قامت الصلاة، قال النبي ﷺ أقامها الله وأدامها، وقال في سائر الإقامة كنحو حديث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ في الأذان. (رواه ابو داؤد: ۱/ ۷۸، باب مایقول اذا سمع الاقامة)

البحر الرائق میں ہے:

وفي فتح القدير أن إجابة الإقامة مستحبة وفي غيره أنه يقول إذا سمع قد قامت الصلاة: أقامها الله وأدامها. (البحر الرائق: ۱/ ۲۵۹، الماجدية كوئته)

درمختار میں ہے:

ويجيب الإقامة ندباً إجماعًا كالأذان ويقول عند قد قامت الصلاة: أقامها الله وأدامها. والله اعلم. (الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۴۰۰، سعید۔ وکذا فی الفتاوی الهندية: ۱/ ۵۷)

اقامت کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا:

سوال: اقامت کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: اقامت کے وقت حی علی الصلوٰۃ میں دائیں طرف اور حی علی الفلاح میں بائیں طرف منہ پھیرنا مستحب ہے۔

درمختار میں ہے:

ويلتفت فيه وكذا فيها مطلقًا يمينًا ويسارًا فقط وفي الشامي: (قوله وكذا فيها مطلقًا) أي في الأقامة سواء كان المحل متسعًا أو لا. (الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۳۸۷، سعید)

البحر الرائق میں ہے:

رواه الدارقطني عن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: أمرنا رسول الله ﷺ إذا أذنا أو أقمنا أن لانزيل

أقدامنا عن مواضعنا وأطلق في الالتفات ولم يقيده بالأذان وقدمنا عن القنية أنه يحول في الإقامة. (البحر الرائق: ۱/ ۲۵۸، الماجدية كوئتة)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

التفات یمین و یسار جیسا اذان میں مسنون ہے ویسا ہی اقامت میں اور ایسے ہی بچہ کے کان میں۔

(امداد الفتاوی: ۱/ ۱۰۸)

نیز ملاحظہ ہو: (کفایت المفتی: ۳/ ۴۶۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/ ۸۹، مدلل ومکمل) واللہ اعلم۔

تہجد کے لئے اذان دینے کا حکم:

سوال: حرمین شریفین میں تہجد کے لئے اذان دی جاتی ہے دیگر ممالک میں کیوں نہیں دی جاتی؟

الجواب: اذان صرف فرائض کے ساتھ خاص ہے، تہجد وغیرہ کے لئے اذان مشروع نہیں ہے۔ ہاں زمانہ نبوی میں کچھ مصالح کے پیش نظر تہجد کے لئے اذان دی جاتی تھی احادیث میں اس کا تذکرہ ملتا ہے مثلاً تہجد میں مشغول حضرات کچھ آرام کرلیں، اور آرام کرنے والے کچھ نوافل پڑھلیں، نیز روزہ رکھنے والے سحری کھالیں وغیرہ، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر عمل نہیں فرمایا، لہذا اب یہ اذان منسوخ ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن سالم عن أبيه أن النبي ﷺ قال: إن بلالاً رضي الله تعالى عنه يؤذن بليل فكلوا واشربوا حتى تسمع تأذين ابن أم مكتوم. (روه الترمذي: ۱/ ۵۰، باب ماجاء في الاذان بالليل)

بخاری شریف میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه عن النبي ﷺ قال: لايمنعن أحدكم أو أحدًا منكم أذان بلال من سحوره فإنه يؤذن أوينادي بليل ليرجع قائمكم ولينبه نائمكم.

(رواه البخاري: ۱/ ۸۷/ ۶۱۳، باب الاذان قبل الفجر)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن إبراهيم رحمه الله تعالى قال: شيعنا علقمة رحمه الله تعالى إلى مكة فخرج بليل فسمع مؤذنًا يؤذن بليل فقال: أما هذا فقد خالف سنة أصحاب رسول الله ﷺ لو كان نائمًا لكان خيرًا فإذاطلع الفجر أذن فأخبر علقمة رحمه الله تعالى أن التأذين قبل الفجر خلاف لسنة أصحاب رسول الله ﷺ. (شرح معاني الآثار: ۱/ ۱۰۶، باب التأذين للفجر)

البحر الرائق میں ہے:

(قوله ولايؤذن قبل وقت ويعاد فيه) أى فى الوقت إذا أذن قبله لأنه يراد للإعلام بالوقت فلايجوز قبله بلاخلاف فى غير الفجر وعبر بالكراهة فى فتح القدير والظاهر أنها تحريمية وأما فيه فجوزه أبويوسف رحمه الله تعالىٰ ومالك رحمه الله تعالىٰ والشافعى رحمه الله تعالىٰ لحديث الصحيحين أن بلالاً يؤذن ...... وعند أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ لايؤذن فى الفجر قبله لما رواه البيهقى أنه عليه الصلاة والسلام قال: يابلال لاتؤذن حتى يطلع الفجر قال فى الامام رجال إسناده ثقات. (البحر الرائق: ١/٢٦٢، الماجدية كوئتة)

درمختار میں ہے:

وهو سنة مؤكدة كالواجب فى لحوق الإثم للفرائض الخمس فى وقتها ولو قضاء لايسن لغيرها كعيد ...... وفى الشامية: (قوله كعيد) أى وتر وجنازة وكسوف واستسقاء وتراويح وسنن رواتب لأنها اتباع الفرائض. (الدرالمختار مع الشامى: ١/٣٨٥، سعيد)

بدائع الصنائع میں ہے:

لوأذن قبل دخول الوقت لايجزئه ويعيده إذا دخل الوقت فى الصلوات كلها فى قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ وقد قال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ أخيرًا لاباس بأن يؤذن للفجر فى النصف الأخير من الليل وهو قول الشافعى رحمه الله تعالىٰ واحتجا بما روى سالم بن عبدالله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنه عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه أن بلالاً رضى الله تعالىٰ عنه كان يؤذن بليل ...... ولأبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ ما روى شداد مولى عياض بن عامر أن النبى صلى الله عليه وسلم قال لبلال: لاتؤذن حتى يستبين لك الفجر هكذا ومد يده عرضًا ولأن الأذان شرع للإعلام بدخول الوقت والإعلام بالدخول قبل الدخول كذب وكذا هو من باب الخيانة فى الأمانة والمؤذن مؤتمن على لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم ولهذا لم يجز فى سائر الصلوات ولأن الأذان قبل الفجر يؤدى إلى الضرر بالناس لأن ذلك وقت نومهم خصوصًا من تهجد فى النصف الأول من الليل فربما يلتبس الأمر عليهم وذلك مكروه وروى أن الحسن البصرى رحمه الله تعالىٰ كان إذا سمع يؤذن قبل طلوع الفجر قال: علوج فراغ لايصلون إلا فى الوقت لوأدركهم عمر رضى الله تعالىٰ عنه لأدبهم وبلال رضى الله تعالىٰ عنه ماكان يؤذن بليل لصلاة الفجر بل لمعان آخر لما روى عن

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ أنه قال: لا یمنعنکم من السحور أذان بلال فإنه یؤذن بلیل لیوقظ نائمکم ویرد قائمکم ویتسحر صائمکم فعلیکم بأذان ابن أم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقد کانت الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرقتین فرقة یتهجدون فی النصف الأول من اللیل وفرقة فی النصف الأخیر وکان الفاصل أذان بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ، والدلیل علی أن أذان بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان لهذه المعانی لا لصلاة الفجر أن ابن أم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یعیده ثانیًا بعد طلوع الفجر.

(بدائع الصنائع: ۱/۱۵٤، سعید کمپنی)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: نماز تہجد کے لئے اذان مسنون ہے یا نہیں؟

الجواب: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح صادق سے کچھ قبل اذان دیا کرتے تھے تاکہ تہجد میں مشغول حضرات ذرا آرام کرلیں، اور سوئے ہوئے لوگ اُٹھ کر فجر کی تیاری کرلیں، مگر بعد میں یہ اذان منسوخ ہوگئی، اسی لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر عمل نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاویٰ: ۲/۲۹۱۔ وفتاویٰ حقانیہ: ۳/۵۳)

ذکر واذکار کے درمیان اذان ہونے لگے تو جواب دینے کا حکم:

سوال: ایک شخص ذکر کر رہا ہے اور اذان شروع ہوئی تو مخصوص تعداد پوری کرنے کے بعد اذان کا جواب دے یا ذکر چھوڑ کر جواب دینا بہتر ہے؟

الجواب: ذکر واذکار ہر وقت کرسکتا ہے اس کے لئے کوئی وقت مخصوص نہیں، اور اذان کا جواب زیادہ وقفہ کے بعد نہیں دے سکتا ہے لہٰذا فوت ہونے والی چیز کو مقدم کرے، نیز فقہاء نے تلاوتِ قرآن کو بھی قطع کر کے جواب دینا تحریر فرمایا ہے، اس وجہ سے پہلے جواب دینا افضل ہے بعد میں مخصوص تعداد پوری کرلے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویجیب وجوبًا وقال الحلوانی ندبًا والواجب الإجابة بالقدم من سمع الأذان ولو جنبًا ...... وفی الشامی: (فیقطع قراءة القرآن) الظاهر أن المراد المسارعة للإجابة وعدم القعود لأجل القراءة لاخلال القعود بسعی الواجب وإلا فلامانع من القراءة ماشیًا، إلا أن یراد یقطعها ندبًا للإجابة باللسان أیضًا. (الدرالمختار مع الشامی: ۱/۳۹٦، سعید)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولاینبغی أن یتکلم السامع فی خلال الأذان والإقامة ولایشتغل بقراءة القرآن ولا بشیء من الأعمال سوی الإجابة ولو کان فی القراءة ینبغی أن یقطع ویشتغل بالاستماع والإجابة کذا فی البدائع. (الفتاوی الهندیة: ۱/۵۷، اجابة المؤذن)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإذا سمع المسنون منه أمسك حتی عن التلاوة لیجیب المؤذن ولو فی المسجد وهو الأفضل ...... هذا مبنی علی ندب الإجابة باللسان، وقال فی الدر فلایرد سلامًا، ولایشتغل بشیء سوی الإجابة، والتفریع یندب الإمساك عن التلاوة. واللّٰہ اعلم.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۲۰۲، قدیمی کتب خانہ)

اقامت میں لفظ ’’اللہ اکبر‘‘ کی راء کا اعراب:

سوال: اقامت میں لفظ ’’اللہ اکبر‘‘ کی راء پر کیا اعراب ہونا چاہیے؟

الجواب: اقامت میں لفظِ ’’اللہ اکبر‘‘ کی راء ساکن ہوگی یا دوسرے کلمہ کے ساتھ ملا کر فتحہ دیں گے۔ البتہ ضمہ پڑھنا خلافِ سنت ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قلت: والحاصل أن التکبیرة الثانیة فی الأذان ساکنة الراء للوقف حقیقة ورفعها خطأ، وأما التکبیرة الأولی من کل تکبیرتین منه وجمیع تکبیرات الإقامة، فقیل محرکة الراء بالفتحة علی نیة الوقف، وقیل بالضمة إعرابًا، وقیل ساکنة بلاحرکة علی ما هو ظاهر کلام الإمداد والزیلعی والبدائع وجماعة من الشافعیة ...... ثم رأیت لسیدی عبد الغنی رسالة فی هذه المسئلة سماها " تصدیق من أخبر بفتح راء اللّٰه أکبر "أکثر فیها النقل وحاصلها أن السنة أن یسکن الراء من اللّٰه أکبر الأول أو یصلها باللّٰه أکبر الثانیة، فإن سکنها کفی، وإن وصلها نوی السکون فحرك الراء بالفتحة، فإن ضمها خالف السنة. لأن طلب الوقف علی أکبر الأول صیره کالساکن إصالة فحرك بالفتح. (الشامی: ۱/۳۸۶، مطلب فی الکلام علی حدیث "الاذان جزم")

احسن الفتاوی میں ہے:

اذان اور اقامت میں دو تکبیروں کو ایک کلمہ شمار کیا جاتا ہے، اذان میں ہر دو تکبیروں میں سے پہلی تکبیر اور اقامت میں پہلی تین تکبیروں کی راء پر رفع پڑھنا خلافِ سنت ہے، اس کو ساکن پڑھنا چاہیے یا مفتوح کر کے

دوسری تکبیر کے ساتھ ملایا جائے۔ (احسن الفتاوی:۲/۲۹۶)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ اس طرح پڑھے ''اللہ اکبرْ اللہ اکبرْ ''یعنی دونوں جگہ راء کو ساکن کردے اس پر کوئی حرکت نہ پڑھے۔ اگر پہلی راء پر حرکت پڑھنا ہے تو زبر پڑھے۔ اس طرح ''اللہ اکبرُ اللہ اکبرْ'' پیش لگا کر پڑھنے کو رد المحتار میں خلافِ سنت لکھا ہے۔ دوسرے ''اکبرْ'' کی راء کو بہر حال ساکن پڑھے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ:۵/۴۰۹، کلمات اذان کابیان،جامعہ فاروقیہ)

ایک شخص کا دو مسجدوں میں اذان دینا:

سوال: ایک شخص دو مسجدوں میں اذان دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا مکروہ ہے سلف سے مروی نہیں ہے، ہاں اگر پہلی مسجد میں نماز نہیں پڑھی تو کراہت کم ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ویکره له أن يؤذن في مسجدين لأنه إذا صلى في المسجد الأول يكون متنفلاً بالأذان في المسجد الثاني والتنفل بالأذان غير مشروع، ولأن الأذان للمكتوبة وهو في المسجد الثاني يصلي النافلة، فلاينبغي أن يدعو الناس إلى المكتوبة وهو لايساعدهم فيها.

(شامی:۱/۴۰۰۔وکذا فی بدائع الصنائع:۱/۱۵۱،سعید کمپنی)

طحطاوی میں ہے:

(قوله أن يؤذن في مسجدين) "الكراهة مقيدة بماإذا صلى في الأول كمافي البحر.

(حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار:۱/۱۸۹۔وکذا فی تقریرات الرافعی:۱/۴۷،سعید)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

ایک مؤذن دو مسجدوں میں اذان پڑھے یہ مکروہ ہے، لہٰذا دوسرے آدمی کا انتظام کیا جائے۔ **ويكره أن يؤذن في مسجدين لأنه يكون داعيًا إلى مالايفعل.** (شرح منیۃ المصلی:۱/۳۶۱۔ فتاوی رحیمیہ:۳/۱۵)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

ایک مؤذن کا دو مسجدوں میں اذان دینا اچھا نہیں ہے مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/۹۹)

نماز میں تاخیر کی وجہ سے اذان مؤخر کرنے کا حکم:

سوال: کیا اذان کا تعلق اول وقت سے ہے کہ جیسے ہی وقت ہو جائے اذان دینی چاہئے یا نماز سے ہے کہ اگر نماز میں تاخیر ہو تو اذان بھی تاخیر سے دے؟

الجواب: اذان کا تعلق نماز سے ہے نہ کہ وقت سے لہذا اگر نماز تاخیر سے پڑھی جارہی ہو تو اذان بھی تاخیر سے دی جائے گی اور اگر نماز عجلت سے ادا کی جارہی ہے تو اذان بھی عجلت سے دی جائیگی مگر وقت کے داخل ہونے کے بعد اذان دے وقت سے پہلے اذان ادا نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فأراد المؤذن أن يؤذن فقال: أبرد ثم أراد أن يؤذن فقال له: أبرد ثم أراد أن يؤذن فقال له: أبرد، وفی رواية للبخاری أيضا: أو قال: انتظر انتظر حتی ساوی الظل التلول فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إن شدة الحر من فيح جهنم.

(بخاری شریف: ۱/۸٦، فیصل)

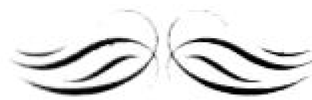
شامی میں ہے:

وحكم الأذان كالصلاة تعجيلاً وتأخيراً. (شامی: ۱/۳۸٤، سعید)

درمختار میں ہے:

وهو سنة للرجال فی مكان عال مؤكدة هی كالواجب فی لحوق الإثم للفرائض الخمس فی وقتها ولو قضاء لأنه سنة للصلاة حتی يبرد به لا للوقت. واللّٰه اعلم.

(الدرالمختار: ۱/۳۸٤۔و كذا فی حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۹٤، قديمی)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"صلوا کما رأیتمونی أصلی"﴾

(رواہ البخاری)

باب......﴿۳﴾

صفة الصلاة کا بیان

فصلِ اول

نماز کے شرائط، ارکان اور واجبات کے بیان میں نجاست پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر ناپاک جگہ پر کپڑا بچھا کر نماز پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر نجاست تر ہے اور کپڑا اتنا موٹا ہے کہ دوتہہ بنا سکتے ہیں نیز نجاست کی تری اوپر کی طرف ظاہر نہیں ہوتی تو نماز کراہت کے ساتھ درست ہے، ورنہ نہیں، اور اگر نجاست خشک ہے تو کپڑا ایسا ہونا چاہئے کہ نجاست نظر نہ آئے تو نماز درست ہے، ورنہ نہیں۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله فألقى عليها لبدًا) المراد أنه ألقى عليها ذا جرم غليظ يصلح للشق نصفين كحجر ولبن وخشب كما في البدائع والخانيه، ومنية المصلي، وقيد النجاسة بالرطبة لأنها إن كانت يابسة جازت على كل حال لأنها لاتلزق بالثوب الملقى عليها بعدكونه يصلح ساترًا. كذا في الخانية، وفي القهستاني: ينبغي أن تكون الصلاة أي على الملقى على النجاسة الرطبة تكره ككراهتها على نحو الاصطبل كما في الخانية.

(حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۲۰۸، قدیمی)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كانت النجاسة رطبة فألقى عليها ثوبًا وصلى إن كان ثوبًا يمكن أن يجعل من عرضه ثوبان كالنهالي يجوز عند محمد رحمه الله تعالى وإن كان لايمكن لايجوز وإن كانت يابسة جازت إذاكان يصلح ساترًا كذا في الخلاصة. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/۶۲۔ وكذا في البحر الرائق: ۱/۲۶۸، الماجدية كوئتة)

اگر مصلی پر ناپاک بچہ بیٹھ جائے تو نماز کا حکم:

سوال: ناپاک بچہ اگر کسی نمازی شخص پر بیٹھ گیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نماز ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

فلو جلس الصبی المتنجس الثوب والبدن فی حجر المصلی وهو يستمسك أو الحمام المتنجس على رأسه جازت صلاته لأنه الذی يستعمله فلم يكن حامل النجاسة.

(البحر الرائق: ۱/ ۲۲۸، باب الانجاس، کوئٹہ)

نیز دوسری جگہ مذکور ہے:

وفی الظهيرية: الصبی إذا كان ثوبه نجساً أو هو نجس فجلس على حجر المصلی وهو يستمسك أو الحمام النجس إذا وقع على رأس المصلی وهو يصلی كذلك جازت الصلاة ...... لأن الذی على المصلی مستعمل له فلم يصر المصلی حاملاً للنجاسة.

(البحر الرائق: ۱/ ۲٦۷، باب شروط الصلوٰۃ، کوئٹہ)

عالمگیری میں ہے:

إذا وضع فی حجر المصلی الصبی الغير المستمسك وعليه نجاسة مانعة إن لم يمكث قدر ما أمكنه أداء ركن لا تفسد صلاته وإن مكث تفسد بخلاف ما لو استمسك وإن طال مكثه وكذا الحمامة المتنجسة إذا جلست عليه هكذا فی الخلاصة وفتح القدير. واللّٰہ اعلم.

(الفتاوی الهندية: ۱/ ٦۳)

نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہو تو نماز کا حکم:

سوال: اگر نماز میں قدمین یا رکبتین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہے تو نماز ہوگی یا نہیں اور اگر اس پر کوئی باریک یا موٹا کپڑا بچھادیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر قدمین یا سجدہ کی جگہ ناپاک ہے تو نماز درست نہیں ہوگی اور اصح قول کے مطابق رکبتین کی جگہ نجاست ہے تو بھی نماز درست نہ ہوگی۔ پھر اگر نجاست تر ہے اور کپڑا اتنا موٹا ہے کہ دو تہہ بنا سکتے ہیں، نیز نجاست کی تری اوپر کی طرف ظاہر نہیں ہوتی تو نماز کراہت کے ساتھ درست ہے، ورنہ نہیں، اور اگر نجاست خشک ہے تو کپڑا ایسا ہونا چاہئے کہ نجاست نظر نہ آئے تو نماز درست ہے، ورنہ نہیں۔

مراقی الفلاح میں ہے:

أنه يشترط طهارة موضع القدمين فتبطل الصلاة بنجس مانع تحت أحدهما أو بجمعه فيهما تقديرًا فی الأصح ...... ومنها طهارة موضع اليدين والركبتين على الصحيح لافتراض

السجود على سبعة أعظم واختاره الفقيه أبو الليث وأنكر ما قيل من عدم افتراض طهارة موضعها ولأن رواية جواز الصلاة مع نجاسة موضع الكفين والركبتين شاذة، ومنها طهارة موضع الجبهة على الأصح من الروايتين عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وهو قولهما رحمهما الله تعالى ليتحقق السجود عليها. (مراقي الفلاح:ص ٨٠،باب شروط الصلاة واركانها،مكة المكرمة۔ وهكذا في الشامي: ١/ ٤٠٤،سعيد۔والفتاوى الهندية: ١/ ٦١)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كانت النجاسة رطبة فألقى عليها ثوبًا وصلى إن كان ثوبًا يمكن أن يجعل من عرضه ثوبان كالنهالي يجوز عند محمد رحمه الله تعالى وإن كان لا يمكن لا يجوز وإن كانت يابسة جازت إذا كان يصلح ساترًا كذا في الخلاصة. والله أعلم. (الفتاوى الهندية: ١/ ٦٢،كذا في البحر الرائق: ١/ ٢٦٨،كوئتة۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص ٢٠٨،قديمي)

گریبان میں سے ستر دیکھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے گریبان میں سے اپنے ستر کو دیکھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ہیں بعض فقہاء کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی اور بعض کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی لیکن مکروہ تحریمی ہوگی، تاہم احتیاط پر عمل کرتے ہوئے نماز کے فاسد ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ثم لم يذكر في ظاهر الرواية أن القميص الواحد إذا كان محلول الجيب والزرهل تجوز الصلاة فيه ذكر ابن شجاع: فيمن صلى محلول الأزرار وليس عليه أزار أنه إن كان بحيث لو نظر رأى عورة نفسه من زيقه لم تجز صلاته وإن كان بحيث لو نظر لم ير عورته جازت وروى عن محمد رحمه الله تعالى في غير رواية الأصول إن كان بحال لو نظر إليه غيره يقع نظره عليه من غير تكلف فسدت صلاته وإن كان بحال لو نظر إليه غيره لا يقع بصره على عورته إلا بتكلف فصلاته تامة فكأنه شرط ستر العورة في حق غيره لا في حق نفسه وعن داؤد الطائي أنه قال: إن كان الرجل خفيف اللحية لم يجز لأنه يقع بصره على عورته إذا نظر من غير تكلف فيكون مكشوف العورة في حق نفسه وستر العورة عن نفسه وعن غيره شرط الجواز وإن كان

كث اللحية جاز لأنه لايقع بصره على عورته إلابتكلف فلايكون مكشوف العورة.

(بدائع الصنائع: ۱/ ۲۱۹، سعید)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله ولايضر نظرها من جيبه) لأنه يحل له مسها والنظر إليها ولكنه خلاف الأدب كمافى النهر واختار البرهان الحلبى أن تلك الصلاة مكروهة وإن لم تفسد ومقابل الصحيح ما عن بعض المشايخ من اشتراط ستر عورته عن نفسه وفرع عليه أنها لو كانت لحيته كثيفة وستربها زيقه صحت وإلا فلا. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار: ۱/ ۱٤۱ ـ وكذا فى الشامى: ۱/ ٤۱۰، سعيد ـ وكذافى الجوهرة النيرة: ۱/ ٥٤ ـ وكذا فى درر الحكام فى شرح غرر الاحكام: ۱/ ٥۹ ـ وكذا فى تبيين الحقائق: ۱/ ۹٥)

فتح باب العنایہ میں ہے:

وفى الخلاصة: لوصلى فى قميص واحد محلول الجيب: إن كان بحال يقع بصره على عورته لاتجوز صلاته وكذا لو كان بحال يقع بصر غيره عليه من غير تكلف، كذا ذكره هشام عن محمد رحمه الله تعالى، وعن أبى حنيفة رحمه الله تعالى وأبى يوسف رحمه الله تعالى: ان عورة الشخص ليست بعورة فى حقه. قلت: وهذا ضعيف جدًا للإجماع على بطلان من صلى صلاة فى بيت وحده أوفى ظلمة من غير ستر عورة إذا لم يكن من عذر. والله اعلم.

(فتح باب العناية: ۱/ ۲۰٥)

ستر کھل جانے سے نماز کا حکم:

سوال: نماز میں ستر کا کتنا حصہ کھلنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

الجواب: ستر کھلنے کا علم ہونے کے باوجود غفلت کی وجہ سے ستر کا اہتمام نہیں کیا اور ربع عضو کھل گیا تو نماز نہیں ہوگی خواہ تھوڑی دیر ہی کے لئے ہو، اور اگر غیر اختیاری طور پر کھل گیا تو اگر ایک رکن کی ادائیگی یعنی تین مرتبہ "سبحان ربی الأعلی" کے بقدر ربع عضو کھلا رہا تو نماز نہیں ہوگی، اس سے کم مقدار یا کم وقت کھلا رہا تو نماز ہو جائے گی، تو عضو کا ربع حصہ معتبر ہے۔ اور ایک عضو متعدد جگہ سے کھلا ہو اور سب کا مجموعہ بقدر ربع ہے تو مفسد ہے اور اگر متعدد اعضاء کھل جائے تو سب کا مجموعہ ان اعضاء میں سے چھوٹے عضو کے بقدر ربع ہو تو مفسد ہے۔

درمختار میں ہے:

(ويمنع) حتى انعقادها (كشف ربع عضو) قدر أداء ركن بلا صنعه (من عورة غليظة

أو خفيفة) على المعتمد ...... وتجمع بالأجزاء لوفي عضو واحد وإلافبالقدرفإن بلغ ربع أدناها كأذن منع. وفي الشامي: (قوله ويمنع) ...... أي صحة الصلاة حتى انعقادها والحاصل أنه يمنع الصلاة في الابتداء ويرفعها في البقاء. (قوله قدر أداء ركن) أي بسنته منية، قال شارحها: وذلك قدر ثلاث تسبيحات ...... واعتبر محمد رحمه الله تعالى أداء ركن حقيقة والأول المختار للاحتياط كما في شرح المنية واحترز عما إذا انكشف ربع عضو أقل من قدر أداء ركن فلا يفسد اتفاقاً لأن الانكشاف الكثير من الزمان القليل عفو كالانكشاف القليل في الزمن الكثير وعما إذا أدى مع الانكشاف ركناً فإنها تفسد اتفاقًا......

(الدر المختار مع الشامي: ۱/ ٤٠٨ سعيد۔ وكذا في بدائع الصنائع: ۱/ ۱۱۷ سعيد)

تبیین الحقائق میں ہے:

وإن انكشفت العورة من مواضع متفرقة تجمع لأن محمدًا رحمه الله تعالى ذكر في الزيادات: امرأة صلت وانكشف شيء من شعرها وشيء من ظهرها وشيء من فرجها وشيء من فخذها ولو جمع بلغ ربع أدنى عضو منها منع جواز الصلاة ...... قال الراجي عفو ربه ينبغي أن يعتبر بالأجزاء لأن الاعتبار بالأدنى يؤدي إلى أن القليل يمنع وإن لم يبلغ ربع المنكشف ...... والله اعلم.

(تبيين الحقائق: ۱/ ۹۷۔ وكذا في البحر الرائق: ۱/ ۲۷۱، كوئٹة)

مسجد کے قبلہ کا رخ ۱۰ درجہ ہٹا ہوا ہے تو اس میں نماز کا حکم:

سوال: ایک مسجد کے قبلہ کا رخ ۱۰ درجہ ہٹا ہوا ہے تو اس میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر مسجد مکہ مکرمہ سے باہر ہو تو اس میں نماز درست ہے، کیونکہ پینتالیس درجہ تک گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولو أنه انتقل إلى جهة يمينه أو شماله بفراسخ كثيرة وفرضنا خطاً ماراً على الكعبة من المشرق إلى المغرب وكان الخط الخارج من جبين المصلي يصل على استقامة إلى هذا الخط المار على الكعبة فإنه بهذ الانتقال لاتزول المقابلة بالكلية، لأن وجه الإنسان مقوس، فمهما تأخر يمينًا أو يسارًا عن عين الكعبة يبقى شيء من جوانب وجهه مقابلاً لها، ولاشك أن هذا عند زيادة البعد؛ أما عند القرب فلايعتبر كما مر؛ ...... والحاصل أن المراد بالتيامن والتياسر الانتقال عن عين الكعبة إلى جهة اليمين أو اليسار لا الانحراف، لكن وقع في كلامهم

ما يدل على أن الانحراف لايضر؛ ففي القهستاني: ولا بأس بالانحراف انحرافًا لاتزول به المقابله بالكلية، بأن يبقى شيء من سطح الوجه مسامتًا للكعبة...... وفي منية المصلي عن أمالي الفتاوى: حدالقبلة في بلادنا يعني سمرقند:ما بين المغربين مغرب الشتاء ومغرب الصيف، فإن صلى إلى جهة خرجت من المغربين فسدت صلاته...... فعلم أن الانحراف اليسير لايضر، وهو الذى يبقى معه الوجه أوشيء من جوانبه مسامتًا لعين الكعبة أولهوائها، بأن يخرج الخط من الوجه أومن بعض جوانبه ويمرعلى الكعبة أوهوائهامستقيمًا، ولايلزم أن يكون الخط الخارج على استقامة خارجًا من جهة المصلي بل منها أومن جوانبهاكما دل عليه قول الدررمن جبين المصلي، فإن الجبين طرف الجبهة وهما جبينان، وعلى ما قررناه يحمل ما في الفتح والبحرعن الفتاوى من أن الانحراف المفسد أن يجاوز المشارق إلى المغارب، فهذا غاية ماظهرلي في هذا المحل، والله تعالىٰ أعلم.

(شامی:۱/۴۲۹،باب شروط الصلاۃ،مبحث فی استقبال القبلۃ،سعید کمپنی)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے:

اس مسئلہ کے متعلق مذہبِ مختار حنفیہ کا یہ ہے کہ جو شخص بیت اللہ شریف کے سامنے ہو اس کے لئے عین کعبہ کا استقبال فرض ہے اور جو اس سے غائب ہے اس کے ذمہ جہتِ کعبہ کا استقبال فرض ہے عین کعبہ کا نہیں......پھر جہتِ قبلہ کے معنی یہ ہے کہ ایک خط جو کعبہ پر گذرتا ہوا جنوب وشمال پر منتہی ہو جاوے اور نمازی کے وسط جبہہ سے ایک خط مستقیم نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس موقع تقاطع پر دوزاویہ قائمہ پیدا ہو جاویں۔وہ قبلہ مستقیم ہے اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا نہ کرے بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے۔لیکن وسط جبہہ کو چھوڑ کر پیشانی کے اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو یہ انحراف قلیل ہے اس سے نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر پیشانی کی کسی طرف سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خط مذکورہ پر زاویہ قائمہ پیدا کر دے تو وہ انحراف کثیر ہے اس سے نماز نہ ہوگی۔اور علماء ہیئت وریاضی نے انحراف قلیل وکثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ پینتالیس درجہ تک انحراف ہو تو قلیل اس سے زائد ہو تو کثیر اور کثیر مفسد صلاۃ ہے۔　(فتاوی دار العلوم دیو بند،امدادالمفتین، حصۂ اول و دوم:ص ۷۷،مکمل مبوب،امدادیہ دیو بند)

احسن الفتاوی میں ہے:

بیت اللہ سے پینتالیس درجہ تک انحراف مفسد نہیں،اس سے زیادہ ہو تو مفسد ہے۔　واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی:۲/۳۱۳، باب استقبال القبلۃ۔ وکفایت المفتی:۳/۱۷۵)

ٹرین میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: ٹرین میں نماز پڑھتے وقت قیام اور استقبالِ قبلہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر ٹرین میں نماز پڑھتے وقت کھڑا ہونا مشقت سے خالی نہ ہو اور ٹرین سے باہر پڑھنے کا بھی امکان نہ تو پھر بیٹھ کر پڑھنے کی گنجائش ہے، اور اگر نہ زیادہ ازدحام ہے اور نہ ہی زیادہ مشقت ہے تو قیام ضروری ہے، اور استقبالِ قبلہ تو ہر حال میں ضروری ہے۔ ابتداء میں بھی اور درمیان میں بھی جس طرح ٹرین گھومے اس طرح مصلی بھی گھوم جاوے۔

البتہ اگر اتنا زیادہ ہجوم ہے کہ رکوع وسجود کی حرکت بھی ممکن نہ ہو اور باہر ادا کرنے پر بھی قادر نہیں تو استقبالِ قبلہ اور قیام کے بغیر بھی نماز درست ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے:

والواجب فيهاوهي جارية قاعدًا بلاعذربه وهويقدرعلى الخروج منها [illegible] عند الإمام الأعظم أبي حنيفة رحمه الله تعالى لكن بالركوع والسجود لابالإيماء لأن الغالب فيها دوران الرأس، والغالب كالمتحقق لكن القيام فيها والخروج أفضل إن أمكنه لأنه أبعد عن شبهة الخلاف وأسكن لقلبه وقالا أي أبويوسف رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى لاتصح جالسًا إلا من عذروهو الأظهر لحديث ابن عمر رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن الصلاة في السفينة فقال: صل فيها قائمًا إلا أن تخاف الغرق. وقال: مثله لجعفر رضي الله تعالى عنه ولأن القيام ركن فلايترك إلابعذرمحقق لاموهوم ودليل الإمام أقوى فيتبع ...... (والعذر كدوران الرأس وعدم القدرة على الخروج ولا تجوز فيها بالإيماء لمن يقدرعلى الركوع والسجود) ...... ويتوجه المصلي فيها للقبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة وكلما استدارت السفينة عنهاأي القبلة يتوجه المصلي إليها في خلال الصلاة.

وفي حاشيةالطحطاوي:

فصل في الصلاة في السفينة: أن السفينة لها شبه بالدابة لأنها مركب البحروالدابة مركب البرولذا سقط القيام كما هوفي صلاة الدابة،ولها شبه بالأرض من حيث الجلوس عليها بقرار، ولذا لزم الركوع، والسجود، والاستقبال ...... (قوله: ولوترك الاستقبال لاتجزيه......) هذا ما أورده الشيخ أكمل الدين بقوله: وينبغي أن يتوجه إلى القبله كيفما دارت

السفينة سواء كان عند افتتاح الصلاة، أو في خلال الصلاة لأن التوجه فرض عند القدرة، وهذا قادر. كذا في الشرح قال بعض الحذاق: المتبادر أن لزوم التوجه منوط بالقدرة عليه كما يشير إليه كلام المضمرات، والاسبيجابي إذ الاستقبال قد يسقط بالعذر، ولو عند الإمكان كما في الخائف من عدوه عدم الإمكان أولىٰ، والعلامة الأكمل لم يطلق لزوم الاستقبال، بل قيد بالقدرة، وعند عدم القدرة على الشيء كيف يتحقق لزومه، وإلى ماذكرنا يشير كلام الدرر حيث قال: لأنه يمكنه الاستقبال من غير مشقة إذ مفهومه أنه عند عدم الإمكان، وعند المشقة لايلزمه الاستقبال، ومفاهيم الكتب حجة كما لايخفى ......

(حاشية الطحطاوى مع المراقى: ص ۴۰۸-۴۱۰، فصل فى الصلاة فى السفينة، قديمى۔ وكذا فى الشامى: ۲/۱۰۱، مطلب فى الصلاة فى السفينة، سعيد۔ وكذا فى المبسوط للامام السرخسى: ۲/۲، ادارة القرآن)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے:

البتہ اگر ہجوم اتنا ہو کہ رکوع وسجود کی حرکت ممکن نہ ہو اور ریل سے باہر نماز پڑھنے پر قادر نہ ہو تو پھر بلا استقبالِ قبلہ وقیام نماز ادا کرے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۴۶۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/۷۸، باب شروط الصلوٰۃ وارکانہا)

گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھتا ہے تو چلتے چلتے نماز پڑھ سکتا ہے یا اترنا ضروری ہے اور ٹرین میں نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

الجواب: ٹرین اور گھوڑا گاڑی میں نماز پڑھنا درست ہے اور استقبالِ قبلہ اور قیام پر قدرت کے وقت دونوں ضروری ہیں کسی کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی۔

مراقی الفلاح میں ہے:

وقالا أى أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ لاتصح جالسًا إلا من عذر وهو الأظهر لحديث ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم سئل عن الصلاة فى السفينة فقال: صل فيها قائمًا إلا أن تخاف الغرق وقال مثله لجعفر رضى الله تعالىٰ عنه ولأن القيام ركن فلا يترك إلابعذر محقق لاموهوم ...... وإذا كانت سائرة يتوجه المصلى فيهما إلى القبلة لقدرته على

فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة وكلما استدارت السفينة عنها أي القبلة يتوجه المصلي باستدارتها إليها أي القبلة في خلال الصلاة.

(مراقي الفلاح على نور الإيضاح: ۱۵۸، فصل في الصلاة في السفينة، مكة المكرمة)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

ٹرین اپنی وضع کے لحاظ سے اس نوعیت کی ہے کہ اس میں قبلہ کا استقبال کیا جاسکتا ہے اور اگر درمیان میں انحراف پیدا ہو جائے تو قبلہ درست بھی کیا جاسکتا ہے اس لئے ٹرین میں فرض نمازوں کے آغاز کے وقت بھی اور دوران نماز بھی قبلہ کا استقبال ضروری ہے اگر نماز قبلہ رخ ہو کر شروع کی درمیان میں ٹرین نے رخ بدلا تو اپنا رخ بھی بدل دینا چاہئے اور اس کی نظیر فقہ کا وہ جزئیہ ہے جس میں لنگر انداز کشتی کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے:

والمربوطة بلجة البحر إن كان الريح يحركها شديدًا فكالسائرة وإلا فكالواقفة ويلزم استقبال القبلة عند الافتتاح وكلما دارت. (جدید فقہی مسائل: ۱/۱۲۷، نعیمیہ دیوبند)

نظام الفتاوی میں ہے:

ریل میں بھی نماز پڑھنے کا حکم ہے البتہ اگر یقین ہو کہ وقتِ نماز باقی رہتے ہوئے فلاں جگہ اتنی دیر ٹھیرے گی کہ اتنی دیر میں نماز پڑھ سکوں گا تو اس وقت تک مؤخر کردے اور اگر مسافر شرعی ہے کم از کم فرض اور وتر پڑھ لیا کرے۔

(نظام الفتاوی: ۱/۶۷)

احسن الفتاوی میں ہے:

اونٹ گاڑی پر فرض نماز بھی جائز ہے مگر استقبالِ قبلہ اور قیام شرط ہے، ریل گاڑی اور بس میں کھڑے ہو کر قبلہ رخ نماز پڑھیں۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۴/۸۸ باب صلاة المسافر)

بس میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر بس والے راستہ میں نماز کے لئے بس نہیں روکتے تو بس میں بیٹھ کر نماز پڑھے گا یا نماز قضا کرے گا؟

الجواب: بس میں نماز پڑھنا درست ہے اور استقبالِ قبلہ اور قیام ضروری ہے اگر ممکن نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے رکوع سجدہ کے ساتھ ورنہ اشارہ سے پڑھے اور بعد میں اعادہ کرلے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وقالا أي أبو يوسف رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى لا تصح جالسًا إلا من

عذر وهو الأظهر لحديث ابن عمر رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم سئل عن الصلاة في السفينة فقال: صل فيها قائمًا إلا أن تخاف الغرق وقال مثله لجعفر رضي الله تعالى عنه ولأن القيام ركن فلا يترك لابعذر محقق لاموهوم ...... وإذا كانت سائرة يتوجه المصلي فيهما إلى القبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة و كلما استدارت السفينة عنها أي القبلة يتوجه المصلي باستدارتها إليها أي القبلة في خلال الصلاة. (مراقي الفلاح على نور الإيضاح: ۱۵۸، فصل في الصلاة في السفينة،مكة المكرمة۔وفتح القدير ۱/ ۲۷۰، دارالفكر۔ وشامي:۲/ ۱۰۴،سعيد كمبني۔والبحر الرائق:۲/ ٦٤)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

بسوں کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ اگر بس سمتِ قبلہ میں نہ جارہی ہو تو قبلہ کا استقبال نہیں کیا جا سکتا ایسی صورت میں اگر بس ٹھہری ہوئی ہو تو نیچے اتر کر نماز ادا کرے اور سوار رکوانے پر قادر نہ ہو تو استقبال کے بغیر بھی نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ (جدیدفقهی مسائل: ۱/ ۱۲۸، نعیمیه دیو بند)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

ریل گاری اور بس میں کھڑے ہو کر قبلہ رخ نماز پڑھیں......اگر استقبالِ قبلہ اور قیام نہیں ہو سکتے تو اشارہ سے نماز ادا کرے اور بعد میں اعادہ کر لے۔

(احسن الفتاوی: ٤/ ٨٨۔ و فتاوی محمودیه: ٥/ ٥٢٤،مبوب و مرتب،جامعه فاروقیه)

البحر الرائق میں ہے:

ان العذر إن كان من قبل الله تعالىٰ لاتجب الإعادة وإن كان من قبل العبد وجبت الإعادة.

(البحرالرائق: ۱/ ۱٤۲، کوئٹه)

شرح منیۃ میں ہے:

والمقيد إذا صلى قاعدًا لعدم قدرته على القيام بسبب القيد يعيد إذا زال ذلك السبب.

واللہ اعلم۔ (شرح منية المصلي: ٧٦،سهيل)

ہوائی جہاز میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا حکم:

سوال: ہوائی جہاز میں نماز ادا کرتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ہوائی جہاز میں نماز پڑھتے وقت استقبالِ قبلہ اور قیام ضروری ہے۔ ہاں اگر جگہ نہیں ہے یا کسی عارض کی وجہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا دشوار ہو تو بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ ھے۔ البتہ سیٹ پر بیٹھ کر نماز

پڑھنا درست نہیں ہے۔ اکثر علماء نے لکھا ہے کہ اس صورت میں اعادہ احوط ہے۔

نظام الفتاوی میں ہے:

شریعت کا اصل منشاء یہ ہے کہ سجدہ کرنے کے لئے کوئی ایسی چیز ہو جس پر پیشانی ٹک سکے جس طرح کشتی میں نماز ادا کرنا جائز ہے حالانکہ کشتی اور زمین کے درمیان بے پناہ پانی کا فاصلہ ہے، حاصل یہ ہے کہ زمین کی طرح ہوائی جہاز پر بھی نماز ادا کرنا درست رہے گا اور اعادہ کی ضرورت نہ ہوگی، چنانچہ شیخ عبد الرحمن جزری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہوائی جہاز کو پانی کے جہاز کا حکم دیا ہے، موصوف فرماتے ہیں: ومثل السفينة القطر البخارية والطائرات الجوية ونحوها. (الفقه على المذاهب الاربعة: ۱/ ۲۰۶ ـ نظام الفتاوى: ۱/ ۶۹، كتاب الصلاة)

مراقی الفلاح میں ہے:

والواجب فيها وهي جارية قاعدًا بلاعذر به وهويقدرعلى الخروج منها صحيحة عند الإمام الأعظم أبي حنيفة رحمه الله تعالى لكن بالركوع والسجود لا بالإيماء لأن الغالب فيها دوران الرأس، والغالب كالمتحقق لكن القيام فيها والخروج أفضل إن أمكنه لأنه أبعد عن شبهة الخلاف وأسكن لقلبه وقالا أى أبويوسف رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى لاتصح جالسًا إلا من عذروهو الأظهر لحديث ابن عمر رضي الله تعالى عنه أن النبي ﷺ سئل عن الصلاة في السفينة فقال: صل فيها قائمًا إلا أن تخاف الغرق. وقال مثله لجعفر رضي الله تعالى عنه ولأن القيام ركن فلايترك إلابعذرمحقق لاموهوم ودليل الأمام أقوى فيتبع ...... (والعذر كدوران الرأس وعدم القدرة على الخروج ولاتجوزفيها بالإيماء لمن يقدرعلى الركوع والسجود) ...... ويتوجه المصلي فيها إلى القبلة لقدرته على فرض الاستقبال عند افتتاح الصلاة وكلما استدارت السفينة عنها أى القبلة يتوجه المصلي إليها في خلال الصلاة.

وفي حاشية الطحطاوي:

فصل في الصلاة في السفينة: أن السفينة لها شبه بالدابة لأنها مركب البحروالدابة مركب البرولذا سقط القيام كما هوفي صلاة الدابة، ولها شبه بالأرض من حيث الجلوس عليها بقرار، ولذا لزم الركوع، والسجود، والاستقبال ...... (قوله: ولوترك الاستقبال لاتجزيه ......) هذا ما أورده الشيخ أكمل الدين بقوله: وينبغي أن يتوجه إلى القبله كيفما دارت السفينة سواء كان عند افتتاح الصلاة، أوفي خلال الصلاة لأن التوجه فرض عند القدرة، وهذا

قادر. كذا في الشرح قال بعض الحذاق: المتبادر أن لزوم التوجه منوط بالقدرة عليه كما يشير إليه كلام المضمرات، والاسبيجابي إذ الاستقبال قد يسقط بالعذر، ولو عند الإمكان كما في الخائف من عدوه عدم الإمكان أولى، والعلامة الأكمل لم يطلق لزوم الاستقبال، بل قيد بالقدرة، وعند عدم القدرة على الشيء كيف يتحقق لزومه، وإلى ماذكرنا يشير كلام الدرر حيث قال: لأنه يمكنه الاستقبال من غير مشقة إذ مفهومه أنه عند عدم الإمكان، وعند المشقة لايلزمه الاستقبال، ومفاهيم الكتب حجة كما لايخفى......

(حاشية الطحطاوي مع المراقي: ص۴۰۸-۴۱۰، فصل في الصلاة في السفينة، قديمي۔ وكذا في الشامي: ۱۰۱/۲، مطلب في الصلاة في السفينة۔ وكذا في المبسوط للامام السرخسي: ۲/۲)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

بوقتِ پرواز ہوائی جہاز میں نماز کا حکم چلتے ہوئے بحری جہاز کی طرح ہے یعنی اس میں بوجہ عذر نماز جائز ہے۔

(احسن الفتاوی ۹۰/۴)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

قیام اور استقبالِ قبلہ پر قدرت کے باوجود ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی، سفر میں ہو یا حضر میں، ریل میں ہو یا جہاز میں، سب کا یہی حکم ہے۔

(فتاوی محمودیه ۵۳۲/۷ باب صلاة المسافر، جامعه فاروقیه)

نیز مذکور ہے:

مجبوری کی حالت میں اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے پھر منزل پر پہونچ کر اعادہ کرلے کیونکہ یہاں مانع من جہۃ العباد ہے۔ (فتاوی محمودیه: ۵۳۲/۷ باب صلاة المسافر، جامعه فاروقیه۔ واحسن الفتاوی: ۸۸/۴)

نظام الفتاویٰ میں ہے:

تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوائی جہاز پر بھی نماز پڑھی جائے گی۔ اگر جماعت سے پڑھ سکتے ہوں تو جماعت سے پڑھنا بہتر ہوگا، ورنہ تنہا تنہا پڑھیں گے۔ اگر حرکت وغیرہ کسی عارض کیوجہ سے کھڑے ہوکر پڑھنا دشوار ہو تو بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ پڑھیں گے اور سمتِ قبلہ کمپاس کے ذریعہ معلوم کریں گے۔ اگر کمپاس نہ ہو تو تحری کرکے جس رخ پر قبلہ قرار پائے اس پر نماز پڑھیں گے غرض کہ جیسا عمل چلتی ریل میں کرتے ہیں اس میں بھی کریں گے اور نماز قضا نہ کریں گے۔ واللہ اعلم۔ (نظام الفتاوی: ص ۴۸۰)

تکبیرِ تحریمہ کے بعد نیت بدل جائے تو نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے فرض نماز کے لئے ''اللہ اکبر'' کہہ دیا اس کے بعد سنت کی نیت کرلی تو دوبارہ تکبیر کہنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: پہلی تکبیر کافی ہے دوبارہ تکبیر کہنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ فرض سے نکلنے کا جو مشروع طریقہ ہے اس کا ترک لازم آتا ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

(الفصل الأول في فرائض الصلاة) وهي ست (منها التحريمة) وهي شرط عندنا حتى أن من يحرم للفرائض كان له أن يؤدي بها التطوع هكذا في الهدايه،ولكن يكره لترك التحلل عن الفرض بالوجه المشروع، وأما بناء الفرض على تحريمة فرض آخر فلايجوز إجماعًا، وكذا بناء الفرض على تحريمة النفل كذا في السراج الوهاج. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/۶۸، الباب الرابع في صفة الصلاة)

تعدادِ رکعات کی نیت کا حکم:

سوال: دو رکعت نماز کی جگہ چار رکعت کی نیت باندھ لی اور صرف دو رکعت کو ادا کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: دو رکعت کو اگر چار رکعت کی نیت سے ادا کیا تو بھی نماز صحیح ہوگی، اس لئے کہ تعدادِ رکعات کی نیت شرط نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولايشترط نية عدد الركعات هكذا في شرح الوقاية. والله اعلم.

(الفتاوى الهنديه: ۱/۶۶۔ وكذا في الشامي: ۱/۳۹۰، سعيد)

بزبانِ فارسی تکبیرِ تحریمہ کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: تکبیر تحریمہ فارسی زبان میں کہہ کر نماز شروع کرے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہنے سے نماز صحیح ہوجائے گی، لیکن صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز درست نہ ہوگی، اگرچہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مطابق نماز درست ہے پھر بھی خلافِ سنت ہونے کی وجہ سے جو شخص عربی زبان پر قدرت رکھتا ہو اس

کے لئے فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہنا مکروہ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولو افتتح الصلاة بالفارسية بأن قال "خدای بزرگ تر" أو "خدای بزرگ" يصير شارعًا عند أبی حنيفة رحمه الله تعالى وعندهما لايصير شارعًا إلا إذا كان لايحسن العربية.

(بدائع الصنائع: ۱/۱۳۱، سعید کمپنی)

درمختار میں ہے:

(كما صح لوشرع بغير عربية ..... قلت: وجعل العينی الشروع كالقراءة لاسلف له فيه) أی لم يقل به أحد قبله، وإنما المنقول أنه رجع إلی قولهما فی اشتراط القراءة بالعربية إلا عند العجز، أما مسئلة الشروع فالمذكور فی عامة الكتب حكاية الخلاف فيها بلا ذكر رجوع أصلًا (قوله ولاسند له يقوی) أی ليس له دليل يقوی مدعاه، لأن الإمام رجع إلی قولهما فی اشتراط القراءة بالعربية، لأن المأمور به قراءة القرآن ..... أما الشروع بالفارسية فالدليل فيه للإمام أقوی، وهو كون المطلوب فی الشروع الذكر والتعظيم، وذلك حاصل بأی لفظ كان، وأی لسان كان، نعم لفظ "الله أكبر" واجب للمواظبة عليه لافرض.

(الدر المختار مع الشامی: ۱/۴۸۴، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كبر بالفارسية جاز هكذا فی المتون سواء كان يحسن العربية أو لا إلا أنه إذا كان يحسنها يكره وعلی قول ابی يوسف رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى لايجوز إلا إذا كان يحسن العربية هكذا فی المحيط. (الفتاوی الهندية: ۱/۶۹، الباب الرابع فی صفة الصلاه)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

الصحيح أنه يصح الشروع عنده بغير العربية ولو كان قادرًا عليها مع الكراهة التحريمية للقادر لأن الشروع يتعلق بالذكر الخاص وهو يحصل بكل لسان.

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۲۸۰، قديمی)

اوجز المسالک میں ہے:

والثابت بالخبر اللفظ المخصوص فيجب العمل به حتی يكره لمن يحسنه تركه. والله اعلم. (أوجز المسالك: ۲/۷۶، باب افتتاح الصلاة، دار العلم دمشق)

تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو جھٹکا دینے کا حکم:

سوال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ میں دنیا کو پس پشت ڈالنے کی طرف اشارہ ہے اس وجہ سے ہاتھوں کو کانوں کے قریب لے جا کر پیچھے کی طرف جھٹکا دینا چاہئے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

الجواب: تکبیر تحریمہ میں دنیا کو پس پشت ڈالنے کی طرف اشارہ ہے یہ ایک حکایت اور لطیفہ ہے اس کی وجہ سے ہاتھوں کو جھٹکا دینا درست نہیں ہے بلکہ خلافِ سنت ہے۔ سنت طریقہ کے مطابق نماز پڑھنی چاہئے۔

اوجز المسالک میں ہے:

ثم اختلف العلماء فی حکمة الرفع، فقیل: ...... إشارة إلی طرح الدنیا و الإقبال بکلیته إلی الله تعالیٰ.

(أوجز المسالك:۲/۸۰،باب افتتاح الصلاة،دار العلم دمشق۔هكذا في اماني الاحبار: ۳/۳۔ و كذا في تقرير أبي داؤد: ۲/۲۱٤)

طحطاوی میں ہے:

(فیحسن رفع الیدین للتحریمة حذاء أذنین للرجل)لأن رسول الله ﷺ کان إذا افتتح الصلاة کبر، ثمرفع یدیه حتی یحاذی بإبهامیه أذنیه.

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۲۵٦، قديمی كتب خانه)

شامی میں ہے:

واعتمد ابن الهمام التوفیق بأنه عند محاذاة الیدین للمنکبین من الرسغ تحصل المحاذاة للاذنین بالإبهامین. وهو صریح روایة أبی داؤد. (شامی:۱/٤۸۲،سعيد)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

إذا أراد الدخول فی الصلاة کبرورفع یدیه حذاء أذنیه حتی یحاذی بإبهامیه شحمتی أذنیه وبرؤس الأصابع فروع أذنیه کذا فی التبین، قال الفقیه أبو جعفر: یستقبل ببطون کفیه القبلة وینتشر أصابعه ویرفعهما فإذا استقرتا فی موضع محاذاة الإبهامین شحمتی الأذنین یکبرقال شمس الائمة السرخسی: علیه عامة المشایخ کذا فی المحیط. والله اعلم.

(الفتاوی الهنديه:۱/۷۳)

قومہ اور جلسہ میں اعتدال اور اطمینان کی واجب مقدار:

سوال: بعض حضرات قومہ میں طویل قیام کو اطمینان اور اعتدال کے مترادف سمجھتے ہیں اور اس کو واجب کہتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: قومہ میں طویل قیام کو اعتدال کے مترادف سمجھنا اور اس کو واجب کہنا درست نہیں ہے اس لئے کہ اعتدال کی واجب مقدار ایک تسبیح کے بقدر ہے جس سے اعضاء ساکن ہو جائے اس سے زیادہ واجب مقدار میں داخل نہیں ہے، ہاں بالکلیہ اعتدال ترک کرنا موجبِ سجدۂ سہو ہے لہٰذا واجب مقدار کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ویجب اطمئنان وهو التعديل في الأركان بتسكين الجوارح في الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصله وهو الصحيح لأنه شرع لتكميل الركن فكان واجبًا كقراءة الفاتحة لاركناً ولاسنة كما قال الجرجاني: ليس سنة مؤكدة وأدناه مقدار تسبيحة واحدة وقال أبويوسف رحمه الله تعالى: هو فرض لقوله ﷺ لمن خفف الصلاة ويقال له المسيء صلاته: صل فإنك لم تصل، وسئل محمد رحمه الله تعالى عن ترك الطمانينة فقال: إني أخاف أن لاتجوز، وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى فيمن لم يتم ركوعه وسجوده ولم يقم صلبه قال: أخشى أن لاتجوز صلاته. ومقتضى الدليل وجوب الطمانينة في الأربعة ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة على ذلك كله وللأمر في حديث المسيء صلاته وإليه ذهب المحقق الكمال ابن الهمام رحمه الله تعالى وتبعه تلميذه ابن أمير الحاج وقال: إنه الصواب فليتنبه له.

(امداد الفتاح: ص ٢٧٦، فصل في واجبات الصلاة، بيروت۔ وهكذا في مراقي الفلاح: ص ٩٢، مكة المكرمة)

طحطاوی میں ہے:

وهو التعديل أي التتميم والتكميل وهو في اللغة التسوية قوله: حتى تطمئن مفاصله ويستقر كل عضو في محله بقدر تسبيحة كما في القهستاني هذا قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى ومحمد رحمه الله تعالى على تخريج الكرخي رحمه الله تعالى.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ٢٥٠، فصل في واجبات الصلاة، قديمي)

نیز ملاحظہ ہو: (شامي: ١/ ٤٦٤، سعيد۔ والفتاوى الهندية: ١/ ٨١) واللہ اعلم۔



فصلِ دوم

نماز کی سنن اورآداب کا بیان

حالتِ قیام میں قدم سے قدم ملانا:

سوال: غیر مقلدین اورعرب کے مشائخ نماز میں پاؤں کھول کر کھڑے ہوتے ہیں یعنی پیروں کو بہت زیادہ کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث میں قدم سے قدم ملانے کا حکم ہے کیاان کا یہ عمل درست ہے یا ہمارا عمل درست ہے؟ اگر ہمارا عمل درست ہے تو کیا دلائل ہیں؟

الجواب: غیر مقلدین جو حدیث پیش کرتے ہیں اس میں دولفظ آتے ہیں (۱) الصاق (۲) الزاق، ان دونوں الفاظ کے دو معنی ہیں۔

(۱) حقیقی: یعنی مکمل طور پر ملانا اور چپکانا جیسے:"به داء،به وسخ،به مرض"۔

(۲) مجازی ملانا کچھ فاصلہ کے ساتھ جیسے:"مررت بزيد" یعنی میں زید کے قریب سے گذرا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں پر حقیقی معنی مراد ہے یا مجازی، متعدد دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مجازی معنی مراد ہے۔یعنی قریب کھڑا ہونا اور درمیان میں زیادہ فاصلہ نہ ہو کہ اس میں ایک آدمی کی گنجائش ہو اور صفوف کو ٹھیک کرنا۔

ملاحظہ ہو مشکوٰۃ میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إذاصلى أحدكم فلايضع نعليه عن يمينه ولاعن يساره فتكون عن يمين غيره إلا أن لايكون على يساره أحد وليضعهما بين رجليه. وفي رواية أوليصل فيهما. (رواه ابوداؤد وروى ابن ماجة معناه۔ مشکوٰۃ شریف:۱/۷۳)

وقال الشيخ ناصر الدين الألباني عن هذا الحديث "بإسنادين أحدهما حسن بالرواية الأولى والآخر صحيح بالرواية الأخرى كما حققته في صحيح السنن. ٦٦١و٦٦٢۔

(تعليق الالباني على مشكوة:١/٢٦٩)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دو مصلیوں کے پاؤں کے درمیان کچھ فاصلہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر الزاق کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کریں تو جوتے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے کہ

دائیں بائیں جوتا مت رکھو کیونکہ جگہ نہیں۔

(۲) عن أبي مسعود الأنصاري رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يمسح مناكبنا في الصلاة ويقول استووا ولاتختلفوا فتختلف قلوبكم. (الحديث۔ رواه مسلم۔ مشكوٰة شريف: ۱/۹۸)

(۳) ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل.

(رواه أبو دؤد: ۱/۹۷)

(٤) عن أبي القاسم الجدني قال سمعت النعمان بن بشير رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقول: أقبل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم على الناس بوجهه فقال: أقيموا صفوفكم ثلاثًا والله لتقيمنّ صفوفكم أو ليخالفنّ الله بين قلوبكم قال: فرأيت الرجل يلزق منكبه بمنكب صاحبه وركبته بركبة صاحبه وكعبه بكعب صاحبه. (رواه أبو داؤد: ۱/۹۷)

احادیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کندھوں اور گھٹنوں کا سیدھا اور برابر رکھنا بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ الزاق کو اپنے مجازی معنی پر محمول کریں ورنہ کندھوں کو سیدھا رکھنا محالات میں سے ہے جب کہ مختلف القامۃ لوگ نماز میں کھڑے ہوں تو کندھوں اور گھٹنوں کو کیسے ملا سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ احادیث میں جس طرح اقامتِ صفوف اور اعتدالِ صفوف کا ذکر ہے اسی طرح استقامتِ بدن کا بھی حکم ہے۔ اور استقامتِ بدن صرف اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ الزاق کو مجازی معنی پر محمول کیا جائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ الزاق الکعب بالکعب کا حکم صرف حالتِ قیام کے لئے ہے یا رکوع اور سجدہ کے لئے بھی ہے۔ اور رکوع اور سجدہ کے لئے بھی ہے تو غیر مقلدین حضرات اس پر کیوں عمل نہیں کرتے۔ اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الزاق سے حقیقی معنی مراد نہیں۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات جب اکیلے نماز پڑھتے ہیں تب بھی وہ پاؤں کو کشادہ رکھتے ہیں حالانکہ الزاق کا حکم جماعت کے ساتھ خاص ہے۔

اور اگر منفرد کے لئے بھی ہو تو پھر وہ صحیح مرفوع غیر متعارض حدیث پیش کریں۔

حاصل کلام احناف کے نزدیک حالتِ قیام میں پاؤں کے درمیان چار انگل کی مقدار کا فاصلہ ہونا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وينبغي أن يكون بينهما (أي القدمين) مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع.

(شامي: ۱/٤٤٤، بحث القيام، سعيد)

اور شوافع کے نزدیک ایک بالشت کی مقدار فاصلہ ہونا چاہئے۔

"الشافعية قدروا التفريج بينهما بقدر شبر ...... فيكره أن يقرن بينهما أو يوسع أكثر من ذلك كما يكره تقديم إحداهما على الأخرى. (الفقه على مذاهب الأربعة: ١/ ٢٥٩)

یعنی شوافع حضرات نے حالت قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ کی مقدار ایک بالشت متعین کی ہے اور ان کے نزدیک پاؤں کو ملانا یا ایک بالشت سے زیادہ کشادہ رکھنا مکروہ ہے۔

المالكية قالوا: تفريج القدمين مندوب لا سنة، وقالوا: المندوب هو أن يكون بحالة متوسطة، بحيث لا يضمهما ولا يوسعهما كثيرًا، حتى يتفاحش عرفًا ووافقهما الحنابلة على هذا التقدير إلا أنه لا فرق عند الحنابلة بين تسميته مندوبًا أو سنة.

(الفقه على مذاهب الأربعة: ١/ ٢٦٠)

یعنی مالکی حضرات کہتے ہیں کہ پاؤں کھلا رکھنا مستحب ہے نہ کہ سنت، اور مستحب یہ ہے کہ درمیانی حالت میں ہو نہ مکمل ملا دے اور نہ بہت زیادہ کشادہ اس طور پر کہ عرف میں برا محسوس ہو۔ اور حنابلہ اس مسئلہ میں مالکیہ کے ساتھ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ بھی الزاق کے مجازی معنی مراد لیتے ہیں نہ کہ حقیقی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل بھی الزاق کے مجازی معنی پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ وہ حالت قیام میں پاؤں کو نہ زیادہ کشادہ رکھتے تھے نہ مکمل ملاتے تھے۔ جیسا کہ حضرت شیخ زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے:

"وقال الموفق يكره أن يلصق إحدى قدميه بالأخرى في حال قيامه لما روى الأثرم عن عيينة بن عبد الرحمٰن قال: كنت مع أبي في المسجد فرأى رجلاً يصلي قد صف بين قدميه والزق أحدهما بالأخرىٰ فقال أبي: لقد أدركت في هذا المسجد ثمانية عشر رجلاً من أصحاب النبي ﷺ ما رأيت أحداً منهم فعل هذا قط وكان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لا يفرج بين قدميه ولا يمس أحدهما الأخرىٰ ولكن بين ذلك لا يقارب ولا يباعد".

(حاشية لامع الدراري: ١/ ٢٨٠، سعيد)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

ولا يخفى أن في إلزاق الأقدام بالأقدام مع إلزاق المناكب بالمناكب والركب بالركب مشقة عظيمة لا سيما مع إبقاء ها كذلك إلى آخر الصلاة كما هو مشاهد، والحرج مدفوع

بالنص، فالمراد منه جعل بعضها فی مجازاة بعض ...... قال الحافظ في الفتح تحت قول البخاری: باب إلزاق المنكب بالمنكب، والقدم بالقدم فی الصف: "المراد بذلك المبالغة فی تعديل الصف وسدخلل". (۲/۱۷٦) وفی عون المعبود في شرح حديث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مانصه: قوله: "وحاذوا بالمناكب" أي اجعلوا بعضها حذاء بعض بحيث يكون منكب كل واحد من المصلين موازياً لمنكب الآخر ومسامتًا له فتكون المناكب والأعناق والأقدام على سمت واحد. (۱/۲٥۱) قال الشيخ: ولو حمل الإلزاق على الحقيقة، فالمراد منه إحداثه وقت الإقامة تسوية الصف، فإن إحداث الإلزاق بين تلك الأعضاء طريق تحصيل هذه التسوية ولادلالة فی الحديث على إبقاء ه فی الصلاة بعد الشروع فيها ...... ومن ادعى ذلك فليأت بحجة عليه. (اعلاء السنن: ٤/ ٣٦٠، باب سنية تسوية الصف ورصها، إدارة القرآن)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی اس بات پر شاہد ہے کہ یہ فعل شروع میں تھا بعد میں ختم ہوگیا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: أقيموا صفوفكم، فإني أراكم من وراء ظهري وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه. (رواه البخاری: ۱/ ۱۰۰)

حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کا مطلب بیان فرماتے ہیں:

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

"قلت: وقول أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "كان أحدنا" وقوله: "وقد رأيت أحدنا" يفيد أن الفعل المذكور كان في زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ولم يبق بعده كما صرح به قوله في رواية معمر: "ولو فعلت ذلك بأحدهم اليوم لنفر كأنه بغل شموس" فلو كان ذلك سنة مقصودة من سنن الصلاة لم يتركه الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم ولم يتنفر منه أحد ...... فالصحيح ماقلنا: إن ذلك كان للمبالغة فی تسوية الصف حين الإقامة لابعدها فی داخل الصلاة.

(إعلاء السنن: ٤/ ٣٦٠/ ١٣٢٥، باب سنية تسوية الصف ورصها، ادارة القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تسویۃ الصفوف کی نیت سے محاذات اور برابری کے لئے قدم ملاتے تھے کوئی سنتِ مقصودہ نہ تھی اور بعد میں یہ طریقہ ختم ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

نماز شروع کرنے سے پہلے دعاء التوجہ میں "وأنا من المسلمین" پڑھنا:

سوال: نماز شروع کرنے سے پہلے "إني وجهت ......" پڑھتے ہیں اس میں "وأنا أوّل المسلمین" پڑھنا چاہئے جو کہ وارد ہے یا "وأنا من المسلمین" پڑھنا چاہئے؟

الجواب: "وأنا من المسلمین" ہی پڑھنا چاہئے، ہاں اگر تلاوت کی نیت سے "وأنا أوّل المسلمین" پڑھے تو اصح قول کے مطابق درست ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ثم اعلم أنه يقول في دعاء التوجه "وأنا من المسلمين" ولوقال: "وأنا أوّل المسلمين" اختلف المشايخ في فساد صلاته والأصح عدم الفساد، وينبغي أن لايكون فيه خلاف لما ثبت في صحيح مسلم من الروايتين بكل منهما وتعليل الفساد بأنه كذب مردود بأنه إنما يكون كذبًا إذاكان مخبرًا عن نفسه لا تاليًا وإذاكان مخبرًا فالفساد عند الكل.

(البحر الرائق: ۱/ ۳۱۰، کوئٹہ)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ثم إذا قرأ وجهت وجهي يقول فيه "وأنا من المسلمين" ولايقول "وأناأوّل المسلمين" تحرزًا عن الكذب ولوقاله قيل تفسد صلاته وقيل لا، وهوالأصح لأنه تالٍ وحاكٍ لامخبرهكذا قالوا، فعلى هذا لوقصد به الإخبارتفسد صلاته قطعًا. واللہ اعلم۔

(شرح منية المصلي: ص۳۰۳،سهيل۔وكذا في رد المحتار:۱/ ۴۸۸،سعيد۔وكذا في بدائع الصنائع:۱/ ۲۰۲،سعيد۔و شرح العناية: ۱/ ۲۸۸)

مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت:

سوال: مردوں کو ناف کے نیچے اور عورتوں کو سینہ پر ہاتھ باندھنا کہاں سے ثابت ہے؟

الجواب: عورتوں کے لئے استر ہونے کی وجہ سے سینہ پر ہاتھ باندھنا متفق علیہ ہے، اور مردوں کے لئے مختلف روایات کی وجہ سے تحت السرۃ افضل ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ يضع يمينه على شماله

في الصلاة تحت السرة. وفي رواية عن أبي معشر، عن إبراهيم قال: يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة. وفي رواية عن الحجاج بن حسان قال: سمعت أبامجلز۔ أوسألته۔ قال: قلت: كيف أصنع؟ قال: يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله، و يجعلها أسفل من السرة. وفي رواية عن علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: من سنة الصلاة وضع الأيدي على الأيدي تحت السرر. (مصنف ابن أبي شيبة: ۱/۳۹۱، كتاب الصلاة، وضع اليمين على الشمال، ادارة القرآن كراتشي)

درمختار میں ہے:

وضع الرجل يمينه على يساره تحت سرته هو المختار، وتضع المرأة والخنثى الكف على الكف تحت ثديها. وفي الشامي: (قوله تحت ثديها) كذا في بعض نسخ المنية وفي بعضها على ثديها قال في الحلية وكان الأولى أن يقول على صدرها.

(الدرالمختار مع رد المحتار: ۱/۴۸۷، فصل في بيان تأليف الصلاة، سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويسن وضع المرأة يديها على صدرها من غير تحليق لأنه أستر لها. والله اعلم.

(مراقي الفلاح: ص ۹۵، فصل في بيان سننها، مكة المكرمة۔ وكذا في السعاية: ۲/۱۵۶۔ وامداد الفتاح ص ۲۸۳، بيروت۔ والبحر الرائق ۱/۳۰۳)

ثناء سے متعلق چند مسائل:

سوال: ثناء پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز بعد میں شریک ہونے والا کب پڑھے گا؟ اگر کسی نے سہواً ثناء چھوڑ دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر قصداً چھوڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: ثناء پڑھنا سنت ہے۔ منفرد اور امام ہر حال میں ثناء پڑھیں گے، اگر جہری نماز میں امام نے قراءت شروع کردی ہے تو بعد میں شامل ہونے والا ثناء نہ پڑھے، نیز سری نماز کا بھی یہی حکم ہے اصح قول کے مطابق ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ سری نماز میں بعد میں شریک ہونے والا ثناء پڑھے گا، مسبوق جب اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے گا تب ثناء پڑھے گا، اگر بھول سے چھوٹ گیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہے البتہ جان بوجھ کر چھوڑ دینا بہت برا ہے اور ملامت کا مستحق ہے اور عادت بنالی ہے تو گنہگار رہوگا، اور اگر سنت کو ہلکا سمجھ کر چھوڑتا ہے تو کفر کا اندیشہ ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: كان النبی ﷺ إذا افتتح الصلاة قال: سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إله غيرك.

(رواه الترمذی: ۱/ ۵۷، باب مايقول عندافتتاح الصلاة، فيصل)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويسن الثناء لما روينا لقوله ﷺ: إذا قمتم إلى الصلاة فارفعوا أيديكم ولاتخالف آذانكم ثم قولوا: سبحانك اللّٰهمّ وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك ولا إله غيرك.

(مراقی الفلاح: ص ۹۵، مكة المكرمة)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(مستفتحًا وهو أن يقول سبحانك اللّٰهمّ ...... ويستفتح كل مصل سواء المقتدى وغيره مالم يبدأ الإمام بالقراءة، ولو سرية على المعتمد وإن أدركه راكعاً تحرى إن أكثر رأيه أنه إن أتى به أدركه فی شیء منه أتى به وإلا لا، نهر.

(حاشية الطحطاوی على المراقی: ص ۲۸۱، قديمی كتب خانه)

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله إلا إذا شرع الإمام) أفاد بالاستثناء أنه يأتی به الإمام والمنفرد والمقتدی قبل شروع الإمام فی القراءة (قوله سواء كان إمامه يجهر) لما كان قضية المتن جواز الثناء فی المخافتة وإن بدأ الإمام بالقراءة وكان ذلك ضعيف حول الشارح عبارة المصنف إلى القول الصحيح حلبی (قوله وقيل فی المخافتة يثنی) وجه ضعف هذا القيل أنه إذا امتنع على المأموم قراءة القرآن التی هی فرض فی الصلاة عند قراءة الإمام القرآن سرًا أو جهراً فلان يمتنع عليه الثناء وهو نفل أولىٰ بجامع التخليط والتغليط فی كل حلبی. (حاشية الطحطاوی على الدرالمختار: ۱/ ۲۱۸)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

المسبوق إذا أدرك الإمام فی القراءة فی الركعة التی يجهر فيها لايأتی بالثناء فإذا قام إلى قضاء ماسبق به يأتی بالثناء. (خلاصة الفتاوی: ۱/ ۱۶۵، مسائل المسبوق، رشيديه)

درمختار میں ہے:

ترك السنة لايوجب فساداً ولاسهواً بل إساءةً لو عامدًا غير مستخف ...... وفی الشامی: (قوله لايوجب فسادًا ولاسهوًا) أی بخلاف ترك الفرض فإنه يوجب الفساد وترك الواجب

فإنه يوجب سجود السهو (قوله لو عامدًا غير مستخف) فلو غير عامد فلا إساء ة أيضًا بل تندب إعادة الصلاة ...... ولو مستخفًا كفر، لما في النهر عن البزازية: لو لم ير السنة حقًا كفر لأنه استخفاف. واللہ اعلم. (الدر المختار مع الشامي: ١/٤٧٤)

تکبیراتِ انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط کرنے کا حکم:

سوال: رکوع سجدہ میں جاتے وقت یا اٹھتے وقت جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کو جلد ختم کرنا چاہئے یا پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا چاہئے؟

الجواب: تکبیراتِ انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا مستحب ہے، اور اس کے خلاف کرنا خلافِ مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قوله: ثم يكبر حين يركع ...... دليل على مقارنة التكبير لهذه الحركات وبسط عليها فيبدأ بالتكبير حين يشرع في الانتقال إلى الركوع ويمده حتى يصل إلى حد الراكعين ثم يشرع في تسبيح الركوع ويبدأ بالتكبير حين يشرع في الهوى إلى السجود ويمده حتى يضع جبهته على الأرض ثم يشرع في تسبيح السجود وفيه يبدأ في قوله سمع الله لمن حمده حتى يشرع في الرفع من الركوع ويمده حتى ينصب قائما، وفيه أنه يشرع في التكبير للقيام من التشهد الأول ويمده حتى ينصب قائما. (عمدة القاري: ٤/٥٤٢، دار الحديث ملتان)

بدائع الصنائع میں ہے:

وإذا فرغ من القراء ة ينحط للركوع ويكبر مع الانحطاط لما روى عن علي رضي الله تعالى عنه وابن مسعود رضي الله تعالى عنه وأبي موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه وغيرهم أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يكبر عند خفض ورفع وروى أنه كان يكبر وهو يهوى والواو للحال ولأن الذكر سنة في كل ركن ليكون معظمًا لله تعالى فيما هو من أركان الصلاة بالذكر كما هو معظم له بالفعل فيزداد معنى التعظيم والانتقال من ركن إلى ركن بمعنى الركن لكونه وسيلة إليه فكان الذكر فيه مسنونا. (بدائع الصنائع: ١/٢٠٧ سعيد)

مرقات میں ہے:

قوله ثم يكبر حين يرفع رأسه أى من السجود قال ابن الهمام وفيه ترجيح مقارنة الانتقال بالتكبير كما هو فى الجامع الصغير. والله اعلم.

(مرقات المفاتيح: ۲/ ۲٦٠ ـ وكذا فى الفتاوى الهندية: ۱/ ۷٤)

ترکِ رفعِ یدین کی صحیح حدیث:

السؤال: ما هو تحقيق الحديث الذى ورد فيه "أن النبى ﷺ كان لا يرفع يديه إذا أراد أن يركع أو يرفع رأسه من الركوع"؟

الجواب: أما الحديث: قال أبو عوانة يعقوب بن إسحاق: حدثنا عبد الله بن أيوب المخرمى وسعدان بن نصر و شعيب بن عمرو فى آخرين قالوا: حدثنا سفيان بن عيينة عن الزهرى عن سالم عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذى بهما وقال بعضهم: حذو منكبيه وإذا أراد أن يركع وبعد ما يرفع رأسه من الركوع لا يرفعهما وقال بعضهم: ولا يرفع بين السجدتين والمعنى واحد، حدثنا الربيع بن سليمان عن الشافعى عن ابن عيينة بنحوه: ولا يفعل ذلك بين السجدتين حدثنى أبو داؤد قال: حدثنا على قال حدثنا سفيان حدثنا الزهرى أخبرنى سالم عن أبيه قال رأيت رسول الله ﷺ بمثله، حدثنا الصائغ بمكة قال حدثنا الحميدى قال حدثنا سفيان عن الزهرى قال أخبرنى سالم عن أبيه قال رأيت رسول الله ﷺ مثله.

(مسند أبى عوانة: ۲/ ۹۹، باب رفع اليدين، المعارف العثمانية ـ و مستخرجه: ۳/ ٤٤٦/ ۱۲۵۱)

الكلام على الحديث من حيث السند:

عبد الله بن أيوب: صدوق، مات سنة خمس وستين ومئتين. (سير أعلام النبلاء: ۱۲/ ۳۵۹)

وله متابعان هنا أحدهما سعدان بن نصر وهو صدوق كما فى الجرح والتعديل: ۱۲۵۷، والثانى شعيب بن عمرو وهو كذاب كما فى لسان الميزان: ۱/ ٤٨٠، وصرح عبد الله بن أيوب بالتحديث هنا. والباقى من رواة البخارى ومسلم فالحديث صحيح الإسناد.

وفى نسخة قديمة للحميدى: ۲/ ۲۷۷/ ٦۱٤، (دار الكتب العلمية): حدثنا الحميدى قال ثنا الزهرى قال أخبرنى سالم بن عبد الله عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ إذا افتتح الصلاة رفع يديه حذو منكبيه وإذا أراد أن يركع وبعد ما يرفع رأسه من الركوع فلا يرفع ولا بين

السجدتين، وهذا فيه سقط سفيان بين الحميدي والزهري، وهو مذكور في مسندأبي عوانة: حيث قال: حدثنا الصائغ بمكة قال حدثنا الحميدي قال حدثنا سفيان عن الزهري قال أخبرني سالم عن أبيه قال رأيت رسول الله ﷺ مثله.

(مسند أبي عوانة:۲/۹۹،باب رفع اليدين، المعارف العثمانية۔ومستخرجه:۳/۴۴۶/ ۱۲۵۱)

والتطبيق بين الرفع وتركه هو أن النبي كان يرفع أولا ثم تركه كما كان أولا بين السجدتين ثم ترك وكما كان في كل خفض ورفع ثم ترك وبهذا أخذ مالك رحمه الله تعالى وأبو حنيفة رحمه الله تعالى وغيرهم كما هو مفصل في موضعه. والله أعلم.

مرد اور عورت کے رکوع میں فرق:

سوال: رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کے سلسلہ میں مرد اور عورت میں فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: دونوں میں فرق ہے اور وہ یہ کہ مرد انگلیاں کھلی رکھے اور ہاتھ پر زور دیتے ہوئے مضبوطی سے گھٹنوں کو پکڑے۔اور عورت انگلیاں ملا کر ہاتھ گھٹنوں پر رکھدے اور ہاتھ پر زور نہ دے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ويسنّ أخذ ركبتيه بيديه حال الركوع ويسنّ تفريج أصابعه لقوله رضي الله تعالى عنه لأنس رضي الله تعالى عنه إذا ركعت فضع كفيك على ركبتيك وفرج بين أصابعك وارفع يديك عن جنبيك ...... والمرأة لاتفرجها لأن مبنى حالها على الستر. وفي الطحطاوي: ولاتفرج أصابعها في الركوع، وتنحني في الركوع قليلاً بحيث تبلغ حد الركوع، فلاتزيد على ذلك لأنه أسترلها وتلزم مرفقيها بجنبيها فيه. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي:ص۲۶۶،۲۵۹،قديمي)

شامی میں ہے:

قال في المعراج وفي المجتبى: هذا كله في حق الرجل، أما المرأة فتنحني في الركوع يسيرًا ولاتفرج ولكن تضم وتضع يديها على ركبتيها وضعًا وتحني ركبتيها ولا تجافي عضديها لأن ذلك أسترلها. (شامي: ۱/۴۹۴، فصل اذا اراد الشروع في الصلاة كبر، سعيد كمپني)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

مرد اور عورت کے رکوع میں چند باتوں میں فرق ہے (۱) مرد رکوع میں اتنا جھکے کہ سر پیٹھ اور سرین برابر ہو جائے، اور عورت تھوڑی مقدار جھکے یعنی صرف اس قدر کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہونچ جائیں، پیٹھ سیدھی نہ کرے

(۲) مرد گھٹنے پر انگلیاں کھلی رکھے اور ہاتھ پر زور دیتے ہوئے مضبوطی کے ساتھ گھٹنوں کو پکڑے، اور عورت انگلیاں ملا کر ہاتھ گھٹنوں پر رکھدے اور ہاتھ پر زور نہ دے اور پاؤں جھکے ہوئے رکھے؛ مردوں کی طرح خوب سیدھے نہ کرے (۳) مرد اپنے بازوؤں کو پہلو سے بالکل الگ رکھے اور کھل کر رکوع کرے اور عورت اپنے بازوؤں کو پہلو سے خوب ملائے اور جتنا ہو سکے سکڑ کر رکوع کرے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی رحیمیه:٦/ ٤١٠،مسائل شتی، مکتبه رحیمیه)۔

سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا حکم:

سوال: سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: صراحۃً کوئی جزئیہ اس بارے میں نہیں ملا، البتہ امت کا برابر تعامل پایا جاتا ہے اور اس میں سہولت بھی ہے اس وجہ سے سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ ہاں کتب فقہ میں یہ مذکور ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے رکھے پھر ہاتھ رکھے اور بطور استدلال "حديث النهى عن البروك كبروك الإبل" پیش کرتے ہیں، یہ حدیث شریف ترمذی میں موجود ہے۔ اور یہ صورت اسی وقت آسانی سے ہو سکتی ہے جب کہ ہاتھ گھٹنوں پر رکھے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا أراد السجود وضع أولاً ماكان أقرب إلى الأرض فيضع ركبتيه أولاً ثم يديه ثم أنفه ثم جبهته. (الفتاوى الهندية:١/ ٧٥)

نیز مذکور ہے:

ويكره وضع اليد قبل الركبتين إذاسجد.

(الفتاوى الهندية:١/ ١٠٧،الفصل الثاني فيمايكره في الصلاة،بلوچستان)

بہشتی زیور میں ہے:

پھر تکبیر کہتا ہوا دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے ہوئے سجدے میں جائے۔

(بهشتی زیور، گیارواں حصه ص ٨٨٤،فرض نماز کے بعض مسائل)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

صراحۃ یہ جزئیہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا معمول یہ ہے کہ ہاتھوں کو رانوں اور گھٹنوں پر رکھ کر یعنی سہارا لے کر قومہ سے سجدہ میں چلے جاتے ہیں، جیسے کہ سجدہ سے اٹھ کر رانوں اور گھٹنوں پر سہارا لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔

ویمکن أن یشم رائحۃ الاستدلال من حدیث "استعینوا بالرکب" الجامع الصغیر.

(فتاوی محمودیہ: ۵/۶۱۸، نماز کی سنتوں کا بیان، جامعہ فاروقیہ)

"اللہ اکبر" کہتا ہوا دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے ہوئے سجدے میں جائے۔ واللہ اعلم۔

(رسول اکرم ﷺ کا طریقہ نماز: ص ۲۲۳، از قلم مفتی جمیل احمد نذیری)

سجدہ میں جاتے وقت پہلے ناک رکھے یا پیشانی؟

سوال: سجدہ میں جاتے وقت پہلے ناک زمین پر ٹیکے یا پیشانی؟

الجواب: علماء نے سجدہ کی کیفیت میں ذکر فرمایا ہے کہ جو اعضاء زمین سے زیادہ قریب ہیں ان کو پہلے رکھے اس اعتبار سے ناک پہلے رکھے پھر پیشانی اور اٹھاتے وقت پیشانی پہلے اٹھائے پھر ناک، نیز حدیث شریف میں بھی ناک کو پہلے ذکر کرنے میں غالباً اسی طرف اشارہ ہے، واو اگر چہ ترتیب کے لئے نہیں آتا لیکن کبھی تقدیم کے لئے آتا ہے یعنی جو چیز پہلے مذکور ہے وہ استحباباً مقدم ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿إن الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ﴾ میں "تقدیم فی الذکر تقدیم فی العمل والبداءۃ" پر دال ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی حمید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی ﷺ کان إذا سجد أمکن أنفہ وجبہتہ الأرض...... (رواہ الترمذی: ۱/۶۱، باب ماجاء فی السجود علی الجبہۃ والأنف۔ وابن حبان: ۵/۱۸۹/۱۸۷۱۔ والطحاوی فی شرح معانی الآثار: ۱/۲۵۷، باب وضع الیدین فی السجود)

ہدایہ میں ہے:

وسجد علی أنفہ وجبہتہ لأن النبی ﷺ واظب علیہ. (ہدایہ: ۱/۱۰۸، باب صفۃ الصلاۃ)

فتح القدیر میں ہے:

(قولہ لأن النبی ﷺ واظب علیہ) یفیدہ مارواہ أبوداؤد، والنسائی واللفظ لہما والترمذی کما تقدم، وما رواہ أبویعلی والطبرانی "کان النبی ﷺ یضع أنفہ علی الأرض مع جبہتہ" ومافی البخاری من حدیث أبی حمید السابق فإن فیہ "ثم سجد فأمکن أنفہ وجبہتہ من الأرض. (فتح القدیر: ۱/۳۰۳، دارالفکر)

قال الشیخ محمد عوامۃ: لم أفز بروایۃ البخاری لکنہ فی روایۃ أبی داؤد باب افتتاح الصلاۃ. (تعلیق الشیخ محمد عوامۃ علی نصب الرایۃ: ۱/۳۸۲، المکتبۃ المکیۃ)

شرح عنایہ میں ہے:

(وسجد على أنفه وجبهته) تقديم الأنف على الجبهة باعتبار أن الأنف أقرب إلى الأرض فيضعه أولًا. واللّٰه اعلم. (شرح العناية: ۱/۳۰۳ على هامش فتح القدير، دار الفكر)

حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو رکھنے کی کیفیت:

سوال: حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو کیسے رکھنا چاہئے؟

الجواب: بحالتِ سجدہ انگلیوں کو ملا کر رکھنا چاہئے۔

صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه أن النبي ﷺ كان إذا سجد ضم أصابعه.

(رواه ابن خزيمة في صحيحه: ۱/۳۴۷/۶۴۲، باب ضم أصابع اليدين في السجود، المكتب الإسلامي)

مراقی الفلاح میں ہے:

(موجهًا أصابع يديه) ويضمها كل الضم لا يندب إلا هنا لأن الرحمة تنزل عليه في السجود وبالضم ينال الأكثر. واللّٰه اعلم.

(مراقي الفلاح: ص ۱۰۵، مكة المكرمة، كذا في الشامي: ۱/۴۹۸۔ والبحر الرائق: ۱/۳۱۵)۔

صف کے درمیان حالتِ سجدہ میں بازوؤں کو کھولنے کا حکم:

سوال: سجدہ کی حالت میں بازوؤں کو کھولنا مسنون ہے تو کیا صف کے درمیان بھی کھولنا چاہئے؟

الجواب: صف کے درمیان اگر جگہ تنگ ہے اور ایذاء کا اندیشہ ہے تو بازوؤں کو کھول کر نہیں رکھنا چاہئے اور اگر تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے اور صف کے درمیان وسعت ہے تو کھول کر رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

(ويظهر عضديه) في غير زحمة (ويباعد بطنه عن فخذيه) ليظهر كل عضو بنفسه، بخلاف الصفوف فإن المقصود اتحادهم حتى كأنهم جسد واحد. وفي الشامي: (قوله في غير زحمة) جعله قيدًا لإظهار العضدين فقط تبعًا للمجتبىٰ، قال: في البحر أخذًا من الحلية وهذا أولىٰ مما في الهداية والكافي والزيلعي من أنه إذا كان في الصف لا يجافي بطنه عن

فخذيه لأن الإيذاء لايحصل من مجرد المحاذاة، وإنما يحصل من إظهار العضدين.

(الدر المختار مع الشامي: ۱/۵۰۳، سعيد)

آپ کے مسائل میں ہے:

جماعت میں زیادہ کہنیاں نہیں پھیلانی چاہئیں جس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔ واللہ اعلم۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۱۹۶)

عورتوں کے سجدہ کی کیفیت:

سوال: عورتوں کو حالتِ سجدہ میں پاؤں ملانا چاہئے یا کھولنا چاہئے اور کتنا کھولے؟

الجواب: فقہاء نے عورتوں کے سجدہ کی جو کیفیت بیان فرمائی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ کہنیاں زمین پر بچھی ہوئی رکھنی چاہئیں، دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے نہیں رکھنے چاہئیں بلکہ دونوں پیر داہنی طرف نکال لے اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کرے۔

درمختار میں ہے:

والمرأة تنخفض فلا تبدى عضديها وتلصق بطنها بفخذيها لأنه أستر. وفي الشامي: وذكر في البحر أنها لاتنصب أصابع القدمين كماذكره في المجتبىٰ.

(الدر المختار مع الشامي: ۱/۵۰۴، سعيد)

امداد الفتاح میں ہے:

ويسن انخفاض المرأة ولزقها بطنها بفخذيها، لأنها عورة مستورة كما قدمناه وهذا أسترلها، وفي مراسيل أبي داؤد: أنه ﷺ مر على امرأتين تصليان فقال: إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى بعض فإن المرأة ليست في ذلك كالرجل ...... ولاتفتح إبطيها في السجود ...... ولا تنصب أصابع القدمين. (امداد الفتاح: ص ۲۹۷۔ وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۱۱۸)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

الصاق بطن کا مسئلہ جلسہ کے متعلق نہیں بلکہ سجدہ کے متعلق ہے یعنی سجدہ میں پیر کھڑے کرنے سے الصاقِ بطن نہیں ہوتا، بلکہ داہنی طرف نکالنے سے ہوتا ہے، پس سجدہ میں عورت کو چاہئے کہ پیر کھڑے نہ کرے بلکہ داہنی طرف نکال لے تاکہ الصاقِ بطن ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیه: ۵/۶۲۴، باب صفة الصلاة۔ وفتاوی حقانیه: ۳/۹۲)

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت بحالتِ رکوع وسجود سرین اٹھانے کا حکم:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع وسجود کی حالت میں سرین اٹھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع کا اکمل طریقہ یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل آجائے (حتی یحاذی جبهته ركبتيه) اوراس میں سرین اٹھانا لازم نہیں آتا۔ اور سجدہ جس طرح عام طور پر کیا جاتا ہے اسی طرح کرے اوراس میں سرین کا اٹھنا لازمی چیز ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ويعتمد بيديه على الأرض لأن وائل بن حجر رضي الله تعالى عنه وصف صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فسجد وأدعم على راحتيه ورفع عجيزته...... (الهداية: ١٠٨/١، باب صفة الصلاة، شركة علمية)

البحر الرائق میں ہے:

(قوله: وجافى بطنه عن فخذيه) أي باعده لحديث مسلم: كان إذا سجد جافى بين يديه حتى لو أن بهمة أرادت أن تمر بين يديه مرت ولحديث أبي داؤد في صفة صلاته عليه الصلاة والسلام: وإذا سجد فرج بين فخذيه غير حامل بطنه على شيء من فخذيه ...... والمجافاة أن يظهر كل عضو بنفسه فلا تعتمد الأعضاء بعضها على بعض...... (البحر الرائق: ٣٢٠/١، كوئٹة)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن ركع جالسًا ينبغي أن يحاذي بجبهته ركبتيه، أبو السعود.

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ٢٠٣/١، سعيد)

شامی میں ہے:

(ومنها الركوع) ...... وفي حاشية الفتال عن البرجندي: ولو كان يصلي قاعدًا ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع. قلت: ولعله محمول على تمام الركوع وإلا فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أي مع انحناء الظهر تأمل. (شامي: ٤٤٧/١، باب صفة الصلاة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

فإن ركع جالسًا ينبغي أن تحاذي جبهته ركبتيه ليحصل الركوع. ولعل مراده انحناء الظهر عملًا بالحقيقة لأنه يبالغ فيه حتى يكون قريبًا من السجود.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ٢٢٩، قديمي)

آپ کے مسائل میں ہے:

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت اتنا جھکیں کہ سر گھٹنوں کے برابر آجائے۔ واللہ اعلم۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۱۹۵)

قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ:

سوال: مرد اور عورت کے قعدہ میں بیٹھنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: مرد کے بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور اپنے کھڑے پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرے نیز بچھے ہوئے پاؤں کی انگلیوں کو جس قدر ہو سکے قبلہ رخ رکھے اور دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھ کر انگلیاں اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: كان رسول الله ﷺ يستفتح الصلاة بالتكبير ...... وكان يقول في كل ركعتي التحية وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى وكان ينهى عن عقبة الشيطان. (رواه مسلم: ١/١٩٤، باب مايجمع صفة الصلاة)

ترمذی شریف میں ہے:

عن وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قدمت المدينة قلت لأنظرن إلى صلاه رسول الله ﷺ فلما جلس يعني للتشهد افترش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى يعني على فخذه اليسرى ونصب رجله اليمنى.

(رواه الترمذي وقال هذا حديث حسن صحيح: ١/٦٥، باب كيف الجلوس في التشهد، فيصل)

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

إنما سنة الصلاة أن تنصب رجلك اليمنى وتثني اليسرى.

(رواه البخاري: ١/١١٤/٨١٩، باب سنة الجلوس في التشهد)

امداد الفتاح میں ہے:

ويسن افتراش رجله أي: رجل الرجل اليسرى، ونصب اليمنى وتوجيه أصابعها نحو القبلة حالة التشهد في كل قعود في فرض ونفل لقول ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "من سنة الصلاة ...... وفي حديث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا كان النبي ﷺ يفترش ......

(امداد الفتاح: ص ٢٩٩ـ وكذا في مراقي الفلاح: ص ٢٦٩ـ والهداية ١/١١١، باب صفة الصلاة، مكتبة شركة علمية)

عورت کے بیٹھنے کا طریقہ:

عورتوں کو بائیں سرین کے بل بیٹھنا چاہئے اور دونوں پیر داہنی طرف نکال دینا چاہئے اس طرح کہ داہنی ران بائیں ران پر آجائے اور داہنی پنڈلی بائیں پنڈلی پر۔

ہدایہ میں ہے:

وإن كانت امرأة جلست على إليتها اليسرى وأخرجت رجليها من الجانب الأيمن لأنه أسترلها. (هداية: ۱/۱۱۱)

مراقی الفلاح میں ہے:

(و) يسن (تورك المرأة) بأن تجلس على إليتهاوتضع الفخذ على الفخذ وتخرج رجلهامن تحت وركها اليمنى لأنه أسترلها. والله اعلم.

(مراقی الفلاح: ص ۹۹۔ وکذا فی امداد الفتاح: ص ۲۹۹، بیروت)

سجدے میں ایڑیوں کوملانے کاحکم:

سوال: فقہ کی روشنی میں یہ بتائیے کہ سجدے میں ایڑیوں کوملانا چاہئے یانہیں؟

الجواب: فقہائے احناف میں سے متقدمین کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا البتہ بعض متأخرین فقہاء نے ذکر فرمایا ہے تو اس کا مطلب ایڑیوں کوملانا نہیں ہے بلکہ محاذات اور برابر رکھنا ہے، نیز رکوع میں بھی یہی معنی مراد ہے۔

علامہ رافعی التحریر المختار میں فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالحسن سندھی نے اپنی تعلیق میں ذکر فرمایا ہے کہ یہ سنت بعض متأخرین نے ذکر فرمائی ہے صاحب مجتبیٰ کی پیروی کرتے ہوئے ورنہ متقدمین کی کتب مثلاً ہدایہ اور اس کی شروحات وغیرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا بعض مشائخ کا گمان یہ ہے کہ یہ صاحب مجتبیٰ کے اوہام میں سے ہے۔

ملاحظہ ہو التحریر المختار میں ہے:

(قول الشارح ويسن أن يلصق كعبيه) قال الشيخ أبوالحسن السندي الصغيرفي تعليقته على الدرهذه السنة إنماذكرها من ذكرها من المتأخرين تبعًا للمجتبىٰ وليس لها ذكرفي كتب المتقدمة كالهداية وشروحها وكان بعض مشايخنا يرى أنها من أوهام صاحب المجتبىٰ ولمترد في السنة على ماوقفناعليه وكأنهم توهموا ذلك مما ورد أن الصحابة رضي الله تعالى عنهم كانوا يهتمون بسد الخلل في الصفوف ..... قلت: ولعل الشيخ أبوالحسن لحظ إلى

الآثار الواردة فی أن التراوح بین القدمین فی الصلاة مطلقًا أفضل من إلصاقهما.

(التحریر المختار علی ردالمحتار: ۱/ ٦١، سعید کمپنی)

نیز مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تردید فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو سعایہ میں ہے:

ومنها إلصاق الكعبين ذكره جمع من المتأخرين، وجمهور الفقهاء لم يذكروه ولا أثر له فی الكتب المعتبرة كالهداية وشروحها النهاية والعناية والبناية والكفاية وفتح القدير وغيرها والكنز وشرحه للعينی وشرح النقاية لإلياس زاده والبرجندی والشمنی وفتاوى قاضيخان والبزازية ...... وقال خير المتأخرين شيخ مشايخنا محمد عابد السندی المدنی فی طوالع الأنوار شرح الدر المختار قوله: وإلصاق كعبيه أی حالة الركوع قال الشيخ الرحمتی: مع بقاء تفريج ما بين القدمين، قلت: لعله أراد من الإلصاق المحاذاة وذلك بأن يحاذی كل من كعبيه لآخر فلا يتقدم أحدهما على الآخر ...... قلت: لقد دارت هذه المسئلة فی سنة أربع وثمانين بعد الألف والمئتين بين علماء عصرنا فأجاب أكثرهم بأن إلصاق الكعبين فی الركوع والسجود ليس بمسنون ولا أثر له فی الكتب المعتبرة والقول الفصيل أن يقال إن كان المراد بإلصاق الكعبين أن يلزق المصلی أحد كعبيه بالآخر ولا يفرج بينهما كما هو ظاهر عبارة الدر المختار والنهر وغيرهما وسبق إليه فهم المفتی أبی السعود أيضًا فليس هو من السنن على الأصح، كيف وقد ذكر المحققون من الفقهاء أن الأولى للمصلی أن يجعل بين قدميه نحو أربعة أصابع لم يذكروا أنه يلزقهما فی حالة الركوع والسجود، وقال العينی فی البناية نقلاً عن الواقعات ينبغی أن يكون بين قدمی المصلی قدر أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع ...... وإن كان المراد به محاذاة إحدى الكعبين بالآخر كما أبدع العلامة السندی فهو أمر حق ولا بعد فی حمل الإلصاق على المحاذاة فإنه جاء استعماله فی القرب، ويؤيد عدم سنية إلزاق الكعبين بالمعنى الأول أی ترك التفريج بينهما أنه يلزم فيه تحريك إحدى الكعبين إلى الأخرى وتحريك عضو من غير ضرورة ليس بجائز عندهم.

(السعاية: ۲/ ۱۸۰ سہیل اکیڈیمی)

مزید ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام: ۱/ ۴۷۷، مکتبہ دار العلوم۔ واحسن الفتاوی: ۳/ ۳۷۔ ۴۹۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/ ۲۰۳)۔ واللہ اعلم۔

سجدہ میں عقبین ملانے کے بارے میں روایت کی تحقیق:

سوال: نماز میں عقبین کا ملانا سجدہ کی حالت میں بعض احادیث میں وارد ہے مثلاً صحیح ابن خزیمہ، بیہقی، طحاوی، وغیرہ میں حدیث موجود ہے "فوجدته ساجدًا راصًا عقبيه" اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: یہ حدیث مختلف طرق کے ساتھ مختلف کتب میں مذکور ہے لیکن یہ الفاظ "فوجدته ساجدًا راصًا عقبيه" صرف یحیی بن ایوب نقل کرتے ہیں اور دوسرے ثقات کی مخالفت کرتے ہیں لہٰذا یہ زیادتی شاذ ہے۔

حدیث کی تحقیق ملاحظہ ہو:

یہ حدیث مندرجۂ ذیل کتابوں میں مذکور ہے:

(۱) الإسناد الأول: ابـن خزيمة: (٦٥٤) ابن حبان: (١٩٣٣) شرح معاني الآثار: (٢٣٤/١) الحاكم: (٢٢٨/١) البيهقي في الكبير: (١١٦/٢) ابن عبد البر في التمهيد: (٣٤٨/٢٣) وإسناده عند جميعهم من طريق سعيد بن أبي مريم عن يحيى بن أيوب عن عمارة بن غزية عن أبي النضر عن عروة عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها.

سعيد بن أبي مريم	متفرد	
يحيى بن أيوب	علل الذهبي أحاديثه. رد أحمد روايته في الوتر ليس بذلك القوى. قال أبو حاتم: لايحتج به وقال النسائي: ليس بالقوى وقال الدارقطني: في حديثه اضطراب.	المستدرك:٢/١١٠٢۔ المستدرك: ٣/٩٧۔ الضعفاء للعقيلي: ٢١١۔ تنقيح التحقيق:٢/١٩٣۔ ميزان الاعتدال: ٤/٣٦٣۔

ولفظه راصًا عقبيه عند الكل، ويحيىٰ بن أيوب ليس بذلك القوى وخالف الأقوى هنا فشذت روايته.

(۲) الإسناد الثاني: رواه مسلم: (٣٥٢/١) وأحمد: (٢٠١،٨٥/٦) وأبوداؤد: (٥٤٧/١) والنسائي: (١٠٢/١) وابن عبد البر: (٣٤٩/٢٣) عن:

أبوبكربن أبي شيبة	ثقة	ميزان الإعتدال:٩٤٥٤۔

أبو اسامة	ثقة	لسان الميزان۔
عبيد الله بن عمر	حجة من العدول	بيان مشكل الآثار تحفة الأحوذي: ٣/ ٢٤٠۔
محمد بن يحيىٰ بن حبان	ثقة	التاريخ الكبير۔
الأعرج	ثقة	الإكمال۔
أبو هريرة رضي الله تعالى عنه	الصحابي	

ولفظه عند الكل "فوقعت يدي على بطن قدميه".

(٣) الإسناد الثالث: رواه مالك: (١/ ٢١٤) والترمذي: (٥/ ٤٨٩) والطحاوي: (٣٤١) والبغوي: (٥/ ١٦٦) عن:

يحيىٰ بن سعيد الأنصاري	ثقة	ولفظه عند الكل "فوقعت يدي
محمد بن إبراهيم التميمي	ثقة	على قدميه"
عائشة رضي الله تعالى عنها	ام المؤمنين	

الخلاصة: الحديث أصله صحيح في صحيح مسلم: (١/ ٣٥٢) وأحمد: (٦/ ٨٥، ٢٠١) وأبوداؤد: (١/ ٥٤٧) والنسائي: (١/ ١٠٢) وابن عبد البر: (٢٣/ ٣٤٩) ومالك: (١/ ٢١٤) والترمذي: (٥/ ٤٨٩) والطحاوي: (٣٤١) والبغوي: (٥/ ١٦٦) وليس عندهم رص العقبين، فهذا شاذ كما ذكر الحاكم. والله اعلم.

(ملخص من رسالة " لاحديد في أحكام الصلاة")

قومہ اور جلسہ میں اذکار ماثورہ پڑھنے کا حکم:

سوال: قومہ اور جلسہ میں اذکار ماثورہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی شخص پڑھے تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: قومہ اور جلسہ میں اذکار پڑھنے کو فقہاء نے جائز یا مستحب لکھا ہے لہٰذا پڑھنا چاہئے اور جب مستحب ہے تو سجدۂ سہو بھی واجب نہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن علي بن أبي طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذارفع رأسه من الركوع قال: "سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد ملأ السمٰوٰت والأرض وملأ مابينهما وملأ ماشئت من شيء بعد". (رواه الترمذي: ۱/۶۱)

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان يقول بين السجدتين: "اللّٰهمّ اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني". (رواه الترمذي: ۱/۶۳، باب مايقول بين السجدتين)

وقال العلامة الكشميري رحمہ اللہ تعالیٰ في شرح هذا الحديث: وقال القاضي ثناء الله الباني بتي رحمہ اللہ تعالیٰ باستحباب الدعاء خروجًا عن الخلاف ونعم ما قال القاضي المرحوم لاسيما في هذا العصرفإن تحفظ الجلسة متعذربدون تعيين الدعاء فيها.

(العرف الشذي على السنن الترمذي: ۱/۷۰)

شامی میں ہے:

أقول: بل فيه إشارة إلى أنه غيرمكروه، إذ لو كان مكروهًا لنهى عنه كما ينهى عن القراءة في الركوع والسجود وعدم كونه مسنونًا لاينافي الجواز كالتسمية بين الفاتحة والسورة، بل ينبغي أن يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدتين خروجًا من خلاف الإمام أحمد لإبطاله الصلاة بتركه عامدًا ولم أرمن صرح بذلك عندنا،لكن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف، والله أعلم. (شامي: ۱/۵۰۵، سعيد)

نیز شامی میں ہے:

(قوله وما ورد محمول على النفل) ...... وصرح به في الحلية في الوارد في القومة والجلسة وقال: على أنه إن ثبت في المكتوبة فليكن في حالة الإنفراد، أوالجماعة والماموموں محصورون لايتثقلون بذلك كما نص عليه الشافعية، ولاضررفي التزامه وإن لم يصرح به مشايخنا فإن القواعد الشرعية لاتنبوعنه، كيف والصلاة هي التسبيح والتكبيروالقراءة كما ثبت في السنة. (شامي: ۱/۵۰۶، سعيد)

احسن الفتاوی میں ہے:

قومہ اور جلسہ میں دعاء ماثورہ پڑھنا مستحب ہے، فرائض اور نوافل میں کوئی فرق نہیں البتہ جماعت میں ضعفاء کی رعایت سے نہیں پڑھنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۳/۲۸)

مذہبِ احناف میں تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کا ثبوت:

سوال: تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنے کا ثبوت مذہبِ احناف میں ہے یا نہیں؟

الجواب: محققینِ احناف کے نزدیک تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ کرنا مستحب ہے۔امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مؤطا میں اشارہ والی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا: حضور ﷺ کے طریقہ کو ہم اختیار کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

ملاحظہ فرمائیں مؤطا امام محمد میں ہے:

کان رسول اللّٰہ ﷺ إذا جلس فی الصلاۃ وضع کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض أصابعہ کلھا وأشار بأصبعہ التی تلی الإبھام ووضع کفہ الیسری علی فخذہ الیسری قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ: وبصنیع رسول اللّٰہ ﷺ نأخذ وھو قول أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ.

(مؤطاامام محمد: ۱/۱۰۸/۱۴۴،باب العبث بالحصی فی الصلاۃ،قدیمی کتب خانہ)

مراقی الفلاح میں ہے:

وتسن الإشارۃ فی الصحیح لأنہ ﷺ رفع أصبعہ السبابۃ وقد أحناھا شیئاً (رواہ النسائی) ومن قال: إنہ لایشیر أصلاً فھو خلاف الروایۃ والدرایۃ وتکون بالمسبحۃ أی السبابۃ من الیمنی فقط یشیربھا عند انتھائہ إلی الشھادۃ فی التشھد ... یرفعھا عندالنفی أی نفی الألوھیۃ عما سوی اللّٰہ تعالیٰ بقولہ لاإلہ ویضعھا عندالإثبات أی إثبات الألوھیۃ للّٰہ وحدہ بقولہ إلا اللّٰہ لیکون الرفع إشارۃ إلی النفی والوضع إلی الإثبات.

(مراقی الفلاح: ص۹۹،فصل فی سننھا،مکۃ المکرمۃ)

بدائع الصنائع میں ہے:

وھل یشیر بالمسبحۃ إذا انتھیٰ إلی قولہ: ''أشھد أن لاإلہ إلا اللّٰہ'' قال بعض مشایخنا: لایشیر لأن فیہ ترک سنۃ الید وھی الوضع وقال بعضھم: یشیر فإن محمداً رحمہ اللہ تعالیٰ قال فی کتابہ: ''حدثنا عن النبی ﷺ أنہ کان یشیر بأصبعہ فیفعل مثل مافعل النبی ﷺ ویصنع ماصنعہ وھو قول أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقولنا. (بدائع الصنائع: ۱/۲۱۴،سعید)

درمختار میں ہے:

المعتمد ماصححہ الشراح ولاسیما المتأخرون کالکمال والحلبی والبھنسی والباقانی

وشيخ الإسلام الجد وغيرهم أنه يشير لفعله ﷺ، ونسبوه لمحمد رحمه الله تعالى والإمام رحمه الله تعالى، بل في متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار: المفتي به عندنا أنه يشير. وفي الشامي: (قوله ونسبوه لمحمد رحمه الله تعالى والإمام رحمه الله تعالى) وكذا نقلوه عن أبي يوسف رحمه الله تعالى في الأمالي، فهو منقول عن أئمة الثلاثة ...... وفي المحيط أنها سنة، يمكن التوفيق بأنها غير مؤكدة ...... وفي القهستاني: وعن أصحابنا جميعًا أنه سنة.

(الدر المختار مع الشامی: ۱/۵۰۸، سعید)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ذكره في النهاية وغيرها قال نجم الدين الزاهدي: لما اتفقت الروايات عن أصحابنا جميعًا في كونها سنة وكذا عن الكوفيين والمدنيين وكثرت الأخبار والآثار كان العمل بها أولىٰ. (شرح منية المصلی: ص۳۲۸، سہیل اکیڈیمی)

مزید ملاحظہ ہو: (فتح القدیر: ۱/۳۱۳، باب صفة الصلاة دار الفکر۔ وشرح العنایة: ۱/۳۱۲۔ والفتاوی التاتار خانیة: ۱/۵۵۲، کیفیة الصلاۃ، ادارۃ المعارف۔ وتبیین الحقائق: ۱/۱۲۱، امدادیة۔ وفتاوی محمودیه: ۵/۶۳۵۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند مکمل ومدلل: ۲/۱۸۸۔ واحسن الفتاوی: ۳/۳۰)۔ **واللہ اعلم۔**

اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ:

سوال: تشہد میں اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ کیا ہے؟ اور انگلی کس وقت اٹھانا چاہئے؟

الجواب: اشارہ بالسبابہ کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ باندھ لے اور چھنگلیاں اور اس کے پاس کی انگلی کو مٹھی کی طرح بند کرلے اور کلمہ شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرے یعنی لا الہ پر انگلی اٹھائے اور الا اللہ پر جھکا دے، بالکل گرا نہ دے، پھر اخیر قعدہ تک اسی طرح حلقہ باندھے رکھے۔

ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

عن مالك وهو ابن نمير الخزاعي رضي الله تعالى عنه عن أبيه قال: رأيت رسول الله ﷺ واضعًا يده اليمنى على فخذه اليمنى في الصلاة ويشير بأصبعه. وفي رواية له: قال: حدثني مالك بن نمير الخزاعي رضي الله تعالى عنه من أهل البصرة أن أباه حدثه أنه رأى رسول الله ﷺ قاعدًا في الصلاة واضعًا ذراعه اليمنى على فخذه اليمنى رافعًا أصبعه السبابة قد أحناها شيئًا وهو يدعو. وفي رواية له: كان إذا جلس في الصلاة وضع كفه اليمنى على فخذه وقبض يعني أصابعه

كلها وأشار بأصبعه التى تلى الإبهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى.

(روى الثلاثة النسائي: ١/ ١٨٧، باب احناء الاشارة بالسبابة، قديمي كتب خانه)

بدائع الصنائع میں ہے:

وذكر الفقيه أبوجعفر الهندواني: أنه يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى مع الإبهام ويشير بالسبابة وقال: إن النبي ﷺ هكذا كان يفعل. (بدائع الصنائع: ١/ ٢١٤، سعيد)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

المروى عن محمد رحمه الله تعالىٰ فى كيفية الإشارة قال: يقبض خنصره والتى تليها ويحلق الوسطى والإبهام ويقيم المسبحة وكذا عن أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ فى الأمالى وهذا فرع تصحيح الإشارة. (شرح منية المصلى: ص ٣٢٨، سهيل)

امداد الفتاح میں ہے:

يرفعها عند النفى ويضعها عند الاثبات. (امداد الفتاح: ص ٢٣٢، بيروت)

مراقی الفلاح میں ہے:

يرفعها عند النفى أى نفى الألوهية عما سوى الله تعالىٰ بقوله: "لا إله" ويضعها عند الإثبات أى إثبات الألوهية لله وحده بقوله: "إلا الله" ليكون الرفع إشارة إلى النفى والوضع إلى الإثبات. (مراقى الفلاح: ص ٩٩، فصل فى سننها، مكة المكرمة)

مزید ملاحظہ ہو: (شامی: ١/ ٥٠٨، سعید۔ وفتاوی محمودیہ: ٥/ ٦٣٥، مبوب ومرتب)۔ واللہ اعلم۔

اشارے کے بعد اخیر تک انگلی اٹھائے رکھنا:

سوال: تشہد میں انگشتِ شہادت کے بعد انگلی مکمل رکھ دینا چاہئے یا اخیر تک اٹھائے رکھے؟

الجواب: محققین کے نزدیک مذہب مختار یہ ہے کہ انگلی اخیر تک اٹھائے رکھے یعنی مکمل نہ رکھ دے بلکہ ہلکی سی جھکا دے جس کو اٹھائے رکھنے سے تعبیر کیا ہے اور فقہاء کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے نیز نسائی شریف کی روایت کے موافق بھی ہے۔

ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

قال حدثنى مالك بن نمير الخزاعى رضى الله تعالىٰ عنه من أهل البصرة أن أباه حدثه أنه رأى رسول الله ﷺ قاعدًا فى الصلاة واضعًا ذراعه اليمنى على فخذه اليمنى رافعًا أصبعه السبابة قد

أحناها شيئًا وهو يدعو. (رواه النسائي: ١/١٨٧، باب احناء الاشارة بالسبابة، قديمي كتبخانه)

مراقی الفلاح میں ہے:

يرفعها عند النفي أي نفي الألوهية عما سوى الله تعالىٰ بقوله: "لا إله" ويضعها عند الإثبات أي إثبات الألوهية لله وحده بقوله: "إلا الله" ليكون الرفع إشارة إلى النفي والوضع إلى الإثبات. (مراقي الفلاح: ص ٩٩، فصل في سننها، مكة المكرمة)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

تشہد پر انگشتِ شہادت کو اٹھادے اور سلام تک اٹھائے رکھے۔ (فتاوی رشیدیہ: ص ۳۳۱، مکتبہ رحمانیہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

اشارہ کے بعد کی کیفیت کے متعلق عباراتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں "يضعها" کے الفاظ ہیں اس سے انگلی کو بالکلیہ گرادینا مراد نہیں بلکہ قدرے جھکادینا مراد ہے، صرح به الملاعلي القاري رحمہ اللہ تعالیٰ لرواية أبي داؤد والنسائي رافعًا أصبعه السبابة وقد أحناها شيئًا أي أمالها. (تزيين العبارة بتحسين الإشارة لعلي القاري رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۸) امداد الفتاوی میں اس کے متعلق مفصل بحث ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۳۱)۔ واللہ اعلم۔

عذر کے وقت بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا ہو تو تشہد میں بائیں ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کرے گا یا اشارہ ساقط ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اشارہ ساقط ہے اس لئے کہ بائیں ہاتھ سے اشارہ ممنوع ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

فرع: لا يشير بغير المسبحة حتى لو كانت مقطوعة أو عليلة لم يشر بغيرها من أصابع اليمنى ولا اليسرى كما في النووي على مسلم.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٢٦٩، مبحث الإشارة بالسبابة۔ وشرح النووي على صحيح مسلم: ١/٢١٩، باب صفة الجلوس في الصلاة۔ والدر المختار: ١/٥٠٩، سعيد)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

اگر داہنے ہاتھ میں عذر ہے اور انگشت نہیں اٹھا سکتا ہے تو انگشت نہ اٹھائیں، بائیں ہاتھ کی انگشت اٹھانے کا حکم نہیں ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۲/۱۹۲، دار الاشاعت)

خیر الفتاوی میں ہے:

اگر تکلیف کی وجہ سے انگشتِ شہادت سے اشارہ مشکل ہو تو اشارہ ترک کردیں کسی اور انگلی سے نہ کریں کیونکہ اشارہ اسی انگلی سے مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔ (خیر الفتاوی: ۲/ ۲۶۰)

رکوع، سجدہ اور سلام کی کے وقت مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے؟

سوال: رکوع، سجدہ اور سلام کی حالت میں مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے؟

الجواب: حالتِ سجدہ میں ناک کی طرف حالتِ رکوع میں ظاہر قدم پر اور داہنی طرف سلام پھیرتے وقت داہنے کندھے پر اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں کندھے پر نظر رکھنا یہ نماز کے آداب میں سے ہے اور تکمیلِ فرائض کے لئے وسیلہ ہے۔

درمختار میں ہے:

ولها آداب ...... (نظره إلى موضع سجوده حال قيامه وإلى ظهر قدميه حال ركوعه وإلى أرنبة أنفه حال سجوده وإلى حجره حال قعوده وإلى منكبه الأيمن والأيسر عندالتسليمة الأولى والثانية لتحصيل الخشوع. (الدرالمختار: ۱/ ۴۷۷، سعید)

امداد الفتاح میں ہے:

ونظر المصلي إلى موضع سجوده قائمًا وإلى ظاهر القدم راكعًا لأنه أدعى إلى الخشوع ونظره إلى أرنبة أنفه ساجدًا لأن تصويب النظر إليها أقرب إلى الخشوع ...... ولئلا ينظر إلى مايشغله عما هو فيه من الخشوع استحضارًا لعظمة مولاه ...... ويكون ملاحظًا قوله ﷺ "اعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك" وإلى المنكبين مسلمًا فينظر إلى أيمنه في الأول، وإلى أيسره في الثاني، لأن المقصود الخشوع، وترك التكلف فإذا تركه صار ناظرًا إلى هذه المواضع قصد أو لم يقصد. والله اعلم.

(امداد الفتاح: ص ۳۰۶، بیروت۔ وکذا في البحر الرائق: ۱/ ۳۰۴، کوئٹہ۔ ومراقي الفلاح: ص ۱۰۲، مکة المکرمة۔ والطحطاوي: ص ۲۷۷۔ وبدائع الصنائع: ۱/ ۲۱۵، سعید۔ والفتاوی الهندیة: ۱/ ۷۲)

نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ:

سوال: نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ لفظ سلام میں وبرکاتہ بھی کہے یا صرف السلام علیکم کہے؟ مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں جواب عنایت کریں۔

الجواب: ائمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے داہنی طرف لفظ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہے پھر بائیں طرف ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہے نہ اس سے کم کرے اور نہ اس میں اضافہ کرے یہی متوارث عمل ہے۔ البتہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف ''السلام علیکم'' سنت ہے ''ورحمۃ اللہ'' کی زیادتی مسنون نہیں۔

(۱) مذہبِ احناف:

ملاحظہ ہو مبسوط میں ہے:

ثم يسلم تسليمتين أحداهما عن يمينه "السلام عليكم ورحمة اللّٰه" والأخرى عن يساره مثل ذلك لقول النبي صلى الله عليه وسلم "وتحليلها التسليم".

(المبسوط للامام السرخسي رحمه الله تعالىٰ: ١/ ٣٠، مطلب في حكم التسليم، ادارة القرآن)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ويسلم عن يمينه ويقول "السلام عليكم ورحمة اللّٰه" ولا يقول في هذا السلام "وبركاته" كذا ذكر في المحيط فإن المروي فيه عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يسلم عن يمينه "السلام عليكم ورحمة اللّٰه" حتى يرى بياض خده الأيمن وعن يساره "السلام عليكم ورحمة اللّٰه" حتى يرى بياض خده اليسرى رواه أصحاب السنن، وقال الترمذي رحمه الله تعالىٰ حديث حسن صحيح، ولا يتوهم أن مراده هذا السلام الأول وأنه يقول في السلام الثاني "وبركاته" كما يفعله بعض الجهال لأن ذلك خلاف السنة كما في هذا الحديث الصحيح وخلاف عمل الأمة. (شرح منية المصلي: ٣٣٦، سهيل۔ وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ٢٧٤، قديمي۔ وفي الفتاوى الهندية: ١/ ٧٦)

(۲) مذہبِ مالکیہ:

قال العلامة شمس الدين الدسوقي: وظاهر كلام المذهب أنها (ورحمة اللّٰه وبركاته) غير سنة وإن ثبت بها الحديث لأنها لم يصحبها عمل أهل المدينة بل ذكر خاتمة المحققين محمد أمين: أن الأولى الاقتصار على "السلام عليكم" وإن زيادة ورحمة اللّٰه وبركاته خلاف الأولى. (حاشية الدسوقي: ١/ ٣٧٩، وكذا في مواهب الجليل: ٢/ ٢١٩۔ وفي شرح مختصر خليل: ٣/ ٣٤٤۔ وفي المدونة الكبرى: ١/ ٢٢٦)

وقال الإمام مالك رحمہ اللہ تعالیٰ: في "السلام": يقول "السلام عليكم" بلا "ورحمة الله".

(الاستذکار لابن عبدالبر: ٢٨٩/٤)

(۳) مذہبِ شوافع:

ملاحظہ ہو کتاب الام میں ہے:

(قال الشافعي رحمہ اللہ تعالیٰ) وبهذه الأحاديث كلها نأخذ فنأمر كل مصل أن يسلم تسليمتين إمامًا كان أو مأمومًا أو منفردًا ونأمر المصلي خلف الإمام إذا لم يسلم الإمام تسليمتين أن يسلم هو تسليمتين ويقول في كل واحدة منهما "السلام عليكم ورحمة الله".

(كتاب الام: ١٤٦/١، باب السلام في الصلاة، دار الفكر۔ وكذا في شرح المهذب: ٤٧٣/٣، فرضية السلام في الصلاة، دار الفكر)

(۴) مذہبِ حنابلہ:

المغنی میں ہے:

مسئلة: قال: (ثم يسلم عن يمينه فيقول: "السلام عليكم ورحمة الله" وعن يساره كذلك لما روى ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: رأيت النبي صلی اللہ علیہ وسلم...... قال الترمذي رحمہ اللہ تعالیٰ: حديث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حديث حسن صحيح. والله اعلم.

(المغني لابن قدامه الحنبلي: ٥٨٨/١، وكذا في الشرح الكبير: ٥٨٨/١، دار الكتب العلمية، لبنان)

آثارِ سجود سے کیا مراد ہے:

سوال: آثارِ سجود سے کیا مراد ہے؟ بعض لوگوں کی پیشانی پر نشان لگا رہتا ہے کیا یہ مراد ہے یا کچھ اور؟

الجواب: آثارِ سجود کے چند معانی ہیں:

(۱) نماز کی وجہ سے انسان کے اندر تقوی اور اچھائی کا پیدا ہونا اس کی وجہ سے دنیا ہی میں چہرہ کا منور ہونا۔

(۲) شب بیداری کی وجہ سے دن میں چہروں پر پیلا پن اور بیداری کے اثرات مراد ہے۔

(۳) نمازی کے چہرے قیامت کے دن منور ہوں گے۔

(۴) وضو کے اثرات اعضاءِ وضو پر۔

پیشانی پر نشانات نظر آتے ہیں یہ اگر عمداً کسی نے کیا ہے تو برا ہے، اور اس کو تقویٰ کی علامت قرار دینا مفسرین کے نزدیک درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر میں ہے:

وقوله جل جلاله: ﴿سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾ قال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه: ﴿سيماهم في وجوههم﴾ يعني السمت الحسن. وقال مجاهد وغير واحد: يعني الخشوع والتواضع. وقال ابن أبي حاتم: حدثنا أبي، حدثنا علي بن محمد الطنافسي، حدثنا حسين بن جعفي عن زائدة عن منصور عن مجاهد ﴿سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾ قال: الخشوع. قلت: ما كنت أراه إلا هذا الأثر في الوجه، فقال: ربما كان بين عيني من هو أقسى قلبًا من فرعون. وقال السدي: الصلاة تحسن وجوههم، وقال بعض السلف: "من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار" وقد أسنده ابن ماجة في سننه عن إسماعيل بن محمد الصالحي عن ثابت بن موسى عن شريك، عن الأعمش، عن أبي سفيان عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار" والصحيح أنه موقوف. وقال بعضهم: إن للحسنة نورًا في القلب وضياءً في الوجه وسعةً في الرزق ومحبةً في قلوب الناس. وقال أمير المؤمنين عثمان رضي الله تعالى عنه: ما أسرّ أحد سريرة إلا أبداه اللّٰه تعالىٰ على صفحات وجهه وفلتات لسانه، والغرض أن الشيء الكائن في النفس يظهر على صفحات الوجه، فالمؤمن إذا كانت سريرته صحيحة مع اللّٰه تعالىٰ أصلح اللّٰه عزّ وجلّ ظاهره للناس. (تفسير ابن كثير: ٤/٢١٥، سورة الفتح، مكتبة دار السلام)

معارف القرآن میں ہے:

﴿سيماهم في وجوههم من أثر السجود﴾ یعنی نماز ان کا ایسا وظیفہ زندگی بن گیا ہے کہ نماز اور سجدہ کے مخصوص آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں، مراد آثار سے وہ انوار ہے جو عبدیت وخشوع وخضوع سے ہر متقی عبادت گذار کے چہرے پر مشاہدہ کئے جاتے ہیں، پیشانی میں جو نشان سجدہ کا اثر پڑ جاتا ہے وہ مراد نہیں، خصوصاً نمازِ تہجد کا یہ اثر بہت زیادہ واضح ہوتا ہے، جیسا کہ ابن ماجہ میں بروایت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "من كثرت صلاته بالليل حسن وجهه بالنهار" یعنی جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے دن میں اس کا چہرہ حسین پُر نور نظر آتا ہے اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے مراد نمازیوں کے چہروں کا وہ نور ہے جو قیامت میں نمایاں ہوگا۔ (معارف القرآن: ۸/۹۳)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تفسیر مظہری: ۹/۳۶۔ تفسیر طبری: ۱۱/۳۷۰۔ تفسیر قرطبی ۱۶/۲۹۳۔ روح المعانی: ۲۶/۱۲۵۔ تفسیر عثمانی: ص ۶۸۴)۔ واللہ اعلم۔

نماز میں جمائی آنے پر منہ پر ہاتھ رکھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو نماز میں جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور کونسا ہاتھ رکھنا چاہئے؟

الجواب: نماز میں حتی الامکان جمائی کو دفع کرنا چاہئے اگر ممکن نہ ہو تو حالتِ قیام میں داہنے ہاتھ کی پشت کا حصہ منہ پر رکھے اور قیام کے علاوہ کوئی اور رکن میں ہو تو بائیں ہاتھ کی پشت کا حصہ منہ پر رکھے۔

البحر الرائق میں ہے:

(قوله وكظم فمه عند التثاؤب) أي أمسك فمه والمراد به سده لقوله ﷺ التثاؤب في الصلاة من الشيطان فإذا تثاءب أحدكم فليكظم ما استطاع وفي الظهيرية: فإن لم يقدر غطاه بيده أو كمه للحديث. (البحر الرائق: ۱/ ۳۰٤، کوئٹہ)

در مختار میں ہے:

فإن لم يقدر غطاه بظهر يده اليسرى، وقيل باليمنى لو قائمًا...... (الدر المختار: ۱/ ۵۱۵، سعید)

وفي الطحطاوي على الدر:

(قوله بظهر يده اليمنى) هذا حكمه في الصلاة لقلة العمل أما خارجها فبظهر كفه اليسرى كما وردت به الآثار (قوله وقيل باليمنى لو قائمًا) لأن التغطية ينبغي أن تكون باليسرى كالامتخاط فإذا كان قاعدًا يسهل عليه ذلك ولم يلزم منه حركة اليدين بخلاف ما إذا كان قائمًا فإنه يلزم من التغطية باليسرى حركة اليمنى أيضًا لأنها تحتها حلبي. والله اعلم.

(حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/ ۲۱٤۔ وکذا فی الشامی: ۱/ ۵۱۵، سعید۔ وفی شرح منیة المصلی: ص ۳۲۵، سہیل)

بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے ٹوپی کو سترہ بنایا تھا کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور ٹوپی کو سترہ بنانے والی حدیث ضعیف ہے اس سے استدلال درست نہیں، نیز مختلف روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسلاف امت رحمہم اللہ تعالیٰ کا عمل بھی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا منقول ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

(فی باب مکروهات الصلاة): (وصلاته حاسرًا) أی کاشفًا (رأسه للتکاسل) وفی الشامی: (للتکاسل) أی لأجل الکسل بأن استثقل تغطیته ولم یرها أمرًا مهمًا فی الصلاة فترکها لذلك......

(الدر المختار مع الشامی: ۱/ ٦٤١، مکروهات الصلاة، سعید۔ وکذا فی شرح منیة المصلی: ص ٣٤٨، سهیل)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

کھلے سر پھرنا آج کل فیشن ہوگیا ہے اور اس کو فساق وفجار نے اختیار کیا ہے اور یہ بہت قبیح ہے، علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ولا یخفی علی عاقل أن کشف الرأس مستقبح وفیه إسقاط مروة وترك أدب" عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ سر کھولنا قبیح ہے اور مروت کو ختم کرنا ہے اور ادب اور شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے۔ (تلبیس ابلیس: ص ۳۷۳)

قطب ربانی محبوب سبحانی عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "ویکره کشف الرأس بین الناس". لوگوں کے درمیان سر کھولنا مکروہ ہے۔ (غنیة الطالبین: ١/ ١٣۔ فتاوی رحیمیه: ٦/ ٣٥١)

سترہ بنانے والی روایت ضعیف ہے۔

ملاحظہ ہو مقالات الکوثری میں ہے:

وأما ما یروی من أنه صلی اللہ علیہ وسلم کان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بین یدیه وهو یصلی فضعیف کما فی شرح الشمائل وغیره فلا یعرج علیه ولیس له ذکر فی دواوین الحدیث المعتبرة فلا یمکن أن یناهض العمل المتوارث والسنة المتوارثة فی تغطیة الرأس.

(مقالات الکوثری: ص ١٧٢، کشف الرؤوس، دار شمسی للنشر)

ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا ثبوت:

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ کان أقوام یسجدون علی العمامة والقلنسوة.

(بخاری شریف: ١/ ٥٦، باب السجود علی الثوب فی شدة الحر)

عن إبراهیم النخعی رحمہ اللہ تعالیٰ قال: کانوا (الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم) یصلون فی مساتقهم وبرانسهم. (مصنف عبد الرزاق: باب الرجل یسجد لا یخرج یدیه)

زاد المعاد میں ہے:

كانت له عمامة تسمى السحاب كساها عليًا رضي الله تعالى عنه وكان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة. (زادالمعاد: ۱/۱۳۵، فصل في ملابسه، مؤسسة الرسالة)

ترمذی شریف میں ہے:

عن عمربن الخطاب رضي الله تعالى عنه سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ثم الشهداء أربعة رجل مؤمن جيد الإيمان ...... هكذا ورفع رأسه حتى وقعت قلنسوته قال: ماأدري أقلنسوة عمر رضي الله تعالى عنه أراد أم قلنسوة النبي صلى الله عليه وسلم. (رواه الترمذي: ۱/۲۹٤، مطبعه ديوبند)

مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس قلنسوة بيضاء. رواه الطبراني وعنه كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلبس كمة بيضاء. رواه الطبراني في الأوسط.

(مجمع الزوائد: ۵/۱۲۱، دارالريان ـ وشعب الايمان: ۵/۱۷۵)

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: رأيت على رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنسوة خماسية طويلة.

(مسند أبي حنيفة رحمه الله تعالى: ۱/۱۳۷، باب العين، الكوثر)

عن أبي سليط رضي الله تعالى عنه أنه رأى على رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنسوة اسماط لها آذان.

(الآحاد والمثاني: ۳/۳۰۳، دارالراية)

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه قلنسوة بيضاء شامية.

(اخلاق النبي صلى الله عليه وسلم ص ۱۱۹)

فقد ثبت من هذه الأحاديث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لبس قلنسوة في عامة الأحوال والأوقات وكذلك عدة أحاديث تدل على أن الصحابة رضي الله تعالى عنهم كانوا يلبسون القلنسوة في الصلاة كمامر.

مقالاتِ کوثری میں ہے:

والحاصل: أنه لم يثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم في كشف الرأس من غير عذر حتى نقتدي به صلى الله عليه وسلم في كشف الرأس في الصلاة وقد سبق بيان عادة النصارى من كشف الرؤوس في صلاتهم بل هم يفعلون كذلك في كل موقف احترام يقفونه. (مقالات الكوثري: ص ۱۷۳)

قال الشيخ رشيد رضاء في مقالة طبعت في مجلة "المنار": وتكره في أحوال ثلاثة:

الأول: لو يتعود على كشف الرأس.

والثاني: يحسرعن رأسه حال كونه يصلي بالجماعة مع أناس يغطون رؤوسهم.

الثالث: يصرعلى كشف رأسه في المسجد بمحضرمن يكره كشف الرأس ثم ينقده على ذلك فحينئذ تكره الصلاة.

والوجه في حالة الأولى للكراهة أنه يتعود على شيء لاثبوت له من النص بل فعله ذلك يخالف السنة المتوارثة المقبولة من القرون.

العلة في حالة الثانية أنه يخالف الإجماع وهومحظورفي الإسلام.

وسبب الكراهة في الحالة الثالثة أن هذا الرجل يكون مسببًا للغيبة والجدال.

(السنن والبدعات:ص ۵۰)

الخلاصة: تكره الصلاة مكشوف الرأس. لأننا أثبتنا أن لبس القلنسوة كانت سنة مستمرة ولم يثبت أن النبي ﷺ صلى حاسر الرأس بلاضرورة وكذلك هومعمول به من بداية الإسلام إلى هذا العصر وكشف الرأس في جميع الأحوال مكروه. والله اعلم.



فصلِ سوم

مرد اور عورت کی نماز کے فرق کا بیان

مرد اور عورت کی نماز کا فرق اور احادیث وکتبِ فقہ سے اس کا ثبوت:

سوال: مرد اور عورت کی نماز میں کیا فرق ہے؟ نیز اس پر دلالت کرنے والی احادیث کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب: مرد اور عورت کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے جو فرق پایا جاتا ہے، شرعی احکام اور مسائل میں جگہ جگہ ان کا پاس ولحاظ کیا گیا ہے۔ طہارت کے مسائل ہوں یا روزہ وحج کے، عورت کے عورت ہونے کا کسی نہ کسی جگہ اظہار ہو ہی جائے گا۔

اسی طرح اسلام کی سب سے مہتم بالشان عبادت نماز میں بھی مرد اور عورت کے درمیان کچھ نہ کچھ فرق موجود ہے۔

وجہ صرف یہی ہے کہ اس کے پردہ کا لحاظ کیا جائے، اس کے اعضائے نسوانی کا اعلان واظہار نہ ہو۔

ملاحظہ ہو نماز سے متعلق چند مخصوص مسائل:

عورتیں بھی مردوں کی طرح نماز پڑھیں صرف چند مقامات میں ان کو مردوں کے خلاف کرنا چاہئے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) عورتوں کو خواہ سردی وغیرہ کا عذر ہو یا نہ ہو ہر حال میں چادر یا دوپٹہ وغیرہ کے اندر ہی سے ہاتھ اٹھانے چاہئیں باہر نہیں نکالنے چاہئیں۔

(۲) صرف کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھانے چاہئیں۔

(۳) تکبیر تحریمہ کے بعد سینہ پر پستانوں کے نیچے ہاتھ رکھنے چاہئیں۔

(۴) عورتوں کو داہنی ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھ دینا چاہئے حلقہ بنانا اور بائیں کلائی کو پکڑنا نہ چاہئے۔

(۵) رکوع میں زیادہ جھکنا نہیں چاہئے بلکہ صرف اس قدر جھکیں جس میں ان کے ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں۔

(۶) رکوع میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں بغیر کشادہ کئے ہوئے یعنی ملا کر رکھنی چاہئیں۔

(۷) رکوع میں اپنے ہاتھوں پر سہارا نہ دے۔

(۸) رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے ان کو پکڑے نہیں۔

(۹) رکوع میں اپنے گھٹنوں کو جھکائے رکھے۔

(۱۰) رکوع میں اپنی کہنیاں اپنے پہلوؤں سے ملی ہوئی رکھنی چاہئیں یعنی سمٹی ہوئی رہیں۔

(۱۱) سجدہ میں کہنیاں زمین پر بچھی ہوئی رکھنی چاہئیں۔

(۱۲) سجدہ میں دونوں پیر انگلیوں کے بل کھڑے نہیں رکھنے چاہئیں بلکہ دونوں پیر داہنی طرف نکال دے اور خوب سمٹ کر اور دب کر سجدہ کرے، اور سرین نہ اٹھائے۔

(۱۳) سجدہ میں پیٹ رانوں سے ملا ہوا ہونا چاہئے۔

(۱۴) بازو پہلو سے ملے ہوئے ہوں۔

(۱۵) التحیات میں بیٹھتے وقت مردوں کے برخلاف دونوں پیر داہنی طرف نکال کر بائیں سرین پر بیٹھنا چاہئے۔

(۱۶) التحیات میں ہاتھوں کی انگلیاں ملی ہوئی رکھے۔

(۱۷) جب کوئی امر نماز میں پیش آوے مثلاً کوئی آگے سے گذرنا چاہے تو تالی بجائے، مردوں کی طرح سبحان اللہ نہ کہے۔

(۱۸) مردوں کی امامت نہ کرے۔

(۱۹) نماز میں صرف عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

(۲۰) عورتیں اگر جماعت کریں تو جو عورت امام ہو وہ بیچ میں کھڑی ہو آگے بڑھ کر کھڑی نہ ہو۔

(۲۱) عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

(۲۲) مردوں کی جماعت میں عورت مردوں کے پیچھے کھڑی ہو۔

(۲۳) عورتوں پر جمعہ فرض نہیں لیکن اگر پڑھ لیں تو ظہر ساقط ہو جائے گی۔

(۲۴) عورت پر عیدین کی نماز واجب نہیں۔

(۲۵) عورت پر ایامِ تشریق میں فرض نمازوں کے بعد تکبیر جہراً واجب نہیں۔

(۲۶) عورتوں کے لئے نمازِ فجر میں اسفار مستحب نہیں۔

(۲۷) عورت کو کسی بھی نماز میں جہراً قراءت کرنے کی اجازت نہیں۔

(۲۸) عورت اذان نہ دے۔

(۲۹) عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے۔

(ماخوذ از عمدۃ الفقہ ص ۱۱۴، حصہ دوم، کتاب الصلوٰۃ،ادارہ مجددیہ، از مولانا سید زوار حسین صاحب)

کتبِ فقہ کی عبارات ملاحظہ ہو:

(۱) مذہب احناف۔

مراقی الفلاح میں ہے:

ورفع اليدين حذاء المنكبين للحرة على الصحيح لأن ذراعيها عورة ومبناه على الستر ...... وتسن وضع المرأة يديها على صدرها من غير تحليق لأنه أسترلها ...... والمرأة لا تفرّجها (في الركوع) لأن مبنىٰ حالها على الستر ...... ويسن انخفاض المرأة ولزقها بطنها بفخذيها لأنه ﷺ مر على امرأتين تصليان فقال: "إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى بعض فإن المرأة ليست في ذلك كالرجل" لأنها عورة مستورة ...... ويسن تورك المرأة بأن تجلس على اليتها وتضع الفخذ على الفخذ وتخرج رجلها من تحت وركها اليمنى لأنه أسترلها.

(مراقي الفلاح:ص ۹۴-۹۹،فصل في سننها)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(ويسن وضع المرأة يديها) المرأة تخالف الرجل في مسائل منها هذه ومنها أنها لاتخرج كفيها من كميها عند التكبير وترفع يديها حذاء منكبيها، ولاتفرج أصابعها في الركوع، وتنحني في الركوع قليلاً بحيث تبلغ حد الركوع، فلا تزيد على ذلك وتجلس متوركة في كل قعود بأن تجلس على اليتها اليسرى وتخرج كلتا رجليها من الجانب الأيمن وتضع فخذيها على بعضهما، وتجعل الساق الأيمن على الساق الأيسر كما في مجمع الأنهر ولاتؤم الرجال، وتكره جماعتهن ويقف الإمام وسطهن ولا تجهر في موضع الجهر، ولايستحب في حقها الإسفار بالفجر، والتتبع ينفي الحصر. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۲۵۹، فصل في بيان سننها، قديمي۔ والبحر الرائق: ۱/۳۲۱۔ والشامي: ۱/۵۰۴،سعيد۔وفتاوی بينات ۲/۳۱۶، كتاب الصلاة،مكتبة بينات)

(۲) مذہبِ مالکیہ۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

ومفهوم رجل أن المرأة يندب كونها منضمة في ركوعها وسجودها. (قوله يندب كونها منضمة) أي بحيث تلصق بطنها بفخذيها ومرفقيها بركبتيها.

(حاشية الدسوقي: ۱/۳۹۳، دارالفكر)

(۳) مذہبِ شافعیہ۔

ملاحظہ ہو شرح المہذب میں ہے:

وإن كانت امرأة ضمت بعضها إلى بعض لأن ذلك أستر لها.

(شرح المهذب: ۳/۴۲۹، دارالفكر)

کتاب الام میں ہے:

(قال الشافعي رحمه الله تعالى) وقد أدب الله تعالىٰ النساء بالاستتار وأدبهنّ بذلك رسوله ﷺ وأحب للمرأة في السجود أن تضم بعضها إلى بعض وتلصق بطنها بفخذيها وتسجد كأستر ما يكون لها وهكذا أحب لها في الركوع والجلوس وجميع الصلاة أن تكون فيها كأستر مايكون لها وأحب أن تكفت جلبابها وتجافيه راكعة وساجدة عليها لئلا تصفها ثيابها.

(كتاب الام: ۱/۱۳۸، باب التجافي في السجود، دارالفكر)

(۴) مذہبِ حنابلہ۔

ملاحظہ ہو المغنی میں ہے:

مسئلة: قال: (والرجل والمرأة في ذلك سواء إلا ان المرأة تجمع نفسها في الركوع والسجود وتجلس متربعة أوتسدل رجليها فتجعلهما في جانب يمينها. الأصل أن يثبت في حق المرأة من أحكام الصلاة ماثبت للرجال لأن الخطاب يشملها غير أنها خالفته في ترك التجافي لأنها عورة فاستحب لها جمع نفسها ليكون أستر لها فإنه لايؤمن أن يبدو منها شيء حال التجافي وذلك في الافتراش، قال أحمد رحمه الله تعالى: والسدل أعجب إلي واختاره الخلال. قال علي رضي الله تعالى عنه: إذا صلت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها. وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنه أنه كان يأمر النساء أن يتربعن في الصلاة. (المغني لابن قدامة الحنبلي: ۱/۵۹۹، دارالكتب العلمية)

احادیث سے فرق کا ثبوت:

چند احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں مرد اور عورت کے فرق کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور اس کی بنیاد عورت کی نسوانیت اور اس کے پردہ کو قرار دیا گیا ہے۔

مراسیل ابی داؤد میں ہے:

حدثنا سليمان بن داؤد، حدثنا ابن وهب، أخبرنا حيوة بن شريح، عن سالم بن غيلان عن يزيد بن أبي حبيب، أن رسول الله ﷺ مر على امرأتين تصليان، فقال: "إذا سجدتما فضما بعض اللحم إلى الأرض، فإن المرأة ليست في ذلك كالرجل"

(رواه أبو دؤد في مراسيله: ص۱۱۷/۸۷، مؤسسة الرسالة)

وقال شعيب الأرناؤوط في تعليقه على المراسيل: رجاله ثقات.

(تعليق شعيب الأرناؤوط: ص۱۱۸، مؤسسة الرسالة)

بیہقی سنن کبری میں چند روایتیں مذکور ہیں بعض ان میں سے ضعیف ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن الحارث قال قال علي رضي الله تعالى عنه: إذا سجدت المرأة فلتضم فخذيها.

وعن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه صاحب رسول الله ﷺ عن رسول الله ﷺ أنه قال: "خير صفوف الرجال الأول وخير صفوف النساء الآخر وكان يأمر الرجال أن تجافوا في سجودهم ويأمر النساء أن ينخفضن في سجودهن وكان يأمر الرجال أن يفرشوا اليسرى وينصبوا اليمنى في التشهد ويأمر النساء أن يتربعن. (یہ حدیث ضعیف ہے)

وعن مجاهد رحمه الله تعالى عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ إذا جلست المرأة في الصلاة وضعت فخذها على فخذ ها الأخرى وإذا سجدت ألصقت بطنها فخذيها كأستر ما يكون لها. (یہ حدیث بھی ضعیف ہے)

(بيهقي سنن كبرى: ۲/۲۲۲، باب ما يستحب للمرأة من ترك التجافي في الركوع والسجود، دار المعرفة)

مصنف ابن ابی شیبہ میں چند آثار مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه أنه سئل عن صلاة المرأة؟ فقال: تجتمع وتحتفز.

وعن إبراهيم رحمه الله تعالى قال: إذا سجدت المرأة فلتضم فخذيها ولتضع بطنها عليها.

وعن مجاهد رحمه الله تعالى: أنه كان يكره أن يضع الرجل بطنه على فخذيه إذا سجد كما تصنع المرأة.

وعن إبراهيم رحمه الله تعالىٰ قال: إذا سجدت المرأة فلتلزق بطنها بفخذيها ولاترفع عجيزتها ولاتجافي كما يجافي الرجل. (مصنف ابن ابی شیبة:۲/٤ ٥ ٠ ،المرأة كيف تكون في سجودها)

نیز مذکور ہے:

عن خالد بن اللجلاج رحمه الله تعالىٰ قال: كن النساء يؤمرن أن يتربعن إذا جلسن في الصلاة ولايجلس جلوس الرجال على أوراكهن، يتقى ذلك على المرأة مخافة أن منها شيء.

عن نافع: أن صفية رضي الله تعالىٰ عنها كانت تصلي وهي متربعة.

(مصنف ابن ابی شیبة:۲/٥ ٠ ٥ ،في المرأة كيف تجلس في الصلاة)

نیز مذکور ہے:

عن عبد ربه بن زيتون رحمه الله تعالىٰ قال: رأيت أم الدرداء رضي الله تعالىٰ عنها ترفع يديها حذو منكبيها حين تفتتح الصلاة.

وعن عطاء رحمه الله تعالىٰ سئل عن المرأة: كيف ترفع يديها في الصلاة ؟ قال: حذو ثدييها.

وعن حماد رحمه الله تعالىٰ: أنه كان يقول في المرأة إذا استفتحت الصلاة: ترفع يديها إلى ثدييها. والله اعلم. (مصنف ابن أبي شيبة:۲/۲ ٤ ،في المرأة إذا افتتحت الصلاة إلى اين ترفع يديها، المجلس العلمي)

سلفی حضرات کا استدلال اور اس کا جواب:

سوال: سلفی حضرات مرد اور عورت کی نماز کے فرق کے قائل نہیں ہے اور استدلال میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں "صلوا كما رأيتموني أصلي" اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: حدیث بالا کا جواب یہ ہے کہ اس میں دو احتمال ہیں (۱) یا تو اس حدیث میں مرد اور عورت دونوں کی نماز کا بیان ہے۔ (۲) یا صرف مرد کی نماز کا بیان ہے۔ اور یہ دوسرا معنی متعین ہے ان احادیث وآثار کی وجہ سے جو مرد اور عورت کی نماز کے فرق پر دلالت کرتی ہیں جو پہلے ذکر کی جا چکی۔

نیز مرد اور عورت کی نماز کا فرق بہت ساری چیزوں میں پایا جاتا ہے حتی کہ شرائط میں بھی جس کا انکار سلفی حضرات بھی نہیں کر سکتے۔

ملاحظہ ہو:

(۱) مرد عورت کے ستر میں فرق ہے۔ اور ستر کا چھپانا شرائط نماز میں سے ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول الله ﷺ: "لايقبل الله صلاة حائض إلابخمار" رواه الترمذی وقال: حديث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا حديث حسن، والعمل عليه عندأهل العلم أن المرأة إذا أدركت فصلت وشيء من شعرها مكشوف لاتجوزصلاتها.

(ترمذی شریف:۱/۸۶،باب ماجاء لاتقبل صلاة حائض إلابخمار۔ ورواه ابوداؤد:۱/۹۴،باب المرأة تصلي بغيرخمار)

نیز مردوں کے لئے اسبالِ ازارمکروہ تحریمی ہےاورعورتوں کے لئے ضروری ہے تاکہ قدمین کےاوپر کا حصہ چھپارہے۔

ملاحظہ ہوابوداؤدشریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أنها سألت النبی ﷺ أتصلي المرأة في درع وخمارليس عليها إزارقال: إذاكان الدرع سابغًا يغطي ظهورقدميها. (رواه ابوداؤد:۱/۹۴،باب في كم تصلي المرأة)

(۲) مردوں کے لئے نماز باجماعت مسجد میں سنتِ مؤکدہ ہےواجب کےقریب،اورعورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھناافضل ہے، بلکہ اس زمانہ میں تو گھرہی میں پڑھناضروری ہے۔

ملاحظہ ہوحدیث شریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول الله ﷺ: صلاة المرأة في بيتها خيرمن صلاتها في حجرتها وصلاتها في حجرتهاخيرمن صلاتها في دارهاوصلاتها في دارها خيرمن صلاتها خارج. رواه الطبراني في الأوسط ورجاله رجال الصحيح خلازيد بن مهاجر.

(مجمع الزوائد:۲/۳۴،باب خروج النساء الى المساجد)

وعن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صلاة المرأة في بيتهاأفضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في حجرتها أفضل من صلاتها في دارها وصلاتها في دارها أفضل من صلاتها فيما سواها ثم قال: إن المرأة إذاخرجت استشرفها الشيطان. رواه الطبراني في الكبير ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد:۲/۳۴،باب خروج النساء الى المساجد،دارالفكر)

(۳) نمازجمعہ مردوں کے لئے ہے نہ کہ عورتوں کے لئے۔

ملاحظہ ہوحدیث شریف میں ہے:

عن طارق بن شهاب عن النبي ﷺ قال: الجمعة حق واجب على كل مسلم في جماعة إلاأربعة عبد مملوك أوامرأة ...... قال أبوداؤد: طارق بن شهاب قد رأى النبي ﷺ ولم يسمع منه شيئًا. (رواه ابوداؤد:۱/۱۵۳،باب الجمعة للمملوك والمرأة،سعيد)

وفی التعلیق المحمود علی سنن أبی داؤد: وقال البیهقی رحمه الله تعالیٰ: فی المعرفة هذا هو المحفوظ مرسل وهو مرسل جید وقد أسنده عبیدالله بن محمد العجلی فقال: عن طارق عن موسیٰ. (التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد:۱/۱۵۳)

(۴) عورت نہ اذان دے سکتی ہے نہ اقامت۔

قال ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه لیس علی النساء أذان. (مصنف ابن ابی شیبة:۳/۱۲۷)

(۵) تنبیہ کے لئے مرد تسبیح پڑھے اور عورت تسبیح نہ پڑھے بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مارے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: التصفیق للنساء والتسبیح للرجال.

(رواه البخاری:۱/۱۶۰/۱۱۸۹، باب التصفیق للنساء، فیصل)

(۶) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مغرب عشاء اور فجر میں جہراً قراءت فرماتے تھے۔ تو کیا ان اعتراض کرنے والوں کی عورتیں بھی جہر کرتی ہیں؟ اگر کرتی ہیں تو کیا یہ صحابیات سے ثابت ہے؟ واللہ اعلم۔

حالتِ قیام میں عورتوں کا قدمین کے درمیان فاصلہ رکھنے کا حکم:

سوال: حالتِ قیام فی الصلاہ میں عورتیں دونوں قدموں کو ملا کر رکھیں یا بقدر چہار انگشت فاصلہ رکھیں؟

الجواب: عورتوں کے لئے بھی مناسب یہ ہے کہ دونوں قدموں کے درمیان بقدر چہار انگشت فاصلہ رکھیں جیسا کہ کتبِ فقہ میں مذکور ہے اور اس مقام پر مرد و عورت میں فرق نہیں کیا گیا۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ویسن تفریج القدمین فی القیام قدر أربع أصابع لأنه أقرب إلی الخشوع. وفی الطحطاوی: نص علیه فی کتاب الأثر عن الإمام ولم یحك فیه خلافاً.

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص ۲۶۲، فصل فی بیان سننها، قدیمی۔ وکذا فی الشامی: ۱/۴۴۴، بحث القیام، سعید۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۷۳، الفصل الثالث فی کیفیة الصلاة)

امداد الاحکام میں ہے:

قال فی الدر المختار: وینبغی أن یکون بینهما مقدار أربع أصابع الید لأنه أقرب إلی الخشوع هکذا روی عن أبی النصر الدبوسی أنه کان یفعله کذافی الکبری...... اس سے معلوم ہوا کہ بحالتِ قیام دونوں پیروں میں چار انگل کا فصل مناسب ہے، اور اسی حکم سے کسی جگہ عورتوں کو مستثنیٰ نہیں

کیا گیا پس ان کے لئے بھی یہی مناسب ہے ہاں رکوع وسجود کی کیفیت مرد وعورت کی مختلف ہے، واللہ اعلم۔

(امداد الاحکام: ۱/٤٦٦، دار العلوم کراچی)

تحریمہ کے وقت عورت کے لئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ:

سوال: عورت نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھائے گی؟

الجواب: عورت کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت کندھوں تک ہاتھ اٹھائے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن وائل بنحجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ يا ابن حجر إذا صليت فاجعل يديك حذاء أذنيك والمرأة تجعل يديها حذاء ثديها. رواه الطبراني في حديث طويل في مناقب وائل من طريق ميمونة بنت حجر عن عمتها أم يحيى بنت عبد الجبار ولم أعرفها وبقية رجاله ثقات.

(مجمع الزوائد: ۲/۱۰۳، دار الفکر۔ وکذا فی اعلاء السنن: ۲/۱۸۳، ادارۃ القرآن)

مصنف ابن أبی شیبہ میں ہے:

عن عبد ربه بن زيتون قال: رأيت أم الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ترفع كفيها حذو منكبيها حين تفتتح الصلاة. (مصنف ابن أبی شیبۃ: ۲/٤۲۱، المجلس العلمی)

جزء رفع الیدین للبخاری میں ہے:

عن عبد ربه بن سليمان بن عمير قال: رأيت أم الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ترفع يديها في الصلاة حذو منكبها. (جزء رفع الیدین للبخاری: ص)

بدائع الصنائع میں ہے:

وروى محمد بن مقاتل الرازي عن أصحابنا أنها ترفع يديها حذو منكبيها.

(بدائع الصنائع: ۱/۱۹۹، سعید۔ وکذا فی البحر الرائق: ۱/۳۰۵، کوئٹہ)

ہدایہ میں ہے:

(والمرأة ترفع يديها حذاء منكبيها) هو الصحيح لأنه أستر لها. والله اعلم.

(ہدایۃ: ۱/۱۰۰)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾

وعن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال:

﴿قیل یارسول اللّٰہ أیّ الدعاء أسمع قال: "جوف اللیل الآخر ودبر الصلوات المکتوبات"﴾

باب......﴿۴﴾

نماز کے بعد دعاء اور ذکر کا بیان

باب ......﴿۴﴾

نماز کے بعد دعاء اور ذکر کا بیان

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کا حکم:

سوال: فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی جہری دعاء کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فرائض کے بعد اجتماعی انفرادی دعاء کرنے کا ثبوت احادیث اور کتب فقہ میں ملتا ہے، لہذا فرض نمازوں کے بعد دعاء کرنا اولیٰ وافضل ہے، البتہ اجتماعی جہری دعاء سے اجتناب کرنا چاہئے تاکہ مسبوقین کو خلل نہ ہو، اور دعاء کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر دعاء مانگیں اور دعاء سے فارغ ہوکر ہاتھ منہ پر پھیریں۔ (اعدل قول یہ ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں ان نمازوں کے بعد امام مختصری دعاء کرکے سنتوں میں مشغول ہوجائے زیادہ دیر نہ کرے۔)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أدعوا ربكم تضرعًا وخفية﴾. (سورة الأعراف:الآية:۵۵)

ترجمہ: تم لوگ اپنے پروردگار سے دعاء کیا کرو تذلل ظاہر کرکے بھی اور چپکے چپکے بھی۔

(معارف القرآن:۳ /۵۷۶، ادارة المعارف)

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿أدعوني استجب لكم﴾. (سورة المؤمن: الآية: ۶۰)

ترجمہ: تم مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ (معارف القرآن: ۷/۶۰۹)

وقال تعالىٰ: ﴿أجيب دعوة الداع إذا دعان﴾. (سورة البقرة:الآية:۱۸۶)

ترجمہ: قبول کرتا ہوں دعاء مانگنے والے کی دعاء کو جب مجھ سے دعاء مانگے۔ (معارف القرآن:۱/۴۵۰)

اجتماعی دعا کی طرف سنن ابن ماجہ کی اس حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔

عن ثوبان رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: لا يؤم عبد فيخص نفسه بدعوة دونهم فإن فعل فقد خانهم. (ابن ماجه شريف:ص ۶۶ ،باب لا يخص الإمام نفسه بالدعاء،قديمي)

یعنی کوئی آدمی امامت کرنے کے بعد اپنے آپ کو دعا کے ساتھ خاص نہ کرے اگر ایسا کیا تو اس نے مقتدیوں کے ساتھ خیانت کی اس سے نماز کے اندر کی دعا مراد نہیں کیوں کہ اس میں مفرد کے الفاظ ہیں بلکہ اس کے بعد اجتماعی دعا کی طرف اشارہ ہے۔

فرائض کے بعد دعاء کرنے کا ثبوت احادیث سے:

بخاری شریف میں ہے:

كتب المغيرة رضي الله تعالى عنه إلى معاوية بن أبي سفيان رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول في دبر صلاته إذا سلم: "لاإله إلا الله وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهوعلى كل شيء قدير اللّٰهمّ لامانع لما أعطيت ولامعطي لما منعت ولاينفع ذا الجد منك الجد".

(رواه البخاري:۲/۹۳۷/۶۰۸۵، باب الدعاء بعدالصلاة، فيصل)

ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: قيل يارسول الله أيّ الدعاء أسمع قال: "جوف الليل الآخر ودبر الصلوات المكتوبات".

(رواه الترمذي: وقال: هذا حديث حسن: ۲/۱۸۷، باب ماجاء في جامع الدعوات، فيصل)

بخاری شریف میں ہے:

كان سعد رضي الله تعالى عنه يعلم بنيه هؤلاء الكلمات كمايعلم المعلم الغلمان الكتابة يقول: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يتعوذ منهن دبر الصلاة "اللّٰهمّ إني أعوذبك من الجبن وأعوذ بك أن أرد إلى أرذل العمر وأعوذ بك من فتنة الدنيا وأعوذبك من عذاب القبر" فحدثت به مصعبًا فصدقه. (رواه البخاري: ۱/۳۹۶/۲۷۳۸، كتاب الجهاد، فيصل)

مسلم شریف میں ہے:

عن ثوبان رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا انصرف من صلاته استغفر ثلاثًا وقال: "اللّٰهمّ أنت السلام ومنك السلام تباركت ياذا الجلال والإكرام" قال الوليد فقلت للأوزاعي: كيف الاستغفار قال: يقول: استغفر اللّٰه، استغفر اللّٰه، استغفر اللّٰه.

(رواه مسلم: ۱/۲۱۸، باب استحباب الذكر بعدالصلاة، فيصل)

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن أبي الزبير قال: سمعت عبداللّٰه بن الزبير رضي الله تعالى عنه على المنبر يقول: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا انصرف من الصلاة يقول: "لا إله إلا اللّٰه وحده لاشريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير لا إله إلا اللّٰه مخلصين له الدين ولو كره الكافرون أهل النعمة والفضل والثناء الحسن لاإله إلا اللّٰه مخلصين له الدين ولو كره الكافرون".

وفي رواية له: عن زيدبن أرقم رضي الله تعالى عنه قال: سمعت نبي الله صلى الله عليه وسلم يقول دبر صلاته: "اللّٰهمّ ربنا ورب كل شيء أنا شهيد أنك أنت الرب وحدك لاشريك لك ......

وفي رواية له: عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سلم من الصلاة قال: "اللّٰهمّ اغفرلي ما قدمت وما أخرت وما أسررت وما أعلنت وما أسرفت وما أنت أعلم به مني أنت المقدم وأنت المؤخر لاإله إلا أنت".

(روى الثلاثة أبو داؤد: ۱/۲۱۱، باب مايقول الرجل اذاسلم، سعيد)

عمل الیوم واللیلۃ میں ہے:

أم سلمة رضي الله تعالى عنها تقول: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى الصبح قال: "اللّٰهمّ إني أسألك علمًا نافعًا وعملًا متقبلًا ورزقًا طيبًا".

وعن مسلم بن أبي بكرة قال: كان أبي يقول في دبر الصلاة: "اللّٰهمّ إني أعوذ بك من الكفر والفقر وعذاب القبر" وكنت أقولهن فقال لي أبي: أي بني عمن أخذت هذا؟ قلت: عنك، قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقولهن في دبر الصلاة.

وعن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه قال: مادنوت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في دبر صلاة مكتوبة ولاتطوع إلاسمعته يقول: "اللّٰهمّ اغفرلي ذنوبي وخطاياي كلها اللّٰهمّ انعشني واجبرني واهدني لصالح الأعمال والأخلاق إنه لايهدي لصالحها ولايصرف سيئها إلاأنت".

عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: كان مقامي بين كتفي النبي صلى الله عليه وسلم حتى قبض فكان يقول إذا انصرف من الصلاة "اللّٰهم اجعل خير عمري آخره وخير عملي خواتمه واجعل خير أيامي يوم ألقاك".

عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يدعو بهذه الدعوات كلما سلم "اللّٰهمّ لا تخزني يوم القيٰمة ولا تخزني يوم البأس فإن من تخزه يوم البأس فقدأخزيته".

(عمل اليوم والليلة لابن السني رحمه الله تعالى: ص ۳۱-۳۶، باب مايقول في دبر صلاة الصبح)

دعاء میں ہاتھ اٹھانے کا ثبوت:

بخاری شریف میں ہے:

عن يحيٰي بن سعيد وشريك سمعا أنسًا رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم رفع يديه حتى رأيت بياض إبطيه. (رواه البخاري: ۲/۹۳۸، ۶۰۹۶، باب رفع الأيدي في الدعاء، فيصل)

ترمذی شریف میں ہے:

عن عمربن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ إذارفع يديه في الدعاء لم يحطهما حتى يمسح بهما وجهه. (رواه الترمذي: ۲/۱۷۶،باب ماجاء في رفع الأيدي عندالدعاء،فيصل)

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ إن ربكم حي كريم يستحي من عبده إذا رفع يديه إليه أن يردهما صفرًا.

وفي رواية له: عن السائب بن يزيد عن أبيه أن النبي ﷺ كان إذا دعا فرفع يديه مسح وجهه بيديه.

وفي رواية له: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ...... سلوا الله ببطون أكفكم ولاتسئلوه بظهورها فإذا فرغتم فامسحوا بها وجوهكم.

وفي رواية له: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: المسئلة أن ترفع يديك حذومنكبيك أو نحوهما. (روای الأحاديث الأربعة أبوداؤد: ۱/۲۰۹،باب الدعاء،سعيد)

عمل الیوم واللیلۃ میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبي ﷺ أنه قال: مامن عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة ثم يقول: "اللّٰهمّ إلٰهي وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب ...... إلاكان حقًا على الله عزّوجلّ أن لايرد يديه خائبتين. (عمل اليوم والليلة: ص ۳۸/۱۳۸،باب مايقول في دبرصلاة الصبح،دائرة المعارف)

مجمع الزوائد میں ہے:

عن سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: مارفع قوم أكفهم إلى الله عزّوجلّ يسألونه شيئًا إلاحقًا على الله أن يضع في أيديهم الذي سألوا.

(رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح. مجمع الزوائد: ۱۰/۱۶۹،باب ماجاء في الإشارة في الدعاء ورفع اليدين،دارالفكر)

قال الشيخ أحمدالصديق الغماري في رسالته "المنح المطلوبة": نص الحافظ السيوطي رحمہ اللہ تعالیٰ في شرحه على "تقريب النواوي" المسمى "بتدريب الراوي" على أن أحاديث رفع اليدين في الدعاء تواترت عن رسول الله ﷺ تواترًا معنويًا، فقال في مبحث المتواتر ما نصه: "ومنه ما تواتر معناه، كأحاديث رفع اليدين في الدعاء، فقدروي عنه ﷺ نحو مئة حديث فيه رفع يديه في الدعاء. وقد جمعتها في جزء لكنها في قضايا

مختلفة، فكل قضية منها لم تتواتر، والقدر المشترك فيها وهو الرفع عند الدعاء تواتر باعتبار المجموع". (المنح المطلوبة فی استحباب رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوات المکتوبة:وهی مندرجة فی ثلاث رسائل فی استحباب الدعاء ...... ص۵۳،حلب)

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا ثبوت:

ترمذی شریف میں ہے:

عن الفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم: الصلاة مثنٰى مثنٰى تشهد في كل ركعتين وتخشع وتضرع وتمسكن وتقنع يديك يقول ترفعهما إلى ربك مستقبلاً ببطونهما وجهك وتقول يارب يارب ومن لم يفعل ذلك فهو كذا وكذا. قال أبو عيسىٰ: وقال: غير ابن المبارك في هذا الحديث من لم يفعل ذلك فهو خداج.

(رواہ الترمذی:۱/۸۷، باب ماجاء فی التخشع فی الصلاۃ،فیصل)

عمل الیوم واللیلۃ میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلاة ثم يقول: "اللّٰهمّ إلٰهي وإله إبراهيم وإسحاق ويعقوب ...... إلا كان حقًا على اللّٰه عزّ وجلّ أن لا يرد يديه خائبتين. (عمل الیوم واللیلۃ:ص۳۸/۱۳۸،باب مایقول فی دبر صلاۃ الصبح،دائرۃ المعارف)

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن محمد بن يحيٰى قال: رأيت عبداللّٰه بن الزبير رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورأى رجلاً رافعًا يديه يدعو قبل أن يفرغ من صلاته فلما فرغ منها قال: إن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلاته. (رواہ الطبرانی وترجم له فقال محمد بن أبی یحییٰ الأسلمي عن عبداللّٰه بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورجاله ثقات۔ مجمع الزوائد:۱۰/۱۶۹،باب ماجاء فی الإشارۃ فی الدعاء ورفع الیدین،دارالفکر)

معجم صغیر میں ہے:

قال أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: فلقد رأيت رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم كلما صلى الغداة رفع يديه يدعو عليهم....... (المعجم الصغیر للطبرانی:۲/۱۹۵،دارالفکر)

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے:

عن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم رفع يده بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة، فقال: "اللّٰهمّ خلص الوليد بن الوليد....... واللّٰه اعلم.

(اخرجه ابن ابی حاتم فی تفسیرہ:۲۰/۳۶۸/۷/۵۹۰،تحت قوله تعالیٰ: ﴿لا یستطیعون حیلة﴾ (سورۃ النساء:الآیة:۹۸)

دعاء کے اختتام پر "سبحان ربك" کی جگہ "ربنا" کہنے کا حکم:

سوال: بہت سے حضرات نماز کے بعد دعاء کے اختتام پر "سبحان ربك رب العزة......" کی جگہ "سبحان ربنا رب العزة......" پڑھتے ہیں کیا ان الفاظ سے دعاء ختم کرنا درست ہے؟ اگر درست ہے تو "ربنا" میں تبدیلی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیثِ مبارکہ اور نصوص میں کلماتِ مذکورہ بالا "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين" کے پڑھنے کی بہت فضیلت آئی ہے۔ نیز احادیثِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام مثلاً نماز، دعاء اور مجلس وغیرہ کا اختتام ان کلمات سے ہو تو اس کی بہت فضیلت ہے۔ البتہ لفظ ربک کو ربنا میں تبدیل کرنا فی نفسہ جائز ہے لیکن منصوص کی رعایت کرنا زیادہ اولیٰ اور افضل ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع بھی ہے کہ آپ ﷺ ربک پڑھتے تھے جیسا کہ روایات میں مذکور ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن زيد بن أرقم عن أبيه رضي الله تعالى عنه عن النبي ﷺ قال: من قال في دبر صلاة "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين" ثلاث مرات فقد اكتال بالجريب الأوفىٰ من الأجر.

(رواه الطبراني في معجمه الكبير:٥/٢١١، مكتبة العلوم والحكم)

عمل الیوم واللیلۃ میں ہے:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه أن النبي ﷺ كان إذا فرغ من صلاته قال: لا أدري قبل أن يسلم أو بعد أن يسلم يقول: "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين".

(رواه ابن السني في عمل اليوم والليلة:ص٣٣، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، دائرة المعارف العثمانية)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ غير مرة ولا مرتين يقول في آخر صلاته أو حين ينصرف "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين". (مصنف ابن أبي شيبة:١/٢٦٩)

تفسیر ماوردی میں ہے:

روی الشعبي قال: قال رسول الله ﷺ "من سره أن يكتال بالمكيال الأوفى من الأجر يوم القيامة فليقل في آخر مجلسه حين يريد أن يقوم "سبحان ربك رب العزة عمايصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين".

(تفسیرماوردی: ۵/۷٤۔ وتفسیرابن ابی حاتم: ۱۰/۳۲۳٤/۱۸۳۲۲)

مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

قال علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: من سره أن يكتال بالمكيال الأوفى فليقل عند فراغه من صلاته "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين".

(مصنفِ عبدالرزاق: ۲/۲۳٦/۳۱۹٦)

طبرانی میں ہے:

كنا نعرف انصراف رسول الله ﷺ بقوله: "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين". (المعجم الکبیر: ۱۱/۱۱۵)

حلیۃ الاولیاء میں ہے:

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: من أحب أن يكتال بالمكيال الأوفى فليقرأ آخر مجلسه أو حين يقوم "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين".

(حلیۃ الاولیاء: ۷/۱۲۳، دارالکتاب العربی)

مزید تفصیل ملاحظہ ہو: (احکام القرآن للقرطبی: ۱۵/۱٤۱، سورۃ الصافات۔ والدرالمنثور: ۷/۱٤۱، دارالفکر۔ وروح المعانی: ۲۳/۱۵۹، دارالتراث)

ان الفاظ کا پڑھنا بطورِ حکایت ہوگا یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی بات نقل کرتے ہیں انہوں نے سبحان ربک فرمایا ہے اوران کے فرمان کے مطابق ہم ان کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں، جیسے حدیث میں "وأنا أول المسلمين" اور "وأنامن المسلمين" دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

حدیث کے الفاظ سے اقتباس جائز ہے۔ ملاحظہ ہو مختصر المعانی میں ہے:

وأما الاقتباس فهو أن يضمن الكلام نظمًا كان أونثرًا شيئًا من القرآن أو الحديث لاعلى أنه منه ...... ولابأس بتغيير يسير في اللفظ المقتبس للوزن وغيره. (مختصرالمعانی: ۱/٤۵٦)

فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرح متین آیت ذیل کے بارے میں۔ ﴿فاطر السموٰت

والأرض أنت ولیی فی الدنیا والآخرة توفنی مسلمًا وألحقنی بالصلحین﴾. اگر اس آیت کو کوئی دعا کی جگہ میں جمع کے صیغوں سے پڑھے۔یعنی "توفنا مسلمًا وألحقنا بالصالحین". تو کیا اس سے کوئی گناہ ہوتا ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمع کا صیغہ استعمال کرنا کفریہ کلمات بن جاتے ہیں،تو حکم شرع کو تحریر فرما کر مشکور وممنون فرمادیں۔

الجواب: یہ اقتباس کی ایک قسم جو کہ اجماعاً جائز ہے۔قال فی خزانة الأدب ثم اعلم أنه یجوز أن یغیر لفظ المقتبس منه بزیادة ونقصان أوتقدیم أو تأخیر أو إبدال الظاهر من المضمر أو غیر ذلك. واللہ اعلم.

(هکذافی هوامش عقود الدرر:ص ۴۵۰)۔ فقط (فتاوی فریدیه:۱/ ۲۴۰،مایتعلق بالقرآن والتفسیر)

رمضان مبارک میں تراویح کے بعد قبل الوتر دعاء کرنے کا حکم:

سوال: رمضان مبارک میں ہماری مسجد میں وتر کے بعد اجتماعی دعاء ہوتی ہے اور بعض احباب نوافل میں مشغول ہوتے ہیں تو کیا ان کا انتظار کرنا ضروری ہے؟

الجواب: ہمارے اکابر کا طریقہ تراویح کے بعد وتر سے پہلے دعاء کرنے کا ہے نہ کہ وتر کے بعد نیز ختم قرآن کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے لہٰذا اگر آپ حضرات وتر کے بعد دعاء کرنے کے بجائے تراویح کے بعد کرلیں تو زیادہ بہتر ہوگا اور اس میں تمام احباب کی دلجوئی بھی ہوگی اور انتظار کی ضرورت اور مشقت بھی پیش نہیں آئے گی۔تاہم اگر کوئی شخص دعاء میں شریک نہ ہو تو لعن طعن اور اختلاف نہیں کرنا چاہئے اس سے بچنا چاہئے۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

بعد ختم تراویح دعاء مانگنا درست ہے اور مستحب ہے اور معمول سلف وخلف ہے۔پھر وتر کے بعد دعاء ضروری نہیں ایک بار کافی ہے۔یعنی ختم تراویح کے بعد کافی ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/ ۲۵۳)

نیز مذکور ہے:

صحیح یہ ہے کہ ختم قرآن کے بعد اور ہمیشہ نماز تراویح کے بعد دعاء مسنون ومستحب ہے اور حدیث میں ہے کہ یہ وقت اجابتِ دعاء کا ہے اس لئے معمول ہمارے اکابر کا اور مشائخ کا دعاء بعد التراویح وبعد الختم ہے۔ واللہ اعلم۔ (دارالعلوم دیوبند:۴/ ۲۷۱)

فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے مختصر مسئلہ بیان کرنے کا حکم:

سوال: بعض مساجد میں فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے مختصر مسئلہ یا حدیث سنائی جاتی ہے بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ سنتوں میں تاخیر کا باعث ہے اور بدعت ہے لہٰذا اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے قبل مختصر مسئلہ بیان کرنے یا حدیث سنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کو بدعت کہنا درست نہیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی پاک ﷺ فرض نمازوں کے بعد اذکار وادعیہ وغیرہ پڑھتے تھے جس کا ذکر پہلے گذر چکا۔ نیز فرض نماز کے بعد نصیحت کرنا بھی ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

باب يستقبل الإمام الناس إذاسلم: عن سمرة بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان النبي ﷺ إذاصلى صلاةً أقبل علينا بوجهه.

وعن زيدبن خالد الجهني رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال: صلى رسول الله ﷺ صلاة الصبح بالحديبية على أثرسماء كانت من الليل فلما انصرف أقبل على الناس فقال: هل تدرون ماذا قال ربكم عزوجل قالوا: الله ورسوله أعلم قال: أصبح من عبادي مؤمن بي وكافربالكوكب فأما من قال: مطرنا بفضل الله ورحمته فذلك مؤمن بي كافربالكوكب وأما من قال: مطرنا بنوء كذا وكذا فذلك كافربي مؤمن بالكوكب. (رواهما البخاري: ۱/۱۱۷/۸۳۷، ۸۳۸، فيصل)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والحكمة في استقبال المأمومين أن يعلمهم ماكانوا يحتاجون إليه، كذا قيل قلت: فعلى هذا كان ينبغي أن يفعل هذا من كان حاله مثل حال النبي ﷺ من قصد التعليم والموعظة.

والله اعلم. (عمدة القاري: ٤/٦١٨، دار الحديث، ملتان۔ وهكذا في فتح الباري: ٢/٣٣٤، دارنشر الكتب الإسلامية)

حضرت عائشہ "رضی اللہ تعالیٰ عنہا" کی روایت کا مطلب:

سوال: حدیث شریف میں ہے "كان النبي ﷺ لايقعد بعد السلام إلامقدار ما يقول: "اللّٰهم أنت السلام ......" اس روایت کا کیا جواب ہے؟ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ دیر نہیں بیٹھنا چاہئے۔

الجواب: علماء نے اس کے چند جوابات دئے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) یہ روایت ان روایاتِ صحیحہ کثیرہ کے مخالف ہے جو بکثرت آنحضرت ﷺ سے اس کے خلاف منقول ہیں۔

(۲) یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی سند میں تین راویوں پر کلام ہے، (۱) ابوخالد الاحمر، (۲) ابومعاویہ الضریر، (۳) عاصم بن سلیمان الاحول۔

(۳) اس حدیث شریف میں لفظ "لا یقعد" ہے "لم یقرأ" نہیں ہے تو ہوسکتا ہے کہ اتنی مقدار بیٹھ کر پڑھتے ہو اور بقیہ اذکار کھڑے ہونے کی حالت میں پورے کرتے ہو۔

(۴) اس حدیث میں حقیقی مساوات مراد نہیں ہے، بلکہ ایک اندازہ ہے لہٰذا اس کے بقدر دوسرے اذکار پڑھنا جائز ہوگا۔

(۵) یہ بھی ممکن ہے کہ جانبِ قبلہ میں اتنی مقدار بیٹھتے تھے پھر مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوکر باقی اذکار پورے فرماتے تھے۔

ملاحظہ ہو التحفۃ المرغوبۃ میں ہے:

إن قيل: ورد فی حديث مسلم عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ...... فما الجواب عنه؟

قلت: لنا أجوبة أربعة:

الجواب الأول: إن هذا الحديث سنده ضعيف، لأن مداره على ثلاثة رجال:

الأول: أبو خالد الأحمر: ...... اتفق أهل العلم بالنقل أن أباخالد لم يكن حافظًا وأنه روى أحاديث عن الأعمش وغيره لم يتابع عليها، وقال ابن معين: أبو خالد صدوق لكنه ليس بحجة، وقال أبوهشام الرفاعي: هو في الأصل صدوق لكنه إنما أتى من سوء حفظه فيغلط ويخطىء.

والثاني: أبو معاوية الضرير، ...... قال: عبدالله بن أحمد سمعت أبي يقول: أبومعاوية الضرير في غير حديثه عن الأعمش مضطرب، لا يحفظها حفظًا جيدًا، وقال ابن معين: كان يروي عن عبدالله بن عمر مناكير، وقال أبوداؤد: كان أبومعاوية مرجئًا وقال مرة: كان رئيس المرجئة بالكوفة، ......

قلت: ومعلوم أن هذا الحديث لم يروه أبومعاوية عن الأعمش، بل عن عاصم الأحول فيكون مضطربًا.

الثالث: عاصم بن سليمان الأحول ...... عن يحيى بن سعيد القطان: لم يكن بالحافظ وقال إدريس: أنا لا أروى عنه شيئًا، وتركه وهيب لأنه أنكر بعض سيرته.

الجواب الثاني: إن لفظه أنه لم يقعد، وليس أنه لم يقرأ، فجاز أن يكون يقعد هذا القدر ثم يأتي بالأذكار قائمًا.

الجواب الثالث: إن هذا الحديث معارض لجميع الأحاديث الواردة في الذكر والدعاء بعد المكتوبة، المتقدم ذكرها ...... فترجح تلك الأحاديث لكون كثير منها مخرجة في "الصحيحين" وما في "الصحيحين" أصح مما في "صحيح مسلم".

الجواب الرابع: إن قولها: "إلا مقدار ما يقول: "اللّٰهمّ أنت السلام" ليس المراد به المساواة التحقيقية بل التقريبية ......

(مختصر التحفة المرغوبة في أفضلية الدعاء بعد المكتوبة للشيخ محمد هاشم السندي: ص ٤٤، المطبوعات الاسلامية بحلب)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وقول عائشة رضي الله تعالى عنها مقدار ما يقول ...... يفيد أن ليس المراد أنه كان يقول ذلك بعينه بل كان يقعد زمانًا يسع ذلك المقدار ونحوه من القول تقريبًا فلا ينافي ما في الصحيحين عن المغيرة رضي الله تعالى عنه أنه صلى الله عليه وسلم كان يقول في دبر صلاة مكتوبة: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له ......" لأن المقدار المذكور من حيث التقريب دون التحديد قد يسع كل واحد من نحو هذه الأذكار لعدم التفاوت الكثير بينهما وكون التقدير بالتقريب في التخمين دون التحديد والتحقيق. والله أعلم. (شرح منية المصلي: ص ٣٤٢، سهيل اكيڈيمي)

مزید ملاحظہ ہو: ("النفائس المرغوبة في حكم الدعاء بعد المكتوبة" ص ١٢، فصل سوم، از مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، کراچی)۔ **واللہ اعلم۔**

فرض نماز کے بعد امام کس طرف رخ کر کے چلا جائے؟

سوال: فرض نماز کے بعد امام کس طرف رخ کر کے چلا جائے؟

الجواب: امام کو اختیار ہے جس طرف چاہے رخ کرے مگر داہنی طرف سے افضل ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کار خیر میں داہنی جانب پسند فرماتے تھے۔ مگر گاہے گاہے ترک بھی مناسب ہے تا کہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھیں۔

ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان النبي ﷺ ينصرف عن يمينه. (رواه مسلم)

وعن عبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لايجعل أحدكم للشيطان شيئًا من صلاته يرى أن حقًا عليه أن لاينصرف إلاعن يمينه لقد رأيت رسول الله ﷺ كثيرًا ينصرف عن يساره.
(متفق عليه)

وعن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كنا إذا صلينا خلف رسول الله ﷺ أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه قال:فسمعته يقول: "رب قني عذابك يوم تبعث أوتجمع عبادك.
(رواه مسلم۔ مشكوٰة شريف: ۸۷/۱،باب الدعاء في التشهد،قديمي)

ترمذی شریف میں ہے:

عن قبيصة بن هلب عن أبيه رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ يؤمنا فينصرف على جانبيه جميعًا على يمينه وعلى شماله ...... قال أبوعيسىٰ: حديث هلب حديث حسن والعمل عليه عند أهل العلم أنه ينصرف على أي جانبيهشاء إن شاء عن يمينه وإن شاء عن يساره وقد صح الأمران عن رسول الله ﷺ.
(ترمذي شريف: ۶۶/۱،باب ماجاء في الانصراف عن يمينه وعن يساره،فيصل)

درمختار میں ہے:

وخيره في المنية: بين تحويله يمينًا وشمالاً وأمامًا وخلفًا وذهابه لبيته، واستقباله الناس بوجهه ولودون عشرة. وفي الشامي:لكن التخيير في المنية هوأنه إن كان في صلاة لاتطوع بعدها، فإن شاء انحرف عن يمينه أويساره أوذهب إلى حوائجه واستقبل الناس بوجهه، وإن كان بعدها تطوع وقام يصليه يتقدم أويتاخر أوينحرف يمينًا أوشمالاً أو يذهب إلى بيته فيتطوع ثمه، ...... بل في شرح المنية إن انحرافه عن يمينه أولىٰ، وأيده بحديث في صحيح مسلم ...... وذكره النووي أنه عنداستواء الجهتين في الحاجة وعدمها، فاليمين أفضل لعموم الأحاديث المصرحة بفضل اليمين في باب المكارم ونحوها كما في الحلية. والله اعلم.
(الدرالمختارمع ردالمحتار: ۵۳۱/۱، سعيد)

نماز کے بعد دعا کے لئے مقتدیوں کی طرف رخ کرنے کا حکم:

سوال: فرض نمازوں کی دو قسمیں ہیں بعض وہ ہیں جن کے بعد سنتیں ہیں بعض وہ ہیں جن کے بعد سنتیں نہیں، ان دونوں کے بعد امام کو مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہئے یا قبلہ رخ بیٹھنا چاہئے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کو تمام نمازوں کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم...... عن سمرة رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه. (رواه البخاري: ١/١٨١، فيصل)

قال العلامة العيني رحمه الله تعالى في شرح هذا الحديث:

والحكمة في استقبال المأمومين أن يعلمهم ما كانوا يحتاجون إليه، كذا قيل قلت: فعلى هذا كان ينبغي أن يفعل هذا من كان حاله مثل حال النبي صلى الله عليه وسلم من قصد التعليم والموعظة، وقيل: الحكمة فيه تعريف الداخل بأن الصلاة انقضت إذ لو استمر الإمام على حاله لأوهم أنه في التشهد مثلا. (عمدة القاري: ٤/٦١٨، دار الحديث، ملتان)

وقال في موضع آخر في شرح هذا الحديث:

وفيه استحباب إقبال الإمام بعد سلامه على أصحابه. (عمدة القاري: ٦/٢٩٩، دار الحديث ملتان)

فیض الباری میں ہے:

اعلم أن الإمام إن أراد الانصراف إلى بيته سلم وانصرف وإن أراد القعود فالسنة له أن يستقبل القوم جزمًا، وبه جزم المصنف رحمه الله تعالى وصرح به الجوزجاني في مبسوطه.

(فيض الباري: ٢/٣١٦)

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے خزائن السنن میں فرمایا:

نماز سے سلام پھیرنے کے بعد امام سیدھا مقتدیوں کی طرف رخ پھیر کر بیٹھے۔

قال في البحر الرائق: إن كان إماما وكانت صلاة يتنفل بعدها فإنه يقوم ويتحول عن مكانه إما يمنة أو يسرة أو خلفه والجلوس مستقبلا بدعة وإن كان لا يتنفل بعدها يقعد مكانه وإن شاء انحرف يمينًا وإن شاء استقبله بوجهه إلا أن يكون بحذائه مصل سواء كان في الصف الأول أو في الأخير والاستقبال إلى المصلي مكروه. (البحر الرائق: ١/٣٣٥، كوئتة)

اور جن ادعیہ کا ذکر حدیث میں آتا ہے امام ان کو مقتدیوں کی طرف بیٹھ کر پڑھے۔

المتانة في مرمة الخزانة: (ص ١٧٩) میں ہے: وقد ثبت أنه صلى الله عليه وسلم كان إذا صلى أقبل على أصحابه بوجهه فيحمل ما ورد من الدعاء بعد السلام على أنه كان يقوله بعد أن يقبل على

أصحابه بوجهه الشريف فقد كان عليه الصلاة والسلام يسرع الاستقبال إلى المأمومين فكان ينصرف عن يمينه ويساره. (حزائن السنن: ١٣٤، ١٣٥)

ترمذی شریف میں ہے:

ولا يؤم قومًا فيخص نفسه بدعوة دونهم فإن فعل فقد خانهم. (رواه الترمذي: ٨٢/١)

اس روایت سے بھی اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ مقتدیوں کی طرف توجہ کر کے دعا میں سب کو شامل کرے۔ واللہ اعلم۔

فرض نماز کے بعد "اللّٰهمّ أنت السلام ......" کے علاوہ دعا کا حکم:

سوال: اگر فرض نماز کے بعد بیٹھ کر "اللّٰهمّ أنت السلام الخ" کے علاوہ کوئی اور دعا پڑھے مثلاً "اللّٰهم إني أعوذبك من عذاب جهنم" تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ فرض نماز کے بعد مختصر دعا فرماتے تھے اس میں کبھی "اللّٰهمّ انت السلام" اور کبھی دوسری دعا لہٰذا "اللّٰهم إني أعوذبك من عذاب جهنم" بھی پڑھ سکتے ہیں، نیز اس کے علاوہ بھی دیگر ادعیہ پڑھنا جائز ہے اور ماثور کا اتباع اولیٰ ہے بعض شارحین نے یہ تاویل کی ہے کہ "اللّٰهمّ أنت السلام" کی مقدار میں قبلہ کی طرف متوجہ رہتے تھے بعد میں مصلیوں کی طرف چہرہ مبارک پھیرتے تھے۔

معارف السنن میں ہے:

وحديث عائشة رضي الله تعالى عنها لم يقعد إلا مقدار ما يقول: "اللّٰهمّ أنت السلام" نص صريح في المراد وما يتخايل أنه لم يخالفه لم يقو قوته أو لم تلزم دلالته على ما يخالفه فوجب اتباع هذا النص، ثم إن ذلك تقريب، فقد يزيد قليلا وقد ينقص قليلا، وقد يدرج وقد يرتل ثم إنه لم يثبت مواظبته على ذكر خاص، فكان يقول تارةً هذا وتارةً ذلك ......

(معارف السنن: ١١٩/٣، بيان الأذكار بعد السلام، سعيد كمبني)

بخاری شریف میں ہے:

عن مغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه أن النبي ﷺ كان يقول في دبر كل صلاة مكتوبة: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللّٰهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد". (بخاري شريف: ١١٦/١، باب الذكر بعد الصلاة)

ترمذی شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كان رسول الله ﷺ إذا سلم لايقعد إلامقدارما يقول اللّٰهمّ أنت السلام ...... الخ، وفي رواية عن النبي ﷺ أنه كان يقول بعد التسليم: "لا إله إلاالله وحده ...... اللّٰهمّ لامانع لما أعطيت ......" وروى أنه كان يقول: "سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين". والله اعلم.

(ترمذی شریف: ۱/۶۶، باب ما يقول إذا سلم)

فرائض کے بعد سنن میں مشغول ہونا اولیٰ ہے:

سوال: جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں بعض ائمہ حضرات اس کے بعد لمبی لمبی جہری دعائیں کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جن فرائض کے بعد سنتیں ہیں ان فرائض کے بعد مختصر دعا پر اکتفاء کرکے سنن ونوافل میں مشغول ہونا اولیٰ ہے، لہٰذا جو ائمہ لمبی لمبی دعائیں کرتے ہیں ان کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے تاکہ سنت اور فرائض میں زیادہ فاصلہ نہ ہو نیز مسبوقین کی نماز میں خلل بھی نہ ہو۔

ملاحظہ ہو محدث العصر علامہ حضرت بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ معارف السنن میں فرماتے ہیں:

قال الشيخ في فتح القدير في "باب النفل ۱/۳۱۳، ۳۱۴" ما ملخصه: أن المسنون عدم الفصل بين الفريضة والسنن إلا قدر ما يقول: "اللّٰهمّ أنت السلام كما في حديث عائشة رضي الله تعالى عنها عند مسلم والترمذي وهو الذي ذكره في شرح الحاكم الشهيد وذكره البقالي ...... وماثبت عنه أنه ﷺ أنه كان يقول: "لاإله إلاالله وحده لاشريك له الخ" وأنه أرشد فقراء المهاجرين إلى التسبيحات وأخواتها ثلاثاً وثلاثين وغير ذلك دبر الصلاة فلايقتضي وصلها بالفريضة بل يصح كونها دبر الصلاة إذا كان عقيب السنة من غير اشتغال بما هو ليس من توابع الصلاة ...... وما ذكره الحلواني من أنه لابأس بأن يقرأ الأوراد بين الفريضة والسنة فمفاده أيضا أن الأولى أن لايقرأها ...... انتهى ملخصا ...... وتحقيق الشيخ ابن الهمام هذا يطمئن إليه القلب أكثر مما يطمئن إلى ما أفاده الشاه ولي الله رحمه الله تعالى في "حجة الله البالغة" في أذكار الصلاة من الجزء الثاني من ذكره أذكارًا كثيرةً ثم قال: الأولىٰ أن يأتي بها قبل الرواتب الخ......

(معارف السنن: ۳/۱۱۸-۱۱۹، باب ما يقول إذا سلم، سعيد كمبنى)

درمختار میں ہے:

ویکره تأخير السنة إلا بقدر اللّٰهمّ أنت السلام الخ قال الحلواني: لابأس بالفصل بالأوراد واختاره الكمال، قال الحلبي إن أريد بالكراهة التنزيهية ارتفع الاختلاف قلت: و في حفظي حمله على القليل، وفي الشامي: قوله لابأس بالفصل الوارد أي القليلة التي بمقدار اللّٰهمّ أنت السلام. واللہ اعلم۔ (الدر المختار مع الشامي: ۱/۵۳۱، سعید۔ وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۳۱۱، قديمي۔ وفتاوی محمودیة: ۵/۶۸۰، جامعہ فاروقیہ)

فرائض اور سنن کے درمیان اذکار مسنونہ پڑھنے کی گنجائش ہے:

سوال: کیا اکابریں میں سے کسی نے فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے تسبیحاتِ فاطمی اوراذ کارِ مسنونہ پڑھنے کو ترجیح دی ہے یا نہیں؟

الجواب: ہمارے بزرگوں میں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، شیخ محمد ہاشم تتوی سندی، اور حضرت شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہم اللہ تعالیٰ، ان حضرات نے فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے اذکارِ مسنونہ پڑھنے کو ترجیح دی ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت شاہ ولی اللہ ’’حجۃ اللہ البالغہ‘‘ میں فرماتے ہیں:

والأدعية كلها بمنزلة أحرف القرآن، من قرأ منها شيئًا فاز بالثواب الموعود، والأولىٰ أن يأتي بهذه الأذكار قبل الرواتب، فإنها جاء في بعض الأذكار ما يدل على ذلك نصًا، كقوله: من قال قبل أن ينصرف ويثني رجليه من صلاة المغرب والصبح: "لا إله إلا اللّٰه ...... الخ، وكقول الراوي: كان إذا سلم من صلاته يقول بصوته الأعلىٰ: لا إله إلا اللّٰه ...... الخ، قال ابن عباس رضي الله تعالى عنه: كنت أعرف انقضاء صلاة رسول اللّٰه ﷺ بالتكبير، وفي بعضها ما يدل ظاهرًا كقوله: دبر كل صلاة، وأما قول عائشة رضي الله تعالى عنها: كان إذا سلم لم يقعد إلا مقدار ما يقول: "اللّٰهمّ أنت السلام ...... الخ، فيحتمل وجوهًا:

منها: أنه كان لا يقعد بهيئة الصلاة إلا هذا القدر، ولكنه يتيامن ويتياسر، أو يقبل على القوم بوجهه، فيأتي بالأذكار، لئلا يظن الظان أن الأذكار من الصلاة.

ومنها: أنه كان حينًا بعد حين يترك الأذكار غير هذه الكلمات، يعلمهم أنها ليست فريضة، وإنما مقتضى هذا كان وجود هذا الفعل كثيرًا، لا مرة ولا مرتين، ولا المواظبة، والأصل في

الرواتب أن يأتي بهافي بيته، والسرفي ذلك كله أن يقع الفصل بين الفرض والنوافل بماليس من جنسها، وأن يكون فصلاً معتداً به يدرك بادى الرأى، وهوقول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لمن أراد أن يشفع بعد المكتوبة: اجلس فإنه لم يهلك أهل الكتاب إلاأنه لم يكن بين صلواتهم فصل، فقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: "أصاب الله بك يا ابن الخطاب" وقوله صلی اللہ علیہ وسلم: "اجعلوهافي بيوتكم".

(حجة الله البالغة: ۲/ ۵۱_۵۲، مكتبة حجاز ديوبند)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ "فتح الملہم" میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالاعبارت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت: فالإتيان بشيء من الأذكار والأدعية المأثورة بعد الفرائض متصلاً بها هو الراجح في نظري، فإنه يفيد فصلاً زمانيًا بين الفريضة والنافلة، كما أن التحول من موضع الفريضة يفيد فصلاً مكانيًا، والله أعلم. (فتح الملهم: ٤/ ٢٤٨، باب استحباب الذكر بعدالصلاة)

شیخ محمد ہاشم تتوی سندی "مختصر التحفۃ المرغوبۃ" میں فرماتے ہیں:

قدعلمت مما ذكرنا في الباب الأول أن أصل الدعاء بعد المكتوبة سنة مستحبة، بقي الكلام في أن الدعاء بعد المكتوبة قبل السنة هل هومكروه أم لا؟

فنقول: الأحاديث التي قدمناها في الباب الأول كلها تدل بظاهرها أن دعاء النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان بعدالسلام مباشرة، قبل أن يصلي السنن الرواتب، كما هو المتبادر من قول رواة تلك الأحاديث: (إذا سلم)، (إذا انصرف)، و (إذا)هذه للمتابادرة، (دبر كل صلاة مكتوبة)، ونحو ذلك من الألفاظ.

وكثيرمن تلك الأحاديث يصرح رواتهامن الصحابة بأنهم سمعوا النبي صلی اللہ علیہ وسلم يدعو بتلك الدعوات كتوبة، ومعلوم أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان من هديه أداء السنن الرواتب والنوافل في البيت، دون المسجد، فلولاأن النبي صلی اللہ علیہ وسلم أتى بتلك الدعوات بعد المكتوبة مباشرة، قبل أن ينصرف إلى بيته لما سمعوها من النبي صلی اللہ علیہ وسلم، كماهوظاهر.

وأماأن النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان يصلي السنن والنوافل في البيت فتدل عليه أحاديث: ذكر منها أربعة. والله اعلم.

(مختصرالتحفة المرغوبة للشيخ محمد هاشم التتوي السندي: ص ٤١_٤٦، الباب الثاني في أن الدعاء بعدالمكتوبة قبل السنة جائزبلاكراهة بل هوأفضل من أن يكون بعدالسنة، مندرجة في "ثلاث رسائل في استحباب الدعاء ورفع اليدين فيه بعدالصلوات المكتوبة" حلب)

نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنے کا ثبوت:

سوال: نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعاء پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعاء پڑھنا: "**بسم اللّٰہ الذی لاإلہ إلاھو الرحمٰن الرحیم، اللّٰھمّ اذھب عنی الھمّ والحزن**" نبی پاک ﷺ سے ثابت ہے اور پڑھنا چاہئے اگر چہ حدیث ضعیف ہے۔

ملاحظہ ہو حلیۃ الاولیاء میں ہے:

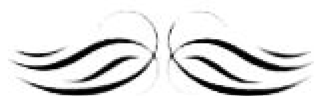
عن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ ﷺ إذا سلم من صلاتہ مسح جبھتہ بیدہ الیمنی وقال: "بسم اللّٰہ الذی لا إلہ إلا ھو الرّحمٰن الرّحیم، اللّٰھمّ اذھب عنی الھمّ والحزن" غریب من حدیث معاویۃ تفرد بہ عنہ زید العمی وھو أبو الحواری زید بن الحواری بصری فیہ لین. (حلیۃ الاولیاء: ۲/۳۰۱، فی ترجمۃ معاویۃ بن قرۃ، دار الفکر)

مزید ملاحظہ ہو: (عمل الیوم واللیلۃ: ص ۳۱، باب ما یقول فی دبر صلاۃ الصبح۔ ومجمع الزوائد: ۱۰/۱۱۰، باب الدعاء فی الصلاۃ وبعدھا، وقال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الأوسط والبزار بنحوہ بأسانید وفیہ زید العمی وقد وثقہ غیر واحد وضعفہ الجمھور، وبقیۃ رجال أحد إسنادی الطبرانی ثقات، وفی بعضھم خلاف، دار الفکر۔ والدعاء للطبرانی: ۱/۲۱۰۔ ومعجم الأوسط للطبرانی: ۳/۲۴۳/۲۵۲۰، مکتبۃ المعارف الریاض)۔ (اس روایت کی تحقیق جلد اول کے "ابواب الحدیث" میں گذر چکی)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے:

فرائض کے بعد سر پر ہاتھ رکھ کر یہ دعاء پڑھنا "بسم اللہ" حصن حصین میں ہے اور حدیث اس بارے میں منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم دیو بند: ۲/۲۱۱، مدلل ومکمل، دار الاشاعت۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/۱۰۲، باب سنن الصلاۃ، دار العلوم حقانیہ)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا﴾

﴿وقال رسول اللّٰہ ﷺ:

"زینوا القرآن باصواتکم"﴾

(رواہ أبو داود)

باب ......﴿۵﴾

قراءت وتجوید اور قاری کی لغزشوں کا بیان

باب ......﴿۵﴾

قراءت وتجوید اور قاری کی لغزشوں کا بیان

قراءت کے درمیان میں سجدۂ تلاوت کرلیا پھر تلاوت جاری رکھنا ہو تو استعاذہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تلاوت کے درمیان سجدۂ تلاوت کرلے پھر تلاوت جاری رکھنا چاہے تو استعاذہ پڑھے گا یا نہیں؟

الجواب: تلاوت کے درمیان قراءت سے متعلق کام میں مشغول ہو تو پھر استعاذہ کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر قراءت سے متعلق نہیں تو دوبارہ استعاذہ پڑھنا سنت ہے۔ اور سجدۂ تلاوت بظاہر قراءت سے متعلق ہے اس لئے کہ تلاوت ہی سے واجب ہوا ہے لہٰذا دوبارہ استعاذہ پڑھنا سنت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

والتعوذ يستحب مرة واحدة مالم يفصل بعمل دنيوي.

(شرح منية المصلي: ص ٤٩٥، مسائل زلة القاري، سهيل اكيڈمی)

معارف القرآن میں ہے:

تلاوتِ قرآن نماز میں ہو یا خارج نماز دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے "اعوذ باللہ......" پڑھنا سنت ہے، مگر ایک دفعہ پڑھ لیا تو آگے جتنا پڑھتا رہے وہی ایک تعوذ کافی ہے۔ البتہ تلاوت کو درمیان میں چھوڑ کر کسی دنیوی کام میں مشغول ہو گیا اور پھر دوبارہ شروع کیا تو اس وقت پھر دوبارہ تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔

(معارف القرآن: ۵/۳۸۹، سورۃ النحل، از مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

الاتقان میں ہے:

قال: وإذا قطع القراءة إعراضًا أو بكلام أجنبي ولورد السلام استأنف (الاستعاذة) ولو يتعلق بالقراءة فلا. (الاتقان في علوم القرآن: ١/٢٩٣، آداب التلاوة، بيروت)

النشر میں ہے:

إذا قطع القارى القراء ة لعارض من سوال أو كلام يتعلق بالقراء ة لم يعد الاستعاذة و ذلك بخلاف ما إذا كان الكلام أجنبيًا ولورد السلام فإنه يستأنف الاستعاذة وكذا لو كان القطع إعراضًا عن القراء ة كما تقدم، والله أعلم. واللہ اعلم۔ (النشر فی القراء ات العشر:۱/۲۵۹)

﴿الرّحمٰن الرّحیم﴾ کو﴿ربّ العٰلمین﴾ کے ساتھ ملا کر پڑھنے کا حکم:

سوال: سورۂ فاتحہ میں ﴿الرّحمٰن الرّحیم﴾ کو﴿ربّ العٰلمین﴾ کے ساتھ ملا کر پڑھنا بہتر ہے یا ہر آیت پر وقف کرنا چاہئے؟

الجواب: یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض کے نزدیک ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے، اس میں نبی پاک ﷺ کے طریقہ کی اتباع ہے اور جمہور کے ہاں وصل افضل ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: كان رسول الله ﷺ يقطع قراء ته يقرأ: ﴿الحمدلله رب العٰلمين﴾ ثم يقف ﴿الرحمٰن الرحيم﴾ ثم يقف...... (رواه الترمذی:۲/۱۲۰،ابواب القراء ت، فیصل)

فی عرف الشذی: ويدل حديث الباب على الوقف على كل آية ويقال: لهذه الأوقاف أوقاف النبی ﷺ، والوقف على هذه الأوقاف مستحب وذكر الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ أن الوقف مستحب. (العرف الشذی علی سنن الترمذی:۲/۱۲۰)

مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ ...... قال الله تعالىٰ: قسمت الصلاة بينی وبين عبدی نصفين ولعبدی ماسأل، فإذا قال العبد: ﴿الحمد لله رب العٰلمين﴾ قال الله تعالىٰ: حمدنی عبدی وإذا قال: ﴿الرحمٰن الرحيم﴾ قال الله تعالىٰ: أثنى علی عبدی ......

(رواه مسلم:۱/۱۷۰،باب وجوب قراء ة الفاتحة فی كل ركعة، فیصل)

جمع الوسائل میں ہے:

(ثم يقول: ﴿الرحمٰن الرحيم﴾ ثم يقف) والحاصل أنه كان يقف على رؤس الآی تعليمًا للأمة ولو فيه قطع الصفة عن الموصوف ومن ثمه قال البيهقی: والحليمی وغيرهما يسن أن

يقف على رؤس الآى وإن تعلقت بما بعدها للاتباع فقدح بعضهم فى الحديث بأن محل الوقف يوم الدين غفلة عن القواعد المقررة فى كتب القراء إذ أجمعوا على أن الوقف على الفواصل وقف حسن ولو تعلقت بما بعدها وإنما الخلاف فى أن الأفضل هل الوصل أو الوقف فالجمهور كالسجاوندى وغيره على الأول والجزرى على الثانى وكذا صاحب القاموس حيث قال: صح أنه ﷺ وقف على رأس كل آية وإن كان متعلقًا بمابعده وقول بعض القراء الوقف على ماينفصل فيه الكلام أولىٰ غفلة عن السنة وأن اتباعه ﷺ هو الأولىٰ والأعدل عدم العدول عما ورد فى خصوص الوقف متابعة. (جمع الوسائل فى شرح الشمائل:۲/۱۱۲، باب ماجاء فى قراءة رسول الله ﷺ، ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ وکذافى المرقاة: ۵/۱۱، مکتبہ امدادیہ)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۸۲، باب القراءۃ)

آیت کے معنی پورے نہ ہو اس کے باوجود وقف کرنا:

سوال: جب آیت کے معنی پورے نہ ہو تو اس پر وقف کرنے کا کیا حکم ہے؟ مثلاً والعصر پر وقف کرنا وغیرہ۔

الجواب: ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں حدیثِ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تحت فرمایا ہے کہ رأس الآیۃ پر بعض کے نزدیک وقف بہتر ہے اس لئے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے ہاں جمہور کے نزدیک وصل بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں ہے:

(ثم يقول: ﴿الرحمٰن الرحيم﴾ ثم يقف) والحاصل أنه كان يقف على رؤس الآى تعليمًا للأمة ولو فيه قطع الصفة عن الموصوف ومن ثمه قال البيهقى والحليمى وغيرهما: يسن أن يقف على رؤس الآى وإن تعلقت بما بعدها للاتباع فقدح بعضهم فى الحديث بأن محل الوقف يوم الدين غفلة عن القواعد المقررة فى كتب القراء إذ أجمعوا على أن الوقف على الفواصل وقف حسن ولو تعلقت بما بعدها وإنما الخلاف فى أن الأفضل هل الوصل أو الوقف فالجمهور كالسجاوندى وغيره على الأول والجزرى على الثانى وكذا صاحب القاموس حيث قال: صح أنه ﷺ وقف على رأس كل آية وإن كان متعلقاً بمابعده وقول بعض القراء

الوقف علی ماینفصل فیه الکلام أولٰی غفلة عن السنة وأن اتباعه ﷺ هو الأولٰی والأعدل عدم العدول عما وردفی خصوص الوقف متابعة. واللّٰه اعلم. (جمع الوسائل فی شرح الشمائل:۲/۱۱۲،باب ماجاء فی قراء ة رسول اللّٰه ﷺ، ادارہ تالیفات اشرفیہ۔و کذافی المرقاة:۵/۱۱،مکتبہ امدادیہ)

نمازِ جمعہ میں قراءتِ مستحبہ:

سوال: نمازِ جمعہ میں کونسی سورتیں پڑھنا مستحب ہے؟

الجواب: نمازِ جمعہ میں پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۂ غاشیہ یا پہلی میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون اسی طرح پہلی میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ غاشیہ پڑھنا احادیث میں وارد ہے اور مستحب ہے۔ نیز گاہے گاہے ترک بھی مناسب ہے البتہ اکثر مستحب کی رعایت کرنا اولیٰ اور افضل ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

وعن ابن أبی رافع قال: استخلف مروان أباهريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه علی المدينة وخرج إلی مكة فصلی لنا أبوهريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه يوم الجمعة فقرأ بعد سورة الجمعة فی الركعة الآخرة إذا جاءك المنافقون، قال: فأدركت أباهريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه حين انصرف فقلت له: إنك قرأت بسورتين كان علی بن أبی طالب رضی اللّٰه تعالیٰ عنه يقرأ بهما بالكوفة فقال أبوهريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه: إنی سمعت رسول اللّٰه ﷺ يقرأ بهمايوم الجمعة.

عن النعمان بن بشير رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: كان رسول اللّٰه ﷺ يقرأ فی العيدين وفی الجمعة بسبح اسم ربك الأعلیٰ وهل أتاك حديث الغاشية. وعن عبيد اللّٰه بن عبداللّٰه قال: كتب الضحاك بن قيس إلی النعمان بن بشير رضی اللّٰه تعالیٰ عنه يسئله أیّ شئ قرأ رسول اللّٰه ﷺ يوم الجمعة سوی سورة الجمعة فقال: كان يقرأ هل أتاك حديث الغاشية.

(صحیح مسلم شریف: ۱/۲۸۷۔۲۸۸، فیصل۔ و کذافی جامع الترمذی: ۱/۱۱۷، باب ماجاء فی القراء ة فی صلاة الجمعة، فیصل۔ وسنن أبی داود: ۱/۱۵۹، باب مایقرأ فی الجمعة، فیصل۔ وسنن النسائی: ۱/۲۰۹، کتاب الجمعة، قدیمی۔ وسنن ابن ماجة: ص۷۸، قدیمی۔ والسنن الکبری للبیهقی: ۳/۲۰۰، باب القراء ة فی صلاة الجمعة، دارالمعرفة۔ ومصنف ابن ابی شیبة: ۴/۱۳۶، مایقرأ به فی صلاة الجمعة، المجلس العلمی)

عمدۃ القاری شرح البخاری میں ہے:

قلت: أكثر العلماء علی أن: كان لايقتضی المداومة، والدليل علی ذلك مارواه مسلم من

حديث النعمان بن بشير رضي الله تعالى عنه قال: الخ ...... قلت: الكوفيون مذهبهم كراهة قراءة شيء من القرآن مؤقتة لشيء من الصلوات أن يقرأ سورة السجدة وهل أتى في الفجر كل جمعة. وقال الطحاوي رحمه الله تعالى: معناه إذا راه حتمًا واجبًا لايجزىء غيره أورأى القراءة بغيرها مكروهة، أما لو قرأها في تلك الصلاة تبركًا أوتأسيًا بالنبي صلى الله عليه وسلم، أو لاجل التيسير فلاكراهة، وفي المحيط: بشرط أن يقرأ غير ذلك أحيانًا لئلايظن الجاهل أنه لايجوزغيره.

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ٥/٣٦،باب مايقرأ في صلاة الفجريوم الجمعة،دارالحديث)

درمختار میں ہے:

ويكره التعيين كالسجدة وهل أتى لفجر كل جمعة، بل يندب قراءتهما أحيانًا ...... وفي الشامي: وعلله في الهداية بقوله لمافيه من هجر الباقي وايهام التفضيل (قوله بل يندب قراءتهما أحيانا) وفي فتح القدير: لأن مقتضى الدليل عدم المداومة لاالمداومة على العدم كما يفعله حنفية العصر، فيستحب أن يقرأ ذلك أحيانًا تبركًا بالمأثور، فإن لزوم الايهام ينتفي بالترك أحيانًا. (شامي: ١/٥٤٤،فصل في القراءة،سعيد)

مزید ملاحظہ ہو: (بدائع الصنائع: ١/٢٦٩ فصل في مقدار القراءة، سعيد۔ واوجزالمسالك: ٢/٤٨٩،كتاب الجمعة، دارالقلم)۔ واللہ اعلم۔

جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پر مداومت کرنے کا حکم:

سوال: کیا جمعہ کے دن فجر کی نماز میں صرف سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر ثابت ہے اس کے علاوہ ثابت نہیں؟ نیز اس پر مداومت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر کا پڑھنا مستحب ہے اور حدیث سے ثابت ہے البتہ مداومت ثابت نہیں ہے اس کے علاوہ سورتیں پڑھنا بھی ثابت ہے بلکہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ مستحب پر مداومت مکروہ ہے لہٰذا کبھی کبھی ترک بھی مناسب ہے۔ نیز دیگر روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ ہر وہ سورت پڑھنا بھی ثابت ہے جس میں آیتِ سجدہ ہو۔

بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في الفجريوم الجمعة الٓمٓ تنزيل

وهل أتى على الإنسان.

(رواه البخاري: ۱/۱۲۲/۸۸۱، باب مايقرأ في صلاة الفجريوم الجمعة ومسلم عنه رضي الله تعالى عنه: ۱/۲۸۸، باب في قراءة الم تنزيل وهل أتى في صلاة الفجريوم الجمعة. والترمذى عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه: وقال: حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنه حديث حسن صحيح، ۱/۱۱۷، باب ماجاء في مايقرأ في صلاة الصبح يوم الجمعة. وابو داؤد عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه: ۱/۱۵٤، باب مايقرأ في صلاة الصبح يوم الجمعة. والنسائي عن ابى هريرة رضي الله تعالى عنه وابن عباس رضي الله تعالى عنه، ۱/۱۵۱، القراءة في الصبح يوم الجمعة. وابن ماجه عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه وابى هريرة رضي الله تعالى عنه وابن مسعود رضي الله تعالى عنه وسعد رضي الله تعالى عنه: ص ۵۹، باب القراءة في صلاة الفجريوم الجمعة. وأحمد في مسنده عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه: ۷/٤۰۹/۳۳۸۳. وابن أبي شيبة: ٤/۱۳٤/۵٤۹۰، المجلس العلمي)

عرف الشذی میں ہے:

السورة المأثورة في الصلوات مستحبة اعتيادها عندنا كمافي البحر والحلية ويدعها مرة أو مرتين كيلا يفسد عقائد من خلفه من عدم صحة هذه الصلاة بدون هذه السور.

(العرف الشذى على هامش الترمذى: ۱/۱۱٦)

عمدۃ القاری شرح البخاری میں ہے:

قلت: أكثر العلماء على أن: كان لايقتضي المداومة، ...... قلت: الكوفيون مذهبهم كراهة قراءة شيء من القرآن مؤقتة لشيء من الصلوات أن يقرأ سورة السجدة وهل أتى في الفجر كل جمعة. وقال الطحاوي رحمه الله تعالى: معناه إذا راه حتمًا واجبًا لايجزىء غيره أورأى القراءة بغيرها مكروهة، أما لو قرأها في تلك الصلاة تبركًا أوتأسيًا بالنبي صلى الله عليه وسلم، أو لاجل التيسير فلا كراهة، وفي المحيط: بشرط أن يقرأ غير ذلك أحيانًا لئلايظن الجاهل أنه لايجوز غيره. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ۵/۳٦، باب مايقرأ في صلاة الفجريوم الجمعة، دارالحديث)

درمختار میں ہے:

ويكره التعيين كالسجدة وهل أتى لفجر كل جمعة، بل يندب قراء تهما أحيانًا ...... وفي الشامي: وعلله في الهداية بقوله لمافيه من هجر الباقي وايهام التفضيل (قوله بل يندب قراء تهما أحيانًا) وفي فتح القدير: لأن مقتضى الدليل عدم المداومة لاالمداومة على العدم كما يفعله حنفية العصر، فيستحب أن يقرأ ذلك أحيانًا تبركًا بالمأثور، فإن لزوم الايهام ينتفي بالترك أحيانًا. والله اعلم. (شامي: ۱/٥٤٤، فصل في القراءة، سعيد)

بعض روایات میں مداومت کا ذکر ہے اس کا جواب:

سوال: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ وسورۂ دہر ہمیشہ پڑھتے تھے۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بلوغ المرام میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

عن أبی هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان رسول الله ﷺ يقرأ فی صلاة الفجر يوم الجمعة الٓمٓ تنزيل وهل أتى على الإنسان، وللطبرانی من حديث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، يديم ذلك.

(بلوغ المرام: ۸۶/۲۸۸، باب صفة الصلاة۔ ومجمع الزوائد: ۲/۱۶۸، دار الفکر)

جبکہ فقہاء اس کو مستحب کہتے ہیں اور کبھی کبھی چھوڑنے کو کہتے ہیں، فقہاء کی اصل دلیل اس میں کیا ہے اور اس روایت کا کیا جواب ہے؟

الجواب: مداومت ثابت نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ کی فجر میں دیگر سورتیں پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے مثلاً بعض روایات میں ہے کہ سورۂ روم پڑھی اور بعض میں ہے سورۂ تبارک پڑھی۔

ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: "كان النبی ﷺ يقرأ فی صلاة الجمعة ﴿بسورة الجمعة وسبح اسم ربك الأعلى﴾ وفی صلاة الصبح يوم الجمعة ﴿الٓمٓ تنزيل وتبارك الذی بيده الملك﴾". (مصنف عبد الرزاق: ۳/۱۸۱/۵۲۳۸، باب القراءة يوم الجمعة، المجلس العلمی)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن عبد الملك بن عمير أن النبی ﷺ قرأ فی الفجر يوم الجمعة بسورة الروم.

(مصنف عبد الرزاق: ۲/۱۱۷/۲۷۳۰، باب القرائة فی صلاة الصبح)

اسی وجہ سے فقہاء نے مستحب لکھا ہے ورنہ دوام تو وجوب یا سنت مؤکدہ ہونے کی علامت ہے، اور مستحب کا درجہ دونوں کے بعد ہے۔

روایت کا جواب:

اس بارے میں دو روایتیں ملتی ہیں: (۱) **كان يقرأ فی كل جمعة** (۲) **يديم ذلك.**

پہلی روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک راوی انتہائی ضعیف ہے اور دوسری روایت میں دوام سے کثرت

مراد ہے، یعنی اکثر جمعہ کی فجر میں ان سورتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے تھے۔

ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقرأ في كل جمعة في صلاة الغداة آلم تنزيل الكتاب وهل أتى على الإنسان. قلت: هو الصحيح خلا قوله في كل جمعة، رواه الطبراني في الكبير وفيه حماد بن سعيد وهو ضعيف جدا.

(مجمع الزوائد: ۲/ ۱۶۸، باب ما يقرأ فيهما، دار الفكر)

سنتِ مؤکدہ اور واجب کی تعریف:

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قال في البحر: والذي ظهر للعبد الضعيف أن السنة ما واظب عليه النبي صلی اللہ علیہ وسلم لكن إن كانت لامع الترك فهي دليل السنة المؤكدة، وإن كانت مع الترك أحيانًا فهي دليل غير المؤكدة، وإن اقترنت بالإنكار على من لم يفعله فهي دليل الوجوب، فافهم هذا فإن به يحصل التوفيق. واللہ اعلم. (شامی: ۱/ ۱۰۵۔ مطلب في السنة وتعريفها، سعيد)

جمعہ کی فجر میں سجدہ والی سورت پڑھنے کا ثبوت:

مصنفِ ابن ابی شیبۃ میں ہے:

عن إبراهيم رحمہ اللہ تعالیٰ قال: كان يستحب أن يقرأ يوم الجمعة بسورة فيها سجدة. وعن سعيد بن جبير رحمہ اللہ تعالیٰ قال: ماصليت خلف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ يوم الجمعة الغداة إلا قرأ سورة فيها سجدة. وعن ابن عون قال: كانوا يقرؤون يوم الجمعة بسورة فيها سجدة، فسألت محمدًا، فقال: لا أعلم به بأسًا. واللہ اعلم.

(مصنفِ ابن ابی شیبۃ: ٤/ ١٣٣، باب من كان يستحب ان يقرأ في الفجر يوم الجمعة بسورة فيها سجدة)

نمازِ فجر میں مختلف سورتیں پڑھنے کا ثبوت:

سوال: فجر کی نماز میں مختلف سورتیں پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ فجر میں مختلف سورتیں پڑھنا روایات سے ثابت ہے مثلاً سورۂ ق سورۂ ذاریات سورۂ تکویر سورۂ فتح سورۂ مؤمنین سوۂ انبیاء سوۂ کہف سورۂ یوسف سورۂ بقرہ سورۂ آل عمران سورۂ بنی اسرائیل سورۂ روم سورۂ

یونس سورۂ ہود وغیرہ نبی پاک ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہیں لہٰذا نماز فجر میں قرآن میں سے مختلف سورتیں پڑھنا چاہئے۔ نیز فقہاء نے طوالِ مفصل (یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک) میں سے پڑھنے کو بھی مستحب لکھا ہے۔

نسائی شریف میں ہے:

عن سعيد بن يسار أن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أخبره أن رسول الله ﷺ كان يقرأ في ركعتي الفجر في الأولىٰ منهما الآية التي في البقرة ﴿قولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا الخ﴾ وفي الأخرىٰ ﴿آمنا بالله واشهد بأنا مسلمون﴾ وعن رجل من أصحاب النبي ﷺ عن النبي ﷺ أنه صلى صلاة الصبح فقرأ الروم ...... وعن أم هشام بنت حارثة ابن النعمان قالت: ما أخذت قٓ والقرآن المجيد إلا من وراء رسول الله ﷺ كان يصلي بها في الصبح. وعن زياد بن علاقة قال: سمعت عمي يقول: صليت مع رسول الله ﷺ الصبح فقرأ في إحدى الركعتين ﴿والنخل باسقات لها طلع نضيد﴾ وعن عمرو بن حريث رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت النبي ﷺ يقرأ في الفجر ﴿إذا الشمس كورت﴾. (نسائي شريف: ۱/۱۵۲، قديمي)

ترمذی شریف میں ہے:

روى عن النبي ﷺ أنه قرأ في الصبح بالواقعة.

(ترمذي شريف: ۱/۶۷، باب ماجاء في القراءة في الصبح)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن أبا بكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرأ في صلاة الصبح بالبقرة. وعن الأحنف قال: صليت خلف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الغداة فقرأ بيونس وهود ونحوهما. وعن زيد بن وهب: أن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرأ في الفجر بالكهف. وعن عبد الله بن عامر بن ربيعة قال: سمعت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقرأ في الفجر بسورة يوسف. وعن أبي عمرو الشيباني قال: صلى بنا عبدالله رضی اللہ تعالیٰ عنہ الفجر فقرأ بسورتين الآخرة منهما بنو اسرائيل. وعن أبي هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صليت خلف علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلاة الغداة فقرأ بيونس وهود. وعن عمرو بن ميمون أن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلى الصبح باليمن فقرأ بالنساء. وعن عبيدة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أنه كان يقرأ في الفجر الرحمٰن ونحوها. وعن توبة العنبري: أنه سمع أباسوار القاضي قال: صليت خلف ابن الزبير رضی اللہ تعالیٰ عنہ الصبح فسمعته يقرأ ﴿ألم تر كيف فعل ربك بعاد. إرم ذات العماد﴾ وعن

الولید بن جمیع قال: صلیت خلف إبراهیم رحمہ اللہ تعالیٰ، فکان یقرأ فی الصبح بـ ﴿یٰس﴾ وأشباهها. (مصنف ابن ابی شیبة:۳/۲۱۸،باب مایقرأ فی صلاة الفجر،المجلس العلمی)

نمازِ فجر میں طوالِ مفصل میں سے پڑھنے کا ثبوت:

ترمذی شریف میں ہے:

وروی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه کتب إلی أبی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن اقرأ فی الصبح بطوال المفصل. (ترمذی شریف:۱/۶۷،باب ماجاء فی القراءة فی الفجر)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

وعن الضحاك بن عثمان قال: رأیت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ قرأ فی الفجر بسورتین من طوال المفصل. (مصنفِ ابن ابی شیبة:۳/۲۲۲،باب مایقرأ فی صلاة الفجر،المجلس العلمی)

مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ وغیره قال: کتب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ إلی أبی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن اقرأ فی المغرب بقصار المفصل وفی العشاء بوسط المفصل وفی الصبح بطوال المفصل.

(مصنف عبدالرزاق: ۲/۱۰۴،باب مایقرأ فی الصلاة)

نیز کتبِ فقہ ملاحظہ ہو: (هدایه:۱/۱۲۰،فصل فی القراءة۔وبدائع الصنائع:۱/۲۰۵،بیان مقدار المستحب من القراءة،سعید۔والفتاوی الهندیه:۱/۷۷،الفصل الرابع فی القراءة)۔ واللہ اعلم۔

سورۂ فاتحہ کے بعد صرف ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ الخ﴾ پڑھنا:

سوال: ایک شخص نے نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد اتنا ہی پڑھا ﴿فإذا فرغت فانصب وإلیٰ ربك فارغب﴾ تو کیا نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟

الجواب: سورہ فاتحہ کے بعد کم از کم قراءت جس سے واجب ادا ہو جائے، تین چھوٹی آیتیں ہیں یا ایک بڑی آیت، اگر تین آیات سے کم پڑھا تو کم از کم تیس حروف ہونا چاہئے، چنانچہ صورتِ مسئولہ میں صرف دو آیتیں پڑھیں جن کے حروف کا مجموعہ ۲۶ ہوتا ہے لہٰذا واجب مقدار ادا نہیں ہوئی، نماز واجب الاعادہ ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ویجب ضم سورة قصیرة أو ثلاث آیات قصار لقوله ﷺ "لاصلاة لمن لم یقرأ بالحمد

وسورة فی فریضة أوغیرها".

(أخرجه الترمذی فی أبواب الصلاة، باب ماجاء فی تحریم الصلاة وتحلیلها:۳/۳/۲۳۸)۔ (امدادالفتاح مع الحاشية:ص۲۷۵،فصل فی واجبات الصلاة۔وكذا فی حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص۲٤۸،فصل فی بیان واجبات الصلاة،وكذافی الفتاوی الهندية:۱/۷۱،الفصل الثانی فی واجبات الصلاة)

درمختار میں ہے:

وضم أقصر سورة كالكوثر أوما قام مقامها وهو ثلاث آيات قصار نحو: ﴿ثم نظر ثم عبس وبسر ثم أدبر واستكبر﴾ وكذا لو كانت الآية أو الآيتان تعدل ثلاثًا قصارًا ذكره الحلبی. وفی الشامی: (قوله تعدل ثلاثًا قصارًا) أی مثل ثم نظر ...... وهی ثلاثون حرفًا فلو قرأ آية طويلة قدر ثلاثين حرفًا يكون قد أتی بقدر ثلاث آيات...... (الدرالمختارمع الشامی:۱/٤٥۸)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

ایک سورت ملائے یا تین چھوٹی آیت ملائے کہ مجموعہ تین آیات میں کم از کم تیس حروف ہوں جیسے ﴿ثم نظر ثم عبس وبسر ثم أدبر واستكبر﴾ یا ایک بڑی آیت ملائے ......اگر اتنی مقدار پڑھی کہ تیس حروف ہوجائے تب بھی کفایت ہوجائے گی۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/۳۰،باب القراءت، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی رحیمیہ ٤/۳۱۰۔وفتاوی حقانیہ ۳/۱۷۲،باب القراءت)۔ واللہ اعلم۔

فارسی زبان میں قراءت کرنے کا حکم:

سوال: اگر فارسی زبان میں کچھ قراءت کی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: فارسی کے ساتھ اتنا عربی پڑھ لیا ہے کہ جس سے نماز درست ہوجاتی ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ قاضیخان وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ صاحبین کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی۔ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے دونوں اقوال میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ اگر قصہ یا امر ونہی کی آیات پڑھی تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر ذکر وتسبیح کی آیات ہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

اختار هذا التفصيل فی الفتح توفيقًا بين القولين وهما ماقاله فی الهداية من أنه لاخلاف فی عدم الفساد إذا قرأ معه بالعربية ما تجوز به الصلاة، وماقاله النجم النسفی وقاضيخان من أنها تفسد عندهما فقال فی الفتح: والوجه إذاكان المقروء من مكان القصص والأمر والنهی أن

تفسد بمجرد قراءته لأنه حينئذٍ متكلم بكلام غير القرآن، بخلاف ما إذا كان ذكرًا أو تنزيهًا فإنها تفسد إذا اقتصر على ذلك بسبب إخلاء الصلاة عن القراءة. وتبعه في البحر وقواه في النهر فلذا جزم به الشارح. (شامی: ۱/ ۴۸۵، سعید)

امداد الفتاح میں ہے:

وتأويل ما روي عن علمائنا أنه: تفسد صلاته إذا قرأ هذا، أو لم يقرأ شيئًا، مما في مصحف العامة، ولو قرأ على طريق التفسير تفسد بالإجماع، لأنه غير مقطوع به، و لا يمكن رعايته، كذا في الدراية عن المبسوط وغيره، قلت: ولعله فيما إذا اقتصر عليه، أما لو قرأ معه قدر المفروض صحت إذا لم يكن فيما قاله من التفسير ما يقتضي الفساد من الألفاظ. انتهى. والله اعلم.

(امداد الفتاح: ص ۳۱۲، فصل في كيفية ترتيب افعال الصلاة۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/ ۶۹، الباب الرابع في صفة الصلاة)

سورۃ العصر میں ﴿إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: سورۃ العصر میں ﴿إلا الذين آمنوا وعملوا الصلحات وتواصوا بالحق﴾ کی جگہ ﴿فلهم أجر غير ممنون﴾ پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے؟ نیز مقتدی کیا کرے لقمہ دے یا خاموش رہے؟

الجواب: چونکہ آیت کریمہ کا معنی درست ہے لہٰذا نماز صحیح ہوگئی۔ البتہ مقتدی کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایسی حالت میں لقمہ دے تاکہ قرآن کریم کی تصحیح ہوجائے۔ حدیث شریف میں اس کی تائید ملتی ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ سے نماز میں سہواً ایک آیت کریمہ چھوٹ گئی بعد میں آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: آپ نے کیوں یاد نہ دلادی، معلوم ہوا کہ لقمہ دینا بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن يحيى الكاهلي عن المسور بن يزيد المالكي أن رسول الله ﷺ قال يحيى وربما قال: شهدت رسول الله ﷺ يقرأ في الصلاة فترك شيئًا لم يقرأه فقال له رجل: يارسول الله تركت آية كذا وكذا فقال رسول الله ﷺ: هلا أذكرتنيها، وفي رواية له عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالى عنه أن النبي ﷺ صلى صلاة فقرأ فيها فلبس عليه فلما انصرف قال لأبي أصليت معنا؟ قال: نعم، قال: فما منعك. (ابو داؤد شريف: ۱/ ۱۳۱، باب الفتح على الامام في الصلاة، سعيد)

درمختار میں ہے:

بخلاف فتحه على إمامه فإنه لايفسد مطلقًا لفاتح و آخذ بكل حال ...... وفي الشامية: قوله بكل حال: سواء قرأ الإمام قدرما تجوزبه الصلاة أم لا، انتقل إلى آية أخرى أم لا، تكرر الفتح أم لا، هو الأصح، نهر.

(الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۶۲۲، سعید وفی الفتاوی الهندية: ۱/۹۹ الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وضع حرف موضع حرف آخر فإن كانت الكلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم يتغير به المعنى المراد لاتفسد. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ۳۴۰، تكميل فى زلة القارى، قديمي۔ و كذافى شرح منية المصلى: ص ۴۷۶، فصل فى بيان احكام زلة القارى، سهيل اكيڈمى۔ و كذافى الفتاوى الهندية: ۱/۸۰، الفصل الخامس فى زلة القارى)

نماز میں ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْد﴾ کی جگہ "لَكَبِيْر" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْد﴾ کی جگہ "اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَبِيْر" پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز صحیح اور درست ہے اس لئے کہ کنود کے معنی نافرمان کے ہیں اور کبیر میں کبر کا معنی پایا جاتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کی نافرمانی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنها ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التى قرأها مكان كلمة يقرب معناها وهى فى القرآن لاتفسد صلاته نحو إن قرأ مكان العليم الحكيم وان لم تكن تلك الكلمة فى القرآن لكن يقرب معناها عن أبى حنيفة رحمه الله تعالى و محمد رحمه الله تعالى لاتفسد.

(الفتاوى الهندية: ۱/۸۰، الفصل الخامس فى زلة القارى)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وضع حرف موضع حرف آخر فإن كانت الكلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم يتغير به

المعنی المراد لاتفسد. واللّٰہ اعلم.

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۳٤۰، تکمیل فی زلۃ القاری، قدیمی۔ وکذافی شرح منیۃ المصلی: ص ٤٧٦، فصل فی بیان احکام زلۃ القاری، سہیل اکیڈمی)

فرض یا نفل میں سورت کو مکرر پڑھنا:

سوال: اگر کسی شخص نے فرض یا نفل میں سورت مکرر پڑھی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: فرض میں بلاضرورت تکرار سورۃ مکروہ ہے اور نفل میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ویکرہ تکرار السورۃ فی رکعۃ واحدۃ من الفرض ذکرہ قاضیخان، وکذا تکرارھا فی رکعتین من الفرض إذاکان لغیر ضرورۃ بأن کان یقدر علی قراءۃ سورۃ أخری، أما اذا لم یقدر فلایکرہ لوجوب ضم سورۃ إلی الفاتحۃ فی الثانیۃ أیضًا وھذا إذا وقع عن قصد أما إذاکان لاعن قصد کما إذا قرأ ﴿قل أعوذ بربّ النّاس﴾ فی الأولٰی فإنہ لایکرہ أن یکررھا فی الثانیۃ،...... ولایکرہ تکرار السورۃ فی رکعۃ أوفی رکعتین من النفل؛ لأن باب التطوع أوسع وقد ورد "أنہ ﷺ قام إلی الصباح بآیۃ واحدۃ یکررھا فی تھجدہ" (أخرجہ ابن ماجہ فی کتاب إقامۃ الصلاۃ: باب: ماجاء فی القراءۃ فی صلاۃ اللیل من حدیث سیدنا أبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قام النبی ﷺ بآیۃ حتی أصبح یرددھا، والآیۃ: ﴿إن تعذبھم فإنھم عبادك وإن تغفرلھم فإنك أنت العزیز الحکیم﴾" ورواہ النسائی فی الافتتاح، باب تردیدالآیۃ (۱۰۰۹)) **فدل علی جواز التکرار فی التطوع کذافی شرح المنیۃ وقدثبت عن جماعۃ من السلف أنھم کانوا یحیون لیلتھم بآیۃ العذاب، أوآیۃ الرحمۃ، أوآیۃ الرجاء، أوآیۃ الخوف. وإن کان ذلك فی الفرائض فھومکروہ إن لم ینقل عن أحد من السلف أنہ فعل مثل ذلك کذافی التجنیس والمزید.**

(امدادالفتاح مع الحاشیۃ: ص ۳۸۱، فصل فیمایکرہ فی الصلاۃ۔ وکذا فی الدرالمختار مع الشامی: ۱/٥٤٦، سعید۔ وحاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۳۸)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

نوافل میں تکرار سورۃ جائز لیکن غیر اولیٰ ہے۔ البتہ فرائض میں تکرار سورۃ مکروہ تنزیہی ہے اس سے نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی حقانیہ: ۳/۱٦٦)

فرض کی دو اخیری رکعت میں قراءت کا حکم:

سوال: فرض کی اخیری رکعت میں قراءت فرض ہے یا واجب؟ لوگوں کا آپس میں اختلاف ہو رہا ہے۔

الجواب: فرض کی اخیری دو رکعت میں قراءت نہ فرض ہے اور نہ واجب، بلکہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا سنت اور مستحب ہے، لیکن بعض دوسرے مذاہب والے یہ گمان کرتے ہیں کہ احناف اخیری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے، یہ صحیح نہیں ہے احناف سورۂ فاتحہ ہمیشہ پڑھتے ہیں، لیکن اس کو سنت یا مستحب سمجھتے ہیں نہ کہ فرض اور واجب۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ويقرأ في الركعتين الأخيرين بفاتحة الكتاب وحدها لحديث أبي قتادة رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قرأ في الأخيرين بفاتحة الكتاب، وهذا بيان الأفضل هو الصحيح لأن القراءة فرض الركعتين. (هدايه: ١/ ١١١، باب صفة الصلاة)

طحطاوی میں ہے:

وتسن قراءة الفاتحة فيما بعد الأوليين يشمل الثلاثي والرباعي قوله الصحيح هو ظاهر الرواية كما في الحلبي ...... ولذا قال القهستاني: ولعل المذكور بيان السنة أو الأدب وإلا فالفرض على رواية الأصول مطلق القيام كما مر.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٢٧٠ فصل في بيان سننها، قديمي)

نیز ملاحظہ ہو: (شرح البناية على الهداية للعلامة العيني رحمه الله تعالى: ١/ ٦٧٦، صفة الصلاة، فيصل آباد۔ وبدائع الصنائع: ١/ ٢٩٥، بيروت۔ واحسن الفتاوى: ٣/ ٧١)۔ **واللہ اعلم۔**

نماز میں خلاف ترتیب قراءت کرنے کا حکم:

سوال: اگر پہلی رکعت میں ﴿قل أعوذ برّب الفلق﴾ پڑھی اور دوسری رکعت میں بھول سے ﴿قل هو الله أحد﴾ شروع کردی اب اس کو پورا کرے یا اس کو چھوڑ کر ﴿قل أعوذ برّب الناس﴾ پڑھے؟

الجواب: دوسری رکعت میں ﴿قل هو الله أحد﴾ پوری کرلے اس لئے کہ شروع کرنے کے بعد چھوڑنا مکروہ ہے۔ نیز بھول سے اس طرح خلاف ترتیب قراءت کرلی تو کوئی حرج نہیں البتہ قصداً خلاف ترتیب قراءت کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ویکره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا إلا إذاختم فيقرأ من البقرة، وفي القنية: قرأ في الأولى الكافرون وفي الثانية ألم تر أوتبت ثم ذكر يتم...... وفي الشامية: أفاد أن التنكيس أو الفصل بالقصيرة إنمايكره إذا كان عن قصد فلو سهوًا فلا كما في شرح المنية، وإذا انتفت الكراهة فإعراضه عن التي شرع فيها لاينبغي، وفي الخلاصة: افتتح سورة وقصده سورة أخرى فلما قرأ آية أو آيتين أراد أن يترك تلك السورة ويفتتح التي أرادها يكره، وفي الفتح: ولو كان المقروء حرفًا واحدًا.

(الدرالمختار مع الشامي: ١/٥٤٦، سعيد۔ و كذافي الفتاوى الهندية: ١/٨٩، الفصل الرابع في القراءة)

امدادالفتاح میں ہے:

وكذا لايكره لو أراد أن يقرأ غير التي قرأها في الأولى فافتتحها فلما قرأ منها آية أو آيتين تذكر فأراد أن يتركها ويفتح السورة التي أرادها يكره ذلك لقوله ﷺ "إذا افتتحت سورة فاقرأها على نحوها" كذافي التجنيس والمزيد، ووجه الكراهة عدم وروده ...... ويكره قراءة سورة فوق التي قرأها لما فيه من قلب التلاوة، وقال عبدالله بن مسعود رضي الله تعالى عنه "من قرأ القرآن منكوسًا فهو منكوس" كذا في التجنيس. (امدادالفتاح: ص ٣٨١، فصل فيمايكره في الصلاة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

قرآن مجید کو الٹا پڑھنا یعنی ایک رکعت میں ایک سورۃ مثلاً سورۃ الاخلاص پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ یعنی تبت یدا پڑھی تو مکروہ ہے، خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر اس لئے کہ سورتوں کی ترتیب تلاوت کے واجبات میں سے ہے لیکن اگر بھولے سے ایسا ہوجائے تو مکروہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

(عمدۃ الفقہ: ٢/١١٩، کتاب الصلوۃ، چوتھی فصل قرائت کا بیان، مجددیہ)

نماز میں تکرارِ آیت کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سورۂ فاتحہ کی ایک آیت مکرر پڑھی تو کیا حکم ہے؟ نیز دوسری سورتوں کی ایک آیت مکرر پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: سورۂ فاتحہ اور دوسری سورتوں کی کسی ایک آیت کا تکرار نوافل میں ہو تو کوئی حرج نہیں البتہ فرائض میں بلاعذر مکروہ ہے۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

امداد الفتاح میں ہے:

ولایکره تکرار السورة فی رکعة أوفی رکعتین من النفل؛لأن باب التطوع أوسع وقد ورد "أنه ﷺ قام إلی الصباح بآیة واحدة یکررها فی تهجده" (أخرجه ابن ماجه فی کتاب اقامة الصلاة، باب: ماجاء فی القراءة فی صلاة اللیل من حدیث سیدنا ابی ذر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قام النبی ﷺ بآیة حتی اصبح یرددها، والآیة: ﴿ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزیز الحکیم﴾" ورواه النسائی فی الافتتاح،باب تردید الآیة (١٠٠٩) **فدل علی جواز التکرار فی التطوع کذا فی شرح المنیة وقدثبت عن جماعة من السلف أنهم کانوا یحیون لیلتهم بآیة العذاب، أو آیة الرحمة، أو آیة الرجاء، أو آیة الخوف. وإن کان ذلك فی الفرائض فهو مکروه إن لم ینقل عن أحد من السلف أنه فعل مثل ذلك کذافی التجنیس والمزید.**

(امداد الفتاح مع الحاشیة: ص ٣٨١، فصل فیمایکره فی الصلاة۔ وکذافی مراقی الفلاح ص١٢٨، فصل فی المکروهات، مکة المکرمة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا کرر آیة واحدة مرارًا فإن کان فی التطوع الذی یصلی وحده فذلك غیر مکروه وإن کان فی الصلاة المفروضة فهو مکروه فی حالة الاختیار وأما فی حالة العذر والنسیان فلابأس هکذا فی المحیط. (الفتاوی الهندیة: ١٠٧/١، الفصل الثانی فیمایکره فی الصلاة)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

ایک رکعت میں ایک آیت یا سورت مکرر پڑھنا:

جواب: نماز ہوجاتی ہے لیکن فرض نماز میں قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے نفل میں مکروہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیه:٩٥/٧، باب القراءة، جامعه فاروقیه)

دوسورتوں کے درمیان فصل کی مقدار:

سوال: دوسورتوں کے درمیان کتنی سورتیں چھوڑنے کی گنجائش ہے؟

الجواب: دوسورتوں کے درمیان ایک چھوٹی سورت قصداً چھوڑنا مکروہ ہے سہواً مکروہ نہیں ہے نیز اگر درمیان میں اتنی بڑی سورت ہوکہ اس کے پڑھنے سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے مقدار قراءت میں بڑھ جائے گی تو اس کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح درمیان میں دوچھوٹی سورتیں چھوڑنا مکروہ نہیں۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ویکره فصله بسورة بين سورتين قرأهما في ركعتين وقال بعضهم: إن كانت السورة طويلة لايكره كما لو كان بينهما سورتان قصيرتان وذلك لمافيه من شبهة التفضيل والهجر.

(امدادالفتاح:ص ۳۸۲، فصل فیمایکرہ فی الصلاۃ،داراحیاء التراث)

شامی میں ہے:

(قوله ويكره الفصل بسورة قصيرة) أمابسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالة كثيرة فلايكره شرح المنية كما إذا كانت سورتان قصيرتان. والله اعلم.

(شامی: ۱/ ۵٤٦، فصل فی القراءۃ، سعید۔ وکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۵۲، فصل فی مکروهات الصلاۃ، قدیمی۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة ۱/ ۷۸، الفصل الرابع فی القراءۃ)

﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى﴾ کی جگہ ﴿فَأَغْنٰى﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے نماز میں ﴿ووجدك ضالاً فهدىٰ﴾ کی جگہ ”ووجدك ضالاً فأغنى“ پڑھ لیا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس صورت میں معنی فاسد نہ ہونے کی وجہ سے نماز صحیح اور درست ہے۔اس لئے کہ فأغنى کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت سے سرفراز فرما کر غنی کر دیا لہذا معنی میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ومنها ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل إن كانت الكلمة التي قرأهامكان كلمة يقرب معناها وهي في القرآن لاتفسدصلاته نحوإن قرأ مكان العليم الحكيم وإن لم تكن تلك الكلمة في القرآن لكن يقرب معناها عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ لاتفسد.

(الفتاوی الهندیة: ۱/ ۸۰،الفصل الخامس فی زلة القاری۔ وکذافی المحیط البرهانی: ۲/ ٦٦)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

المسألة الثالثة: وضع حرف موضع حرف آخرفان كانت الكلمة لاتخرج عن لفظ القرآن ولم يتغيربه المعنى المراد لاتفسد كما قرأ ...... والأرض وما دحاها مكان طحاها. والله اعلم.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص ۳٤۰، تکمیل فی زلة القاری، قدیمی۔وکذافی شرح منیة المصلی:ص ٤۷٦، فصل فی بیان احکام زلة القاری،سهیل اکیڈمی)

﴿عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ کی جگہ ﴿أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک حافظ صاحب نے فجر کی نماز میں دوسری رکعت میں سورۂ احزاب کی آیت ۵۷ میں ﴿عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾ کی جگہ ﴿أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ قراءت میں فاحش غلطی کی وجہ سے نماز فاسد ہوجاتی ہے مثلاً اہل جنت کو جہنمی بنادے یا اہل جہنم کو جنتی بنادے تو نماز فاسد ہوجائے گی لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بھی فاحش غلطی کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی۔

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو قرأ "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات أولئك أصحاب الجحيم" أو "أولئك هم شر البرية" أوقرأ "والذين كفروا وكذبوا بآياتنا أولئك أصحاب الجنة هم فيها خالدون" وماأشبه ذلك مما فيه تغيير حكم الله تعالىٰ على أحد الفريقين بضده ...... ووصل قال: عامة المشايخ: تفسد صلاته لأنه أخبر بخلاف ما أخبر الله تعالىٰ به ولو اعتقده يكون كفرًا.

(شرح منية المصلي :ص ٤٨٧ فصل في بيان احكام زلة القاري،سهيل اكيڈمي)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن تغير المعنى نحو أن يقرأ "إن الأبرار لفي جحيم وإن الفجار لفي نعيم" فأكثر المشايخ على أنها تفسد وهو الصحيح هكذا في الظهيرية.

(الفتاوى الهندية: ١/ ٨٠، الفصل الخامس في زلة القاري۔ وكذافي الشامي: ١/ ٦٣١، مسائل زلة القاري، سعيد)

نیز ملاحظہ ہو: (امدادالفتاوی: ۱/ ۲۹۳،باب مایفسدالصلاۃ،دارالعلوم کراچی)۔ واللہ اعلم۔

"الضاد مشتبه الصوت بالظاء أو الدال":

حرفِ ضاد کو دال کے ساتھ زیادہ تعلق نہیں اور یہ ظا کے ساتھ اپنی اکثر صفات میں مشابہ ہے مگر ظا سے بھی وہ جداگانہ حقیقت رکھتا ہے پس جو شخص اس کو خالص ظا پڑھے وہ اور جو شخص خالص دال پڑھے وہ دونوں تبدیل حرف کے مرتکب ہیں اور جو شخص ضاد کے ادا کرنے کے قصد سے پڑھے اور اس کی آواز دال پُر کی نکلے یا ظا کے مشابہ نکلے ان دونوں کی نماز صحیح ہوگی، اور ظا مشابہ پڑھنے والا أقرب الی الصحۃ ہوگا۔:

خالص دال کی آواز سے ادا کرنا غلط ہے ضاد کی آواز اصل حقیقت کے اعتبار سے ظا کے مشابہ ہے

دال کے مشابہ نہیں۔

ضاد کا مخرج: "الضاد من أصل حافة اللسان ومايليها من الأضراس" یعنی ضاد کا مخرج زبان کو پورا کنارہ اور دائیں یا بائیں طرف کی داڑھ ہے۔

طا کا مخرج: ظا کا مخرج اوپر کے دونوں دانتوں اور زبان کی نوک ہے۔

دال کا مخرج: دال کا مخرج زبان کی نوک اور اوپر کے دونوں دانتوں (ثنایاعلیا) کی جڑ ہے۔

صفات حروفِ ثلاثہ:

''ض'' کی صفت کے متعلق کتبِ تجوید میں لکھا ہے: الرخاوة والجهر والاستعلاء والإطباق والتفخيم والاستطالة والإصمات من صفات الضاد المعجمة والتفشي عند البعض أيضًا كذا في جهد المقل.

نیز بعض کتبِ تجوید میں ''ض'' کی صفات میں سے سکون کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

''ظا'' کی صفت کے متعلق علامہ محمد مرعشی لکھتے ہیں: الإصمات والجهر والرخاوة والاستعلاء والإطباق والتفخيم من صفات الظا المعجمة، كذا في جهد المقل وشرحه وفي منهاج النشر السكون أيضًا.

اس کتاب میں صفاتِ دال کے متعلق یوں مرقوم ہے:

القلقلة والشدة والإصمات والانفتاح والتوفيق والاستفال من صفات الدال المهملة.

علامہ محمد بن محمد جزری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

والناس يتفاوتون في النطق بالضاد فمنهم من يجعله ظاء لأن الضاد يشارك الظاء في صفاتها كلها ويزيد على الظاء بالاستطالة ولولا الاستطالة واختلاف المخرجين لكانت ظاء وهم أكثر الشاميين وبعض أهل الشرق.

مشہور ومعروف مؤرخ ابن خلکان اپنی تاریخ میں زیر ترجمہ ابن العربی اللغوی لکھتے ہیں:

وكان (أي ابن العربي) يقول جائز في كلام العرب أن يعاقبوا بين الضاد والظاء فلا يخطئ من يجعل هذه في موضع هذه و ينشد:

إلى الله أشكو من خليل أوده　ثلاث خلال كلها لي غائض

بالضاد ويقول هكذا سمعته من فصحاء العرب.

نیز فتاوی قاضی خان میں ہے:

لو قرأ الضالين بالظاء أو الذال لاتفسد صلاته ولو قرأ بالدالين تفسد صلاته.

خلاصہ: حرفِ ضاد و ظا دونوں آٹھ صفات میں متحد ہیں جبکہ حرف ضاد اور دال میں کوئی مناسبت و مشابہت نہیں، بلکہ ان میں تباین ہے، غور کیجئے: ضاد میں رخاوت ہے تو دال میں شدت، ضاد ساکنہ ہے دال قلقلہ ہے، ضاد مطبقہ ہے دال منفتحہ، ضاد مستعلیہ ہے دال مستفلہ، ضاد میں تفخیم ہے دال میں ترقیق، ضاد مستطیلہ ہے دال آنی، ضاد میں تفشی ہے دال میں عدم تفشی، نیز اہلِ عرب کے کلام اور علماءِ تجوید کے کلام اور فقہائے عظام کے فتاوے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضاد کو مشتبہ الصوت بالظاء پڑھ سکتے ہیں۔

نیز ملاحظہ ہو: (ملخص از فتاوی ثنائیہ: ۲/۱۰۱ مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری ''غیر مقلد''، اسلامک پبلشنگ لاہور) واللہ اعلم۔

قراءت میں مفسدِ نماز غلطی کی لیکن درمیان میں وقف تام کیا تھا تو نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے عشاء کی نماز میں سورۃ البلد کی آیت ﴿وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمة﴾ کے بعد وقف کیا پھر ﴿أولئك أصحاب المشئمة﴾ پڑھا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: بظاہر آیتِ کریمہ کا معنی بدل گیا، نماز فاسد ہونی چاہئے لیکن فقہاء نے تفصیل فرمائی ہے کہ اگر درمیان میں وقف تام کر دیا یعنی سانس توڑ کر ٹھہر گیا پھر دوسری آیت پڑھی تو نماز فاسد نہیں ہوگی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بھی نماز فاسد نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو قرأ: "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات" ووقف وقرأ بعد الوقف التام "أولئك أصحاب الجحيم" "أولئك هم شر البرية" أو قرأ "والذين كفروا وكذّبوا بآياتنا أولئك أصحاب الجنة هم فيها خالدون" وما أشبه ذلك مما فيه تغيير حكم الله على أحد الفريقين بضده لاتفسد لصيرورة الكلام الثاني مبتدأ به غير متصل بالأول فلم يتعين الحكم بالضد.

(شرح منية المصلي: ٤٨٧، فصل في بيان احكام زلة القاري، سهيل اكيڈمی لاهور)

فتح القدیر میں ہے:

ولو بنى بعض آية على أخرى إن لم يغير نحو "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات فلهم جزاء الحسنى" مكان "كانت لهم جنات الفردوس نزلا" لا تفسد، وإن غير فإن وقف وقفًا تامًا بينهما فكذلك لو كان قرأ "إن الذين آمنوا وعملوا الصالحات" ووقف ثم قال: "أولئك هم شر

البرية" وإن وصل تفسد عند عامة المشايخ وهو الصحيح، وحينئذ هذا مقيد لما ذكر في بعض المواضع من أنه إذا شهد بالجنة لمن شهد الله له بالنار أو بالقلب تفسد، والله سبحانه وتعالىٰ أعلم. (فتح القدير: ۱/ ۳۲٤، فصل في القراءة، دارالفكر)

شامی میں ہے:

(قوله كما لو بدل الخ) هذا على أربعة أوجه، لأن الكلمة التي أتى بها، إما إن تغير المعنى أولا، وعلى كل فإما أن تكون في القرآن أولا، فإن غيرت أفسدت لكن اتفاقاً في نحو فلعنة الله على الموحدين وعلى الصحيح في مثال الشارح لوجوده في القرآن، وقيد الفساد في الفتح وغيره بما إذا لم يقف وقفًا تامًا، أما لو وقف ثم قال: لفي جنات فلا تفسد. والله اعلم.

(شامی: ۱/ ٦۳٤، مسائل زلة القاری، سعید)

غلط پڑھ کر فوراً تصحیح کر لینے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز میں غلط قراءت کی پھر اسی وقت تصحیح کر لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نماز میں غلط پڑھ کر تصحیح کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

وفي المضمرات: قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم أعاد وقرأ صحيحًا فصلاته جائزة.

(حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/ ۲٦۷، باب مايفسدالصلاة)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ذكر في الفوائد: لو قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحًا قال: عندي صلاته جائزة. (الفتاوی الهندية: ۱/ ۸۲، في زلة القاری)

نیز ملاحظہ ہو: (امدادالفتاویٰ: ۱/ ۱٦۸، باب القراءۃ، دارالعلوم کراچی۔ وامدادالمفتیین: جلد دوم ص ۳۵۷۔ وفتاویٰ حقانیہ: ۳/ ۱۷۷، باب القراءۃ۔ وفتاویٰ رحیمیہ: ۴/ ۳۰۹ باب صفۃ القراءۃ، مکتبہ رحیمیہ)۔ واللہ اعلم۔

پہلی رکعت میں فحش غلطی کی اصلاح دوسری رکعت میں کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر امام نے پہلی رکعت میں فحش غلطی کی پھر دوسری رکعت میں مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے تصحیح کر لی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ نیز تیسری یا چوتھی رکعت میں تصحیح کر لے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: فحش غلطی کے بعد تصحیح کرنے سے نماز درست ہوجاتی ہے اگر چہ دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت میں تصحیح کرے اس لئے کہ پوری نماز ایک مجلس کی طرح ہے اگر پہلی رکعت میں قراءت نہیں کی تو تیسری رکعت میں کرسکتا ہے، اسی طرح پہلی رکعت میں واجب چھوٹ جائے تو سجدۂ سہو سے تلافی اخیر میں ہے، نیز نماز کا کوئی سجدہ بھول جائے تو آخری رکعت میں ہوسکتا ہے لہٰذا قراءت کی تصحیح بھی دیگر رکعات میں ہوسکتی ہے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

وفي المضمرات: قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم أعاد وقرأ صحيحًا فصلاته جائزة.

(حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ١/٢٦٧، باب مايفسدالصلاة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ذكر في الفوائد: لو قرأ في الصلاة بخطأ فاحش ثم رجع وقرأ صحيحًا قال: عندي صلاته جائزة. (الفتاوى الهندية: ١/٨٢، في زلة القاري)

امداد الفتاح میں ہے:

روى أن عمر رضي الله تعالى عنه ترك القراءة في ركعة من المغرب فقضاها في الثالثة.

(امدادالفتاح: ص ٢٧٦، فصل في واجبات الصلاة)

درمختار میں ہے:

ولو تذكر في ركوعه أو سجوده أنه ترك سجدة صلبية أو تلاوية فسجدها أعادهما ندبًا ......

وفي الشامية: (قوله فسجدها) أفاد أن سجودها عقب التذكر غير واجب لما في البحر عن الفتح: له أن يقضي السجدة المتروكة عقب التذكر، وله أن يؤخرها إلى آخر الصلاة فيقضيها هناك. (الدرالمختار مع الشامي: ١/٦١٢، باب الاستخلاف)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

المصلي إذا نسي سجدة التلاوة في موضعها ثم ذكرها في الركوع أو في السجود أو في القعود فإنه يخر لها ساجدًا ثم يعود إلى ما كان فيه فيعيده استحسانًا وإن لم يعد جازت صلاته وإن أخرها إلى آخر صلاته أجزأه لأن الصلاة واحدة. والله اعلم.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/١٢٧، فصل فيما يوجب السهو ومالا يوجب السهو)

﴿رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ﴾ کی جگہ "رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكِ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ﴿رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ﴾ کی جگہ "رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكِ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ" نماز میں پڑھا تو نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں متقدمین اور متأخرین کا اختلاف ہے۔ متقدمین کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے اور متأخرین کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی۔ قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ متأخرین کے یہاں گنجائش اور وسعت ہے اور متقدمین کے قول پر عمل کرنے میں احتیاط ہے خصوصاً عبادات میں احتیاط پر عمل کرنا اولیٰ ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اعادہ افضل ہے۔

شامی میں ہے:

والقاعدة عندالمتقدمين أن ماغير المعنى تغيرًا يكون اعتقاده كفرًا يفسد في جميع ذلك ...... واماالمتأخرون كابن مقاتل وابن سلام ...... فاتفقوا على أن الخطأ في الإعراب لايفسد مطلقًا ولواعتقاده كفراً لأن أكثر الناس لايميزون بين وجوه الإعراب، قال قاضيخان رحمہ اللہ تعالیٰ: وماقاله المتأخرون أوسع وماقاله المتقدمون أحوط. والله اعلم.

(شامی: ۱/۶۳۱، فی زلة القاری، سعید۔ وکذافی شرح منیة المصلی: ص۴۷۶، فی بیان احکام زلة القاری، سهیل۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۸۱، الفصل الخامس فی زلة القاری۔ وفتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ۱/۱۴۰، فصل فی قراءة القرآن خطأ)

سورۂ دہر میں آیتِ کریمہ ﴿یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ﴾ میں رَحْمَتِهٖ کی جگہ رَحْمَتِیْ پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سورۂ دہر میں آیتِ کریمہ ﴿یُدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ﴾ میں "رَحْمَتِهٖ" کی جگہ "رَحْمَتِیْ" پڑھا تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز درست ہو جائے گی۔ علمِ بلاغت کا مشہور قاعدہ ہے جسے التفات کہتے ہیں یعنی غائب کے بعد مخاطب یا متکلم یا بالعکس لانا۔ "یُدْخِلُ" میں اللہ کا ذکر ضمیر غائب سے ہوا اور "رَحْمَتِیْ" میں متکلم

سے ہوا۔ جس طرح ﴿اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ میں صیغہ غائب کے ساتھ اور ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ میں مخاطب کے ساتھ۔

ملاحظہ ہو تفسیر بیضاوی میں ہے:

ومن عادة العرب التفنن في الكلام والعدول من أسلوب إلى آخر تطريةً له وتنشيطًا للسامع، فيعدل من الخطاب إلى الغيبة، ومن الغيبة إلى التكلم وبالعكس، كقوله تبارك وتعالىٰ، ﴿حتى إذا كنتم في الفلك وجرين بهم﴾ وقوله تبارك وتعالىٰ، ﴿والله الذي أرسل الرياح فتثير سحابًا فسقناه﴾ وقول امرء القيس:

☆ تطاول ليلك بالإثمد ...... ونام الخلي ولم ترقد

☆ وبات وباتت له ليلة ...... كليلة ذي العائر الأرمد

☆ وذلك من نبأ جاء ني ...... وخبرته عن أبي الاسود

(تفسير البيضاوي ۱/۷ تحت الآية: اياك نعبدو اياك نستعين)۔ واللہ اعلم۔

﴿لايسمعون فيها لغوًا ولا كذابا﴾ کی جگہ "لايسمعون فيها لغوًا الا كذابًا" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: نماز میں ﴿لايسمعون فيها لغوًا ولا كذابا﴾ کی جگہ "لايسمعون فيها لغوًا الا كذابًا" پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں معنی کے فاسد ہونے کی وجہ سے نماز نہیں ہوئی لہٰذا اعادہ کرلیا جائے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

فالأصل فيها عند الإمام رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ تغير المعنى تغيرًا فاحشًا، وعدمه للفساد، وعدمه مطلقًا سواء كان اللفظ موجودًا في القرآن أو لم يكن.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۳۳۹، تکمیل فی زلۃ القاری، قدیمی)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

إن الخطأ في القرآن ...... أو الحروف يوضع حرف مكان آخر أو زيادته أو نقصه أو تقديمه أو تأخيره أو في الكلمات أو في الجمل كذلك ...... فإن الأصل فيه أنه إن لم يكن مثله في القرآن

والمعنى بعيد من معنى لفظ القرآن متغير تغيرًا فاحشًا قويًا بحيث لامناسبة بين المعنيين أصلاً تفسد صلاته...... (شرح منية المصلي:ص ٤٧٥،في بيان احكام زلة القاري،سهيل)

عالمگیری میں ہے:

ومنها ذكر كلمة مكان كلمة على وجه البدل ...... ولايتقاربان في المعنى تفسد صلاته بلا خلاف إذا لم تكن الكلمة تسبيحًا ولاتحميدًا ولا ذكرًا. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية:١/ ٨٠،الفصل الخامس في زلة القاري۔ وكذافي الشامي: ١/ ٦٣٤،في زلة القاري،سعيد)

"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادَكُمْ" پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے جہری نماز میں آیت کریمہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ﴾ کی جگہ "أَوْلَادَكُمْ" پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں معنی فاسد نہ ہونے کی وجہ سے نماز ہوگئی۔ نیز اس کی تاویل بھی ہوسکتی ہے کہ "لاتلهكم اموالكم مع اولادكم" یہ مفعول معہ بن جائے جیسے "سرت وزيداً أي مع زيد".

عالمگیری میں ہے:

ومنها حذف حرف ...... وإن لم يكن على وجه الإيجاز والترخيم فإن كان لايغير المعنى لاتفسد...... (الفتاوى الهندية:١/ ٧٩، الفصل الخامس في زلة القاري)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

أما الخطأ في الإعراب إذا لم يغير المعنى لاتفسد الصلاة عندالكل ...... لأن الخطأ في الإعراب ممالايمكن الاحترازعنه فيعذر.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية:١/ ١٣٩۔وكذافي شرح منية المصلي:ص ٤٧٦،سهيل)

طحطاوی میں ہے:

وفي النهر وأحسن من لخص من كلامهم في زلة القاري الكمال في زاد الفقيه فقال: إن كان الخطأ في الإعراب، ولم يتغير به المعنى ككسر قواما مكان فتحها وفتح باء نعبد مكان ضمها لا تفسد. والله اعلم. (طحطاوي على مراقي الفلاح: ص ٣٤٠،قديمي)

ایک طویل آیت میں سے کچھ حصہ چھوٹ گیا تو نماز کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب نے لمبی آیت ﴿محمد رسول اللّٰہ الخ﴾ پڑھی پھر اس میں سے کچھ حصہ بھول گیا مثلاً ﴿وعد اللّٰہ الذین آمنوا﴾ کے بعد ﴿وعملوا الصالحات منھم﴾ بھول گیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز درست ہے اس لئے کہ اگر ایک لمبی آیت کا اتنا حصہ پڑھا جو چھوٹی تین آیات کے بقدر ہو تو صحتِ نماز کے لئے کافی ہے اور تین چھوٹی آیات کی مقدار بعض حضرات کے قول کے مطابق ۱۰ کلمات اور ۳۰ حروف ہیں۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ولو قرأ آية طويلة في الركعتين فالأصح الصحة اتفاقًا لأنه يزيد على ثلاث آيات قصار قاله الحلبي ...... وفي الشامي: (قوله لأنه يزيد على ثلاث آيات) تعليل للمذهبين لأن نصف الآية الطويلة إذا كان يزيد على ثلاث آيات قصار يصح على قولهما فعلى قول أبي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ المكتفي بالآية أولى. قال في البحر: وعلم من تعليلهم أن كون المقروء في كل ركعة النصف ليس بشرط بل يكون البعض يبلغ ما يعد بقراءته قارئًا عرفًا ...... وفي التاتارخانية والمعراج وغيرهما: لو قرأ آية طويلة كآية الكرسي أو المداينة البعض في ركعة والبعض في ركعة اختلفوا فيه على قول أبي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ ...... وعامتهم على أنه يجوز لأن بعض هذه الآيات يزيد على ثلاث قصار أو يعدلها فلا تكون قراءته أقل من ثلاث آيات ...... وقدرها من حيث الكلمات عشر، ومن حيث الحروف ثلاثون ....

(الدر المختار مع الشامي: ۱/۵۳۷، فصل في القراءة، سعيد)

عالمگیری میں ہے:

إذا قرأ آية طويلة في الركعتين نحو آية الكرسي وآية المداينة البعض في ركعة والبعض في أخرى عامتهم على أنه يجوز كذا في المحيط. وهو الأصح كذا في الكافي ومنية المصلي.

واللّٰہ اعلم. (الفتاوى الهندية: ۱/۶۹، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة)

آمین اگر پاس والا سن لے تو جہر میں شامل نہیں:

سوال: اگر کسی نے آمین اس طرح کہی کے پاس والے نے سن لی تو یہ جہر میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب: آمین اگر پاس والا سن لے تو جہر میں شامل نہیں سر ہی کے حکم میں ہے اس سے نماز صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وأدنى المخافتة إسماع نفسه ومن بقربه؛فلوسمع رجل أورجلان فليس بجهر والجهرأن يسمع الكل ...... وفي الشامي: ولذا قال في الخلاصة والخانية عن الجامع الصغير: أن الإمام إذا قرأ في صلاة المخافتة بحيث سمع رجل أورجلان لايكون جهرًا، والجهرأن يسمع الكل أي كل الصف الأول لاكل المصلين، بدليل مافي القهستاني عن المسعودية أن جهرالإمام إسماع الصف الأول. (الدرالمختارمع ردالمحتار:۱/۵۳٤،فصل في القراءة، سعيد)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر ایک دو آدمی کو سنائی دے تو نماز میں کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ سر ہی ہے امام کی آواز کو پہلی صف عموماً سن لے تو یہ جہر ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ:۷/۳۹،الفصل الثانی فی کیفیۃ الجہر والسر)

صلاۃ کسوف وخسوف میں سراً یا جہراً قراءت کا حکم:

سوال: صلاۃ کسوف وخسوف میں قراءت سراً ہوگی یا جہراً؟

الجواب: صلاۃ الکسوف باجماعت پڑھیں گے سری قراءت کے ساتھ، اور صلاۃ الخسوف تنہا تنہا پڑھیں گے اور قراءت بھی سراً ہوگی۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

سن ركعتان كهيئة النفل للكسوف بإمام الجمعة ...... ولاجهرفي القراءة فيهما عنده خلافًا لهما. (مراقي الفلاح:ص ۲۰۲،باب صلاة الكسوف،مكة المكرمة)

در مختار میں ہے:

يصلي بالناس عندالكسوف ركعتين ولا جهر ...... وفي الشامي: (قوله ولاجهروقال أبويوسف رحمه الله تعالى: يجهروعن محمد رحمه الله تعالى روايتان جوهرة.

(شامي:۲/۱۸۲،باب الكسوف،سعيد)

عالمگیری میں ہے:

وأجمعوا أنها تؤدى بجماعة ولايجهر بالقراءة في صلاة الجماعة في كسوف الشمس في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى كذا في المحيط والصحيح قوله كذا في المضمرات ...... ويصلون في خسوف القمر وحدانًا هكذا في محيط السرخسي. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ١٥٣/١، الباب الثامن عشر في صلاة الكسوف)

خلافِ ترتیب قرآن پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک امام نے پہلی رکعت میں سورۂ کافرون پڑھی پھر دوسری رکعت میں سورۂ کوثر پڑھی تو نماز کا کیا حکم ہے؟ اگر سورۂ کوثر شروع کرنے کے بعد چھوڑ کر دوسری سورت پڑھنا چاہے تو کیا حکم ہے؟ اسی طرح نماز میں خلافِ ترتیب قراءت کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بھول سے خلافِ ترتیب قراءت کرلے تو کوئی حرج نہیں ہے نماز صحیح ہوگئی، لیکن سورت شروع کرنے کے بعد اس کو چھوڑنا مکروہ ہے، نیز نماز میں خلافِ ترتیب قراءت کرنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔ البتہ قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوساً إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة، وفي القنية: قرأ في الأولى الكافرون وفي الثانية ألم تر أوتبت ثم ذكر يتم ...... وفي الشامية: أفاد أن التنكيس أو الفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد فلو سهوًا فلا كما في شرح المنية، وإذا انتفت الكراهة فإعراضه عن التي شرع فيها لاينبغي، وفي الخلاصة: افتتح سورة وقصده سورة أخرى فلما قرأ آية أو آيتين أراد أن يترك تلك السورة ويفتتح التي أرادها يكره، وفي الفتح: ولو كان المقروء حرفًا واحدًا.

(الدر المختار مع الشامي: ٥٤٦/١، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ٨٩/١، الفصل الرابع في القراءة)

امداد الفتاح میں ہے:

وكذا لايكره لو أراد أن يقرأ غير التي قرأها في الأولى فافتتحها فلما قرأ منها آية أو آيتين تذكر فأراد أن يتركها ويفتح السورة التي أرادها يكره ذلك لقوله ﷺ "إذا افتتحت سورة فاقرأها على نحوها" كذا في التجنيس والمزيد، ووجه الكراهة عدم وروده، ...... ويكره قراءة

سورة فوق التی قرأها لما فیه من قلب التلاوة، وقال عبدالله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه "من قرأ القرآن منکوسًا فهو منکوس" کذا فی التجنیس. (امدادالفتاح: ص ۳۸۱، فصل فیمایکره فی الصلاة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

قرآن مجید کو الٹا پڑھنا یعنی ایک رکعت میں ایک سورۃ مثلاً سورۃ الاخلاص پڑھی اور دوسری رکعت میں یا اسی رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ یعنی تبت یدا پڑھی تو مکروہ ہے، خواہ نماز کے اندر ہو یا باہر اس لئے کہ سورتوں کی ترتیب تلاوت کے واجبات میں سے ہے لیکن اگر بھولے سے ایسا ہو جائے تو مکروہ نہیں۔

(عمدۃ الفقہ: ۲/۱۱۹، کتاب الصلوۃ، چوتھی فصل قراءت کا بیان، مجددیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی ۳/۴۴۳ مسائل زلۃ القاری، امداد الفتاوی ۱/۱۷۰)۔ واللہ اعلم۔

فرض نماز کی ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرنے کا حکم:

سوال: دو سورتوں کو فرض کی ایک رکعت میں جمع کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث میں مختلف قسم کی روایت وارد ہیں، جن کے مابین فقہاء نے تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہیں کہ دو سورتوں کا ایک رکعت میں جمع کرنا جائز ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے، خصوصاً امام کے لئے افضل یہ ہے کہ قراءتِ مسنونہ پر اکتفاء کرے اور نماز کو طویل نہ کرے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا أبو أسامة قال: حدثنا عبد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه أنه کان یقرن بین السورتین فی رکعة من الصلاة المکتوبة.

حدثنا ابن مهدی عن سفیان عن وِقاء قال: رأیت سعید بن جبیر یجمع بین سورتین فی کل رکعتین فی الفریضة.

حدثنا وکیع قال: حدثنا الأعمش عن إبراهیم عن علقمة أنه کان یقرأ فی الفجر فی الرکعة الأولی بحٰمٓ الدخان والحشر ویقرأ فی الثانیة بآخر البقرة وآخر آل عمران و بالسورة القصیرة.

(مصنف ابن ابی شیبة: ۳/۲۵۵-۲۵۶، فی الرجل یقرن السور فی الرکعة، من رخص فیه، المجلس العلمی)

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

حدثنا عبد الرزاق عن محمد بن مسلم عن إبراهیم بن میسرة عن ابن طاؤوس قال: کان أبی یجمع بین ﴿سبح اسم ربك الأعلی﴾ و ﴿واللیل إذا یغشی﴾ فی رکعة وبین

﴿والضحی﴾ و ﴿ألم نشرح﴾ فی رکعة فی المکتوبة. (مصنف عبد الرزاق:۲/۱٤۹)

مؤطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

أخبرنا مالك عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان إذا صلى وحده يقرأ في الأربع جميعاً في كل ركعة بأم القرآن وسورة من القرآن قال: وكان يقرأ أحياناً بالسورتين والثلاث في الركعة الواحدة في صلاة الفريضة. (مؤطا امام مالك:٦٣)

اس روایت کے تحت محشی مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وكان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أحياناً أي في بعض الأوقات يقرأ بالسورتين والثلث في الركعة الواحدة من صلاة الفريضة،قال الزرقاني: وبجواز ذلك قالت الأئمة الأربعة لرواية ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: لقد عرفت النظائر التي كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم يقرن بينهن، الحديث. قال العيني في حديث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ في النظائر: فيه جواز الجمع بين السورتين في ركعة واحدة وإليه ذهب النخعي رحمہ اللہ تعالیٰ والثوري رحمہ اللہ تعالیٰ وأبو حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ ومالك رحمہ اللہ تعالیٰ والشافعي رحمہ اللہ تعالیٰ وأحمد رحمہ اللہ تعالیٰ في رواية ...... وفي المغني: لابأس بالجمع بين السورفي صلاة النافلة الخ ...... وأما الفريضة فالمستحب أن يقتصر على سورة مع الفاتحة من غيرزيادة عليها لأن النبي صلی اللہ علیہ وسلم هكذا كان يصلي أكثرصلاته وأمرمعاذاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن يقرأ في صلاته كذلك وإن جمع بين السورتين ففيه روايتان: أحدهما يكره والثانية لايكره لأن حديث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطلق في الصلاة فيحتمل الفرض وقد روى الخلال بسنده عن ابن عمرأنه كان يقرأ في المكتوبة بالسورتين في ركعة.

(حاشية مؤطاامام مالك رحمہ اللہ تعالیٰ: ۱/٦٣،رقم ٥ ط، آرام باغ كراچی)

اعلاء السنن میں ہے:

عن نافع قال: ربما أمنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالسورتين والثلاث في الفريضة.

(اعلاء السنن:٤/١٣٣)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسورتوں کوایک رکعت میں جمع کرنا اچھا نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا عبيد الله بن موسى عن عيسى عن الشعبي عن زيد بن خالد الجهني قال: ما أحب

أني قرنت سورتين في ركعة و لو أن لی حمر النعم. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۳/ ۲٤، المجلس العلمی)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن أبي العالية قال: أخبرني من سمع النبي ﷺ يقول: "لكل سورة ركعة".

حدثنا أبوبكرة قال: ثنا أبو داؤد قال: ثنا شعبة عن يعلى بن عطاء قال: سمعت ابن لبيبة قال: قال رجل لابن عمر رضي الله تعالى عنه اني قرأت المفصل في ركعة أو قال في ليلة، فقال ابن عمر رضي الله تعالى عنه إن الله لو شاء لأنزله جملة واحدة ولكن فصله لتعطى كل سورة حظها من الركوع والسجود. (شرح معانی الآثار: ۱/ ۲٤۰، باب جمع السور فی رکعۃ، فیصل)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا وكيع عن إسرائيل عن عبد الأعلى عن أبي عبد الرحمن أنه كان لايقرن بين السورتين في ركعة.

حدثنا عبد الله بن موسى عن عثمان بن الأسود عن عكرمة بن خالد قال: كان أبوبكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام لايجمع بين السورتين في ركعة ولايجاوز سورة إذا ختمها. (مصنف ابن أبی شیبۃ: ۳/ ۲۵۸)

فقہاء کی عبارات ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

في شرح المنية: الأولى أن لايفعل في الفرض ولو فعل لايكره إلا أن يترك بينهما سورة أو أكثر. (رد المحتار: ۱/ ۵۱، سعید)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

وإذا جمع بين السورتين في ركعة رأيت في موضع أنه لابأس به وذكر شيخ الإسلام أنه لاينبغي له أن يفعل هكذا على ماهو ظاهر الرواية. (الفتاوی التاتارخانیۃ: ۱/ ۴۵۲)

احسن الفتاوی میں ہے:

فرض نماز کی ایک رکعت میں دو سورتیں جمع کر کے پڑھنا خلاف اولیٰ ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۷۶)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

فرائض میں نامناسب، نوافل میں مضائقہ نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۷/ ۹۰، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

امام کے لئے قراءتِ مسنونہ پر اکتفاء کرنا افضل اور بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا أم أحدكم الناس فليخفف فإن فيهم الصغير والكبير والضعيف والمريض، فإذا صلى وحده فليصل كيف شاء.

(مسلم شريف: ۱/۱۸۸)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولايزيد على القراءة المستحبة ولايثقل على القوم ولكن يخفف بعد أن يكون على التمام والاستحباب كذا في المضمرات ناقلاً عن الطحاوي. (الفتاوى الهنديه: ۱/۷۸)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

قراءتِ مسنونہ ومستحبہ پر زیادتی نہ کرے اور نماز کو جماعت پر بھاری نہ کرے لیکن پوری سنت اور مستحب قراءت ادا کرنے کے بعد تخفیف کا لحاظ رکھے۔ (عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۱۱۶، چوتھی فصل قراءت کا بیان، مجددیہ)

لیکن چونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جمع کرنا ثابت ہے اس لئے کبھی کبھی جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر باب باندھا ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ "الأبواب والتراجم" میں "باب الجمع بين السورتين في ركعة" کے تحت فرماتے ہیں:

قال العلامة العيني رحمه الله تعالىٰ في حديث أنس رضي الله تعالىٰ عنه: جواز الجمع بين السورتين في ركعة واحدة وإليه ذهب أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ ومالك رحمه الله تعالىٰ والشافعي رحمه الله تعالىٰ وأحمد رحمه الله تعالىٰ في رواية ...... وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه قال: لاأحب أن يقرأ سورتين بعد الفاتحة في المكتوبات ولو فعل لايكره وفي النوافل لابأس به.

(الأبواب والتراجم: ص ۹۳، باب الجمع بين السورتين في ركعة، سعيد)

نیز مرفوع روایت سے بھی ثابت ہے ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن عبدالله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه ...... كان النبي صلى الله عليه وسلم يقرن بين كل سورتين في كل ركعة. (رواه الترمذي: ۱/۱۳۱، باب ماذكر في قراءة سورتين في ركعة)

معارف السنن میں ہے:

يجوز قراءة السورتين في ركعة واحدة من غير كراهة، كما في "شرح معاني الآثار" للطحاوي (۱-۲۰۶) (باب جمع السور في ركعة) وذكر أن هذا مذهب أبي حنيفة وأبي يوسف

ومحمد رحمهم الله تعالىٰ. وذكر في "البحر": إن الجمع بين السورتين بينهما سور أوسورة واحدة مكروه. ثم إن جواز الجمع بين سورتين في ركعة واحدة حكاه العيني رحمہ اللہ تعالیٰ في "العمدة" (٣-٢-١٠) عن الأئمة الأربعة وعن كثير من الصحابة والتابعين. والله اعلم.

(معارف السنن: ٥/١٣٨، سعيد)

مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں شوافع حضرات کے لئے لمحۂ فکریہ:

سوال: اکثر شوافع کو دیکھا گیا ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے فاتحہ کے بعد یا ان کے ساتھ ساتھ فاتحہ پڑھتے ہیں، کیا شوافع حضرات کو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ کی اچھی تحقیق استاذ محترم حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے "أحسن الكلام في ترك القراءة خلف الإمام" میں فرمائی ہے، ہم اس تحریر کی روشنی میں مختصراً ترمیم واضافہ کے ساتھ شوافع حضرات کی خدمت میں یہ تحقیق پیش کرتے ہیں:

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام کی کتاب الصلاۃ میں امام اور منفرد کے لئے سورۂ فاتحہ کے ضروری ہونے کو بیان فرمایا ہے:

حيث قال: فواجب على من صلى منفردًا أو إمامًا أن يقرأ بأم القران في كل ركعة لايجزيه غيرها وأحب أن يقرأ معها شيئًا آية أو أكثر وسأذكر المأموم، إن شاء الله تعالىٰ.

(كتاب الأم: ١/٢١٠، باب القراءة بعد التعوذ)

وقال في موضع آخر: والعمد في ترك القراءة بأم القران والخطأ سواء في أن لاتجزئ ركعة إلا بها أو بشيء معها إلا ما يذكر من المأموم، إن شاء الله تعالىٰ.

(كتاب الأم: ١/٢٠٣، باب من لايحسن القراءة، دار الكتب العلمية)

مذکورہ بالا عبارات میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مقتدی کے حکم کے بارے میں جو وعدہ فرمایا ہے وہ وعدہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الحدود کے بعد محل غیر مظان میں پورا فرمایا ہے:

حيث قال: ونحن نقول كل صلاة صليت خلف الإمام والإمام يقرأ قراءة لايسمع فيها قرأ فيها. (كتاب الأم: ٧/٢٥٦، اختلاف علي ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان)

چونکہ یہ وعدہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے غیر مظان میں پورا فرمایا ہے اس لئے بہت سے اکابر نے تحریر فرمایا کہ ان کو کتاب الام میں اس وعدہ کی تکمیل نہیں ملی، چنانچہ حضرت شیخ زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

ثم لم أجد ذكر المأموم فيما تتبعت. (أوجز المسالك:۲/ ۱٦۸)

نیز شیخ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والنسخة المطبوعة لم نجد فيها حكم المأموم. (معارف السنن: ۳/ ۱۸٦،سعيد)

اشکال: امام مزنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "مختصر المزنی" میں امام شافعی سے جہری نمازوں میں قرات فاتحہ کا وجوب نقل فرمایا ہے اور اسی کو قولِ جدید قرار دیا ہے:

قال المزني رحمہ اللہ تعالیٰ: قد روى أصحابنا على الشافعي أنه قال: يقرأ من خلفه وإن جهر بأم القران. (مختصر المزني: ۲٦،باب صفة الصلاة وما يجوز منها،دار الكتب العلمية)

الجواب: اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ کتاب الام ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت سے ہے اور امام مزنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں وہ زیادہ قابل اعتماد اور ثقہ ہیں، چنانچہ امام خلیلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ثقة متفق عليه والمزني مع جلالته استعان على ما فاته عن الشافعي بكتاب الربيع وقال مسلمة: كان من كبار أصحاب الشافعي. (تهذيب التهذيب:۳/ ۲۲۱،بيروت)

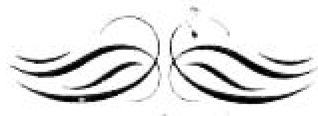
امام ابوالحسن رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

البويطي كان يقول: الربيع أثبت في الشافعي مني. (تهذيب التهذيب ۳/ ۲۲۱،بيروت)

مولی احمد بن مصطفیٰ المعروف بطاش کبری زادہ لکھتے ہیں:

الربيع بن سليمان الثقة الثبت فيما يرويه حتى رجحوا روايته عند تعارض المزني مع علو قدر المزني علمًا ودينًا وجلالةً. (أحسن الكلام:۸۲ بحواله مفتاح السعادة: ۲/ ۱٦۲)

خلاصہ یہ ہوا کہ امام بویطی اور محدثین کے فیصلے کی رو سے امام ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت کو تاریخی اور صریح حوالوں کے پیشِ نظر ترجیح حاصل ہے، لہٰذا شافعی مقتدی کو جہری نمازوں میں امام کے ساتھ یا بعد میں فاتحہ نہیں پڑھنا چاہئے اور یہی مسلک باقی ائمہ ثلاثہ کا بھی ہے۔ واللہ اعلم۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"اجعلوا أئمتكم خياركم فإنهم وفدكم، فيما بينكم وبين ربكم"﴾

باب ﴿۶﴾

امامت کا بیان

فصلِ اول

امام سے متعلق احکام

امام کا مقتدیوں کے ساتھ کھڑا ہونا:

سوال: امام دوسرے مقتدیوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب: بغیر عذر کے امام کا مقتدیوں کی صف میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر عذر ہے مثلاً جگہ ناکافی ہے اور صحن میں جگہ نہیں ہے یا جگہ ہے لیکن بارش یا شدید گرمی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتے ہیں تو پھر بلا کراہت جائز ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھے کہ مقتدی امام سے آگے نہ ہو ورنہ مقتدی کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

ملاحظہ ہو طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وفي السيد وإن كثر القوم كره قيام الإمام وسطهم تحريمًا لترك الواجب، وتمامه فيه.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ٣٠٦، فصل في بيان الاحق بالإمامة، قديمي)

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان مقام الإمام والمأموم فنقول: إذا كان سوى الإمام ثلاثة يتقدمهم الإمام لفعل رسول الله ﷺ وعمل الأمة بذلك وروى عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أنه قال: إن جدتي مليكة دعت رسول الله ﷺ إلى طعام فقال رسول الله ﷺ: "قوموا لأصلي بكم فأقامني واليتيم من وراءه وأمي أم سليم من ورائنا" ولأن الإمام ينبغي أن يكون بحال يمتاز بها عن غيره ولايشتبه على الداخل ليمكنه الاقتداء به ولايتحقق ذلك إلا بالتقدم ولو قام في وسطهم أو ميمنة الصف أو ميسرته جاز وقد أساء، أما الجواز فلان الجواز يتعلق بالأركان وقد وجدت وأما الإساءة فلتركه السنة المتوارثة. (بدائع الصنائع: ١/١٥٨، سعيد)

شامی میں ہے:

(والزائد يقف خلفه فلو توسط اثنين كره تنزيهًا وتحريمًا لو أكثر أفاد أن تقدم الإمام أمام

الصف واجب كما أفاده في الهداية والفتح. (شامي: ۱/۵٦٧، سعيد)

امداد الفتاح میں ہے:

وتقدم الإمام بعقبه عن عقب المأموم شرط لصحة اقتداءه. (امداد الفتاح: ص ۳۳۳، بیروت)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

ایک مقتدی ہو تو امام کے برابر کھڑا ہو دو مقتدی ہوں تو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی ہے اور دو سے زائد ہوں تو امام کے برابر کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے...... البتہ اگر پیچھے جماعت خانہ میں یا برآمدہ اور صحن میں بھی جگہ نہ ہو، اگر ہو تو بارش یا شدید دھوپ کی وجہ سے کھڑا ہونا دشوار ہو تو پھر کراہت نہیں ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳/۴۵)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/۲۹۸، باب الامامۃ۔ وفتاوی محمودیہ: ٦/۴۹۳۔ وعمدۃ الفقہ: ۲/۲۰٦)۔ واللہ اعلم۔

امام کا کرتہ یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے ہونا:

سوال: نماز کی حالت میں امام کا کرتہ یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ٹخنوں سے نیچے کرتہ یا پاجامہ لٹکانا خارج نماز بھی مکروہ ہے اور دورانِ نماز کراہت میں شدت ہوگی لہذا نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور اگر امام ہمیشہ یہی رویہ اختیار کرتا ہے تو فاسق ہے اس کی امامت مروہ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ماأسفل من الكعبين من الإزار في النار.

(رواه البخاري: ۲/۸٦۱/۵۵۵۹، باب ماأسفل من الكعبين ففي النار)

طحطاوی میں ہے:

(ولذا كره إمامة الفاسق) والمراد الفاسق بالجارحة لابالعقيدة، والفسق لغة خروج عن الاستقامة وهو معنى قولهم خروج الشيء عن الشيء على وجه الفساد وشرعاً خروج عن طاعة الله تعالىٰ بارتكاب كبيرة، قال القهستاني: أي أو إصرار على صغيرة......

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۳۰۳، قديمي۔ والفتاوى الهندية: ۱/۸۵۔ والشامي: ۱/۵٦۰، سعيد۔ امداد الفتاح: ص ۳۴۲، بيروت)

بیہقی میں ہے:

عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم على منبره يقول: يا أيها الناس توبوا إلى الله جل جلاله قبل أن تموتوا وبادروا بالأعمال الصالحة وصلوا الذي

بینکم وبین ربکم بکثرۃ ذکر کم له ...... ولا یؤمن فاجر مؤمنا إلا أن یقهره السلطان یخاف سیفه وسوطه.

(رواه البیهقی فی سننه الکبری: ۳/۱۷۱، کتاب الجمعة، دار الفکر۔ وابن ماجه: ۱/۷۵، باب فی فرض الجمعة)

نیز بیہقی میں ہے:

وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: اجعلوا أئمتکم خیارکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم. (رواه البیهقی فی سننه الکبری: ۳/۹۰، باب اجعلوا ائمتکم خیارکم)

طبرانی کبیر میں ہے:

عن مرثد بن أبی مرثد الغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکان بدریًا قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: إن سرکم أن تقبل صلاتکم، فلیؤمکم خیارکم، فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم.

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۵/۲۶۰/۱۷۱۶۵، ما اسند ابن ابی مرثدؓ)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے فاسق وہ ہے جو کبائر کا مرتکب ہو یا صغائر کا عادی ہو۔

(فتاوی رحیمیه: ۱/۱٦۳)

فتاویٰ دار العلوم میں ہے:

امام مذکور کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اول تو ٹخنوں سے نیچا پاجامہ خارجِ نماز پہننا بھی ممنوع ہے، یہ امر موجبِ فسق امام ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اور امام بنانا فاسق کو بدونِ توبہ کے مکروہ ہے اور ثانیاً نماز میں بار بار ایسی حرکت کرنا بھی نہیں چاہئے کہ اس میں بھی کراہت ہے، اور بعض صورتوں میں خوف فسادِ صلاۃ ہے بہرحال امام مذکور کو فعل مذکور سے روکنا چاہئے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند مدلل ومکمل: ۳/۱۱۷، باب الامامۃ، دار الاشاعت)

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۳/۲۹٦۔ فتاویٰ محمودیہ: ٦/۹۵، فاسق کی امامت کا بیان۔ وفتاویٰ رحیمیہ: ۱/۱۷۵)۔ واللہ اعلم۔

داڑھی کٹانے والے کی امامت کا حکم:

سوال: داڑھی کٹانے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ایک مشت سے پہلے داڑھی کٹانے والا یا چھوٹی رکھنے والا فاسق وفاجر ہے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے لہٰذا دیندار متقی شخص کو امام بنانا چاہئے۔

فتح القدیر میں ہے:

وأما الأخذ منها وهي دون ذلك أي بقدر المسنون وهو القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد. (فتح القدير:۲/۳۴۸، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

أو تطويل اللحية إذا كانت بقدر المسنون، وهو القبضة، والأخذ من اللحية وهو دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال لم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند، ومجوس الأعاجم.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص ۶۸۱، كتاب الصوم، فصل فيما يكره للصائم،قديمي۔وهكذا في الشامي:۲/۴۱۸، كتاب الصوم، مطلب في الاخذ من اللحية،سعيد)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لو قدموا فاسقًا يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بأمور دينه وتسهله في الإتيان بلوازمه فلايبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ما ينافيها بل هو الغالب بالنظر إلى فسقه.

(شرح منية المصلي:ص ۵۱۳، فصل في الامامة،سهيل۔و كذا في الفتاوى الهندية:۱/۸۵،الباب الخامس في الامامة،الفصل الثالث في بيان من يصلح امامًا لغيره)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

داڑھی ایک مشت رکھنا ضروری ہے۔شارحِ مشکوٰۃ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وگذاشتنِ آں بقدرِ قبضہ واجب است یعنی ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے،مسنون اس لئے کہتے ہیں کہ دینی دستور اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت یعنی ان کا طریقہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔(اشعۃ اللمعات:۱/۲۸۸) یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا درجہ بھی سنت کا ہے جس کے ترک پر گناہ ہو بلکہ اس کا ترک کرنا اور مسلسل ترک کرتے رہنا گناہ کبیرہ ہے۔اس لحاظ سے یہ امام فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ:۱/۱۷۵)

نیز ملاحظہ ہو:(احسن الفتاوی:۳/۲۶۰،باب الامامۃ والجماعۃ ۔وفتاوی محمودیہ:۶/۱۲۴،فاسق کی امامت کا بیان)۔ واللہ اعلم۔

مذاہبِ اربعہ میں داڑھی کی شرعی حیثیت اور اس کے کاٹنے والے پر فسق کا حکم:

مذہبِ احناف:

فتاوی بزازیہ میں ہے:

لایحل للرجل أن یقطع اللحیة. (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة، کتاب الاستحسان:۳/۳۷۹)

فتح القدیر میں ہے:

وأما الأخذ منها وهی دون ذلك کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه أحد.

(فتح القدیر: کتاب الصوم،باب ما یوجب القضاء والکفارة: ۲/۳٤٨،دارالفکر)

مذہبِ مالکیہ:

مواہب الجلیل میں ہے:

وحلق اللحیة لایجوز وکذلك الشارب وهو مثلة وبدعة ویؤدب من حلق لحیته أوشاربه.

(مواهب الجلیل لشرح مختصر خلیل، کتاب الطهارة،فصل فی فرائض الوضوء:۱/۳۱۳)

حاشیۃ العدوی میں ہے:

فإن قلت: وما حکم القصّ عند عدم الطول أو الطول قلیل؟ قلت: صرح بعض الشراح بأنه یحرم القصّ ان لم تکن طالت کالحلق. (حاشیة العدوی باب فی بیان الفطرة:۲/۵۸۱)

مذہبِ شافعیہ:

حواشی الشروانی میں ہے:

قال الشیخان یکره حلق اللحیة واعترضه ابن الرفعة فی حاشیة الکافیة بأن الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نص فی الأم علی التحریم قال الزرکشی و کذا الحلیمی فی شعب الإیمان وأستاذه القفّال الشاشی فی محاسن الشریعة وقال الأذرعی الصواب تحریم حلقها جملة لغیر علة بها کما یفعله القلندریة. (حواشی الشروانی علی تحفة المحتاج شرح المنهاج،فصل فی العقیقة:۹/۴۳۶)

فتح الباری میں ہے:

ثم حکی الطبری اختلافًا فیما یؤخذ من اللحیة هل له حد أم لا؟ فأسند عن جماعة

الاقتصار على أخذ الذى يزيد منها على قدر الكف، وعن الحسن البصرى أنه يؤخذ من طولها وعرضها ما لم يفحش وعن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نحوه.

(فتح البارى: ۱۰/۳۵۰، باب تقليم الأظفار، دار النشر للكتب الإسلامية)

شرح مہذب میں ہے:

سبق فى الحديث أن إعفاء اللحية من الفطرة فالإعفاء بالمد: قال الخطابى وغيره هو توفيرها وتركها بلا قص، كره لنا قصها كفعل الأعاجم، قال وكان من زى كسرى قص اللحى وتوفير الشوارب. (المجموع شرح المهذب، مسائل مستحبة من خصال الفطرة ۱/۲۹۰، دار الفكر)

مذہبِ حنابلہ:

کشاف القناع میں ہے:

وإعفاء اللحية بأن لا يأخذ منها شيئًا، قال فى المذهب ما لم يستجهن طولها ويحرم حلقها ذكره الشيخ تقى الدين ولا يكره أخذ ما زاد على القبضة.

(كشاف القناع عن متن الإقناع، كتاب الطهارة، ويسن الإمتشاط...: ۱/۷۵)

بخاری شریف میں ہے:

حدثنا محمد بن منهال قال حدثنا يزيد بن زريع حدثنا عمر بن محمد بن زيد عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم قال: خالفوا المشركين وفّروا اللحى واحفوا الشوارب وكان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ إذا حجّ أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه.

(صحيح البخارى، كتاب اللباس، باب تقليم الأظفار: ۲/۸۷۵، ياسر)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قوله خالفوا المشركين" أراد بهم المجوس، يدل عليه رواية مسلم: خالفوا المجوس لأنهم كانوا يقصّرون لحاهم ومنهم من كان يحلقها. (عمدة القارى ۱۵/۹۰)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"قوله خالفوا المشركين" فى حديث أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عند مسلم خالفوا المجوس، وهو المراد فى حديث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فإنهم كانوا يقصرون لحاهم ومنهم من كان يحلقها. (فتح البارى: ۱۰/۳٤۹، دار نشر الكتب الإسلامية)

علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

أما إعفاء اللحية فمعناه توفيرها وهومعنى أوفوا اللحى فى الرواية الأخرى وكان من عادة الفرس قص اللحية نهى الشرع عن ذلك.

(شرح الصحيح لمسلم للنووى،١/١٢٩، كتاب الطهارة، باب خصال الفطرة،فيصل)

مشکوۃ شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول الله ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم.

(مشكاة المصابيح:٣٧٥، كتاب اللباس،الفصل الثانى،قديمى)

مرقاۃ میں ہے:

أى من شبه نفسه بالكفار مثلا فى اللباس وغيره أوبالفساق أو الفجار أوبأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم) أى فى الإثم والخير قال الطيبى هذا عام فى الخلق والخلق والشعار ولما كان الشعار أظهر فى الشبه ذكر فى هذا الباب،قلت بل الشعار هو المراد بالتشبه لاغير فان الخلق الصورى لايتصور فيه التشبه والخلق المعنوى لايقال فيه التشبه بل هو التخلّق. (مرقاة المفاتيح على مشكاة المصابيح: ٨/٢٥٥، كتاب اللباس، الفصل الثانى، مسئلة التشبه،امداديه)

مذکورہ بالا حدیث اور فقہی عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک داڑھی کا منڈانا حرام ہے، اور اس کا کاٹنا جو کہ کفار کے مشابہ ہو بعض کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے، پھر مکروہ پر اصرار کرنے والا فاسق ہوگا، کیونکہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ کا حکم لے لیتا ہے، جیسے کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے پتہ چلتا ہے: لأن الصغيرة تأخذ حكم الكبيرة بالإصرار.

(رد المحتار، ٥/٤٧٣، كتاب الشهادات،باب القبول وعدمه، سعيد)

اور ائمہ اُربعہ کے نزدیک فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو ''الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' میں ہے:

تكره إمامة الفاسق إلا إذا كان إمامًا لمثله باتفاق الحنفية والشافعية،أما الحنابلة قالوا: إمامة الفاسق ولو لمثله،غير صحيحة إلا فى صلاة الجمعة والعيد إذا تعذرت صلا تهما خلف غيره، فتجوز إمامته للضرورة، والمالكية قالوا: إمامة الفاسق مكروهة ولو لمثله.

(الفقه على المذاهب الأربعة، ١/٣٤٧ مبحث مكروهات الصلاة)

خلاصہ: باتفاقِ ائمہ اربعہ داڑھی منڈانے والے یا ایک مشت سے اوپر کترانے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ اعلم۔

امام کا قراءت ختم ہونے سے پہلے ہی رکوع کے لئے ہاتھ چھوڑ دینا:

سوال: ایک امام صاحب رکوع میں جانے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ قراءت اب تک جاری ہے تو اس طرح کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: ذکر مسنون میں ہاتھ باندھنا بھی مسنون ہے لہٰذا دورانِ قراءت ہاتھ چھوڑ دینا قبل از وقت ہے اور خلافِ سنت ہے۔ امام صاحب کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے سنت کے مطابق نماز پڑھانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

امداد الفتاح میں ہے:

ویسن وضع الرجل یده الیمنی علی الیسری تحت سرته. لحدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ إن من السنة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة. (امداد الفتاح: ص ۲۸۲، بیروت)

ہدایہ میں ہے:

الاعتماد سنة القیام عند أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ و أبی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ حتی لا یرسل حالة الثناء والأصل ان کل قیام فیه ذکر مسنون یعتمد فیه ومالا فلا هو الصحیح، فیعتمد فی حالة القنوت وصلاة الجنازة ویرسل فی القومة وبین تکبیرات الأعیاد.

(هدایه: ۱/ ۱۰۲، باب صفة الصلاة)

شرح العنایہ میں ہے:

وعند محمد رحمہ اللہ تعالیٰ أنه سنة القراءة ...... والصحیح ماقاله شمس الائمة الحلوانی وهو الذی أشار إلیه فی الکتاب أن کل قیام......

(شرح العنایة علی هامش فتح القدیر: ۱/ ۲۸۷، باب صفة الصلاة، دار الفکر)

نیز ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۱/ ۳۰۸، کوئٹہ۔ و کذا فی الشامی: ۱/ ۴۸۷، سعید)۔ **واللہ اعلم۔**

امام کا محراب کو چھوڑ کر درمیانِ مسجد کھڑا ہونا:

سوال: امام اگر محراب کو چھوڑ کر درمیانِ مسجد کھڑا ہو کر امامت کرائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا محراب میں کھڑا ہونا بعض روایات سے ثابت ہے، اور سلف صالحین اور تعامل امت سے بھی یہی منقول ہے لہٰذا بلا ضرورت محراب کو چھوڑنا اچھا نہیں، ہاں محراب میں قیام ضروری بھی

نہیں ہے، فقہاء جب یہ بحث کرتے ہیں کہ امام محراب کے اندر مکمل طور پر کھڑا نہ ہوتو اس کا مطلب یہ ہے کہ محراب مطلوب ہے لیکن جوفِ محراب میں کھڑا ہونا اچھا نہیں مگر گرمی یا دوسرے اعذار کی وجہ سے درست ہے۔

ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن سعيد بن عبد الجبار بن وائل عن أبيه عن أمه عن وائل بن حجر رضي الله تعالى عنه قال: حضرت رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أوحين نهض إلى المسجد فدخل المحراب ثم رفع يديه بالتكبير...... (رواه البيهقي في سننه الكبرى: ٢/ ٣٠، دار المعرفة)

طبرانی میں ہے:

عن سهيل بن سعد رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي إلى خشبة فلما بني له المحراب تقدم إليه. (رواه الطبراني في الكبير: ٦/ ١٢٦)

شامی میں ہے:

ويقف وسطًا قال في المعراج: وفي مبسوط بكر: السنة أن يقوم في المحراب ليعتدل الطرفان، ولو قام في أحد جانبي الصف يكره، ...... تنبيه: يفهم من قوله أو إلى سارية كراهة قيام الإمام في غير المحراب، ويؤيده قوله قبله السنة أن يقوم في المحراب وكذا قوله في موضع آخر: السنة أن يقوم الإمام إزاء وسط الصف، ألاترى أن المحاريب ما نصبت إلا وسط المساجد وهي قد عينت لمقام الإمام. والظاهر أن هذا في الإمام الراتب لجماعة كثيرة لئلا يلزم عدم قيامه في الوسط، فلو لم يلزم ذلك لايكره. (شامي: ١/ ٥٦٨، باب الامامة، سعيد)

دوسری جگہ مذکور ہے:

ومقتضاه أن الإمام لو ترك المحراب وقام في غيره يكره ولو كان قيامه وسط الصف لأنه خلاف عمل الأمة. (شامي: ١/ ٦٤٦، سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وينبغي للامام أن يقف بإزاء الوسط فإن وقف في ميمنة الوسط أو في ميسرته فقد أساء لمخالفة السنة. (الفتاوى الهندية: ١/ ٨٩)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد الفتاوی: ۱/ ۲۸۳۔ وفتاوی محمودیہ: ۶/ ۵۰۸۔ واحسن الفتاوی: ۳/ ۲۹۳۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۱۴۲)۔

واللہ اعلم۔

امام کا جوفِ محراب میں کھڑا ہونا:

سوال: امام کے لئے جوفِ محراب میں کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام کے لئے جوفِ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔لیکن اگر امام محراب سے باہر کھڑا ہوا اور سجدہ جوفِ محراب میں کرے تو یہ درست ہے، نیز امام کے ساتھ دو تین حضرات کھڑے ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے،اسی طرح تنگی یا کسی اور وجہ سے امام اندر کھڑا ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ویکره قیام الإمام فی المحراب لاسجوده فیه ...... وفی الشامی:وحاصله أنه صرح محمد رحمه الله تعالیٰ فی الجامع الصغیر بالکراهة ولم یفصل، فاختلف المشایخ فی سببها فقیل کونه یصیر ممتازاً عنهم فی المکان لأن المحراب فی معنی بیت آخر وذلك صنیع أهل الکتاب، واقتصر علیه فی الهدایة واختاره الإمام السرخسی وقال: إنه الأوجه، وقیل: اشتباه حاله علی من فی یمینه ویساره، فعلی الأول یکره مطلقاً وعلی الثانی لایکره عند عدم الاشتباه، وأید الثانی فی الفتح بأن امتیاز الإمام فی المکان مطلوب، وتقدمه واجب وغایته اتفاق الملتین فی ذلك وارتضاه فی الحلیة وأیده، لکن نازعه فی البحر بأن مقتضی ظاهر الروایة الکراهة مطلقًا، وبأن امتیاز الإمام المطلوب حاصل بتقدمه بلا وقوف فی مکان آخر...... وهذا کله عند عدم العذر کجمعة وعید فلو قاموا علی الرفوف والإمام علی الأرض أو فی المحراب لضیق المکان لم یکره لو کان معه بعض القوم فی الأصح، وبه جرت العادة فی جوامع المسلمین.

(الدر المختار مع الشامی: ۱/ ٦٤٥، سعید۔ وکذا فی الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/ ۲۷۲۔ والفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۰۸، الفصل الثانی فیما یکره فی الصلاة)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے یعنی کراہتِ تنزیہی ہے، جگہ کی قلت اور جگہ کی دشواری اور نمازیوں کی کثرت کے وقت خود محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے۔

(فتاوی محمودیه: ٦/ ٥٠٤، ٥٠٦، باب تسویة الصفوف، جامعه فاروقیه)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/ ۳۱۰، باب الامامۃ۔ وامداد الاحکام: ۱/ ۵۱۱، کتاب الصلاۃ)۔ واللہ اعلم۔

امام کے لئے "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ" کہنے کا حکم:

سوال: امام کے لئے "سمع الله لمن حمده" کے بعد "ربنا ولك الحمد" کہنا مستحب ہے یا نہیں؟

الجواب: متأخرین کے قول کے مطابق امام کو بھی "سمع اللّٰہ لمن حمده" کے بعد "ربنا ولك الحمد" کہنا افضل اور مستحب ہے۔ اور صرف تسمیع پر اکتفاء کرنا بھی بلا کراہت جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

ثم رفع رأسه، واطمأن قائلاً "سمع الله لمن حمده، ربنالك الحمد" لو إمامًا أی لو كان إمامًا هذا قولهما وهورواية عن الإمام ...... ووجه قولهما وهورواية عن الإمام واختارها فی الحاوی القدسی وفی الدراية عن الظهيرية كان الفضلی والطحاوی وجماعة من المتأخرين يميلون إلى قولهما، وهوقول أهل المدينة فاختاروا قولهما الموافق لتلك الرواية عن الإمام فاتبعناها، فقلنا: إن الإمام يجمع بينهما قول أبی هريرة رضی الله تعالى عنه: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم حين يفرغ من صلاه الفجرمن القراءة يكبرويرفع رأسه من الركوع ويقول: "سمع الله لمن حمده، ربناولك الحمد" أنج الوليدبن الوليد" الحديث. (اخرجه البخاری فی الادب باب تسمية الوليد: (۶۲۰۰) ومسلم فی المسجد ومواضع الصلاة، والنسائی، وابن ماجة) وقوله "أنا أشبهكم صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم وكان إذا قال: "سمع اللّٰه لمن حمده" قال: "ربنالك الحمد" وقول عائشة رضی الله تعالى عنها: خسفت الشمس فی حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم وصلى بالناس، فلما رفع رأسه من الركوع قال: "سمع الله لمن حمده، ربنالك الحمد" رواه الطحاوی (اخرجه مسلمٌ فی الكسوف۔ وابوداودفی باب صلاة الكسوف۔ والنسائی فی الكسوف) ولأنه داع إلى الحمد فلا يتأخرعنه بنفسه تحرزًا عن دخوله تحت قوله تعالى: ﴿أتأمرون الناس بالبروتنسون أنفسكم﴾ البقرة:۴۴، وقوله تعالى: ﴿لم تقولون مالا تفعلون﴾. (الصف:۲۔ امدادالفتاح:ص۳۱۸ فصل فی كيفية تركيب الصلاة)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

أما الإمام فيأتی بعد التسميع بالتحميد أيضًا على قولهما ...... وفی المحيط: قال شمس الأئمة الحلوانی: كان شيخنا القاضی الإمام يحكی عن أستاذه أنه كان يميل إلى قولهما وكان

یجمع بین التسمیع والتحمید حین کان إمامًا والطحاوی کان یختار قولهما أیضًا وهکذا نقل عن جماعة من المتأخرین أنهم اختاروا قولهما وهو قول أهل المدینة انتهی.

(شرح منیة المصلی: ص۳۱۸، سهیل۔ و کذافی الشامی: ۱/ ۴۹۷، سعید)

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں توسع ہے، اگر پڑھ لے تو نماز میں کوئی زیادتی نہیں آتی اور بہت سے علماء کا یہی مسلک ہے، اگر نہ پڑھے تو اس سے نماز میں کوئی کمی نہیں آتی، البتہ پڑھنا بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی حقانیه: ۳/ ۱۲۶۔ واحسن الفتاوی:۳/۳۱۲)

ٹیلیویژن دیکھنے والے کی امامت کا حکم:

سوال: کیا ایسے عالم یا حافظ کے پیچھے فرائض یا تراویح پڑھ سکتے ہیں جو ٹیلیویژن اور فلمیں پابندی کے ساتھ دیکھتا ہو؟

الجواب: ٹیلیویژن اور فلمیں دیکھنے والا شخص فاسق وفاجر ہے اور فاسق وفاجر کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے لہٰذا ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہئے۔

ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن جابر بن عبد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علی منبره یقول: یاأیها الناس توبوا إلی الله جل جلالہ قبل أن تموتوا وبادروا بالأعمال الصالحة وصلوا الذی بینکم وبین ربکم بکثرة ذکرکم له ...... ولایؤمن فاجر مؤمنا إلا أن یقهره السلطان یخاف سیفه وسوطه.

(رواه البیهقی فی سننه الکبری:۳/ ۱۷۱، کتاب الجمعة، دارالفکر۔ وابن ماجه: ۱/ ۷۵، باب فی فرض الجمعة)

نیز بیہقی میں ہے:

وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: اجعلوا أئمتکم خیارکم فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم. (رواه البیهقی فی سننه الکبری:۳/ ۹۰، باب اجعلوا ائمتکم خیارکم)

طبرانی کبیر میں ہے:

عن مرثد بن أبی مرثد الغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکان بدریا قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إن سرکم أن تقبل صلاتکم، فلیؤمکم خیارکم، فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم.

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۵/ ۲۶۰/ ۱۷۱۶۵، ما اسند ابن ابی مرثد)

طحطاوی میں ہے:

(ولذا كره إمامة الفاسق) والمراد بالفاسق بالجارحة لابالعقيدة، والفسق لغة خروج عن الاستقامة وهومعنى قولهم خروج الشيء عن الشيء على وجه الفساد وشرعًا خروج عن طاعة الله تعالىٰ بارتكاب كبيرة، قال القهستاني: أي أوإصرار على صغيرة ....

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ٣٠٣، قديمي۔ والفتاوى الهندية: ١/٨٥۔ والشامي: ١/٥٦٠، سعيد۔ امداد الفتاح: ص ٣٤٢، بيروت)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لوقدموا فاسقًا يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لعدم اعتنائه بأمور دينه وتسهله في الإتيان بلوازمه فلايبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ما ينافيها بل هو الغالب بالنظر إلى فسقه.

(شرح منية المصلي: ص ٥١٣، فصل في الامامة، سهيل۔ وكذافي الفتاوى الهندية: ١/٨٥، الباب الخامس في الامامة، الفصل الثالث في بيان من يصلح اماما لغيره)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے فاسق وہ ہے جو کبائر کا مرتکب ہو یا صغائر کا عادی ہو۔

(فتاوى رحيميه: ١/١٦٣)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

ٹیلیویژن دیکھنا ناجائز ہے، اور ایسے امام کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے مگر نماز ہوجائے گی لوٹانا ضروری نہیں ہے۔

واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوى: ٣/٢٨٨، باب الامامة۔ وفتاوى محموديه: ٦/٢١١، باب الامامة)

امام کو "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةِ" کے وقت شروع کرنے کا حکم:

سوال: بعض متون کی کتابوں میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے کہ امام "قدقامت الصلاة" کے وقت شروع کرے گا۔ "ويشرع الإمام والقوم معه عند "قدقامت الصلاة" في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ وعند الفراغ من الإقامة في قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ "نقاية. اس مسئلہ میں قول مختار کونسا ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں مختار قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے، یعنی جب اقامت ختم ہوجائے تب

امام شروع کرے۔امام کو "قد قامت الصلاۃ" کے وقت شروع کرنے کا حق حاصل ہوجاتا ہے البتہ اقامت کہنے والے کی رعایت کرتے ہوئے افضل اور بہتر یہ ہے کہ اقامت ختم ہوجائے تب شروع کرے۔

ملاحظہ ہو شرح نقایہ میں ہے:

والجمهور على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ ليدرك المؤذن أول صلاة الإمام وعليه عمل أهل الحرمين. (شرح النقاية: ۱/ ۱۳۸، باب الاذان، سعيد)

طحطاوی میں ہے:

وقال أبويوسف رحمه الله تعالىٰ يشرع إذا فرغ من الإقامة أى بدون فصل وبه قالت الأئمة الثلاثة وهو أعدل المذاهب شرح المجمع وهو الأصح قهستانى عن الخلاصة، وهو الحق نهر.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ۲۷۸، فصل فى آدابها، قديمى)

درمختار میں ہے:

وشروع الإمام فى الصلاة مذ قيل "قد قامت الصلاة" ولو أخر حتى أتمها لابأس به إجماعًا وهو قول الثانى (أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ) والثلاثة، وهو أعدل المذاهب كما فى شرح المجمع لمصنفه، وفى القهستانى معزيًا للخلاصة أنه الأصح. (شامى: ۱/ ٤٧٩، صفة الصلاة سعيد)

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

(قوله أنه الأصح) أى فالأخذ به أولىٰ لأنه لايقع اشتباه على المصلين. والله اعلم.

(طحطاوى على الدرالمختار: ۱/ ۲۱۵، باب صفة الصلاة)

امام کے لئے تسبیحات کی مقدار اور جلسہ میں دعاء کا ثبوت:

سوال: امام کو رکوع سجدہ میں کتنی مرتبہ تسبیحات پڑھنا چاہئے اور جلسہ میں کیا پڑھے؟

الجواب: امام کے لئے رکوع سجدہ میں پانچ مرتبہ تسبیحات پڑھنا افضل ہے۔تین مرتبہ پر اکتفاء کرنا بھی درست ہے۔اور جلسہ میں دعاء پڑھنا بہتر ہے اگر مقتدیوں پر شاق نہ ہو ورنہ ترک اولیٰ ہے۔

دعاء جو حدیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے: "اللّٰهمّ اغفرلى وارحمنى واجبرنى واهدنى وارزقنى".

یا مختصر پڑھ لے جیسے "اللّٰهمّ اغفرلى".

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ونقل فى الحلية عن عبد الله بن المبارك رحمه الله تعالىٰ وإسحاق رحمه الله تعالىٰ وإبراهيم

رحمہ اللہ تعالیٰ و الثوری رحمہ اللہ تعالیٰ أنه يستحب للإمام أن يسبح خمس تسبيحات ليدرك من خلفه الثلاث. (شامی:۱/۴۹۵،سعید)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

ولو زاد على الثلاث فذلك أفضل بعد أن يختم على وتر خمس أوسبع أوتسع ولكن إن كان إمامًا لايطول وقال سفيان الثوری رحمہ اللہ تعالیٰ ينبغي أن يقول خمسًا حتى يتمكن القوم أن يقولوا ثلاثًا. (خلاصة الفتاوی: ۱/۵٤، الفصل الثانی سنن الصلاة وآدابها، رشیدیه)

نیز ملاحظہ ہو: (شرح منية المصلی:ص۲۸۲، سهيل۔ وفتح القدير:۱/۲۹۸۔واحسن الفتاوی: ۳/۲۹۵)

جلسہ میں دعاء پڑھنے کا ثبوت:

ترمذی شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان يقول بين السجدتين: "اللّٰهمّ اغفرلي وارحمني واجبرني واهدني وارزقني". (رواه الترمذی:۱/٦۳،باب مايقول بين السجدتين)

مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقال القاضي ثناء الله الباني بتي رحمہ اللہ تعالیٰ باستحباب الدعاء خروجاً عن الخلاف ونعم ماقال القاضي المرحوم لاسيما في هذا العصرفإن تحفظ الجلسة متعذربدون تعيين الدعاء فيها. (العرف الشذی علی سنن الترمذی:۱/۷۰)

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بل ينبغي أن يندب الدعاء بالمغفرة بين السجدتين خروجًا من خلاف الإمام أحمد رحمہ اللہ تعالیٰ لإبطاله الصلاة بتركه عامدًا ولم أرمن صرح بذلك عندنا، لكن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف ...... ولاضررفي التزامه وإن لم يصرح به مشايخنا فإن القواعد الشريعة لاتنبو عنه، كيف والصلاة هي التسبيح والتكبيروالقراءة كما ثبت في السنة.

(شامی: ۱/۵۰۵۔ ۵۰٦، سعید)

ہاں امام کو طویل دعاؤں سے احتراز کرنا چاہئے جو مقتدیوں کے لئے باعثِ کلفت بنے۔ واللہ اعلم۔

جہری نماز میں امام کو جہر کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص عشاء کی فرض نماز تنہا پڑھ رہا تھا دوسرے شخص نے آ کر اس کی اقتداء کر لی امام نے نماز میں جہر نہیں کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ کیا امام کو جہری نماز میں جہر کرنا ضروری ہے؟

الجواب: امام نے اگر امامت کی نیت کر لی تو جہر کرنا ضروری تھا لیکن اگر امامت کی نیت نہیں کی تو جہر ضروری نہیں لہذا نماز ہوگئی۔ امام کو جہری نماز میں جہر کرنا واجب اور ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ویجهر الإمام وجوبًا بحسب الجماعة، فإن زاد علیه أساء، ولو ائتم به بعد الفاتحة أو بعضها سرًا أعادها جهرًا، بحر، لكن في آخر شرح المنية: ائتم به بعد الفاتحة، یجهر بالسورة إن قصد الإمامة وإلا لا فلا یلزمه الجهر. وفي الشامي: (قوله إن قصد الإمامة) عزاه في القنية إلى فتاوى الكرماني. ووجهه أن الإمام منفرد في حق نفسه، ولذا لا یحنث في لا یؤم أحدًا ما لم ینو الإمامة، ولا یحصل ثواب الجماعة إلا بالنیة. (الدر المختار مع الشامي: ۱/۵۳۲، فصل في القراءة، سعید)

طحطاوی میں ہے:

ویجب جهر الإمام الواجب منه أدناه وهو أن یسمع غیره، ولو واحدًا وإلا کان إسرارًا.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۲۵۲، فصل في بیان واجبات الصلاۃ، قدیمی)

امداد الفتاح میں ہے:

ویجب جهر الإمام بقراءة رکعتي الفجر وقراءة أولیي العشائین للمواظبة علیه.

(امداد الفتاح: ص ۲۷۸، فصل في واجبات الصلاۃ)

بہشتی گوہر میں ہے:

اگر کوئی شخص تنہا فجر یا مغرب یا عشاء کا فرض آہستہ آواز سے پڑھ رہا ہو اسی اثناء میں کوئی شخص اس کی اقتداء کرے تو اس میں دو صورتیں ہیں (۱) ایک یہ کہ یہ شخص دل میں قصد کرے کہ میں اب امام بنتا ہوں تا کہ نماز جماعت سے ہو جاوے (۲) دوسری صورت یہ کہ قصد نہ کرے بلکہ بدستور اپنے کو یہی سمجھے کہ گویا میرے پیچھے آ کھڑا ہوا لیکن میں امام نہیں بنتا بلکہ بدستور تنہا پڑھتا ہوں پس پہلی صورت میں تو اس پر اسی جگہ سے بلند آواز سے قراءۃ کرنا واجب ہے پس اگر سورۂ فاتحہ یا کسی قدر دوسری سورت بھی آہستہ آواز سے پڑھ چکا ہو تو اس کو چاہئے کہ اسی جگہ سے بقیہ کو بلند آواز سے پڑھے، اس لئے کہ امام کو فجر و مغرب و عشاء کے وقت بلند آواز سے قراءت کرنا

واجب ہے، دوسری صورت میں بلند آواز سے قراءت کرنا واجب نہیں ہے اور اس مقتدی کی نماز بھی درست رہے گی کیونکہ صحتِ صلوٰۃ مقتدی کے لئے امام کا نیتِ امامت کرنا ضروری نہیں۔ واللہ اعلم۔

(اصلی بہشتی گوہر گیارواں حصہ: ص۵۸، مقتدی اور امام کے متعلق مسائل، مسئلہ ۲۰، المدینہ لاہور)

بریلوی عقیدہ رکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو بریلوی عقیدہ رکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہو جائے تو جماعت ترک کرے یا شریک جماعت ہو جائے؟ اور اگر نماز پڑھنے پر مجبور ہو تو کیا کرے؟

الجواب: بریلوی عقائد بہت مختلف ہیں۔ اگر ان کے عقائد میں سے مثلاً آپ ﷺ کو عالم الغیب تسلیم کرنا، حاضر ناظر سمجھنا، مختار کل ماننا، متصرف فی الامور جاننا، مشکل کشا و حاجت روا کہنا، باری تعالیٰ کا عکس بتانا، یہ تمام عقائد کفر تک پہنچانے والے ہیں لہٰذا اگر کسی شخص کے یہ مذکورہ بالا عقائد ہیں تو اس کے پیچھے نماز صحیح اور درست نہیں ہے، اگر پڑھنے پر مجبور ہو تو اعادہ لازم ہے، نیز اگر فتنہ وغیرہ کا خوف ہو تو تشبہ بالمصلین کرلے اور پھر اعادہ کرلے یہ صورت زیادہ مناسب ہے۔

درمختار میں ہے:

ومبتدع أی صاحب بدعة وهی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول ﷺ...... لایکفر بها...... وإن أنكر بعض ماعلم من الدین ضرورة كفر بها...... فلایصح الاقتداء به أصلاً، فلیحفظ. (الدر المختار: ١/ ٥٦٠، باب الامامة، سعید)

البحر الرائق میں ہے:

وأطلق المصنف فی المبتدع فشمل كل مبتدع وهو من أهل قبلتنا وقیده فی المحیط والخلاصة والمجتبی وغیرها بأن لاتكون بدعته تكفره فإن كانت تكفره فالصلاة خلفه لاتجوز وعبارة الخلاصة هكذا. (البحر الرائق: ١/ ٣٤٩، باب الامامة، الماجدية)

تبیین الحقائق میں ہے:

(والمبتدع) أی صاحب الهوی قال المرغینانی تجوز الصلاة خلف صاحب الهوی وبدعة ولاتجوز خلف الرافضی والجهمی والقدری والمشبه ومن یقول بخلق القرآن، حاصله إن كان هوی لایكفر صاحبه یجوز مع الكراهة وإلافلا. (تبیین الحقائق: ١/ ١٣٤، باب الامامة، امدادية)

امداد الفتاح میں ہے:

والمراد المبتدع الذی لاتکفره بدعته فإن کفر بهالاتصح إمامته کما قدمناه. فإذا تبین له ذلك لزمه إعادة ما صلاه خلفه. (امدادالفتاح: ص ٣٤٣، ٣٣١، بیان من تکره امامتهم)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

ایسے بدعتی کے پیچھے جس کی بدعت کفر تک پہنچ جائے کسی شخص کی نماز درست نہیں ہے۔

(عمدۃالفقه: حصه دوم کتاب الصلاۃ: ص ١٨٤، شرائط امامت، محددیه، کراچی)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب جو خاصہ خدا ہے ثابت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز نادرست ہے۔

(فتاوی رشیدیه: ٣٣٧)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

اگر کوئی جناب سرور کائنات ﷺ کو غیب داں جانتا ہے تو یہ عقیدہ باطل اور غلط ہے اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے اور اس میں پوری احتیاط کرنی چاہئے اور اگر کسی وجہ سے پڑھ لی تو اس کا اعادہ کرنا چاہئے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند: ٣/ ١٧٠، باب الامامة مدلل ومکمل، دارالاشاعت)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

جس شخص کا عقیدہ کفریہ ہو اس کو امام بنانا جائز نہیں اور اس کی اقتداء کرنا ہرگز جائز نہیں، اس کے پیچھے نماز ہرگز درست نہیں۔ (فتاوی محمودیه ٦/ ٢٦٠، باب الامامة، الفصل الثالث فی امامة المبتدع، جامعه فاروقیه)

فتاوی عثمانی میں ہے:

حضور ﷺ کو عالم الغیب اور حاضر ناظر ماننے والے کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

(فتاوی عثمانی ١/ ٤٢٧، ٤٤٤)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جب کہ امام مذکور کے عقائد کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں تو اس کی امامت جائز نہیں اور اس کے پیچھے نماز صحیح نہ ہوگی، اور ایسے بدعقیدہ امام کی اقتداء میں جو جماعت ہوگی اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہ ہوگا وہ کالعدم ہے، لہٰذا اس کے بعد اہل حق کا جماعت سے نماز پڑھنا جماعتِ ثانیہ کے حکم میں نہ ہوگا۔

(فتاوی رحیمیه: ٤/ ٣٦٠، باب الامامة)

التشبہ بالمصلین کے شواہد:

یعنی اگر مجبوراً نماز پڑھنا پڑے تو نمازیوں کے ساتھ تشبہ کرلے اور بعد میں اپنی نماز پڑھ لے۔ شریعت میں اس کی مثالیں موجود ہیں ملاحظہ ہو:

پانی اورمٹی نہ پانے والے کوتشبہ کا حکم ہے، پھراعادہ ضروری ہے۔اسی طرح مریض جووضواورتیمم پرقادر نہ ہو۔

درمختار میں ہے:

والمحصور فاقد الماء والتراب الطهورين بأن حبس في مكان نجس ولايمكنه إخراج تراب مطهر وكذا العاجز عنهما لمرض يؤخرهاعنده، وقالا: يتشبه بالمصلين وجوبًا فيركع ويسجد …… ثم يعيدالصلاة كالصوم وبه يفتي وإليه صح رجوعه أي الإمام كما في الفيض.

(الدرالمختار: ۱/ ۲۵۲،سعید)

مرقات میں ہے:

وفي شرح الشمني والمحبوس الذي لايجدطهورًا لايصلي عندهماوعند أبي يوسف رحمه الله تعالى يصلي بالإيماء ثم يعيد وهورواية عن محمد رحمه الله تعالى تشبهًا بالمصلين قضاء لحق الوقت. (المرقاة شرح المشكاة: ۱/ ۳۳٤)

الفقہ الاسلامی میں ہے:

حكم فاقد الطهورين: الحنفية: المفتى به عندهم ما قاله الصاحبان وهو أن فاقد الطهورين يتشبه بالمصلين وجوبًا…… (الفقه الاسلامی وادلته: ۱/ ٤٥٢،دارالفکر)

الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

الحنفية قالوا: من فقد الطهورين الماء والصعيد الطاهر …… فإنه يصلي عند دخول وقت الصلاة صلاة صورية بأن يسجد …… بدون قراء ة أوتسبيح وهذه الصلاة الصورية لاتسقط الفرض عنه بل تبقى ذمته مشغولة. (الفقه علی مذاهب الاربعة: ۱/ ۱٦٦)

نیز کسی شخص کا وضوٹوٹ گیا اور وہ جماعت میں ہے نکلنا مشکل ہے یا شرم محسوس کرتا ہے تو بقیہ نماز میں تشبہ بالمصلی کرے۔

ملاحظہ ہوفتاوی اللکنوی میں ہے:

الاستفسار: رجل يصلي مع قوم وأحدث، فاستحيٰى من أن يظهر ذلك، فكتم وصلى كذلك مع الحدث هل يحكم بكفره؟

الاستبشار: لايكفر؛ لأنه غيرمستهزىء ومن ابتلى بذلك بضرورة أولحياء، ينبغي أن لايقصد بذلك الصلاة، بل يقوم ولايقرأ شيئًا، وإذا انحنىٰ لايريد الركوع، ولايسبح، ولايفعل

شيئًا من أعمال الصلاة؛ لئلا يقع في أداء الصلاة مع الحدث. كذا في "خزانة الروايات".

(فتاوی اللکنوی: ص ۱۷۱، کتاب الصلوات، دار ابن حزم)

فقہاء نے حائضہ کے بارے میں فرمایا کہ اگر رمضان میں پاک ہو تو تشبہ بالصائم کرے اور مسافر افطار کرے پھر مقیم ہو جائے تو بقیہ دن تشبہ بالصائم کرے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله كالصوم) أي في مثل الحائض إذا طهرت في رمضان، فإنها تمسك تشبهًا بالصائم لحرمة الشهر ثم تقضي، وكذا المسافر إذا أفطر فأقام. (شامی: ۱/۲۵۳، مطلب فاقد الطهورين، سعید)

نیز اخرس جو قراءت وتلبیہ وغیرہ پر قادر نہ ہو تو تشبہ بالقاری یعنی تحریک الشفتین کرے گا۔

ملاحظہ ہو فتاوی اللکنوی میں ہے:

الاستفسار: الأمي والأخرس إذا لم يقدر على أداء فرض القراءة هل يجب عليه تحريك الشفتين؟

الاستبشار: قيل: يجب تحريك الشفة واللسان كتلبية الحج وقيل لايجب. واللہ اعلم۔

(فتاوی اللکنوی: ص ۳۳۸، ما يتعلق بالأعذار المسقطة لأركان الصلاة، دار ابن حزم۔ وكذا في الشامي: ۱/۴۸۳، قراءة في الصلاة، سعید۔ ولباب المناسك: ص ۱۱۳، فصل وشرط التلبية، بيروت)

فسادِ نماز کی خبر دینا امام کے ذمہ ہے:

سوال: اگر امام کی نماز خون نکلنے کی وجہ سے فاسد ہوگئی اور امام کو نماز کے بعد معلوم ہوا تو امام پر اطلاع دینا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی وجہ سے نماز صحیح نہ ہو تو امام کے ذمہ مقتدیوں کو اطلاع دینا لازم ہے، پھر اگر امام عادل ہو تو مقتدیوں پر اعادہ واجب ہے ورنہ مستحب ہے۔ لیکن اگر مقتدی متعین نہ ہو یا خبر دینا مشکل ہو تو اطلاع دینا لازم نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وإذا ظهر حدث إمامه وكذا كل مفسد في رأي مقتد بطلت فيلزم إعادتها لتضمنها صلاة المؤتم صحةً وفسادًا كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أو جنب أو فاقد شرط أو ركن، وهل عليهم إعادتها، إن عدلا نعم، وإلا ندبت ...... بالقدر الممكن بلسانه أو بكتاب

أورسول على الأصح لومعينين أى معلومين وقال ح: وإن تعين بعضهم لزمه إخباره وإلا أى وإن لم يكونوا معينين كلهم بعضهم لايلزمه. (الدر المختار مع الشامی: ۱/۵۹۱، ۵۹۲، سعید)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

سوال: امام نے جنابت کی حالت میں نماز پڑھادی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئلہ میں امام اور مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو تنہا تنہا خبر کردے یا نماز کے وقت اعلان کردے کہ فلاں دن فجر کی نماز میں جو جو حضرات تھے وہ اپنی نماز کا اعادہ کرلیں جن مقتدیوں کو اس کی اطلاع نہ ہوسکے وہ معذور ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ: ۴/۳۶۴)

امداد الاحکام میں ہے:

سوال: امام نے سہواً بلا وضو نماز پڑھادی تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: امام پر لازم ہے کہ جن اشخاص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ نماز میں شریک تھے ان سب کو جس طرح ممکن ہو اطلاع کردے اور امام عادل ہو تو ان پر اطلاع سے اعادہ ضروری ہے، اور اگر امام عادل نہ ہو تو اعادہ مستحب ہے۔ واللہ اعلم۔ (امداد الاحکام: ۱/۵۲۵)

عورت کی امامت کا حکم:

سوال: کیا عورت مردوں کی امامت کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت مردوں کی امامت نہیں کرسکتی۔

دلائل ملاحظہ ہو:

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿الرجال قوّمون على النساء الخ﴾. (سورۃ النساء: الآیۃ: ۳٤)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ روح المعانی میں فرماتے ہیں:

أى شأنهم القيام عليهن قيام الولاة على الرعية بالأمر والنهي ونحو ذلك...... ولذا خصوا بالرسالة والنبوة على الأشهر، وبالإمامة الكبرى والصغرى، وإقامة الشعائر كالأذان والإقامة والخطبة والجمعة...... (روح المعانی: ۵/۲۳، القاھرۃ)

علامہ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يقومون عليهن آمرين ناهين كما يقوم الولاة على الرعايا وسموا قوامًا لذلك ...... يعني

إنما كانوا مسيطرين عليهن لسبب تفضيل الله بعضهم وهم الرجال على بعض وهم النساء بالعقل والعزم والحزم والرأى والقوة والغزو وكمال الصوم والصلاة والنبوة والخلافة والإمامة والأذان والخطبة والجماعة والجمعة...... (تفسير النسفي: ۱/ ۲۲۳، دار الفكر)

(۲) حدیث شریف میں:

عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالى عنه قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: "يآيها الناس توبوا إلى الله قبل أن تموتوا ...... ألا لاتؤمنّ امرأة رجلاً......".

(رواه ابن ماجة: ۱/ ۷۵، باب في فرض الجمعة۔ والبيهقي في سننه الكبرى: ۳/ ۱۷۱، كتاب الجمعة، دار المعرفة۔ والطبراني في الاوسط: ۲/ ۱۵۲/ ۱۲۸۳، الرياض)

یہ حدیث طویل ہے مطلب یہ ہے کہ: خبردار کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے۔

(۳) مسلم شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها وشرها أولها. (رواه مسلم: ۱/ ۱۸۲، باب تسوية الصفوف، فيصل)

مصنف عبد الرزاق میں ہے:

عن إبراهيم رحمه الله تعالى عن أبي معمر رحمه الله تعالى عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: "كان الرجال والنساء في بني إسرئيل يصلون جميعاً، فكانت المرأة لها الخليل، تلبس القالبين تطول بهما لخليلها، فألقى عليهنّ الحيض" فكان ابن مسعود رضي الله تعالى عنه يقول: "أخروهن حيث أخرهن الله". إسناده صحيح.

(مصنف عبد الرزاق: ۳/ ۱۴۹/ ۵۱۱۵، باب شهود النساء الجماعة، المجلس العلمي۔ اعلاء السنن ۲/ ۲۲۴۔ نصب الراية: ۲/ ۳۶)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا مقام مردوں سے پیچھے ہے۔

تنبیہ: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے حکم ہے۔

(۴) ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم بامرأة من أهله وبي فأقامني عن يمينه وصلت المرأة خلفنا. (رواه ابن ماجه: ۱/ ۶۹، باب الاثنان جماعة)

مصنفِ ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی بهم وامرأة من أهله فجعل أنسًا عن يمينه والمرأة خلفه. وعن ثابت رحمہ اللہ تعالیٰ قال: صليت مع أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقمت عن يمينه وقامت أم ولده خلفنا. وعن هشام رحمہ اللہ تعالیٰ قال: جئت إلى عروة رضی اللہ تعالیٰ عنہ وهو يصلى وخلفه امرأة فأقامني عن يمينه والمرأة خلفه.

(مصنف ابن ابی شیبة: ۶۸/۳، اذا كان الامام ورجل وامرأة، كيف يصنعون، المجلس العلمی)

خلاصہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور ایک عورت کو اپنے اہل میں سے نماز پڑھائی اور مجھے داہنی جانب کھڑا کردیا اور عورت کو پیچھے کھڑا کردیا۔ معلوم ہوا کہ عورت کا یہی مقام ہے۔

(۵) بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صليت أنا واليتيم في بيتنا خلف النبي صلی اللہ علیہ وسلم وأمي أم سليم خلفنا. (رواه البخاري: ۱/۱۰۱/۷۱۸، باب المرأة وحدها تكون صفًا)

یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور دو رکعات نماز پڑھائی میں اور یتیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور میری والدہ پیچھے صف میں کھڑی رہیں۔ معلوم ہوا کہ عورت کی تو صف بھی پیچھے ہونا چاہئے چہ جائیکہ امامت کرے۔

(۶) نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدۃ العمر کسی عورت کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھی اور نہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پڑھیں۔

(۷) نیز عورتوں کی افضل نماز گھر کے کونہ میں ہے نہ مسجد میں نہ امامت کرنے میں۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها.

وفي هامشه: مخدعها هو البيت الصغير الذي يكون في داخل البيت، وقال السندي: هو البيت الذي يخبأ فيه خير المتاع وهو الخزانة داخل البيت۔ (ابو داؤد شریف مع الحاشية: ۱/۸۴، باب التشديد في خروج النساء الى المسجد)

(۸) نماز میں کوئی چیز پیش آئے تو عورتوں کو تصفیق کا حکم دیا گیا نہ کہ تسبیح کا کیونکہ آواز فتنہ کا باعث ہے اور امامت میں تو زیادہ فتنہ ہے لہٰذا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگی۔

ملاحظہ ہو: بخاری شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: التصفیق للنساء والتسبیح للرجال.

(رواه البخاری: ١/١٦٠/١١٨٩، باب التصفیق للنساء، فیصل)

عورت کی امامت کے سلسلہ میں بعض حضرات ابوداؤد شریف کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ جس میں ام ورقہ کی امامت کا ذکر ہے۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن أم ورقة بنت عبداللّٰه بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا ...... وکان رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم یزورها فی بیتها وجعل لها مؤذناً یؤذن لها وأمرها أن تؤم أهل دارها. (رواه ابو داؤد: ١/٨٧، باب إمامة النساء)

مذکورہ بالا حدیث کا جواب:

(۱) یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس حدیث کے رواۃ میں سے (۱) ولید بن جمیع (۲) عبدالرحمٰن بن خلاد (۳) ولید ابن جمیع کی دادی۔ یہ سب مجروح اور مجہول رواۃ ہیں۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قال المنذری فی مختصره: الولید بن جمیع فیه مقلل، وقال ابن القطان فی کتابه: الولید ابن جمیع وعبد الرحمٰن بن خلاد لایعرف حالهما.

(اعلاء السنن: ٤/٢٤٥، ادارة القرآن، وفتح القدیر: ١/٣٥٤، باب الامامة، دار الفکر)

قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فی التقریب: الولیدبن جمیع صدوق یهم ورمی بالتشیع. (تقریب التهذیب: ص ٣٧٠)

وقال أیضاً: عبد الرحمٰن بن خلاد مجهول الحال. (تقریب التهذیب: ص ٢٠١)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی "**بذل المجهود**" میں ان راویوں پر کلام فرما کر ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (بذل المجهود: ٤/٢١٠)

نیز مذکور ہے:

وأما ما استدل به بعض العلماء علی جواز إمامة المرأة للنساء والرجال فغیر صحیح.

(بذل المجهود ٤/٢١٠)

بالفرض اگر روایت ثابت ہو جائے تب بھی اس میں مردوں کی امامت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ام ورقہ عورتوں کی ہی امام بنی ہوگی۔

عورتوں کی امامت اگرچہ ناپسندیدہ ہے لیکن بعض احوال اور ضرورتوں کی وجہ سے قابلِ برداشت ہے۔

تنبیہ: ام ورقہ کی اس روایت کو البانی صاحب نے حسن کہا ہے یہ ان کا وہم ہے۔

ملاحظہ ہو: (حاشیۃ صحیح ابن خزیمہ: ۲/۸۰۲/۱٦٧٦، المکتب الاسلامی)

عورت کی امامت کے عدم جواز پر کتبِ فقہ کی عبارات ملاحظہ ہو:

مذہبِ احناف:

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

المرأة تخالف الرجل في مسائل منها ...... ولا تؤم الرجال.

(حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح: ص ٢٥٩، فصل في بيان سننها، قديمي۔ وهكذا في الشامي: ١/٥٠٤، سعيد۔ والبحر الرائق: ١/٣٢١، الماجديه)

نیز شامی میں ہے:

إذا استخلفها الإمام وخلفه رجال ونساء فتفسد صلاة الكل أما الرجال والإمام فلعدم صحة اقتداء الرجال بالمرأة. (شامي: ١/٥٦٥، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

وفسد اقتداء رجل بامرأة ونقل في المجتبى الإجماع عليه. (البحر الرائق: ١/٣٥٩، كوئٹة)

مذہبِ مالکیہ:

المدونہ میں ہے:

وقال مالك رحمه الله تعالىٰ: لاتؤم المرأة. (المدونة: ١/٨٥، كتاب الصلاة، في الصلاة خلف السكران......)

الثمر الدانی میں ہے:

ولاتؤم المرأة في فريضة ولانافلة لارجالاً ولانساء ...... قوله ولاتؤم المرأة ...... وكما لاتؤم المرأة لايؤم الخنثى المشكل فإن ائتم بهما أحد أعاد أبدًا على المذهب سواء كان من جنسهما أو لا، ...... فاعلم أن الذكورة المحققة شرط في صحة الإمامة.

(الثمر الداني: ص ١٠٠، باب الامامة، دار الفكر)

مذہبِ شافعیہ:

کتاب الام میں ہے:

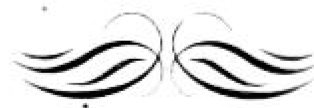
قال الشافعي رحمه الله تعالى: وإذا صلت المرأة برجال ونساء وصبيان ذكور فصلاة النساء مجزئة وصلاة الرجال والصبيان الذكور غير مجزئة لأن الله جل جلاله جعل الرجال قوّمين على النساء وقصرهنّ عن أن يكن أولياء وغير ذلك ولايجوز أن تكون امرأة أمام رجل فى صلاة بحال أبدًا......

(كتاب الام:١/١٩١، باب صفة الائمة، امامة المرأة للرجال ـ وروضة الطالبين: ١/٣٥١، باب صفة الائمة، المكتب الاسلامى)

مذہبِ حنابلہ:

المغنی میں ہے:

وأما المرأة فلايصح أن يأتم بها الرجل بحال فى فرض ولانافلة فى قول عامة الفقهاء...... ولنا قول النبى صلى الله عليه وسلم: "لاتؤمنّ امرأة رجلًا" ولأنها لاتؤذن للرجال فلم يجز أن تؤمهم كالمجنون، وحديث أم ورقة ...... ولو قدر ثبوت ذلك لأم ورقة لكان خاصًا بها بدليل أنه لايشرع لغيرها من النساء أذان ولا إقامة فتختص بالإمامة لاختصاصها بالأذان والإقامة. والله اعلم. (المغنى:٢/٣٣، احكام امامة المشرك والمرأة والخنثى، دار الكتب العلمية)



فصلِ دوم

جماعت کے احکام

خدمتگارانِ تبلیغ کا اجتماع گاہ میں جماعت کرنا:

سوال: آنے والے مسئلہ کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

اجتماع کی تیاری کے لئے تقریباً ۶، ۷ ہفتے قبل کام شروع ہوجاتا ہے، بہت سے لوگ مختلف علاقوں سے آتے ہیں، عام طور پر ہم لوگ اجتماع گاہ میں نماز پڑھتے ہیں چاہے کوئی مسجد نزدیک ہو یا نہ ہو اور اس کی چند وجوہات ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

(۱) اس میں زیادہ سہولت ہے اور وقت کی زیادہ بچت بھی ہے۔

(۲) ہر نماز کے بعد مذاکرہ، ترغیبی اور تعلیمی بیانات ہوتے ہیں، مشورہ بھی ہوتا ہے حسبِ ضرورت فجر کے بعد ختم یس، دعاء، ذکر اور دوسرے معمولات ہوتے ہیں، اکثر نمازوں کے بعد ضروری تقاضے مجمع کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

(۳) شام کے وقت بکثرت لوگ آتے ہیں حتی کہ بعض مرتبہ ۴۰۰ سے ۷۰۰ تک ہوجاتے ہیں لہٰذا نماز، کھانا، پینا اور رہنا ہر لحاظ سے انتظام کرنا پڑتا ہے۔

(۴) سامان کی حفاظت بھی مطلوب ہے اسی وجہ سے جمعہ بھی اجتماع گاہ میں پڑھتے ہیں تاکہ ہر وقت ایک جماعت حفاظت کی خاطر مقرر رہو۔

قریب زمانے میں ہمیں یہ بتایا گیا کہ جمعہ کی نماز اجتماع گاہ میں مسنون نہیں ہے جب کہ مسجد قریب ہوا اور مسجد میں وسعت بھی ہو، نیز حفاظت کرنے والوں کے علاوہ تمام کو پانچوں نمازوں کے لئے مسجد جانا ضروری ہے، کیا صحیح ہے؟

الجواب: بصورتِ مسئولہ بہتر اور فضیلت کی بات تو یہ ہے کہ نماز باجماعت مسجد میں پڑھی جائے لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے اپنے طور پر جماعت کرلی جائے تو جماعت کی فضیلت حاصل ہوجائے گی۔

چونکہ تبلیغی حضرات اجتماع گاہ میں کام کاج وغیرہ میں مصروف رہتے ہیں اور وہاں بکثرت لوگ آتے ہیں

سب کا جانا مسجد میں مشکل ہوجاتا ہے نیز بعض کو سامان کی حفاظت کے لئے بھی رہنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے اپنی جماعت کر سکتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

واختلف العلماء فی إقامتھا فی البیت والأصح أنھا کإقامتھا فی المسجد إلا فی الأفضلیۃ.

(شامی: ۱/۵۵٤، سعید)

یعنی علماء نے گھر میں جماعت کرنے کے بارے میں اختلاف کیا ہے اصح قول یہ ہے کہ مسجد میں جماعت کرنے کی طرح ہے ہاں افضل و بہتر مسجد ہے۔

درمختار میں مرقوم ہے:

والجماعۃ سنۃ مؤکدۃ للرجال ...... وأقلھا اثنان مع الإمام ولو ممیزًا أو ملکًا أو جنیًا فی المسجد أو غیرہ.

طحطاوی علی الدر میں ہے:

فلو صلی فی بیتہ بزوجتہ أو جاریتہ أو ولدہ فقد أتی بفضیلۃ الجماعۃ.

(طحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲٤۰)

یعنی جماعت میں کم سے کم دو آدمی امام کے ساتھ ہوں اگر چہ ہوشیار بچہ یا فرشتہ یا جن ہو مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر ہو پس اگر کوئی بیوی بچوں یا باندی کے ساتھ جماعت کرلے تو اس نے جماعت کی فضیلت حاصل کی۔

علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں تحریر فرمایا ہے:

اختلف العلماء فی إقامتھا فی البیت والأصح أنھا کإقامتھا فی المسجد إلا فی الأفضلیۃ وھو ظاھر مذھب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ قلت: ویظھر أن ما سیأتی عن الحلوانی مبنی علی ما مر منہ من وجوب الإجابۃ بالقدم وتقدم أن الظاھر خلافہ فلذا صححوا خلاف ماقالہ ھنا.

(منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق: ۱/۳٤۵، کوئٹۃ)

یعنی علماء نے جماعت گھر پر کرنے میں اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ مسجد کی طرح ہے مگر فضیلت میں اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی ہے اور شمس الائمۃ حلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسجد کے باہر جماعت کو بدعت کہا ہے یہ ان کے اس مذہب پر مبنی ہے کہ چلنا مسجد تک واجب ہے اور یہ خلافِ ظاہر ہے۔

بہر حال تبلیغی حضرات کو کوشش کرنا چاہئے کہ بعض ساتھی مسجد میں پہونچیں لیکن اجتماع گاہ میں بھی جماعت اور

جمعہ جائز ہے، نیز معلوم ہوا کہ مسجد ایک کلومیٹر دور بھی ہے، فقہاء لکھتے ہیں کہ ایک میل کی دوری پر پانی کے لئے جانا بھی ساقط ہو جاتا ہے اور تیمّم کر سکتا ہے لہٰذا اس صورت میں مسجد میں جانا بھی زیادہ ضروری نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجدِ محلّہ میں جماعت فوت ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد جانے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو اپنے محلے کی مسجد میں دو رکعت مل سکتی ہو اور دوسری جگہ جو محلّہ کی مسجد نہیں ہے پوری نماز با جماعت مل رہی ہے تو دور جانا چاہئے یا اپنی مسجد ہی میں دو رکعت میں شامل ہو جائے؟

الجواب: جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا واجب ہے۔ کما فی الدر: **والجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدي: أرادوا بالتأكيد الوجوب وقيل واجبة وعليه العامة أي عامة مشائخنا.**

(الدر المختار ۱/۵۵۲، سعید)

نیز اپنے ہی محلے کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے اور اس محلے کا حق ہے۔ کما فی الشامی: **قوله ومسجد حيه أفضل من الجامع ...... لو لم يكن لمسجد منزله مؤذن فانه يذهب إليه ويؤذن فيه ويصلي ولو كان وحده لأن له حقًا عليه فيؤديه.** (الشامی: ۱/۶۵۹، سعید)

اور اگر جماعت کے ساتھ نماز اپنے محلّہ کی مسجد میں فوت ہو جائے تو دوسری مسجد میں تلاش کرنا ضروری نہیں۔ **کما فی بدائع الصنائع: إذا فاتته الجماعة لايجب عليه الطلب في مسجد آخر.**

(بدائع الصنائع: ۱/۱۵۶، سعید)

مذکورہ بالا عبارات سے پتہ چلا کہ اگر اپنے محلّہ کی مسجد میں جماعت سے نماز مل جانے کی امید ہے اگر چہ چند رکعات فوت ہو جائیں تب بھی بہتر یہ ہی ہے کہ اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز ادا کرے ہاں اگر جماعت کلیۃً فوت ہو چکی ہو اور دوسری مسجد میں جماعت کی نماز ملنے کی امید ہو تو اس کو اختیار ہے چاہے تو تنہا نماز اپنی مسجد میں پڑھ لے اور چاہے تو دوسری مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ کما في بدائع الصنائع: **إذا فاتته الجماعة في مسجد حيه فإن أتى مسجدًا آخر يرجو إدراك الجماعة فيه فحسن وإن صلى في مسجد حيه فحسن.** (بدائع الصنائع: ۱/۱۵۶، سعید)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر مسجدِ محلّہ کے علاوہ دوسری مسجد قریب ہے اور اس میں جماعت ملنا یقینی ہے تو پھر دوسری مسجد جانا چاہئے تاکہ جماعت اور مسجد دونوں کا ثواب مل جائے اور دوسری مسجد کا مقامِ صلاۃ قیامت کے دن اس کے لئے گواہی دیدے، احادیث میں جماعت کی فضیلت وارد ہے اپنی مسجد کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

نجاست کا تھیلا ساتھ رکھ کر مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی بیمار ہے اس کے پیٹ کے ساتھ ایک تھیلا لگا دیا گیا جس میں فضلہ نلکی کے ذریعہ آتا ہے، جو عموماً مقعد کے راستہ سے نکلتا ہے، اس آدمی کا مسجد میں آنا اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ یہ نجاست کو مسجد میں داخل کرنے کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور بدبو ہونے یا نہ ہونے سے مسئلہ میں فرق پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں بدبودار چیز یا نجاست مسجد میں داخل کرنا مکروہِ تحریمی ہے خصوصاً جب کہ تلویثِ مسجد کا اندیشہ ہو، لیکن جو شخص معذور ہے جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں تو یہ تھیلا اس کے پیٹ اور معدہ کے حکم میں ہوگا، لہٰذا اگر بدبو نہ ہو اور چھپا ہوا ہو اور لوگوں کے لئے باعثِ نفرت نہ ہو تو اس کا مسجد جانا جائز اور درست ہے۔

نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں مستحاضہ عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا ثابت ہے اگر چہ نجاست ساتھ تھی لیکن چھپی ہوئی تھی اور بدبو وغیرہ بھی نہیں تھی لہٰذا آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نکیر نہیں فرمائی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: اعتكفت مع رسول الله ﷺ إمرأة من أزواجه مستحاضة فكانت ترى الحمرة والصفرة فربما وضعنا الطست تحتها وهي تصلي.

(رواه البخاري: ۱/۲۷۳/۱۹۹۱، باب اعتكاف المستحاضة، فيصل)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کپڑے یا مسجد ملوث نہ ہو تو ٹھیک ہے اسی طرح جو مستحاضہ کے معنی میں ہے یعنی معذور وغیرہ ان کے لئے بھی مسجد میں داخل ہونے اور اعتکاف کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

ومما يستنبط منه: جواز اعتكاف المستحاضة، وجواز صلاتها لأن حالها حال الطاهرات وإنها تضع الطست لئلا يصيب ثوبها أو المسجد وأن دم الاستحاضة رقيق ليس كدم الحيض، ويلحق بالمستحاضة مافي معناها كمن به سلس البول والمذي والودي ومن به جرح يسيل في جواز الاعتكاف. والله اعلم.

(عمدة القاري: ۳/۱۳۰، كتاب الحيض، باب الاعتكاف للمستحاضة، دار الحديث، ملتان)

تنہا عورتوں کی جماعت کا حکم:

سوال: کیا عورتیں تنہا جماعت بنا کر نماز پڑھ سکتی ہیں؟

الجواب: عورتوں کا انفراداً نماز پڑھنا افضل ہے جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔
لیکن آج کل ضرورت کی وجہ سے مثلاً حافظہ کو قرآن یاد رکھنا ہے تو گھر کی عورتیں یا چند عورتیں یا حافظات جمع ہو کر جماعت کریں تو بلا کراہت جائز ہونا چاہئے، ہاں فتنہ وغیرہ کا اندیشہ ہو تو مکروہ ہے۔
کراہت والے قول کے دلائل ملاحظہ ہوں:
شامی میں ہے:

ذکر الزیلعی أنها تخالف الرجل في عشر، وقد زدت أكثر من ضعفها: ...... وتكره جماعتهن. (شامی: ۱/ ۵۰٤، سعید)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

المرأة تخالف الرجل في مسائل منها ...... وتكره جماعتهن.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۵۹، فی بیان سننها قدیمی)

البحر الرائق میں ہے:

إن المرأة تخالف الرجل في عشر خصال ...... وتكره جماعتهن.

(البحر الرائق: ۱/ ۳۲۱، کوئٹہ)

درمختار میں ہے:

و يكره تحريما جماعة النساء ولو التراويح. (شامی ۱/ ۵٦۵ باب الامامة)

عالمگیری میں ہے:

ويكره إمامة المرأة للنساء في الصلوات كلها من الفرائض والنوافل إلا في صلاة الجنازة وكذا في النهاية. (الفتاوی الهندية: ۱/ ۸۵)

شرح عنایہ میں ہے:

(ويكره للنساء أن يصلين جماعة لأنهن في ذلك لا يخلون عن ارتكاب محرم) أي مكروه لأن إمامتهن إما أن تتقدم على القوم أو تقف وسطهن وفي الأول زيادة الكشف وهي مكروهة، وفي الثاني ترك الإمام مقامه وهو مكروه، والجماعة سنة وترك ما هو سنة أولى من ارتكاب

مکروہ.وفی أن الأفضل بکل من النساء والعراۃ أن یصلی وحدہ.

(شرح عنایۃ علی الھدایۃ:۱/۳۵۲، باب الامامۃ علی ھامش فتح القدیر۔ وکذا فی فتح القدیر:۱/۳۵۲، باب الامامۃ)

البحر الرائق میں ہے:

وکرہ جماعۃ النساء لأنھا لاتخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الإمام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ کذا فی الھدایۃ وھو یدل علی أنھا کراھۃ تحریم لأن التقدم واجب علی الإمام للمواظبۃ من النبی ﷺ وترک الواجب موجب لکراھۃ التحریم المقتضیۃ للاثم.

(البحر الرائق:۱/۳۵۱،باب الامامۃ،کوئتۃ)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

عورت حافظہ ہے قرآن نہ سنانے کی وجہ سے بھول جانے کا احتمال ہے تب بھی تراویح با جماعت کی اجازت نہیں تنہا تنہا پڑھ لیں،عورتوں کے لئے جماعت مکروہ تحریمی ہے اگرچہ تراویح ہو۔

مالا بدمنہ میں ہے:

جماعتِ زنان تنہا نزد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ مکروہ است ونزد دیگر ائمہ جائز است۔

(فتاوی رحیمیہ:۴/۳۹۸)

دوسری جگہ مرقوم ہے:

عورتوں کو چاہئے کہ پنجگانہ نماز اور نمازِ تراویح اور وتر منفرداً (تنہا تنہا) پڑھیں ان کے لئے جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔بحوالہ شامی، (فتاوی رحیمیہ: ۱/۳۴۷)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

نماز میں صرف عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/۱۱۵،مجددیہ)

بلا کراہت جائز کہنے والوں کے دلائل:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورتوں کی امامت کرتی تھیں۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے:

(۱) حدثنا سفیان بن عیینۃ، عن عمار الدھنی، عن امرأۃ من قومہ اسمھا حجیرۃ قالت: أمتنا أم سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قائمۃً وسط النساء.

(۲) حدثنا علی بن مسھر، عن سعید عن قتادۃ، عن أم الحسن: أنھا رأت أم سلمۃ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تؤم النساء: تقوم معهن في صفهن.

(۳) حدثنا علي بن هاشم، عن ابن أبي ليلى، عن عطاء، عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: أنها كانت تؤم النساء: تقوم معهن في الصف.

(٤) حدثنا هشيم قال: أخبرنا يونس، عن الحسن و مغيرة، عن إبراهيم وحصين، عن الشعبي قال: تؤم المرأة النساء في صلاة رمضان: تقوم معهن في صفهن.

(۵) حدثنا ابن نمير، عن حريث، عن حميد بن عبد الرحمن أنه قال: لابأس أن تؤم المرأة النساء: تقوم معهن في الصف. (مصنف ابن أبي شيبة: ٣/ ٥٧٠،٥٦٩، المجلس العلمي)

نیز محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی بلا کراہت جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

ولكن يبقى الكلام بعد هذا في تعيين الناسخ، إذ لابد في إدعاء النسخ منه، ولم يتحقق في النسخ إلا ما ذكر بعضهم من إمكان كونه ما في أبي داؤد وصحيح ابن خزيمة، صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها، وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها يعني الخزانة التي تكون في البيت. وروى ابن خزيمة عنه صلی اللہ علیہ وسلم: إن أحب صلاة المرأة إلى الله في أشد مكان في بيتها ظلمة، وفي حديث له ولابن حبان: وأقرب ما تكون من وجه ربها وهي في قعربيتها، ومعلوم أن المخدع لايسع الجماعة، وكذا قعربيتها وأشده ظلمة ولايخفى ما فيه، وبتقدير التسليم فإنما يفيد نسخ السنية، وهو لايستلزم ثبوت كراهة التحريم في الفعل بل التنزيه ومرجعها إلى خلاف الأولى، ولاعلينا أن نذهب إلى ذلك فإن المقصود اتباع الحق حيث كان. (فتح القدير: ١/ ٣٥٤، دار الفكر)

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجموعۃ الفتاوی میں بلا کراہت جواز تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

اکثر حنفیہ کے نزدیک عورتوں کی جماعت مکروہ ہے، مگر کوئی معتد بہ دلیل کراہت پر پائی نہیں جاتی اور جو دلیلیں فقہاء نے کراہت پر قائم کی ہیں وہ مخدوش ہیں چنانچہ فتح القدیر اور بنایہ شرح ہدایہ کے دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے اور اخبار وآثار سے اس جماعت کی مشروعیت ثابت ہے جس میں عورتیں ہی عورتیں ہوں، محمد بن حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الآثار میں لکھا ہے: أخبرنا أبوحنيفة نا حماد عن ابراهيم عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا أنها كانت تؤم النساء في شهر رمضان فتقوم وسطهن. خبر دی ہم کو ابوحنیفہ

رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حماد نے بروایت ابراہیم رحمہ اللہ تعالیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ماہِ رمضان میں عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور بیچ میں کھڑی ہوتی تھیں اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ تخریج احادیث شرح رافعی میں لکھتے ہیں: **أخرج ابن أبي شيبة** رحمہ اللہ تعالیٰ **ثم الحاكم من طريق أبي ليلى عن عطاء عن عائشة** رضی اللہ تعالیٰ عنہا **أنها كانت تؤم النساء فتقوم معهن في الصف وأخرج الشافعي وابن أبي شيبة وعبد الرزاق عن أم سلمة** رضی اللہ تعالیٰ عنہا **أنها أمت النساء فقامت وسطهن.** ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بسند حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور ان کے ساتھ صف میں کھڑی ہوتی تھیں اور شافعی اور ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور عبد الرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ام رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ انھوں نے عورتوں کی امامت کی اور درمیان میں کھڑی ہوئیں، اور مستدرک حاکم میں مروی ہے: **إن عائشة** رضی اللہ تعالیٰ عنہا **كانت تؤذن وتقيم وتؤم النساء فتقوم وسطهن.** حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اذان دیتی تھیں اور اقامت کہتی تھیں اور عورتوں کی امامت کرتی تھیں اور درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں، اس کو علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بنایہ میں بیان کیا ہے، ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جو عورتوں کی امام ہو تو بیچ میں کھڑی ہو مردوں کے امام کی طرح آگے نہ کھڑی ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب عورت امام ہو سکتی ہے تو اس کو قراءت اور تکبیر بالجہر بھی کرنا مشروع ہے کیونکہ بغیر اس کے اقتداء نہیں ہو سکتی اور عورتوں کی آواز اگرچہ بعضوں کے نزدیک ستر ہے لیکن وہ مردوں کے حق میں ہے نہ کہ عورتوں کے حق میں اور اس مبحث کی پوری تحقیق جیسی ہونی چاہئے میں نے اپنے رسالہ "**تحفة النبلاء فيما يتعلق بجماعة النساء**" میں کی ہے جو چاہے مطالعہ کر لے۔

(مجموعة الفتاوى: ٢٦٨، مير محمد كتب خانه)

مزید ملاحظہ ہو: (البنایۃ فی شرح الہدایۃ: ۱/ ۲۵، باب الامامۃ فیصل آباد)۔ واللہ اعلم۔

عورتوں کے لئے مسجد جانے کا حکم:

سوال: قرآن اور سنت کی روشنی میں عورتوں کا مسجد میں نماز کے لئے جانا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: قرآن اور سنت کی روشنی میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو گھر میں بلکہ گھر کے کونے میں نماز پڑھنا افضل ہے، مساجد جانا جب کہ زمانہ پُرفتن ہے اور فحاشیاں عام ہیں پردہ نشین خواتین کے لئے زیبا نہیں نیز شریعت مطہرہ نے اس کو پسند نہیں کیا۔

دلائل ملاحظہ ہوں:

(۱) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ازواجِ مطہرات (جو کہ تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں) کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وقرن فی بیوتکن﴾ یعنی گھر میں قرار سے رہو، لہذا دوسری خواتین کو کہاں لائق ہے کہ مساجد میں نماز کے لئے جائیں جب کہ وہاں مردوں کا اختلاط بھی ہوتا ہے۔

نیز احادیث میں نبی پاک ﷺ کی تعلیمات عورتوں کے حق میں بھی یہی ہیں کہ گھر کے کونے میں نماز پڑھیں یہ شریعت کا منشاء ہے اور آپ نے گھر میں نماز پڑھنے کو پسند فرمایا ہے، اسی میں آپ ﷺ کی سنت کی اقتداء ہے اور اتباعِ سنت میں کامیابی ہے جیسا کہ حضرت ام حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ نے آپ ﷺ کی تعلیم پر عمل کیا اور پوری زندگی گھر میں نماز پڑھی۔

(۲) ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

(۱) عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قال رسول الله ﷺ: صلاة المرأة في بيتها خير من صلتها في حجرتها وصلاتها في حجرتها خير من صلاتها في دارها وصلاتها في دارها خير من صلاتها خارج.

(رواه الطبراني في الأوسط ورجاله رجال الصحيح خلا زيد بن مهاجر. (مجمع الزوائد: ۲/۳۴، باب خروج النساء الى المساجد، دارالفكر)

(۲) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في دارها وصلاتها في دارها أفضل من صلاتها فيما سواها ثم قال: إن المرأة إذا خرجت استشرفها الشيطان.

رواه الطبراني في الكبير ورجاله رجال الصحيح. (مجمع الزوائد: ۲/۳۴، باب خروج النساء الى المساجد، دار الفكر)

(۳) ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبي ﷺ قال: صلاة المرأة في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها. وفي هامشه: مخدعها هو البيت الصغير الذي يكون في داخل البيت، وقال السندي: هو البيت الذي يخبأ فيه خير المتاع وهو الخزانة داخل البيت). (رواه أبو داؤد: ۱/۸۴ باب التسديد في ذلك)

(۴) عن أم حميد رضی اللہ تعالیٰ عنہا امرأة أبي حميد الساعدي رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبي ﷺ أنه قال لها: قد علمت أنك تحبين الصلاة معي وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك وصلا

تك فی حجرتك خیر من صلاتك فی دارك وصلاتك فی دارك خیر من صلاتك فی مسجد قومك وصلاتك فی مسجد قومك خیر من صلاتك فی مسجدی. فأمرت، فبنی لها مسجد فی أقصی شیء من بیتها وأظلمه، فكانت تصلی فیه حتی لقیت الله عزوجل. إسناده حسن۔

(صحیح ابن خزیمة: ۲/۸۱۵/۱۶۸۹، المکتب الاسلامی۔ ورواه الامام أحمد وابن حبان، كذا فی كنز العمال:۷/۶۷۶)

(۵) صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: خیر مساجد النساء قعر بیوتهن. إسناده حسن.

(صحیح ابن خزیمة:۲/۸۱۳/۱۶۸۳، المکتب الاسلامی)

(۶) عن عبد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: إن المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشیطان وأقرب ما تكون من وجه ربها وهی فی قعر بیتها. إسناده صحیح۔

(صحیح ابن خزیمة: ۲/۸۱۳/۱۶۸۵، المکتب الاسلامی)

(۷) عن عبد الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: "إن أحب صلاة تصلیها المرأة إلی الله فی أشد مكان فی بیتها ظلمة. قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الكبیر ورجاله موثوقون وإسناده حسن.

(صحیح ابن خزیمة:۲/۸۱۶/۱۶۹۱، باب اختیار صلاۃ المرأۃ فی أشد مكان من بیتها ظلمة، المکتب الاسلامی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا منشا بھی یہی تھا کہ فتنہ وفساد کی وجہ سے عورتوں کو گھر میں نماز پڑھنا چاہئے، چنانچہ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لیتے آج کل عورتوں نے کیا نئی چیزیں شروع کردی ہیں تو ضرور منع فرماتے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عمرة قالت: سمعت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقول: لو رای رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ما أحدث النساء بعده لمنعهن المساجد كما منعت نساء بنی إسرائیل، فقلت ماهذه؟ أومنعت نساء بنی إسرائیل؟ قالت: نعم.

(صحیح ابن خزیمہ:۲/۸۱۸/۱۶۹۸، المکتب الاسلامی۔ورواه البخاری:۱/۱۲۰۔ والمسلم:۱/۱۸۳)

علامہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل باب قائم کیا جس کا عنوان یہ ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اگرچہ نماز کی بہت فضیلت ہے لیکن عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے اور فضیلت والی حدیث میں مرد مراد ہیں نہ کہ عورتیں۔ ملاحظہ ہو:

باب اختیار صلاة المرأة فی حجرتها علی صلاتها فی دارها وصلاتها فی مسجد قومها

على صلاتها فى مسجد النبى ﷺ وإن كانت صلاة فى مسجد النبى ﷺ تعدل ألف صلاة فى غيرها من المساجد، والدليل على أن قول النبى ﷺ: صلاة فى مسجدى هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد" أراد به صلاة الرجال دون صلاة النساء.

أخبرنا أبوطاهر ...... عن عبد الله بن سويد الأنصارى عن عمته امرأة ابن حميد الساعدى أنها جاءت النبى ﷺ فقالت: يا رسول الله إنى أحب الصلاة معك فقال ...... الخ كمامر.

(رواه ابن خزيمة: ۲/۸۱۵/۱۶۷۹، وإسناده حسن، المكتب الاسلامى)

ایک حدیث میں ہے کہ عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنے کے بجائے اکیلے نماز پڑھنے میں پچیس درجہ زیادہ ثواب ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"صلاة المرأة تفضل على صلاتها فى الجمع خمسًا وعشرين درجةً.

(الفردوس بمأثور الخطاب:۲/۳۸۹/۳۸۲۶، عن ابن عمر، دار الكتب العلمية)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اشکال: اگر کوئی اشکال کرے کہ زمانہ نبوی میں تو عورتیں مساجد میں جایا کرتی تھیں پھر موجودہ دور میں روکنے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: یقیناً دورِ نبوی میں عورتیں مساجد میں نماز وغیرہ کے لئے جایا کرتی تھیں، لیکن موجودہ دور میں چند وجوہات کی بناپر روکا جاتا ہے:

(۱) دورِ نبوی میں آپ ﷺ پر نزولِ وحی کا سلسلہ جاری تھا مسجد نبوی تعلیمِ دین کا مرکز تھی اور احکام اسلام بتدریج نازل ہوتے تھے اور جس طرح احکام نازل ہوتے آپ ﷺ مسجد میں بیان فرماتے اور صحابہ ان کو عمل میں لاتے، جس طرح مرد مکلّف ہیں اسی طرح عورتیں بھی مکلّف ہیں لہٰذا ان کو بھی احکامِ اسلام جاننے کی ضرورت تھی اس وجہ سے نماز میں شامل ہوتیں تاکہ جو نئے احکام نازل ہوں وہ آپ کی زبانی سنیں اور عمل میں لائیں اور امت کی دیگر آنے والی خواتین تک پہنچائیں، چنانچہ اسی طرح ہوا کہ صحابیات اور ازواجِ مطہرات کے ذریعہ دین کا بڑا حصہ امت تک پہنچا جو احادیث پڑھنے پڑھانے والوں پر مخفی نہیں ہے۔

لہٰذا یہ مقصدِ عظیم پوشیدہ تھا، اس زمانہ میں تعلیم وتبلیغ گھر گھر ہورہی ہے اور وسائل بھی بے شمار مہیا ہوچکے ہیں اب خواتین کو مسجد تک جانے اور تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

(۲) زمانہ نبوی خیرون القرون کا زمانہ تھا افشاءِ شر سے اطمینان تھا، فتنہ وفساد کا سدِ باب تھا اس وقت مسجد میں

جانا پرامن تھا کسی خطرہ کا اندیشہ نہ تھا لہٰذا دورِ نبوی کو موجودہ دور پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا؟

جب کہ روزانہ نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں عریانی اور فحاشی کا سیلاب موجزن ہے افشاءِ شر کے وسائل زیادہ ہیں خیر کی امیدیں کم ہیں فساق وفجار کا غلبہ زیادہ ہے، نیز عورتوں کے فیشن دن بدن ترقی کرتے جارہے ہیں، ایسے دور میں مسجد جانے کے لئے گھر سے نکلنا فتنہ سے خالی نہیں، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اگر اس زمانہ کی عورتوں کو دیکھ لیتے کہ کیا کیا ایجاد کیا ہے تو ضرور منع فرماتے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زمانہ بھی دورِ نبوی سے قریب کا تھا اگر اس زمانہ کا حال ماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معلوم ہوجائے تو ایک سیکنڈ کی اجازت گوارہ نہ فرمائیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ زمانہ جاہلیت پلٹ کر آرہا ہے تو خلافِ صواب نہ ہوگا۔

(۳) زمانہ نبوی میں صحابیات مساجد میں جاتی تھیں وہ بہت اہتمام کے ساتھ جایا کرتی تھیں اور ہر جگہ پر ان کی رہنمائی ہوتی تھی مثلاً:

(۱) پردہ کا کافی لحاظ ہوتا تھا روایت میں آتا ہے کہ سوتی موٹی چادریں اس طرح لپیٹ لیتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے نظر آتی تھی اور پورا جسم موٹی چادر میں پوشیدہ ہوتا تھا اور موجودہ دور کی خواتین کا پردہ ایک تزیین ہے۔

(۲) بناؤ سنگار کے ساتھ آنے کی اجازت نہ تھی بلکہ میلی کچیلی مسجد جایا کرتی تھیں۔

ملاحظہ ہو: صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي ﷺ قال: وليخرجن إذا خرجن تفلات، إسناده حسن.

(صحيح ابن خزيمة: ۲/۸۱۱/۱۶۷۹، باب الأمر بخروج النساء الى المساجد تفلات، المكتب الاسلامي)

خوشبو لگا کر جانا ممنوع تھا۔ ملاحظہ ہو صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن زينب امرأة عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي ﷺ قال: "إذا شهدت أحداكن المسجد فلا تمس طيبا" (۲/۸۱۱/۱۶۸۰)

وعن أبي موسى الأشعري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي ﷺ قال: "أيما امرأة استعطرت فمرت على قوم ليجدوا ريحها فهي زانية، وكل عين زانية". إسناده حسن۔ (۲/۸۱۲/۱۶۸۱)

اس روایت میں ہے کہ اگر عورت عطر لگا کر باہر نکلی اور کسی اجنبی مرد کو خوشبو پہنچی تو وہ عورت زانیہ ہے۔ کتنی سخت وعید ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ عورت عطر لگا کر مسجد جائے تو نماز ہی نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال مرت بأبي هريرة رضي الله تعالى عنه امرأة وريحها تعصف، فقال لها: إلى أين تريدين يا أمة الجبار قالت: إلى المسجد، قال: تطيبت؟ قالت: نعم قال: فارجعي فاغتسلي فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "لا يقبل الله من امرأة صلاة خرجت إلى المسجد وريحها تعصف حتى ترجع فتغسل". إسناده حسن.

(صحيح ابن خزيمة: ۲/۲/۸۱۲/۱۶۸۲، المكتب الاسلامي)

(۴) اختلاط سے روکا گیا تھا، مردوں کو حکم تھا کہ نماز کے بعد کچھ انتظار کرلیں تاکہ عورتیں نکل جائیں اس کے بعد مرد نکلیں تاکہ راستہ میں اختلاط نہ ہو۔

حدیث شریف میں ہے: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سلم يمكث في مكانه يسيرًا قال ابن شهاب: فنرى والله أعلم لكي ينفذ من ينصرف من النساء. (رواه البخاري: ۱/۱۱۷/۸۴۱)

(۳) فقہاء کی عبارات اور اکابرین کے فتاویٰ:

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ولا يحضرن الجماعات لما فيه من الفتنة والمخالفة لقوله صلى الله عليه وسلم: "صلاة المرأة في بيتها أفضل في صلاتها في حجرتها وصلاتها في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها" فالأفضل لها ماكان أستر لها لافرق بين الفرائض وغيرها كالتراويح إلاصلاة الجنازة ...... قوله (والمخالفة) أي مخالفة الأمر لأن الله تعالى أمرهن بالقرار في البيوت فقال تعالى: ﴿و قرن في بيوتكن﴾ الاحزاب ۳۳۔ وقال صلى الله عليه وسلم: "بيوتهن خير لهن لو كن يعلمن".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱/۳۰۴، فصل في بيان الاحق بالامامة، قديمي كتب خانه)

امداد الفتاح میں ہے:

ولايحضرن الجماعات مطلقًا في كل الأوقات والعجوز كالشابة في المنع من حضور الجمع والأعياد وغيرها، لأنها ممنوعة عن البروز ولذلك كانت صلاتها في جوف بيتها أفضل من صلاتها في صحن دارها. (امداد الفتاح: ۳۴۵ بيان من تكره امامتهم، بيروت)

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

أما في زماننا فالمفتي به منع الكل في الكل حتى في الوعظ ونحوه (قوله لفساد الزمان)

ولذا قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا للنساء حين شكون إليها من عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لنهيه لهن عن الخروج إلى المساجد: لو علم النبي ﷺ ما علم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما أذن لكن في الخروج، قهستاني. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۴۵، باب الامامة، کوئٹہ)

عالمگیری میں ہے:

والفتوى اليوم على الكراهة في كل الصلوات لظهور الفساد، كذا في الكافي، وهو المختار كذا في التبيين.

(فتاوی عالمگیری: ۱/۸۹ الباب الخامس في الأمامة، الفصل الخامس في بيان مقام الامام والماموم)

شامی میں ہے:

(قوله على المذهب المفتى به) أي مذهب المتأخرين، قال في البحر: وقد يقال هذه الفتوى التي اعتمدها المتأخرون مخالفة لمذهب الإمام وصاحبيه، فإنهم نقلوا أن الشابة تمنع مطلقًا اتفاقًا، وأما العجوز فلها حضور الجماعة إلا في الظهر والعصر والجمعة أي و عندهما مطلقًا، فالإفتاء بمنع العجائز في الكل مخالف للكل، فالاعتماد على مذهب الإمام قال في النهر: وفيه نظر، بل هو مأخوذ من قول الإمام وذلك أنه إنما منعها لقيام الحامل وهو فرط الشهوة بناء على أن الفسقة لاينشرون في المغرب لأنهم بالطعام مشغولون و في الفجر و العشاء نائمون، فإذا فرض انتشارهم في هذه الأوقات لغلبة فسقهم كما في زماننا بل تحريهم إياها كان المنع فيها أظهر من الظهر. نهر. (شامي: ۱/۵۶۶، باب الامامة، سعيد كمپنی)

تقریرات الرافعی میں ہے:

(قول الشارح: واستثنى الكمال بحثا العجائز) لكن من أطلق قال لكل ساقطة لاقطة، وإذا كانت الفساق تتبع البهائم والموتى في القبور فلان تتبع العجائز المتفانية أولى، فكل من تكلم على حسب حاله وما يشاهد في أهل عصره ومن اتسع إطلاعه منع الكل وهو الصواب ويشهد له حديث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا حيث قالت: "لو رأى رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المساجد" ولم يفصل. رحمتي. (التحرير المختار: ۱/۷۲، باب الامامة، سعيد كمپنی)

فتح القدیر میں ہے:

لايقال: هذا حينئذ نسخ بالتعليل. لأنا نقول: المنع يثبت حينئذ بالعمومات المانعة من التفتين، أو هو من باب الإطلاق بشرط فيزول بزواله كانتهاء الحكم بانتهاء علته، وقد قالت

عـائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فــي الـصـحيـح: "لوأن رسول الله ﷺ رأى مـا أحـدث الـنسـاء بعده لـمـنعهن"...... بل عمم المتأخرون المنع للعجائزوالشواب في الصلوات كلهالغلبة الفساد في سائر الأوقات. (فتح القدير: ۱/ ۳٦٥، باب الامامة، دار الفكر)

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

والفتوى اليوم على كراهة حضورهن في الصلوات كلها لظهور الفساد.

(عنايه على هامش فتح القدير: ۱/ ۳٦٦، دار الفكر)

جوہرہ میں ہے:

والفتوى اليوم على الكراهة في الصلاة كلها لظهور الفسق في هذا الزمان.

(الجوهرة النيرة: ۷۲، باب صفة الصلاة، مكتبه امداديه ملتان)

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے:

والمختارفي زماننا أن لايجوزشيء من ذلك لفساد الزمان والتظاهربالفواحش.

(الاختيارلتعليل المختار: ٥٩، دارالدعوة استنبول)

مجمع الانہر میں ہے:

الأحـكـام قـد تختلف باختلاف الزمان، ألايرى أن النساء كن يخرجن إلى الجماعات في زمـانـه عـليـه الصلوة والسلام وزمان أبي بكرالصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حتـى منعهن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واستقر الأمرعليه وكان ذلك هوالصواب كما في التبيين.

(مجمع الانهرفي شرح ملتقى الابحر: ۲/ ۳۸٤، باب الاجرة الفاسدة تحت كتاب الاجارة، احياء التراث العربي)

بدائع الصنائع میں ہے:

أماالنساء فلأن خروجهن إلى الجماعات فتنة.

(بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/ ۱٥٥/فصل في بيان من تجب عليه الجماعة، سعيد)

مبسوط میں ہے:

إن الـعـجوزإذاكان لايشتهيها شاب يشتهيها شيخ مثلها وربما يحمل فرط السبق الشاب على أن يشتهيها ...... كما في زماننا فلهذه العلة منعت في الصلوات كلها.

(المبسوط للسرخسي: ۲/ ٤۱، باب صلاة العيدين، ادارة القرآن كراچی)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فتنہ وفساد کی وجہ سے منع فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

قال أصحابنا: لأن في خروجهن خوف الفتنة وهو سبب للحرام، وما يفضي إلى الحرام فهو حرام، فعلى هذا قولهم: يكره مرادهم يحرم، لاسيما في هذا الزمان لشيوع الفساد في أهله. (عمدة القارى: ٤/٦٤٦، باب خروج النساء الى المساجد)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

قلت: لو شاهدت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ما أحدث نساء هذا الزمان من أنواع البدع والمنكرات لكانت أشد انكارًا، ولاسيما نساء مصر، فإن فيهن بدعًا لاتوصف ومنكرات لاتمنع، منها ثيابهن من أنواع الحرير المنسوجة أطرافها من الذهب والمرصعة باللآلى وأنواع الجواهر، وماعلى رؤوسهن من الأقراص المذهبية المرصعة والجواهر الثمنية، والمناديل الحرير المنسوج بالذهب والفضة الممدودة، وقمصانهن من أنواع الحرير الواسعة الأكمام جدًا، السابلة أذيالها على الأرض مقدار أذرع كثيرة بحيث يمكن أن يجعل من قميص واحد ثلاثة قمصان وأكثر. ومنها: مشيهن في الأسواق في ثياب فاخرة وهن متبخرات متعطرات مائلات متبخترات متزاحمات مع الرجال مكشوفات الوجوه في غالب الأوقات. ومنها: ركوبهن على الحمير الغرة وأكمامهن سابلة من الجانبين في ازر رفيعة جدًا. ومنها: غلبتهن على الرجال وقهرهن إياهم وحكمهن عليهم بأمور شديدة، ومنهن نساء يبعن المنكرات بالا جهار، ويخالط الرجال فيها، ومنهن قوادات يفسدن الرجال والنساء ويمشين بينهن بما لايرض به الشرع، ومنهن: صنف بغايا قاعدات متوصلات للفساد، ومنهن صنف دائرات على أرجلهن يصطدن الرجال...... ومنهن: مغنيات تغنين بأنواع الملاهي بالأجرة للرجال والنساء، ومنهن: صنف خطابات يخطبن للرجال نساء لها أزواج بفتن يوقعنها بينهم، وغير ذلك من الأصناف الكثيرة الخارجة عن قواعد الشرعية، فانظر إلى ما قالت الصديقة رضی اللہ تعالیٰ عنہا من قولها: لو أدرك رسول الله ﷺ ما أحدث النساء، وليس بين هذا القول و بين وفاة النبى ﷺ إلامدة يسيرة، على أن نساء ذلك الزمان ماأحدثن جزأ من ألف جزء مما أحدثت نساء هذا الزمان.

(عمدة القارى: ٤/٦٤٩/٨٦٩، باب انتظار الناس قيام الامام العالم تحت ابواب صفة الصلاة، دار الحديث ملتان)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ملاحظہ ہو فتح الباری میں ہے:

ووجه كون صلاتها في الإخفاء أفضل تحقق الأمن فيه من الفتنة، ويتأكد ذلك بعد وجود ما أحدث النساء من التبرج والزينة، ومن ثم قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ما قالت.

(فتح الباری: ۲/ ۳۵۰/ ۸٦۹، باب انتظار الناس قیام الامام، دار نشر الکتب الاسلامیۃ لاہور)

اکابرین کے فتاوی سے بھی عورتوں کو مسجد جانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے:

فتح الملہم میں ہے:

وبالنظر إلى التعليل المذكور منعت غير المزنية أيضًا لغلبه الفساق وليلا وإن كان النص يبيحه لأن الفساق في زماننا أكثر انتشارهم و تعرضهم بالليل وعلى هذا ينبغي على قول أبي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ تفريع منع العجائز ليلا أيضًا، بخلاف الصبح فإن الغالب نومهم في وقته، بل عمم المتأخرون المنع للعجائز والشواب في الصلوات كلها لغلبة الفساد في سائر الأوقات. (فتح الملہم: ۳/ ۵۲٦، باب خروج النساء الی المساجد)

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الفتوى في زماننا على أنهن لايخرجن، وإن كن عجائز إلى الجماعات، لافي الليل ولافي النهار، لغلبة الفتنة والفساد وقرب يوم المعاد.

قال مفتي الثقلين: الفتوى اليوم على الكراهة في كل الصلوات، ومتى كره حضورهن المساجد للصلاة فلأن يكره حضورهن في مجلس الوعظ أولى، انتهى.

وفي النهاية: الجملة في هذه المسئلة أن النساء كان يباح لهن الخروج إلى الصلاة ثم منعن بعد ذلك لما صار خروجهن سببًا للفتنة.

و في الكفاية: والفتوى اليوم على الكراهة في الصلوات كلها لظهور الفساد، فمتى كره حضورهن المساجد لأن يكره مجالس العلم خصوصا عند هؤلاء الجهال الذين تحلوا بحلية العلماء أولى، كذا في مبسوط فخر الإسلام، انتهى.

وقال بحر العلوم مولانا عبد الحي في "رسائل الأركان" بعد تطويل الكلام في إفتاء منعهن عن الخروج إلى المساجد: وإنما أطنبنا الكلام لما كان يزعم البعض أنهم أبطلوا النص بالتعليل، وقالوا: إن الحاكم هو الله تعالى، وكان عالمًا بما أحدثته النساء، فلا يظهر لقول أم

المؤمنين رضي الله تعالى عنها وجه. وليس الأمر كما زعموا، وكون الحاكم هو الله تعالىٰ مسلم، وعلمه بما أحدثته النساء كان متحققًا أيضًا، لكنا نقول: إن حكم الله تعالىٰ على لسان رسوله صلى الله عليه وسلم بعدم المنع عن خروجهن للمساجد كان مؤقتًا إلى عدم احتمال الفتنة، فانتفى بانتفائه، ومقصود أم المؤمنين رضي الله تعالى عنها لو كانت النساء أحدثن في الزمان الشريف ما أحدثنه الآن لما حكم رسول الله صلى الله عليه وسلم بالخروج، لانتفاء ما أناط الله الحكم به، انتهى.

وقال الزيلعي في "تبيين الحقائق في شرح كنز الدقائق" ولاينكر تغيير الأحكام بتغيير الزمان، كغلق المساجد يجوز في زماننا، انتهى.

(فتاوى اللكنوى: ص ۳۱۴-۳۱۷ مايتعلق بالجماعة، بيروت)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

اس زمانہ میں بلکہ بہت پہلے سے عورتوں کا جماعت میں شریک ہونے کے لئے مسجد وعیدگاہ میں جانا ممنوع و مکروہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے ہی میں یہ ممنوع ہو چکا تھا، کما ورد فی الحدیث.

(فتاوى دار العلوم ديوبند: ۴۹/۳، باب الجماعة، مدلل و مكمل)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

فتنہ وفساد کی زیادتی کی وجہ سے ممنوع ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: "عورتوں کی یہ حالت اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے" بعض اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تو تدبیروں سے اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکا ہے۔

(فتاوى محموديه: ۴۷۴/۶، باب الجماعة، جامعه فاروقيه)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

عورتوں کے لئے جماعت میں شریک ہونا مکروہ تحریمی ہے۔ (بحواله رد المحتار)

(احسن الفتاوى: ۲۸۳/۳، باب الامامة و الجماعة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

عورتوں کا جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔ (عمدة الفقه: ۱۱۵/۲، كتاب الصلوة)

فتاوی بینات میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور میں جب عورتوں کا داخلہ مسجد میں بند کیا اور عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرمایا تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسے پسند کیا اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، البتہ بعض عورتوں نے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کی شکایت کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فاروقی فیصلہ سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا: اگر حضور ﷺ ان چیزوں کو دیکھتے جواب عورتوں میں نظر آتی ہیں تو آنحضرت ﷺ بھی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع فرماتے۔ صحیح بخاری۔ (فتاوی بینات: ۲/۳۲۷، کتاب الصلوۃ، مکتبہ بینات)

درس ترمذی میں ہے:

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو نماز کے لئے نکلنے کا حکم ابتداءِ اسلام میں دشمنانِ اسلام کی نظروں میں مسلمانوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے دیا گیا تھا اور یہ علت اب باقی نہیں رہی، علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس علت کی وجہ سے بھی اجازت ان حالات میں تھی جبکہ امن کا دور تھا اب جبکہ دونوں علتیں ختم ہوچکی ہیں لہذا اجازت نہ ہونی چاہئے۔ چنانچہ علماء متاخرین کا فتوی اسی پر ہے کہ اس زمانہ میں ان کا مساجد کی طرف نکلنا درست نہیں۔ (درس ترمذی: ۲/۳۲۱، باب فی خروج النساء فی العیدین)

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

آنحضرت ﷺ کا بابرکت زمانہ چونکہ شر وفساد سے خالی تھا، ادھر عورتوں کو آنحضرت ﷺ سے احکام سیکھنے کی ضرورت تھی اس لئے عورتوں کو مساجد میں حاضری کی اجازت تھی اوراس میں یہ قیود تھیں کہ باپردہ جائیں، میلی کچیلی جائیں، زینت اختیار نہ کریں اس کے باوجود عورتوں کو ترغیب دی جاتی تھی کہ وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں......لیکن جن قیود وشرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت دی جب عورتوں نے ان قیود وشرائط کو ملحوظ نہیں رکھا تو اجازت بھی باقی نہیں رہے گی۔ اس بناء پر فقہائے امت نے جو در حقیقت حکمائے امت ہیں عورتوں کی مساجد میں حاضری کو مکروہ قرار دیا۔ واللہ اعلم۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲/۳۰۲، عورتوں کی نماز کے چند مسائل، مکتبہ لدھیانوی)

حرمین شریفین میں عورتوں کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا:

سوال: آج کل عورتیں حرمین شریفین میں نماز پڑھتی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: افضل اور بہتر یہ ہے کہ عورتیں حرمین شریفین میں نماز پڑھنے کے لئے نہ آئیں۔ البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً خوف وغیرہ تو آسکتی ہے، نیز طواف اور زیارتِ روضۂ مبارک کے لئے آنا درست ہے اور نماز کا وقت ہوجائے تو وہیں نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، عام حالات میں کمرے میں ہی نماز پڑھنا افضل ہے احادیث سے بھی اس کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

(٤) عن أم حميد امرأة أبي حميد الساعدي رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال لها: قد علمت أنك تحبين الصلاة معي وصلاتك في بيتك خير من صلاتك في حجرتك وصلاتك في حجرتك خير من صلاتك في دارك وصلاتك في دارك خير من صلاتك في مسجد قومك وصلاتك في مسجد قومك خير من صلاتك في مسجدي. فأمرت، فبني لها مسجد في أقصى شيء من بيتها وأظلمه، فكانت تصلي فيه حتى لقيت الله عزوجل. إسناده حسن۔

(صحيح ابن خزيمة: ٢/٨١٥/١٦٨٩، المكتب الاسلامي۔ورواه الامام أحمد۔وابن حبان۔ كذا في كنز العمال:٧/٦٧٦)

علامہ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل باب قائم کیا جس کا عنوان یہ ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اگرچہ نماز کی بہت فضیلت ہے لیکن عورتوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے اور فضیلت والی حدیث میں مرد مراد ہیں نہ کہ عورتیں۔ملاحظہ ہو:

باب اختيار صلاة المرأة في حجرتها على صلاتها في دارها وصلاتها في مسجد قومها على صلاتها في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم وإن كانت صلاة في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم تعدل ألف صلاة في غيرها من المساجد، والدليل على أن قول النبي صلى الله عليه وسلم: صلاة في مسجدي هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد" أراد به صلاة الرجال دون صلاة النساء:

أخبرنا أبو طاهر ...... عن عبد الله بن سويد الأنصاري عن عمته امرأة ابن حميد الساعدي أنها جاءت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الله إني أحب الصلاة معك فقال ...... الخ كما مر.

(رواه ابن خزيمة:٢/٨١٥/١٦٧٩، واسناده حسن، المكتب الاسلامي)

احسن الفتاوی میں ہے:

مکہ مکرمہ میں عورت کو گھر میں نماز پڑھنے پر وہی اجر ملے گا جو مردوں کے لئے مسجد حرام میں نماز پر ہے۔

نیز مذکور ہے: مسجد نبوی میں چالیس نمازیں ادا کرنے پر جہنم، عذاب اور نفاق سے بشارت صرف مردوں کے لئے نماز جماعت کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں کے لئے مسجد نبوی کی بجائے گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی: ٣/٣٤، باب صفة الصلاة)



فصل سوم

جماعتِ ثانیہ کے احکام

مسجد کی حدود میں جماعتِ ثانیہ کرنے کا حکم:

سوال: مسجد کی حدود میں جماعتِ ثانیہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد کی حدود میں جس مسجد کا امام اور مؤذن مقرر ہوں جماعتِ ثانیہ ہیئتِ اولی پر مکروہِ تحریمی ہے اور اگر ہیئت بدل دی جائے یعنی بغیر اذان کے اور محراب یا محاذاتِ محراب سے ہٹ کر ہو تو کراہتِ تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ مسجد کے ساتھ ملحقہ کمرہ یا مدرسہ وغیرہ ہو تو اس میں جماعتِ ثانیہ کر لی جائے، نیز جماعتِ اولیٰ میں شرکت کا اہتمام کرنا چاہئے، جماعتِ ثانیہ کی عادت بنالینا اچھا نہیں ہے اس سے جماعتِ اولیٰ کی وقعت اور عظمت دلوں سے ختم ہو جاتی ہے، البتہ اگر مسجدِ طریق ہے یا جس مسجد کا امام و مؤذن مقرر نہ ہوں تو اس میں جماعتِ ثانیہ بلا کراہت جائز ہے۔

درمختار میں ہے:

ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة لافي مسجد طريق أومسجد لا إمام له ولا مؤذن ...... وفي الشامية: (قوله ويكره) أي تحريما لقول الكافي لايجوز، و المجمع لايباح. وشرح الجامع الصغير أنه بدعة كمافي رسالة السندي(قوله بأذان و إقامة) عبارته في الخزائن: جمع مما هنا و نصبها: يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلى بهما فيه أولاغير أهله أو أهله لكن بمخافتة الأذان، ولو كرر أهله بدونهما أو كان مسجد طريق جازإجماعًا، كما في مسجد ليس له إمام ولامؤذن ويصلي الناس فيه فوجًا فوجًا......

(شامي: ۱/ ۵۵۲، باب الامامة، سعيد)

عالمگیری میں ہے:

المسجد إذا كان له إمام معلوم وجماعة معلومة في محلة فصلى أهله فيه بالجماعة لا يباح تكرارها فيه بأذان ثان، أما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعًا و كذا في مسجد قارعة الطريق كذا

في شرح المجمع للمصنف. (فتاوی هندية: ۱/ ۸۳، الفصل الاول في الجماعة)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وإذا لم يكن للمسجد إمام ومؤذن راتب فلا يكره تكرار الجماعة فيه بأذان وإقامة عندنا وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى لو كانت الجماعة الثانية أكثر من ثلاثة يكره التكرار وإلا فلا، وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى إذا لم تكن على الهيئة الأولى لايكره وإلا يكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة كذا في فتاوى البزازي.

(شرح منية المصلي: ٦١٤، فصل في أحكام المسجد الثالث في مسائل متفرقة تتعلق بالمسجد، سهيل اكيڈمي لاهور)

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۱/ ۳٤٦، باب الامامة۔ منحة الخالق حاشية البحر الرائق: ۱/ ۳٤٦، باب الامامة، الماجدية كوئٹه)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر ہر روز کے مقررہ امام و مقتدیوں نے اذان و جماعت وقتِ مقرر پر کی ہے تو اب اس مسجد میں دوبارہ جماعت کرنا مکروہ ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک روایت میں مکروہ نہ ہوگی، مگر ظاہر الروایۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً مکروہ ہے، البتہ تبدیلِ ہیئت اور بلا تبدیلِ ہیئت میں تنزیہی و تحریمی کا فرق ہوجائے گا۔ (فتاوی محمودیه: ٦/ ٤٣٥، باب الجماعة، جامعه فاروقيه۔ وفتاوی حقانيه: ٣/ ١٢٦، باب الجماعة)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/ ۳۲۲، مسجد میں جماعتِ ثانیہ کا حکم، فتاوی رحیمیہ: ۳/ ۲۷، کفایۃ المفتی: ۳/ ۱۴۴)۔ واللہ اعلم۔

مسجد کے صحن میں جماعتِ ثانیہ کا حکم:

سوال: محلّہ کی مسجد میں چند آدمی جماعت ہوجانے کے بعد پہنچے، اگر وہ لوگ مسجد کے صحن میں نماز پڑھیں تو جماعت کے ساتھ پڑھیں یا علیحدہ علیحدہ؟

الجواب: محلّہ کی مسجد میں جماعتِ ثانیہ کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریمی ہے اور ہیئت بدل دی جائے تو کراہتِ تنزیہی کے ساتھ جائز ہے، اس کی وجہ یہ کہ اگر تکرارِ جماعت کی عام اجازت دیدی جائے تو پھر جماعتِ اولیٰ کی اہمیت باقی نہیں رہے گی، لہٰذا علیحدہ علیحدہ نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے، ہاں مسجد کے صحن (جو مسجد سے خارج ہو) میں جماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ اس کی عادت نہ بنالی جائے۔

ملاحظہ ہو شمس الائمۃ علامہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال وإذا دخل القوم مسجدًا قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة بأذان و إقامة ولكنهم يصلون وحدانًا بغير أذان ولا إقامة لحديث الحسن رحمه الله تعالى قال: كانت الصحابة رضي الله تعالى عنهم إذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات ومنهم من صلى في مسجده بغير إذان ولا إقامة، وفي الحديث أن النبي صلى الله عليه وسلم خرج ليصلح بين الأنصار فاستخلف عبدالرحمن بن عوف رضي الله تعالى عنه فرجع بعد ما صلى فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم بيته وجمع أهله فصلى بهم بأذان وإقامة فلو كان يجوز إعادة الجماعة في المسجد لما ترك الصلاة في المسجد والصلاة فيه أفضل ووهذا عندنا. (المبسوط للسرخسی: ۱/۱۳۵، باب الاذان)

نیز ملاحظہ ہو: (شامی: ۱/۵۵۲ باب الامامة، والفتاوى الهندية: ۱/۸۳ الفصل الاول فی الجماعة، ومنحة الخالق حاشية البحر الرائق: ۱/۳٤٦ باب الامامة الماجدیه، کوئٹہ)

امداد الاحکام میں ہے:

مسجدِ محلّہ جس میں امام ومؤذن مقرر ہیں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے مگر ہیئت کے تغیر کے ساتھ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر گنجائش ہے۔ لیکن ہمارے مشائخ نے انتظام عوام کے لئے اس پر فتویٰ نہیں دیا، بلکہ مسجدِ محلّہ میں جہاں امام ومؤذن مقرر ہوں مطلقاً کراہت کا فتویٰ دیا ہے۔ (امداد الاحکام: ۱/۴۹۷)

اسلامی فقہ میں ہے:

جس کسی مسجد میں امام ومؤذن مقرر ہوں اور باقاعدہ وہاں پنج وقتہ نماز باجماعت ہوتی ہے اسی میں اگر جماعت ختم ہوجائے اور جماعت کے بعد اسی مسجد کے نمازیوں میں سے دو تین نمازی آجائیں تو ان کو دوبارہ جماعت نہ کرنی چاہئے بلکہ الگ الگ نماز پڑھنی چاہئے، البتہ اگر جہاں جماعت ہوچکی ہو تو اس سے ذرا ہٹ کر دوبارہ جماعت سے نماز پڑھی گئی تو کوئی حرج نہیں۔ (اسلامی فقہ: ۱/۲٤٥)

کفایت المفتی میں ہے:

جماعتِ ثانیہ اگر جماعتِ اولیٰ کی ہیئت پر ہو اور ایسی مسجد میں ہو کہ جس میں جماعت معینہ ہوتی ہے مکروہ تحریمی ہے اور اگر یہ بتبدیل ہیئت ہو تو مکروہ تنزیہی ہے، اول لفظ ''لا بـــــأس'' یا لفظ جواز مکروہ تنزیہی کے منافی نہیں۔ (کفایت المفتی: ۳/۱۳٤)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

فرادیٰ بلا اذان واقامت نماز ادا کی جائے کہ مسجد میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے۔ (بحوالہ مبسوط)

(فتاوی رحیمیه: ۳/۲۷، کتاب الصلاۃ)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ ٦/٤٣٧ باب الجماعة، جامعہ فاروقیہ و فتاوی حقانیہ ٣/١٢٦، باب الجماعة)۔ واللہ اعلم۔

جس مسجد میں امام متعین ہو لیکن مقتدی متعین نہیں اس میں جماعتِ ثانیہ کا حکم:

سوال: راستہ کے کنارے پر ایک مسجد ہے اس کے مقتدی اور محلّہ متعین نہیں ہیں لیکن امام متعین ہے تو اس مسجد میں جماعتِ ثانیہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ امام متعین ہے لہٰذا یہ مسجد محلّہ کی مسجد کے حکم میں ہے اس میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے، ہاں مسجد سے ملحقہ کسی کمرہ یا مدرسہ یا باہر کسی جگہ پر جماعت کرنا چاہئے۔ اگر امام بھی متعین نہیں تو جائز ہے۔

شمس الائمۃ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

قال وإذا دخل القوم مسجدًا قد صلى فيه أهله كرهت لهم أن يصلوا جماعة بأذان و إقامة ولكنهم يصلون وحدانًا بغير أذان و لا إقامة لحديث الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ قال: كانت الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم إذا فاتتهم الجماعة فمنهم من اتبع الجماعات ومنهم من صلى في مسجده بغير إذان ولا إقامة،وفي الحديث أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم خرج ليصلح بين الأنصار فاستخلف عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرجع بعد ما صلى فدخل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بيته وجمع أهله فصلى بهم بأذان وإقامة فلو كان يجوز إعادة الجماعة في المسجد لما ترك الصلاة في المسجد والصلاة فيه أفضل وهذا عندنا. (المبسوط للسرخسي: ١/١٣٥، باب الاذان)

شامی میں ہے:

قوله إلا في مسجد على طريق هو ما ليس له إمام ومؤذن راتب. (شامی: ١/٣٩٥، سعید)

البحر الرائق کے حاشیہ میں علامہ شامی فرماتے ہیں:

أقول: ومفاد هذه النقول كراهة التكرار مطلقًا أي ولو بدون أذان وإقامة، وإن معنى قول قاضيخان: المار يصلي بغير أذان وإقامة أنه يصلي منفردًا لا بالجماعة بدليل التعليل و الاستدلال بالمروي عن الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم ويؤيده قوله في الظهيرية، وظاهر الرواية أنهم يصلون وحدانًا، وتمامه فيه. (منحة الخالق حاشية البحر الرائق: ١/٣٤٦، باب الامامة، كوئٹه)

عالمگیری میں ہے:

المسجد إذا كان له إمام معلوم وجماعة معلومة في محلة فصلى أهله فيه بالجماعة لا يباح

تکرارها فيه بأذان ثان، أما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعًا وكذا في مسجد قارعة الطريق كذا في شرح المجمع للمصنف. (فتاوی ہندیۃ: ۱/۸۳، الفصل الاول فی الجماعۃ)

فتاوی دار العلوم میں ہے:

مسجد قارعۃ الطریق سے مراد یہ ہے کہ اس میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں، جس مسجد میں امام ومؤذن مقرر نہ ہوں اس میں جماعتِ ثانیہ جائز ہے مکروہ نہیں ہے اور مسجد محلّہ میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم: ۳/۶٤، باب الجماعۃ۔وفتاوی حقانیہ: ۳/۱۲٦، باب الجماعۃ)

جماعتِ ثانیہ میں اذان واقامت کا حکم

سوال: اگر جماعتِ ثانیہ کرنی ہو تو اس کے لئے اذان واقامت ہے یا نہیں؟

الجواب: مسجد سے باہر صحراء میں جماعتِ ثانیہ کرنا ہو تو اذان واقامت کے ساتھ کرنا چاہئے اور اگر محلّہ یا بستی میں ہو تو صرف اقامت پر اکتفا کرلیا کریں لیکن مسجد میں جماعتِ ثانیہ اذان واقامت کے ساتھ مکروہ ہے۔

عالمگیری میں ہے:

ولايكره تركهما لمن يصلي في المصر إذا وجد في المحلة ...... وإذا لم يؤذن في تلك المحلة يكره له تركهما ولو ترك الأذان وحده لايكره كذا في المحيط ولو ترك الإقامة يكره كذا في التمرتاشي، ويكره للمسافر تركهما وإن كان وحده هكذا في المبسوط، ولو صلى في بيته في قرية، إن كان في القرية مسجد فيه أذان وإقامة فحكمه حكم من صلى في بيته في المصر وإن لم يكن فيها مسجد فحكمه حكم المسافر كذا في الشمني شرح النقاية، وإن كان في كرم أوضيعة يكتفي بأذان القرية أو البلدة إن كان قريبًا وإلافلا، وحد القرب أن يبلغ الأذان إليه منها كذا في مختار الفتاوى. (الفتاوی الهندية: ۱/٥٤، الباب البابالثاني الاذان،سعيد)

درمختار میں ہے:

وكره تركهما معًا للمسافر ...... بخلاف مصل ولوبجماعة في بيته بمصر أوقرية لها مسجد فلايكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه. وفي الشامي قوله في بيته أي فيما يتعلق بالبلد من الدار والكرم وغيرهما قهستاني. وفي التفاريق وإن كان في كرم أوضيعة يكتفي بأذان القرية أو البلدة إن كان قريبًا وإلا فلا وحد القرب أن يبلغ الأذان إليه منها ...... والظاهر أنه لايشترط سماعه بالفعل تأمل. (الدر المختار مع الشامي: ۱/۳۹٥، باب الاذان،سعيد)

نیز درمختار میں ہے:

ویکرہ تکرار الجماعة بأذان وإقامة فی مسجد محلة.

(الدر المختار: ۱/ ۵۵۲، باب الامامة، سعید۔ و كذا فی بدائع الصنائع: ۱/ ۱۵۳، سعید)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اگر جماعتِ ثانیہ کسی ایسی مسجد میں ہو جہاں پر قوم نے باقاعدہ اپنی نماز اقامت اور اذان سے پڑھی ہو تو شرائطِ رخصت کی رعایت کرتے ہوئے دوبارہ جماعت کے لئے اذان واقامت مکروہ ہے، البتہ مسجد سے باہر یا راستہ کی ایسی مسجد جہاں قوم وامام دونوں نہ ہوں تو وہاں جماعتِ ثانیہ کے لئے اذان واقامت مسنون ہے۔ واللہ اعلم۔　(فتاوی حقانیہ: ۳/ ۵۷، باب الاذان)



فصلِ چہارم

صفیں درست کرنے کے احکام

مردوں کی صف اور بچوں کی صف کے درمیان خلا چھوڑنے کا حکم:

سوال: بعض مساجد میں دو تین صفوں کو چھوڑ کر بچوں کو کھڑا کر دیا جاتا ہے تا کہ آنے والے مرد اگلی صفوں میں کھڑے ہوسکیں، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ یا بچے مردوں کی صف کے متصل دوسری صف میں کھڑے ہو جائیں پھر آنے والے مردان کے ساتھ یا ان کے پیچھے کھڑے ہو جائیں۔

الجواب: عام طور پر مسجد میں مردوں کی جتنی صفیں ہوتی ہیں اتنی صفوں کے پیچھے بچوں کی صف بنادی جائے اس کے بعد اگر بالغ لوگ آجائیں اور آگے جگہ نہ ہو تو پیچھے کھڑے ہو جائیں۔

امداد الفتاح میں ہے:

وإذا اجتمع الرجال وغيرهم يصف الرجال خلف الإمام لقوله ﷺ ليلني منكم أولو الأحلام والنهى...... ثم يصف الصبيان لقول أبي مالك الأشعري رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبي ﷺ صلى وقام الرجال وأقام الصبيان خلف ذلك وأقام النساء خلف ذلك وإن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبي بين الرجال.

(ذكره الزيلعي في نصب الراية:٢/٣٦۔واخرجه بنحوه الطبراني في معجمه الكبير: ٣٤١٦۔وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد: ١/١٢٩).(امداد الفتاح مع الحاشية:ص٣٤٩، ترتيب صفوف الصلاة۔وهكذا في الفتاوى الهندية:١/٨٩، الفصل الخامس في بيان مقام الامام والماموم۔ والشامي:١/٥٧١باب الامامة،سعيد)

فتاویٰ دار العلوم دیو بند میں ہے:

اگر لڑکوں کے آگے کو جا کر یا صف کو چیر کر بالغوں کی جماعت میں مل سکے تو چلا جاوے اور بالغوں کی جماعت میں شریک ہو جاوے اور اگر کچھ ممکن نہ ہو اور لڑکوں کی ہی جماعت میں کھڑا ہو جاوے تب بھی نماز صحیح ہے۔

(فتاوی دار العلوم دیو بند: ٣/٣٣٩)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

جب اگلی صف میں جگہ ہوتو اس کو پُر کرنے کے لئے لڑکوں کی صف کے سامنے سے گذرنا پڑے تو اس میں حرج نہیں جائز ہے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/۱۹٤)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

بچوں کی صف جب بڑی ہواور کوئی بالغ آدمی آکر بالغین کی صف میں کھڑا ہونا چاہئے تو بچوں کے سامنے سے گذر کرآگے بڑھ جائے۔ بچوں کی صف میں کھڑا نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ: ٦/٤٩٠ باب تسویۃ الصفوف)

کمسن بچے کو بالغوں کی صف میں کھڑا کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنے نابالغ بچہ کو جماعت میں پہلی صف میں کھڑا کرتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ نیز شریعت کی نگاہ میں نابالغ بچوں کی جگہ صف میں کونسی ہے؟ وضاحت کے ساتھ مع الدلیل جواب عنایت فرمادیں؟

الجواب: اگر مسجد کی پہلی صف عام طور پر بالغین سے پُر ہوتی ہے تو پھر کمسن بچے کو پہلی صف میں کھڑا کرنا خلافِ سنت اور مکروہ ہے، ہاں عام طور پر پہلی صف بالغین سے پُر نہیں ہوتی تو تنہا کھڑا نہ رہے مردوں کے ساتھ شامل ہوجائے، لیکن زیادہ بچے ہیں تو کمسن بچوں کی صف مردوں کی صف کے پیچھے ہونا چاہئے شریعت میں یہی مقام ہے۔

ملاحظہ ہوالبحر الرائق میں ہے:

ویقتضی أیضًا أن الصبی الواحد لایکون منفردًا عن صف الرجال بل یدخل فی صفهم، وأن محل هذا الترتیب إنما عند حضور جمع من الرجال وجمع من الصبیان فحینئذ تؤخر الصبیان.

(البحر الرائق: ۱/۳٥۳، باب الامامة، کوئٹة۔وکذا فی الشامی: ۱/٥۷۱ باب الامامة، سعید۔وبدائع الصنائع: ۱/۱٥۹، سعید)

امداد الفتاح میں ہے:

وإذا اجتمع الرجال وغیرهم یصف الرجال خلف الإمام لقوله ﷺ "لیلنی منکم أولوا الأحلام والنهی" (اخرجه مسلم، والترمذی، وابوداؤد، وابن حبان، والبیهقی، وابن خزیمة، وعبد الرزاق) ثم یصف الصبیان لقول أبی مالك الأشعری رضی اللہ تعالیٰ عنه أن النبی ﷺ "صلی وقام الرجال یلونه وأقام الصبیان خلف ذلك وأقام النساء خلف ذلك وإن لم یکن جمع من الصبیان یقوم الصبی بین الرجال.

(ذکرہ الزیلعی فی نصب الرایۃ:۲/۳۶۔ واخرجہ بنحوہ الطبرانی فی معجمہ الکبیر:۳٤۱٦۔وذکرہ الھیثمی فی مجمع الزوائد: ۱/۱۲۹). (امداد الفتاح مع الحاشیۃ:۳٤۹، ترتیب صفوف الصلاۃ،بیروت)

وفی مسند الحارث: کان النبی "یصفھم فی الصلاۃ فیجعل الرجال قدام الغلمان، والغلمان خلفھم......

(ذکرہ الزیلعی فی نصب الرایۃ من حدیث أبی مالك الاشعر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صوقال:رواہ الحارث بن أبی اسامۃ فی مسندہ:(۲/۳۷).(امداد الفتاح مع الحاشیۃ: ۳٤۹،بیروت۔وفتاوی حقانیۃ:۳/۱۲۱،باب تسویۃ الصفوف)

امدادالمفتیین میں ہے:

حدیث شریف اور عام کتبِ فقہ کی عباراتِ مشہورہ سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکوں کا مردوں کی صف میں کھڑا کرنا خلافِ سنت ہے۔جس شخص کے پاس لڑکے کھڑے ہوں اس کو چاہئے کہ انہیں پیچھے ہٹائے، ورنہ نماز مکروہ ہوگی۔ (امداد المفتیین: ۲/۳۳۷)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

صفوں کی ترتیب یہ ہے کہ نابالغوں کی مستقل صف بالغین کی صف سے پیچھے ہو......اگر نابالغ لڑکا صرف ایک ہوتو وہ مردوں کی صف میں کھڑا ہوجائے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ: ٦/٤٨٩باب تسویۃ الصفوف۔وفتاوی رحیمیہ: ۱/۱۹۰)

بچے کو مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا رکھنے کا حکم:

سوال: بچوں کی صف مردوں کے پیچھے ہونی چاہئے لیکن اگر صرف ایک بچہ ہوتو کیا وہ مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا ہوسکتا ہے؟

الجواب: اصل تو یہ ہے کہ بچے مردوں کی صفوں کے پیچھے ہوں، لیکن زیادہ شرارت کرتے ہوں تو ایک ایک دودو کو صفوں کے کنارے کھڑا کر سکتے ہیں، بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لہٰذا اگر ایک ہوتو اس کو مردوں کی صف میں کنارے پر کھڑا کرنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔

درمختار میں ہے:

(ثم الصبیان) ظاھرہ تعددھم فلو واحدًا دخل الصف، وفی الشامی: (قولہ:فلو واحدًا دخل الصف)ذکرہ فی البحر بحثًا. (الدرالمختارمع رد المحتار:۱/۵۷۱، باب الامامۃ،سعید)

تقریراتِ رافعی میں ہے:

(قوله ذكره في البحر بحثًا) قال الرحمتي: ربما يتعين في زماننا إدخال الصبيان في صفوف الرجال لأن المعهود منهم إذا اجتمع صبيان فأكثر تبطل صلاتهم بعضهم ببعض وربما تعدى ضررهم إلى إفساد صلاة الرجال انتهى، سندى. (التقريرات الرافعي:۷۳،سعيد)

نیز حدیث میں ہے:"ليلني منكم أولو الأحلام والنهى" اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام کے قریب بالغ اور عقلمند کھڑے ہوں گے، تو ایک بچہ کنارے پر کھڑا ہوگا نہ کہ بیچ میں امام کے قریب۔

امداد الفتاح میں ہے:

ثم يصف الصبيان لقول أبي مالك الأشعري رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى وقام الرجال يلونه وأقام الصبيان خلف ذلك وأقام النساء خلف ذلك وإن لم يكن جمع من الصبيان يقوم الصبي بين الرجال. والله اعلم.

(ذكره الزيلعي في نصب الراية: (۳۶/۲) وأخرجه بنحوه الطبراني في معجمه الكبير: (۳٤/٦) وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد: (۱۲۹/۱). (امداد الفتاح مع الحاشية: فصل في بيان الأحق بالإمامة وفي بيان ترتيب الصفوف: ۳٤۹، بيروت)

عورت کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا:

سوال: عورت مرد کے ساتھ صف میں کھڑی ہو کر نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: نماز میں عورت کا مقام مرد کے پیچھے ہے لہذا عورت مرد کے ساتھ صف میں کھڑی ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن جدته مليكة دعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لطعام صنعته له فأكل منه ثم قال: قوموا فلأصلي لكم قال أنس رضي الله تعالى عنه فقمت إلى حصير لنا قد اسود من طول ما لبس فنضحته بماء فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم وصففت واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا فصلى لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ركعتين ثم انصرف. (رواه الخاري: ۱/ ۵۵۔ والترمذي: ۱/ ۵۵)

دوسری حدیث میں ہے:

فكان ابن مسعود رضي الله تعالى عنه يقول: أخروهن من حيث أخرهن الله.

(مصنف عبد الرزاق: ۳/ ۱٤۹/ ۵۱۱۵، باب شهود النساء الجماعة)

ہاں اگر گھر میں بیوی شوہر کے برابر کھڑی ہو کر اپنی اپنی نماز پڑھ لیں تو یہ جائز ہے، لیکن اجنبی مرد کے ساتھ

کھڑا ہونا یا با جماعت نماز میں ایک امام کی اقتداء میں برابر کھڑے رہنے کی اجازت نہیں۔

آنحضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مردوں کی صفوں میں پہلی صف اچھی اور آخری صف بری اور عورتوں کی صفوں میں پہلی صف بری اور آخری صف اچھی۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

"خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وشر صفوف النساء أولها وخيرها آخرها".

(رواه مسلم: ۱۸۲/۱، باب تسوية الصفوف واقامتها۔ والبيهقي في سننه الكبرى: ۹۰/۳، باب لايأتم رجل بامرأة)

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تو فتنہ کی وجہ سے یہ فرمایا کہ اگر رسول اللہ ﷺ عورتوں کا شر ملاحظہ فرماتے تو بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح مسجد میں باجماعت نماز سے منع فرماتے یعنی اس کا تصور بھی نہیں کہ کہیں عورت مرد کے ساتھ نماز باجماعت میں کھڑی ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

کوئی لڑکی لڑکا بن جائے تو مردوں کی صف میں کھڑے رہنے کا حکم:

سوال: ایک لڑکی نے اپنے آپ کو لڑکا بنالیا تو کیا وہ مردوں کی صف میں کھڑی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی داڑھی بھی نکلی ہے۔

الجواب: فقہاء نے خنثی کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے کہ اگر مرد کی علامت ظاہر ہو جائے تو مرد کے حکم میں ہے اور مردوں کے ساتھ صف میں کھڑا ہونا بھی درست ہے لہٰذا جس لڑکی نے اپنے آپ کو لڑکا بنالیا اور لڑکے کی علامات ظاہر ہو گئی تو مردوں کی صف میں کھڑے رہنے کی گنجائش ہے اور نماز سب کی صحیح ہو جائیگی۔ البتہ ایسا فعل قبیح ہے اور تغییر لخلق اللہ میں داخل ہے اور حرام ہے اس سے باز آنا چاہئے اور غضبِ الٰہی سے ڈرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

فإن بال من الذكر فغلام ...... هذا قبل البلوغ فإن بلغ وخرجت لحيته أو وصل إلى امرأة أو احتلم كما يحتلم الرجل فرجل. (الدرمختار: ۷۲۷/۶، كتاب الخنثى، سعيد)

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ خنثی مشکل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ مردوں کی صف میں نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہے لہٰذا جس میں مردوں کی علامات غالب ہوں اس کی نماز مردوں کی صف میں بدرجۂ اولیٰ صحیح ہوگی۔

ملاحظہ فرمائیں:

وإن قام في صف الرجال فصلاته تامة.

(الشامي: ٦/٧٢٨، كتاب الخنثى، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي على الدرالمختار: ٤/٣٥٠۔ والفتاوى الهندية: ٦/٤٣٧۔ والهداية: ٤/٧٠١۔ وكنزالدقائق: ٤٨٩۔ والبحر الرائق: ٨/٤٧٢)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ فرماتے ہیں:

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جسم اللہ کی امانت اور اس کا پیکر اللہ کی تخلیق کا مظہر ہے جس میں کسی شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر کوئی خودساختہ تبدیلی درست نہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مصنوعی طور پر بال لگانے خوبصورتی کے لئے دانتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے کو ناجائز قابلِ لعنت اور اللہ کی خلقت میں تغیر قرار دیا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ محض زینت اور فیشن کی غرض سے اس قسم کا کوئی آپریشن اور جسم میں کوئی تغیر قطعاً درست نہ ہوگا جیسا کہ آج کل ناک پستان وغیرہ کے سلسلہ میں کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (جدید فقهی مسائل: ۲/۱۷۱)

دوستونوں کے درمیان صف بنانے کا حکم:

سوال: دوستونوں کے درمیان صف بنانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بلاضرورت جبکہ مسجد میں وسعت بھی ہو تو دوستونوں کے درمیان صف بنانا مکروہ ہے، احادیث میں نہی وارد ہے البتہ تنگی اور ضرورت ہے تو جائز ہے جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ دو ستونوں کے درمیان صف بلا کراہت جائز ہے نیز اس قول کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ کراہت تحریمی نہیں ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الحميد بن محمود قال: صلينا خلف أمير من الأمراء فاضطرنا الناس فصلينا بين الساريتين فلما صلينا قال أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه: كنا نتقي هذا على عهد رسول الله ﷺ...... قال أبو عيسى: حديث أنس رضي الله تعالى عنه حديث حسن صحيح وقد كره قوم من أهل العلم أن يصف بين السواري ...... وقد رخص قوم من أهل العلم في ذلك.

(رواه الترمذي: ١/٥٣، باب ما جاء في كراهية الصف بين السواري، فيصل)

ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن معاوية بن قرة عن أبيه قال: كنا ننهى أن نصف بين السواري على عهد رسول الله ﷺ ونطرد عنها طردًا. (رواه ابن ماجة: ٧٠ باب الصلاة بين السواري في الصف)

شیخ عبدالغنی دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

لعل سبب النهي أنه موجب للفرقة والجماعة سبب الجمعية وهذا إذا كان المكان واسعاً، وأما إذا ضاق المكان وازدحم الناس فلا بد من الصفوف بين السوارى.

(انجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجة: ۷۰)

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

إذا كان منفردًا لا بأس بالصلاة بين الساريتين، إذا لم يكن في جماعة لأن ذلك يقطع الصفوف، وتسوية الصفوف في الجماعة مطلوبة.

(عمدة القاري: ۳/ ۵۸۰، باب الصلاة بين السوارى)

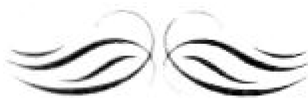
شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والاصطفاف بين الأسطوانتين غير مكروه لأنه صف في حق كل فريق وإن لم يكن طويلاً وتخلل الأسطوانة بين الصف كتخلل متاع موضوع أو كفرجة بين رجلين وذلك لا يمنع صحة الاقتداء ولا يوجب الكراهة. (المبسوط للسرخسي: ۲/ ۳۵، باب صلاة الجمعة)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

مبسوط سرخسی میں موجود ہے کہ اگر ستون درمیان میں ہوتو اس سے نہ اقتداء ممنوع ہوتا ہے نہ کراہیت پیدا ہوتی ہے۔ والاصطفاف بين الاسطوانتين غير مكروه...... اگر مسجد میں وسعت ہوتو اچھا یہ ہے کہ اس جگہ اصطفاف سے احتراز کیا جائے جہاں ستون بیچ میں آجائے، کیونکہ بعض اہلِ علم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ: ۶/ ۵۱۲ باب تسویۃ الصفوف، جامعہ فاروقیہ و امداد الاحکام ۱/ ۵۲۳)



فصلِ پنجم

محاذات کا بیان

مسئلہ محاذات کی وضاحت:

محاذات کی تعریف:

نماز میں عورت کا مرد کے آگے کھڑا ہونا یا مرد کے محاذی یعنی برابر میں اس طرح کھڑا ہونا کہ عورت کا قدم نماز کے دوران میں کسی وقت بھی مرد کے کسی عضو کے مقابل ہو جائے تو اس سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ قدم کے برابر و مقابل ہونے سے پنڈلی اور ٹخنہ کا برابر ہونا مراد ہے۔ صحیح قول کے موافق یہی معتبر ہے پس اگر عورت کا ٹخنہ اور پنڈلی مرد کے ٹخنہ اور پنڈلی کے برابر میں ہوگی تو محاذات ثابت ہونے کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اگر چہ عورت کا پیر مرد کے پیر سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے عورت کے پیر کا اگلا کچھ حصہ مرد کے پیر سے پیچھے رہے، اور اگر عورت کا پیر مرد کے پیر سے اس قدر پیچھے ہو کہ دونوں ٹخنے اور پنڈلی بالکل برابر میں نہیں رہتے بلکہ عورت کے ٹخنے اور پنڈلی مرد کے ٹخنے اور پنڈلی سے پیچھے ہوں تو اصح قول کی بنا پر نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اس طرح قدم کے علاوہ کسی اور عضو کے مقابل ہونے سے نماز فاسد ہوگی۔

محاذات کی شرطیں:

(۱) عورت حدِ شہوت کو پہنچ گئی ہو اور جماع کے لائق ہو اگر چہ نابالغ ہو۔

(۲) مطلق نماز ہو یعنی رکوع سجدہ والی نماز ہو۔

(۳) تحریمہ میں دونوں مشترک ہو یعنی ایک ہی امام کی اقتداء میں ہو یا عورت نے اپنے محاذی مرد کی تحریمہ باندھی ہو۔

(۴) مرد مکلّف ہو یعنی عاقل بالغ ہو۔

(۵) عورت بھی عاقلہ ہو، امداد الاحکام میں ہے: مجنونہ عورت کی محاذات مفسد نہیں ہے۔ (بحوالہ شامی ۱/۵۶۱)

(۶) امام نے عورتوں کی امامت کی نیت کی ہو۔

(۷) ایک کامل رکن میں محاذات پائی جائے۔

(۸) دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

(۹) نماز شروع کرنے کے بعد شامل ہونے والی عورت کو مرد نے پیچھے ہٹنے کا اشارہ نہ کیا ہو۔

(۱۰) دونوں کا ایک مکان میں ہونا۔

محاذات کے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ مرتب ہونے والی چند صورتیں حسب ذیل درج ہیں:

(۱) عورت کا امام کے آگے یا برابر ہونا اس سے امام اور اس عورت اور تمام مقتدیوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۲) عورت کا امام اور مقتدی مردوں کی صف کے درمیان میں یا مقتدی مردوں کی صفوں کے درمیان میں کھڑا ہونا اس صورت میں ایک عورت اپنے پیچھے والی صرف پہلی صف کے محاذی ایک مرد کی نماز فاسد کرے گی اور دو عورتیں صرف پیچھے والی پہلی صف کے دو محاذی مردوں کی نماز فاسد کریں گی اور تین عورتیں پیچھے والی تمام صفوں کے تین تین محاذی مردوں کی نماز فاسد کریں گی اور تین سے زیادہ عورتیں صف تام کے حکم میں ہونے کی وجہ سے پیچھے والی تمام صفوں کے تمام آدمیوں کی نماز فاسد کریں گی۔

ایک یا دو عورتیں آگے ہونے کی صورت میں اگر ان کے اور مردوں کے درمیان سترہ بقدر ایک ہاتھ حائل ہوگا تو مانع فساد ہوگا اس سے کم مانع فساد نہیں اور تین یا زیادہ عورتیں آگے ہونے کی صورت میں سترہ حائل ہونے کا اعتبار نہیں اور فسادِ نماز کا حکم بدستور برقرار رہے گا۔

(۳) عورت کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا پس ایک عورت تین آدمیوں کی نماز فاسد کرے گی ایک اپنے دائیں اور ایک بائیں اور ایک پیچھے والی پہلی صف کے اپنی سیدھ والے آدمی کی اور دو عورتیں چار آدمیوں کی یعنی ایک دائیں اور ایک بائیں اور دو پیچھے والی پہلی صف کے اپنی سیدھ والے دو آدمیوں کی نماز فاسد کریں گی اور تین عورتیں ایک ایک دائیں بائیں والے آدمی کی اور پیچھے والی ہر صف کے تین تین محاذی آدمیوں کی آخر صفوں تک نماز فاسد کریں گی اور تین سے زیادہ عورتیں دائیں اور بائیں والے ایک ایک آدمی کی اور پیچھے والی تمام صفوں کے تمام آدمیوں کی نماز فاسد کریں گی۔

(۴) ایک ہی صف میں ایک طرف آدمی ہوں اور ایک طرف عورتیں ہوں اور ان کے درمیان میں کوئی حائل

نہ ہو تو صرف اس ایک آدمی کی نماز فاسد ہوگی جو عورت کے متصل محاذی ہوگا اور باقی آدمیوں کی نماز درست ہو جائے گی کیونکہ یہ آدمی باقی آدمیوں اور عورتوں کے درمیان بمنزلہ سترہ ہو جائے گا۔

(۵) قدِ آدم یا زیادہ اونچا چبوترہ یا سائبان یا بالا خانہ وغیرہ ہے اور اس کے اوپر مرد ہیں اور نیچے ان کے محاذی عورتیں ہیں یا اس کے برعکس یعنی عورتیں اوپر ہیں اور نیچے ان کے محاذی مرد ہیں تو یہ قدِ آدم اونچائی مانع فسادِ نماز ہو جائے گی اور مردوں کی نماز فاسد نہ ہوگی، قدِ آدم سے کم اونچائی مانع فساد نہ ہوگی۔

(ماخوذ از عمدۃ الفقہ حصہ دوم ۲۰۹۔۲۱۵، کتاب الصلاۃ)

احادیث وکتبِ فقہ سے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن جدته مليكة دعت رسول الله ﷺ لطعام صنعته له فأكل منه ثم قال قوموا فلأصلي لكم ..... فقام رسول الله ﷺ وصففت واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا فصلى لنا رسول الله ﷺ ركعتين ثم انصرف.

(بخاری شریف: ۱/۵۵/۳۷۸، باب الصلاۃ علی الحصیر۔وکذا فی مسند أحمد: ۱۲۶۷٤۔والسنن الکبری: ۳/۹٦۔والنسائی: ۱/۲۸۵۔وموطا مالك رقم:۳٦۳ ومسلم رقم:۱۵۳۱۔وأبوداود رقم: ٦۱۲۔والترمذی رقم: ۲۳٤)

مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے:

حدثنا ابن مهدي عن سفيان عن الأعمش عن إبراهيم أنه كان يكره أن يصلي بصلاة الإمام إذا كان بينهما طريق أو نهر أو نساء.

(مصنف ابن أبي شيبة: ٤/۳۲۸۔وهكذا في مصنف عبد الرزاق ۳/۸۲)

مصنف عبد الرزاق میں ہے:

فكان ابن مسعود رضي الله تعالى عنه يقول: أخروهن من حيث أخّرهن الله.

(مصنف عبد الرزاق: ۳/۱٤۹/۵۱۱۵ باب شهود النساء الجماعة، المجلس العلمي۔وصحيح ابن خزيمة: ۲/۸۱۹/۱۷۰۰۔والمعجم الكبير للطبراني :رقم:۹۳۷۲)

امداد الفتاح میں ہے:

(أن لا يفصل بين الإمام والمأموم صف من النساء) لما روي عن عمر رضي الله تعالى عنه موقوفًا ومرفوعًا للنبي ﷺ: أنه قال: من كان بينه وبين الإمام نهر أو طريق أو صف من

النساء فلا صلاة له.

(امداد الفتاح: ٣٣٤ شروط صحة الاقتداء۔ وكذا فی تبیین الحقائق: ١/ ١٣٩، باب الامامة، امدادیة)

امداد الفتاح میں ہے:

ومحاذات المشتهاة ولو فی الماضی كالعجوز الشوهاء فی أداء ركن علی ما قاله محمد رحمه الله تعالیٰ أو مقداره علی قول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ والمراد أن تحاذی رجلا بساقها وكعبها فی الأصح، ولو كانت محرمًا له أو زوجة ولا معتبر بالسن فی الصغیرة إنما العبرة بالضخامة والعبالة لتكون صالحة للجماع فتحاذیه وفی صلاة مطلقة هی ذات الركوع والسجود ...... مشتركة تحریمة المستلزم للاشتراك تادیة والاشتراك یتحقق باتحاد فرضها وارتباط صلاتهما بابتناء تحریمتهما علی تحریمة الإمام أو یكون هو إمامًا لها فی مكان متعد حتی لو كان أحدهما علی مكان والآخر علی الأرض والدكان قدر قامة الرجل لا تفسد صلاته لاختلاف المكان بلا حائل بینهما مثل مؤخرة الرحل فی الطول وغلظ الأصبع فإن كان لا تضر المحاذاة لأن أدنی الأحوال القعود فقدر الحائل بقدره، والفرجة تقوم مقام الحائل وأدناها قدر ما یقوم به المصلی ولم یشر إلیها لتتأخر فان أشار إلیها فلم تتأخر هی فسدت صلاتها دون صلاته لأتیانه بما فی وسعه، وتقدمه عنها بالمشی مكروه فاذا ترك الإشارة فسدت بالمحاذاة صلاته، والتاسع من شروط المحاذاة المفسدة أن یكون الامام قد نوی إمامتها لأنه شرط لصحة اقتدائها كما قدمناه فاذا لم ینوها لاتفسد محاذاتها، وفی الجمعة والعدین قال أكثرهم: لایصح أیضًا اقتداؤها ما لم ینو إمامتها بالخصوص. واللّٰہ اعلم.

(امداد الفتاح: ٣٦٤ باب ما یفسد الصلاة۔ وكذا فی شرح منیة المصلی: ٥٢١، فصل فی الامامة، سهیل اكیڈمی۔ وفی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ٣٢٩، باب ما یفسد الصلاة، قدیمی۔ وفی الشامی: ١/ ٥٧٢ باب الامامة، سعید۔ وحاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ١/ ٢٤٧ باب الامامة، العربیة كوئٹه۔ وهكذا فی الفتاوی الهندیة: ١/ ٨٩ الفصل الخامس فی بیان مقام الامام والمأموم۔ والبحر الرائق: ١/ ٣٥٤۔٣٥٨ باب الامامة، الماجدیة كوئٹه۔ وتبیین الحقائق: ١/ ١٣٧ باب الامامة)

بالا خانہ پر عورتیں امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو محاذات کا حکم:

سوال: اگر مسجد کی دوسری منزل پر بہت ساری عورتیں امام کے پیچھے نماز پڑھتی ہیں اور عورتوں کے پیچھے مرد نمازی ہیں لیکن زمین کی سطح پر ہیں تو مردوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: عورتوں کی صف اگر مسجد کی دوسری منزل پر ہو اور مردوں کی صف زمین کی سطح پر ہو اور عورتیں مردوں کی صف پر مقدم نہ ہوں تو نماز ادا ہو جائے گی، اور مقدم ہونے کی صورت میں فقہاء کا تھوڑا سا اختلاف ہے لیکن چونکہ متون میں حائل کی صورت میں صلاۃِ رجال کو فاسد نہیں کہا بلکہ صحیح کہا ہے لہذا اس صورت میں بھی مردوں کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

السابع اتحاد المكان حتى لو كان احدهما على دكان علو قامة والآخر على الأرض لاتفسد صلاته.

(شرح منية المصلي: ٥٢٢ فصل في الامامة، سهيل اكيڈمي۔ وامداد الفتاح: ٣٦٤، بيروت۔ وفتح القدير: ١/٣٦٤، باب الامامة۔ والفتاوى الهندية: ١/٨٩ الفصل الخامس في بيان مقام الامام والمأموم۔ والشامي: ١/٥٧٦، باب الامامة)

التحریر المختار میں ہے:

(قوله فهذا صريح في أن الحائل غير معتبر) هو صريح في أن الصف الأول من الرجال لايعد حائلا ولايمكن أن يقال غيره من الحوائل مثله لنقل أهل المذهب أن الحائل يمنع الفساد كعبادة مفتاح السعادة وما نقله طحطاوى عن أبي السعود في أول مسئلة المحاذاة بقوله ولو كان ورائهن حائط خلفه صفوف لاتفسد صلاتهم على الأصح و حينئذ يفيد اطلاق ما في الخانية وغيرهما بما في مفتاح السعادة. (التحرير المختار: ١/٧٦ على هامش الشامي)

ملاعلی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح نقایہ میں نقل فرمایا ہے:

والحاصل أنه لايصح رفعه لكنه ثبت عن ابن مسعود ص وقفه رواه الطبراني...... والحديث مع كونه موقوفًا لادلالة له فيه إلا على الاستحباب فأخروهن عن الرجال كتأخر الأطفال وفق ما ثبت في الأحاديث المرفوعة وعلى تسليم أن الأمر للوجوب بناء على أنه في حكم المرفوع فلا دلالة فيه على ابطال الصلاة حال المحاذاة. والله اعلم.

(شرح النقاية: ١/٢٠٤، سعيد)

حرم شریف میں عورتوں کی محاذات کے مسئلہ کا حل:

سوال: حرم شریف میں عورتوں کی محاذات کا مسئلہ لاینحل سا ہے اس میں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے یا کسی اور کے مذہب پر فتوی کی گنجائش ہے یا نہیں؟ فقہاء نے اس مسئلہ کی صراحت کی ہے یا نہیں؟

الجواب: محاذات کا مسئلہ صرف مذہب میں احناف کے مطابق ہے ورنہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک محاذات کوئی چیز نہیں پھر احناف کی دلیل اس مسئلہ میں صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے "أخروهن من حيث أخرهن الله" ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح نقایہ میں فرمایا مرفوعاً حدیث صحیح نہیں ہے لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً صحیح ہے تب بھی صرف استحباب ثابت ہوسکتا ہے کہ عورتوں کو پیچھے نماز پڑھنا مستحب ہے جیسے بچوں کے لئے پیچھے مستحب ہے اگر تسلیم بھی کرے کہ امر وجوب کے لئے اور موقوف مرفوع کے حکم میں ہے تب بھی حالتِ محاذات میں نماز فاسد ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فسادِ نماز کے لئے مضبوط دلیل چاہئے جو یہاں موجود نہیں ہے لہٰذا نماز فاسد نہ ہونی چاہئے، لیکن ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت متون شروح وفتاویٰ سے مختلف ہے لہٰذا اعتبار متون وشروح وفتاویٰ کا ہونا چاہئے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہوسکتی ہے کہ عام حالات میں تو متون وغیرہ ہی کا اعتبار ہوگا یعنی محاذات مفسد ہے لیکن حرم شریف میں چونکہ محاذات سے بچنا انتہائی مشکل بلکہ ناممکن سا ہے لہٰذا ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت پر فتویٰ دیا جائے تو مناسب ہوگا۔

کیونکہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے تو صراحت فرمائی ہے کہ مفتی اگر غیر مشہور قول پر فتویٰ دے مواضع ضرورت میں آسانی کا پہلو سامنے رکھتے ہوئے تو ٹھیک ہے اور گنجائش ہے۔ اس کے برخلاف، ہم یہ کہیں کہ حرم میں بھی نماز فاسد ہو جائے گی تو اس میں بہت تنگی اور حرج ہے۔

بعض علماء نے یہ جواب مرحمت فرمایا ہے کہ چونکہ ائمۂ حرم عورتوں کی امامت کی نیت نہیں کرتے لہٰذا عورتوں کی نماز ہی نہ ہوگی اور محاذات کا تحقق نہ ہوگا، لیکن اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ائمہ کے مذہب کے مطابق عورتوں کی علیحدہ نیت کی ضرورت نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ ائمہ نے خود بتایا کہ ہم عورتوں کی امامت کی نیت کرتے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا علاء الدین صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود شیخ سبیل سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم عورتوں کی بھی نیت کرتے ہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ عورتوں کی نیت نہیں کرتے تو محاذات نہ ہوگی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

حاصل کلام: حرم شریف میں مسئلہ محاذات کا حل یہی ہوسکتا ہے کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت پر فتویٰ دے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ضرورت کے وقت آسانی کا پہلو سامنے رکھتے ہوئے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وأما قول صاحب الهداية لقوله ﷺ أخّروهن من حيث أخّرهن الله فغير معروف رفعه وأغرب منه أنه جعله من المشاهير وهذا خلاف ما عليه الجماهير، والحاصل أنه لا يصح رفعه لكنه ثبت عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه ووقفه رواه الطبراني ...... والحديث مع كونه موقوفًا لا دلالة له فيه إلا على الاستحباب فأخّروهن عن الرجال كتأخر الأطفال وفق ما ثبت في الأحاديث المرفوعة وعلىٰ تسليم أن الأمر للوجوب بناء على أنه في حكم المرفوع فلا دلالة فيه على إبطال الصلاة حال المحاذاة. (شرح النقاية: ۱/ ۲۰٤، ترتيب الصفوف، سعيد)

ملاحظہ ہو علامہ شامی کا قول مواضعِ ضرورت میں غیر مشہور روایت پر فتویٰ دینا:

وفي المعراج عن فخر الأئمة: لو أفتى مفت بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلبًا للتيسير كان حسنًا. (شامي: ۱/ ۲۸۹ باب الحيض، مطلب لو أفتى مفت الخ، سعيد۔ ورسم المفتي: ٤٤)

نیز علامہ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ قول البحر الرائق میں نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وفي معراج الدراية معزيًا إلى فخر الأئمة لو أفتى مفت بشيء من هذه الأقوال في مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسنًا. (البحر الرائق: ۱/ ۱۹۳، باب الحيض، الماجدية)

نیز قواعدِ شریعت اور مزاجِ شریعت کے بھی موافق ہے: یعنی حرج اور تنگی نہیں ڈالنا چاہئے بلکہ آسانی کا پہلو اختیار کرنا چاہئے۔ ملاحظہ ہو:

قال الله تعالى: ﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ و ﴿يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر﴾.

عن أبي بردة قال بعث النبي ﷺ جده أبا موسى ومعاذ إلى اليمن فقال: "يسّرا ولا تعسّرا وبشّرا ولا تنفّرا وتطاوعا ولا تختلفا" متفق عليه. (مشكاة: ۲/ ۳۲۳ باب ما على الولاة من التيسير)

شرح مجلۃ میں ہے:

المشقة تجلب التيسير. المادة ۱۷: (شرح المجلة ۲۷۔ ۲۸)

إن الصعوبة تصير سببًا للتسهيل ويلزم التوسيع في وقت المضايقة ...... اعلم أن أصل الشرع مبناه على اليسر والتسهيل، قال الله تعالىٰ: ﴿يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر﴾ و﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ وقال ﷺ، "أحب الدين إلى الله الحنفية السمحة".

المادة ۱۷: (شرح المجلة: ۱/ ٤۸، رشيدية، محمد خالد الاتاسي)

مفتی اعظم پاکستان ہمارے استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حرم میں محاذات کے باوجود نماز کی صحت کا فتویٰ دیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

حدیث: "أخّروهن من حيث أخّرهن الله" کی تحقیق:

سوال: کتبِ حدیث میں مشہور ہے کہ یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً مروی ہے حالانکہ مشکوٰۃ شریف میں بحوالہ رزین یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے پھر علمائے کرام کیوں اس کو موقوف فرماتے ہیں اور مرفوع کی نفی کرتے ہیں؟

الجواب: ذكر البغوى فى مشكاة المصابيح فى الرقاق عن حزيفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول فى خطبته الخمر جماع الاثم ...... وسمعته يقول: "أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله". رواه رزين. (مشكاة المصابيح: ۹/۲۸۶)

قال الألبانى رحمہ اللہ تعالیٰ: لا أصل له مرفوعًا. (مشكاة: ۳/۱۳۰/۵۲۱۵)

وفى المرقاة: (رواه رزين) وفى التمييز لابن الربيع حديث "أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله" يعنى النساء قال شيخنا فى مصنف عبد الرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ: وذكر أحاديث بمعناه من طريق الطبرانى ثم قال: ولا نطيل بها ...... فالحديث مشهور عند المحدثين لكن بالمعنى اللغوى لا بالمعنى الاصطلاحى. (مرقاة المفاتيح ۹/۲۸۶)

وفى مصنف عبد الرزاق: عبد الرزاق عن الثورى عن الأعمش عن إبراهيم عن أبى معمر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان الرجال ...... فكان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقول: "أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله". (مصنف عبد الرزاق: ۳/۱۴۹)

وفى المقاصد الحسنة: حديث: "أخّروا النساء حيث أخّرهنّ الله" قال الزركشى عزوه الى الصحيحين غلط وكذا من عزاه لدلائل النبوة للبيهقى مرفوعًا ولمسند رزين، ولكنه فى مصنف عبد الرزاق ومن طريقه الطبرانى من قول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فى حديث أوله: كان فى بنى إسرائيل الرجل و المرأة يصلون جميعا.

(المقاصد الحسنة: ۱/۱۵۔ وكذا فى كشف الخفاء ۱/۶۷)

قال الزيلعى رحمہ اللہ تعالیٰ فى نصب الراية: الحديث: ۶۹: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: "أخّروهن من حيث أخّرهنّ الله" قلت: حديث غريب مرفوعًا. وهو فى مصنف عبد الرزاق موقوف على

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ. فقال: أخبرنا سفيان الثوری عن الأعمش عن إبراهيم عن أبی معمر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان الرجال و النساء فی بنی إسرائيل يصلون جميعًا فكانت المرأة تلبس القالبين فتقوم عليها فتواعد خليلها فألقی عليهن الحيض فكان ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقول: "أخّروهن من حيث أخّرهنّ الله"...... انتهی.

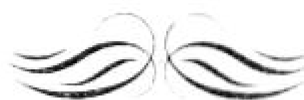
ومن طريق عبد الرزاق رواه الطبرانی فی معجمه: قال السروجی فی الغاية: كان شيخنا الصدر سليمان يرويه: "الخمر أم الخبائث، والنساء حبائل الشيطان، وأخّروهن من حيث أخّرهن الله" ويعزوه إلی مسند رزين وقد ذكرهذا الجاهل أنه فی دلائل النبوة للبيهقی ...... وقد تتبعته فيه فلم أجده فيه لامرفوعًا ولاموقوفًا. والذی فيه مرفوعًا: الخمرجماع الإثم والنساء حبالة الشيطان والشباب شعبة من الجنون، ليس فيه أخّروهن من حيث أخّرهن الله أصلا.

(نصب الراية فی تخريج أحاديث الهداية: ۲/ ۳۶ حدّة)

خلاصہ: عام طور پر مصنف عبدالرزاق کا حوالہ اس حدیث کا دیا جاتا ہے، مصنف عبدالرزاق میں یہ موقوفاً ہے مرفوعاً نہیں۔ فكان ابن مسعود ص يقول.

(۲) صاحب مشکاۃ نے رزین کا حوالہ دیا ہے، مگر علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی نسبت رزین کی طرف کرنا صحیح نہیں۔ (مقاصد حسنہ)

(۳) علامہ زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیخ صدر سلیمان نے فرمایا اس حدیث کے کل چار اجزاء میں سے پہلے تین اجزاء وہاں موجود ہیں، مگر چوتھا جزء جو ہمارے مسئلہ سے متعلق ہے "أخّروهن من حيث أخّرهن الله" اس کا وہاں بالکل وجود نہیں۔ واللہ اعلم۔



فصلِ ششم

اقتداء کے احکام

آگے والے کمرے میں عورتیں ہوں اور پیچھے والے کمرے میں مرد ہو تو اقتداء کا حکم:

سوال: امام کے پیچھے آگے والے کمرے میں عورتیں ہیں اور پیچھے والے کمرے میں مرد ہیں تو اقتداء درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر عورتیں آگے والے کمرہ میں ہیں اور مرد پیچھے والے کمرہ میں ہیں تو مردوں کی اقتداء صحیح ہونے اور نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے، احتیاط اس میں ہے کہ اقتداء درست نہ ہو؛ جیسے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو مختار کہا ہے، نیز اس میں ضرورت بھی نہیں اس لئے کہ مرد اگلے کمرہ میں کھڑے ہو سکتے ہیں اور عورتیں پچھلے کمرہ میں کھڑی ہو سکتی ہیں۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ویمنع من الاقتداء صف من النساء بلا حائل ...... وفی الشامی: (قوله صف من النساء) المراد به ما زاد على ثلاث نسوة فانه يمنع اقتداء جميع من خلف ...... ولو كان صف من النساء بين الرجال والإمام لايصح اقتداء الرجال بالإمام ويجعل حائلاً ...... وفي المعراج عن المبسوط: فان كان صف تام من النساء وورائهن صفوف الرجال فسدت تلك الصفوف كلها استحسانًا، والقياس أن لاتفسد إلاصلاة صف واحد، ولكن استحسن لحديث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعًا وموقوفًا عليه "من كان بينه وبين الإمام نهر أوطريق أوصف من النساء فلاصلاة له" فهذا صريح في أن الحائل غير معتبر في صف النساء والا فسدت صلاة الصف الأول من الرجال فقط لكونه صار حائلا بين من خلفه وبين صف النساء كما هو القياس، فظهر أن ما ذكره الشارح من اعتبار الحائل أو الارتفاع انما هو فيمادون الصف التام من النساء

كالواحدة والثنتين، أما الصف فهو خارج عن القياس اتباعًا للأثر، هذا ماظهر فتدبر، والله أعلم.

(شامی: ۱/ ۵۸٤، باب الامامة سعيد)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

إذا كان صف تام من النساء خلف الإمام وورائهن صفوف من الرجال فسدت صلاة تلك الصفوف كلها استحسانًا كذا في المحيط. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۷، الفصل الرابع في بيان ما يمنع صحة الاقتداء ومالا يمنع)

امام کے پیچھے دوسرے کمرے میں اقتداء کا حکم:

سوال: اگر امام ایک کمرہ میں ہو اور اس کے ساتھ چند مقتدی ہیں اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے بعض مقتدی دوسرے الگ کمرے میں اقتداء کرتے ہیں تو ان کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر دونوں کمرے ساتھ ہیں اور درمیان میں بڑا راستہ یا دو صف کے بقدر خالی جگہ نہیں ہے تو دوسرے کمرے والوں کی اقتداء صحیح ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وأما ماصححه في الظهيرية في مسألة السطح فالظاهر أنه بناء على ما إذا كان السطح متصلاً بالمسجد فحينئذ يصح الاقتداء ويكون مافي الخانية مبنيًا على عدم الاتصال المذكور بدليل أنه في الخانية علل للمنع بكثرة التخلل واختلاف المكان: أي لكون صحن الدار فاصلاً بين السطح والمسجد فيفيد أنه لولا ذلك لصح الاقتداء ويؤيده ما في البدائع حيث قال: لو كان على سطح بجنب المسجد متصل به ليس بينهما طريق فاقتدى به صح اقتداءه عندنا، لأنه إذا كان متصلاً به صار تبعًا لسطح المسجد وسطح المسجد له حكم المسجد فهو كاقتداءه في جوف المسجد إذا كان لايشتبه عليه حال الامام ...... وقد جزم صاحب الهداية في مختارات النوازل بأن العبرة للاشتباه ثم قال بعده: وإن قام على سطح داره واقتدى بالإمام إن لم يكن بينها حائل ولو شارع يصح، فيتعين حمل مافي الظهيرية على ما إذا لم يكن حائل كماقلنا، فيصح لاتحاد المكان وما نقله الشرنبلالي عن البرهان فليس فيه تصحيح الاقتداء مع اختلاف المكان، لأنه بتخلل الحائط لايختلف المكان كما قدمناه عن قاضيخان، وفي التتارخانية: وإن صلى على سطح بيته المتصل بالمسجد ذكر شمس الأئمة

الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ أنہ یجوز ......

(شامی: ۱/۵۸۷،سعید وھکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۹۳،قدیمی)

امداد الفتاح میں ہے:

المانع من الاقتداء فی الفلاۃ فاصل یسع صفین علی المفتی به کما فی التجنیس والمزید ...... ویشترط أن لایفصل بینهما حائط کبیر یشتبه معه العلم بانتقالات الامام، فان لم یشتبه العلم بانتقالات العلم لسماع أورؤیة ولولم یمکن الوصول الیه صح الاقتداء به فی الصحیح وهو اختیار شمس الأئمة الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ لماروی أن النبی ﷺ: کان یصلی فی حجرة عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا والناس فی المسجد یصلون بصلاته (أخرجه البیهقی فی سننه: ۳/۱۰۹) وعلی هذا الاقتداء فی الأماکن المتصلة بالمسجد الحرام وأبوابها من خارجه صحیح إذا لم یشتبه حال الإمام بسماع أورؤیة ولم یتخلل إلاالجدر ......

(امداد الفتاح: ۳۳۵ شروط صحة الاقتداء،بیروت)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

اقتداء دوسرے مکان میں درست ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۳/۳۶۷،مدلل ومکمل،دار الاشاعت)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/۳۰۶،فصل مانع اقتداء)۔ واللہ اعلم۔

مسجد سے متصل مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتداء کا حکم:

سوال: اگر کسی مسجد سے کوئی مکان متصل ہو صرف درمیان میں دیوار حائل ہو اور امام کی تکبیرات بھی سنائی دیتی ہو تو کیا اس مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتداء کرنا درست ہے؟

الجواب: مسجد سے متصل مکان کی چھت پر یا صحن میں اقتداء درست ہے جبکہ صفوف متصل ہوں اور درمیان میں خالی جگہ یا بڑا راستہ نہ ہو۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

المانع من الاقتداء فی الفلاۃ فاصل یسع صفین علی المفتی به کما فی التجنیس والمزید ...... ویشترط أن لایفصل بینهما حائط کبیر یشتبه معه العلم بانتقالات الامام، فان لم یشتبه العلم بانتقالات العلم لسماع أورؤیة ولولم یمکن الوصول الیه صح الاقتداء به فی الصحیح وهو اختیار شمس الأئمة الحلوانی رحمہ اللہ تعالیٰ لماروی أن النبی ﷺ: کان یصلی فی حجرة

عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا والناس فی المسجد يصلون بصلاته (أخرجه البيهقي في سننه: ۳/۱۰۹) وعلى هذا الاقتداء في الأماكن المتصلة بالمسجد الحرام وأبوابها من خارجه صحيح إذا لم يشتبه حال الإمام بسماع أورؤية ولم يتخلل إلا الجدر...... (امداد الفتاح:۳۳۵ شروط صحة الاقتداء۔ وکذافی الشامی:۱/۵۸۷،سعید۔وھکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۹۳، قدیمی)

درمختار میں ہے:

ويمنع من الاقتداء...... طريق أي نافذ أبو السعود عن شيخه. قلت: ويفهم ذلك من التعبير عنه في عدة كتب بالطريق العام، وفي التتارخانية: الطريق في مسجد الرباط و الخان لايمنع، لأنه ليس بطريق عام...... (الدرالمختار مع الشامی:۱/۵۸٤،سعید)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جس مکان کی چھت مسجد سے بالکل متصل ہو اس طرح کہ بیچ میں راستہ نہ ہو تو اس چھت پر سے اقتداء درست ہے اور اگر درمیان میں راستہ ہو تو اقتداء درست نہیں مگر جبکہ راستہ میں صفیں کھڑی ہو کر مسجد کی صفوں سے متصل ہو جائیں تو اس مکان کی چھت پر سے اقتداء درست ہے۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/۱۹۷)

مکان کی چھت پر اقتداء کرنے کا حکم جب کہ مکان مسجد سے متصل ہے:

سوال: اگر مکان مسجد سے متصل ہو تو اس کی چھت پر کھڑے ہو کر امام کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: جو مکان مسجد سے متصل ہے اور درمیان میں خالی جگہ بھی نہیں ہے اور امام کی تکبیرات کا علم بھی ہوتا ہے تو اقتداء جائز اور درست ہے تاہم اقتداء نہ کرنے میں احتیاط ہے، کیونکہ اتحادِ مکان نہیں پایا جاتا۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

الاقتداء في الأماكن المتصلة بالمسجدالحرام وأبوابها من خارجه صحيح إذا لم يشتبه حال الإمام عليهم لسماع أورؤية ولم يتخلل إلا الجدار كما ذكره شمس الأئمة رحمہ اللہ تعالیٰ فيمن صلى على سطح بيته المتصل بالمسجد أوفي منزله بجنب المسجد وبينه وبين المسجد حائط مقتديًا بإمام في المسجد وهويسمع التكبيرمن الإمام أومن المكبرتجوز صلاته كذا في التجنيس والمزيد. (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح: ۱۰۹، باب الامامۃ، مکۃ المکرمۃ)

طحطاوی میں ہے:

وفي حاشية الدرر للمؤلف: الصحيح اعتبار الاشتباه فقط، وقواه في الدربالنقل عن

المعتبرات خلافًا لما في الدرر، والبحر وغيرهما من اشتراط عدم اختلاف المكان، فلو اقتدى من بمنزله بمن في المسجد وان انفصل عنه صح ان لم يوجد مانع من نحو طريق، ولم يشتبه حال الإمام. (طحطاوی علی مراقی الفلاح:۲۹۳،باب الامامة،قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو: (شامی: ۱/۵۸۷۔وفتاوی رالعلوم دیوبند: ۳/۳٦۷۔ وامداد الاحکام: ۱/۵۲۷)۔ واللہ اعلم۔

مقتدی کی نماز امام کی نماز سے مختلف ہو تو اقتداء کا حکم:

سوال: اگر امام کی فجر اتوار کی ہو اور مقتدی کی فجر سنیچر کی ہو تو اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: مقتدی کا فرض امام کے فرض سے مختلف ہو تو اقتداء درست نہیں۔

ملاحظہ ہو مختصر القدوری میں ہے:

ولا من يصلي فرضًا خلف من يصلي فرضًا آخر. (مختصر القدوری:ص ٤٢،باب الجماعة،سعید)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

لأن الاقتداء شركة وموافقة فلابد من الاتحاد وسواء تغاير الفرضان أى وصفة كمن صلى ظهر امس خلف من يصلي ظهر اليوم فإنه لايجوز. (الجوهرة النيرة:۷۳)

نور الایضاح میں ہے:

وأن لايكون الإمام مصليًا فرضًا غير فرضه. وقال المحشي رحمه الله تعالى: قوله غير فرضه: مثل أن يصلي المأموم صلاة الظهر من يوم السبت والإمام من صلاة الظهر من يوم الأحد.

(نور الایضاح مع الحاشية:٧٦ باب الامامة،مجيديه)

نیز ملاحظہ ہو: (مراقی الفلاح: ۱۰۸ باب الامامة،مكة المكرمة۔امداد الفتاح:۳۳٤، باب الامامة شروط صحة الاقتداء،بيروت)۔ واللہ اعلم۔

اقتداء المعذور بالمعذور کا حکم:

سوال: اگر امام کو خروجِ ریح کا عذر ہے اور مقتدی کو سلس البول کا عذر ہے تو اقتداء درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اختلافِ عذر کے وقت اقتداء صحیح نہیں ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سلس البول والے کی اقتداء خروجِ ریح والے کے پیچھے صحیح قول کے مطابق درست نہیں؛ جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وإن اختلف لم يجز كما في الزيلعي والفتح وغيرهم، وفي السراج ما نصه: ويصلي من به سلس البول خلف مثله وأما إذا صلى خلف من به سلس البول وانفلات ريح لايجوز لأن الإمام صاحب عذرين والمؤتم صاحب عذر واحد ومثله في الجوهر ...... لكن اعترض في النهر ذلك بأنه يقتضي جواز اقتداء ذي سلس بذي انفلات وليس بالواقع لاختلاف عذرهما، وهو مبني على أن المراد بالاتحاد اتحاد العين، وهو ظاهر ما في شرح المينة الكبير وكذا صرح في الحلية بأنه لايصح اقتداء ذي سلس بذي جرح لايرقأ أو بالعكس، وقال: كما هو ظاهر المذهب، فإنه يجوز اقتداء معذور بمثله إذا اتحد عذرهما لا إن اختلف.

(شامی: ۱/۵۷۸، سعید)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله لأن مع الإمام حدثًا ونجاسةً) قال في النهر: مقتضى هذا التعليل أن يجوز اقتداء من به سلس البول بمن به انفلات ريح وليس بالواقع لاختلاف عذرهما فالأولى أي يعلل بمحض اختلاف عذرهما لايكون الإمام صاحب عذرين والمقتدي صاحب عذر واحد فتدبر. والله اعلم. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۲۴۹، باب الامامة۔ وكذا في شرح منية المصلي: ۵۱۶، سهيل اكيڈمی۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۸۴، الفصل الثالث في بيان من يعلم امامه لغيره)

دو عذر والے کے پیچھے ایک عذر والے کی اقتداء کا حکم:

سوال: اگر امام کو خروجِ ریح اور سلس البول دو عذر ہوں اور مقتدی کو صرف خروجِ ریح کا عذر ہو تو اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اقتداء جائز نہیں ہے، اس لئے کہ امام مقتدی سے ادنیٰ حال والا ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وأما إذا صلى خلف من به السلس وانفلات ريح لايجوز لأن الإمام صاحب عذرين والمؤتم صاحب عذر واحد...... (شامی: ۱/۵۷۸ باب الامامة، سعيد)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولا يجوز أن يصلي خلف من به سلس البول وانفلات ريح لأن الإمام صاحب عذرين

والمأموم صاحب عذر واحد. (الجوهرة النيرة: ٨٢، امدادية ملتان)

امداد الفتاح میں ہے:

ولايكون أدنى حالاً من المأموم كان يكون ...... معذورًا والمقتدى خاليًا عنه. والله اعلم.

(امداد الفتاح: ٣٣٣، شروط صحة الاقتداء، بيروت)

جماعتِ اعادہ میں نئے آنے والے کی اقتداء کا حکم:

سوال: ایک شخص کی نماز ترکِ واجب کی وجہ سے فاسد ہوگئی کیونکہ سجدۂ سہو نہیں کیا تھا اب اعادہ کر رہا ہے تو تین نئے آدمی جنہوں نے نماز نہیں پڑھی اس کی اقتداء کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں فقہاء کے دونوں قول مروی ہیں کہ پہلی نماز سے فرض ادا ہوا یا دوسری سے لہٰذا آسانی کے خاطر نئے آدمی کی اقتداء صحیح ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ اقتداء نہ کرے۔

امداد الفتاح میں ہے:

وإن كان تركه للشيء من الواجبات عمدًا أثم ولايسجد للسهو لأنه شرع تخفيفًا لمن سها وهذا المعتمد وجب عليه إعادة الصلاة تغليظًا عليه لجبر نقصانها إذ لايتمكن من جبره إلا بإعادتها فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولى وقيل: تكون الثانية فرضًا فهي المسقطة.

(امداد الفتاح: ١٥٥، باب سجود السهو، دار احياء التراث)

شامی میں ہے:

قوله المختار أنه أى الفعل الثاني جابر للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو وبالأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح، كذا فى شرح الأكمل على أصول البزدوى، ومقابله ما نقلوه عن أبي اليسر من أن الفرض هو الثاني، واختار ابن الهمام رحمه الله تعالى الأول قال: لأن الفرض لايتكرر، وجعله الثاني يقتضي عدم سقوطه بالأول ...... لأن كون الفرض هو الثاني دون الأول يلزم منه عدم سقوطه بالأول وليس كذلك، لأن عدم سقوطه بالأول إنما يكون بترك فرض لابترك واجب وحيث استكمل الأول......

(شامی: ١/٤٥٧، واجبات الصلاة۔ وايضًا: شامی ٢/٦٣-٦٥، باب قضاء الفوائت، سعيد)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

فى رد المحتار باب الجنائز فإذا أعادها (الولى) وقعت فرضًا مكملاً للفرض الأول من

نظير إعادة الصلاة المؤداة بكراهة فإن كلاً منهما فرضا كما حققناه في محله، اس سے ثابت ہوا کہ نو وارد کا فرض شریک ہونے سے ادا ہوگا۔ (امداد الفتاوی: ۱/ ۳٦٤، باب السهو في الصلاة)

احسن الفتاوی میں ہے:

صلاۃِ معادہ میں شریک ہونے والے کی نماز کی صحت کا قول ارجح واوسع ہے اور قولِ عدمِ صحت احوط، کثرت جماعت کی حالت میں نو وارد مقتدیوں کے لئے علم حاصل کرنا متعسر ہے کہ یہ جماعت اولیٰ ہے یا معادہ لہٰذا ایسی صورت مین قول عدم صحت میں تنگی اور حرج ظاہر ہے البتہ کسی مقتدی کو اس کا علم ہو جائے تو اس کے لئے عمل بالاحوط اولیٰ ہے۔ (احسن الفتاوی:۳/ ۳۵۲، باب الامامۃ والجماعۃ)

کفایت المفتی میں ہے:

اس نماز میں دوسرے لوگ جو پہلی جماعت میں شریک نہیں تھے شریک نہیں ہو سکتے، اگر شریک ہوں گے تو ان کے فرض ادا نہ ہوں گے۔ (کفایت المفتی :۳/ ۱۳۸، امامت و جماعت، دار الاشاعت)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول احتیاط پر مبنی ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ واللہ اعلم۔

نمازِ فجر میں شافعی کا حنفی کی اقتداء کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ فجر میں کسی شافعی نے حنفی امام کی اقتداء کی اور امام نے قنوت نہیں پڑھا تو شافعی مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نمازِ فجر میں شافعی مقتدی کی نماز حنفی امام کے پیچھے درست ہے ہاں شافعی کو چاہئے کہ قنوت پڑھے پھر سجدہ میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے اور اگر نہیں پڑھا تو سجدہ سہو کرلے لیکن سجدہ سہو بھی نہیں کیا تب بھی ایک قول کے مطابق نماز درست ہے۔

ملاحظہ ہو شرح المہذب میں ہے:

وصلى شافعي الصبح خلف حنفي ومكث الإمام بعد الركوع قليلاً وأمكن المأموم القنوت قنت وإلا تابعه وترك القنوت ويسجد للسهو على الأصح وهو اعتبار اعتقاد المأموم ولو اعتبرنا اعتقاد الإمام لم يسجد.

(شرح المهذب للامام النووي رحمه الله تعالىٰ: ٤/ ٢٩٠، باب صفة الأئمة، دار الفكر)

شرح الوجیز میں ہے:

فلو صلى الشافعي الصبح خلف حنفي، ومكث الحنفي بعد الركوع قليلاً وأمكنه أن

يقنت فيه فعل وإلاتابعه، وهل يسجد للسهو؟ إن اعتبرنااعتقاد المأموم: نعم، فإن اعتبرنا اعتقاد الإمام فلا. واللہ اعلم۔

(شرح الوجيز: ۲/۱۵٦، الفصل الثاني في صفات الأئمة، دارالكتب العلمية بيروت۔ وكذا في روضة الطالبين۔ وعمدة المفتيين: ۱/۳٤۸، باب صفة الأئمة، المكتب الاسلامي۔ وكذا في أسنى المطالب: ۲/۲۵، باب صفة الأئمة في الصلاة، دارالكتب العلمية)

امام سے پہلے تحریمہ کہنے والے کی اقتداء کا حکم:

سوال: اگر کسی نے امام سے پہلے لفظ ”الله أكبر“ کہا تو نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: مقتدی امام کی تکبیر تحریمہ سے قبل فارغ ہو جائے تو اس کی اقتداء صحیح نہیں ہوئی لہذا صورتِ مسئولہ میں بھی اس شخص کی اقتداء صحیح نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو افتتح أي كبّر مع الإمام وفرغ من قوله ”الله“ قبل فراغ الإمام من قوله ”الله“ لايصير شارعًا في الصلاة في أظهر الروايات كذا في الفتاوى ...... ولوقال ”الله“ مع قول الإمام ”الله“ أوبعده ولكن فرغ من قوله ”أكبر“ قبل فراغ الإمام من قوله ”أكبر“ فالأصح أنه لايجوز شروعه أيضًا لأنه إنما يصير شارعًا بالكل أي بمجموع ”الله أكبر“ لابقوله ”الله“ فقط فيقع الكل فرضًا وإذا كان كذلك يكون قد أوقع فرض التكبير قبل الإمام وكل فرض أوقعه قبل الإمام فهو غير معتد به فكان كأنه لم يكبّر فلا يصح شروعه.

(شرح منية المصلي: ۲٦۰، فرائض الصلاة الأول تكبيرة الافتتاح، سهيل)

امداد الفتاح میں ہے:

فإن غلب على أنه كبّر قبل الإمام لايجزئه. (امداد الفتاح: ۲۸۲ فصل في سننها، بيروت)

درمختار میں ہے:

ولا يصير شارعًا بالمبتدأ فقط كـ ”الله“ ولا بـ ”أكبر“ فقط هو المختار، فلوقال ”الله“ مع الإمام و ”أكبر“ قبله أو أدرك الإمام راكعًا فقال ”الله“ قائمًا و ”أكبر“ راكعًا لم يصح في الأصح، كما لو فرغ من ”الله“ قبل الإمام، وفي الشامي: (قوله في الأصح) أي بناء على ظاهر الرواية، وأفاد أنه كما لايصح اقتداءه لايصير شارعًا في صلاة نفسه أيضًا وهو الأصح كما في النهر

عن السراج.

(الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۴۸۰ فصل فی بیان تالف الصلاۃ، سعید۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/ ۶۸، الباب الرابع فی صفة الصلاۃ، الفصل الأول فی فرائض الصلاۃ۔ وکذا فی نفع المفتی والسائل: ۲۷۳، ما یتعلق بالقعود والرکوع والسجود والقیام، دار ابن حزم)

احسن الفتاوی میں ہے:

مقتدی نے امام کی تکبیرِ تحریمہ ختم ہونے سے پہلے تکبیر ختم کرلی تو اس کی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ تکبیرِ تحریمہ پوری ہونے کے بعد نماز شروع ہوتی ہے، تو جس نے امام کی تکبیر تحریمہ پوری ہونے سے قبل اپنی تکبیر پوری کرلی وہ امام سے پہلے نماز میں شروع ہوگیا لہذا اس کی اقتداء صحیح نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

(بحوالہ شامی)۔ احسن الفتاوی: ۳/ ۳۰۵، باب الامامة و الجماعة)

نماز ظہر میں مقیم حنفی کا مسافر شافعی کے پیچھے اقتداء کا حکم:

سوال: حنفی اگر مسافر شافعی کی اقتداء کرے نمازِ ظہر میں اور شافعی اتمام کرے تو حنفی مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کا اختلاف ہے مثلاً حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے امداد المفتیین میں تحریر فرمایا ہے کہ حنفی مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔ لیکن دوسرے بعض حضرات کے نزدیک نماز درست ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں حنفی مقتدی کی نماز صحیح ہونی چاہئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں اتمام کرتے تھے حالانکہ ان کے نزدیک قصر ضروری تھا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن إبراهيم قال: سمعت عبد الرحمٰن بن زيد يقول: صلى بنا عثمان رضي الله تعالى عنه بمنى أربع ركعات فقيل في ذلك لعبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه فاسترجع ثم قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنى ركعتين وصليت مع أبي بكر الصديق رضي الله تعالى عنه بمنى ركعتين وصليت مع عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه بمنى ركعتين فليت حظي من أربع ركعات ركعتان متقبلتان.

(رواه البخاري: ۱/ ۱۴۷/ ۱۰۷۳، باب الصلاة بمنى)

حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے معارف السنن میں تحریر فرمایا ہے ملاحظہ ہو:

قال شيخنا (مولانا أنور شاه الكشميري رحمه الله تعالىٰ): والحق أنه لاعبرة لرأى المأموم بل للإمام حيث توارثت عن السلف والقدماء كلهم الاقتداء خلف أئمة مخالفين لهم في الفروع. فالصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم والتابعون رحمهم الله تعالىٰ وكذا أئمة المتبوعين كانوا يصلون خلف إمام واحد مع أنهم مجتهدون أصحاب المذاهب والآراء في الفروع مع كثرة الاختلاف والتباين في آرائهم وأقوالهم، ولم ينقل عن أحد منهم نكير أو خلاف في ذلك. نعم هم إذا صلوا منفردين كانوا يتبعون مذاهبهم إن كانوا أهل مذهب أو يتبعون أهل المذاهب إن كانوا مقلدين لهم. (معارف السنن:۱/۱٦٠،سعيد)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فیض الباری میں فرمایا ہے کہ اقتداء جائز ہے اور نماز صحیح ہے ملاحظہ ہو:

قلت: هذه المسئلة مجتهد فيها والاقتداء في جنس هذه المسائل يجوز من واحد لآخر كما في الدر المختار عند تعديد الواجبات فصرح في ضمنه أن المتابعة تصح عندنا في الاجتهاديات كلها وأوضحه الشافعي رحمه الله تعالىٰ ونقله الحافظ ابن تيمية رحمه الله تعالىٰ عن الأئمة الأربعة قلت: فهذا باب عندنا وسيع...... وقد قدمنا الكلام فيه مبسوطًا ويدل عليه أن الخليفة هارون الرشيد افتصد مرة فقام إلى الصلاة ولم يتوضأ فاقتدى به أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ وماذلك إلا ليكون الاقتداء جائزًا ولولا ذلك لما كان أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ ليقتدى به فإنه أورع من ذلك...... (فيض الباري على صحيح البخاري:۲/۳۹٦،باب الصلاة،بمنى المكتبة العزيزية)

عمدۃ القاری میں ہے:

ويؤيده ما رواه أبو داؤد أن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه صلى أربعًا فقيل له: عبت على عثمان رضي الله تعالىٰ عنه ثم صليت أربعًا؟ فقال: الخلاف شر، وفي رواية البيهقي إني أكره الخلاف.

(عمدة القاري:۵/۳۸٠/۸٤٠۱،باب الصلاة بمنى دار الحديث ملتان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف سے بچتے ہوئے امام کے اعتقاد کے مطابق اقتداء درست ہے اور نماز بھی صحیح ہے۔

نیز علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک قول نقل فرمایا ہے کہ امام کی رائے کا اعتبار ہے ملاحظہ ہو:

وقال الهندواني وجماعة: لايجوز ورجّحه في النهاية بأنه أقيس، لأن الإمام ليس بمصل في زعمه وهو الأصل فلايصح الاقتداء به. (شامی:۲/۸،باب الوتر والنوافل،سعید)

نیز فقہاء کی عبارات سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مقتدی کے نزدیک امام ایسا عمل کررہا ہے جو مقتدی کے مذہب میں ترکِ واجب کے زمرہ میں آتا ہے تو مقتدی کی اقتداء صحیح ہوگی، جیسے مسافر امام چار رکعات پڑھائے تو مقتدی کے مذہب میں ترکِ واجب ہوا عملِ مفسد نہیں اس لئے مقتدی کی نماز ہوجاتی ہے یعنی نفل کو فرض کے ساتھ ملایا۔

اقتداء بالمخالف کے سوال کے جواب میں امداد الفتاوی میں مذکور ہے:

امرِ اول: اس لئے کہ اس مسئلہ میں منجملہ اقوالِ مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے جو درمختار میں بحر سے نقل کی ہے: ''بقوله أن يتقن المراعات لم يكره أو عدمها لم يصح وإن شك كره'' اور جس کی ترجیح ردالمختار میں حلبی سے نقل کی ہے: ''بقوله هذا هو المعتمد لأن المحققين جنحوا إليه وقواعد المذهب شاهدة عليه الخ'' البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں مؤول ومقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلافِ اولیٰ ہے، تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور واعراض عن الجماعۃ وغیرہ کے میسر ہو: ومبنى التأويل ما نقله في رد المحتار عن حاشية الرملي على الأشباه: الذي يميل إليه خاطري القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد. ووجه التقييد ظاهر. نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں۔ كما في رد المحتار أي المراعات في الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع في الواجبات والسنن كما هو ظاهر سياق كلام البحر وظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الإجماع إنما اختلف في الكراهة. قلت: في التمثيل بالشافعي الذي الأصل فيه عدم التعصب...... (امداد الفتاوی:۱/۲۵۱)

لہٰذا مقتدی کی نماز امام کے پیچھے اس وقت صحیح ہوگی جبکہ مقتدی کے نزدیک امام مفسداتِ صلوٰۃ کا ارتکاب نہیں کررہا ہے، اور اگر مقتدی کے نزدیک امام مفسداتِ صلوٰۃ کا ارتکاب کررہا ہو تو اقتداء جائز نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

مسافر امام کے پیچھے بقیہ نماز میں قراءت کا حکم:

سوال: اگر مقیم نے مسافر کے پیچھے دو رکعت پڑھی پھر اپنی بقیہ دو رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا تو اب ان دونوں رکعتوں میں قراءت کرے گا یا نہیں؟

الجواب: بعض کتبِ فقہ میں عدمِ قراءت والا قول مرقوم ہے، البتہ دیگر بعض کتب کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منفرد کی طرح ہے لہٰذا قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ قراءت مستحب ہونی چاہئے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولا قراءة على المقتدى فى بقية صلاته إذا كان مدركًا، أى لا يجب عليه لأنه شفع أخير فى حقه ومن مشائخنا من قال: ذكر فى الأصل ما يدل على وجوب القراءة فإنه قال: إذا سها يلزمه سجود السهو. (بدائع الصنائع:۱/۲۷۷، صلاة المسافر،سعيد)

شرح النقایہ میں ہے:

إذا سلم المسافر أتم المقيم منفردًا لأنه التزم الموافقة فى الركعتين فصار كالمسبوق فى التزام بعض الصلاة مع الإمام وأداء باقيها منفردًا فيقرأ وقيل: لا يقرأ لأنه لاحق أدرك أول الصلاة. (شرح النقاية:۲/۲۸۴، صلاة المسافر)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله فى الأصح) وقال الحلوانى: يقرأ، قهستانى. (طحطاوى على الدر: ۱/۳۳۵)

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوى قاضى خان على هامش الهندية:۱/۱۶۹۔والفتاوى الهندية:۱/۱۴۳۔والشامى: ۲/۱۲۹، سعيد۔والبحر الرائق:۲/۱۳۵۔والهداية مع الفتح: ۲/۴۰)۔ واللہ اعلم۔

جنات کے پیچھے اقتداء کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص جنات کے پیچھے اقتداء کرے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر جنات انسانی شکل میں ہے تو اس کے پیچھے اقتداء درست ہے اور نماز صحیح ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو علامہ بدر الدین شبلی الحنفی اپنی کتاب "آكام المرجان فى أحكام الجان" میں تحریر فرماتے ہیں:

نقل ابن أبى الصيرفى الحرانى الحنبلى فى قواعده عن شيخه أبى البقاء العسكرى الحنبلى أنه سئل عن الجنى هل تصح الصلاة خلفه؟ فقال نعم لأنهم مكلفون والنبى ﷺ مرسل إليهم. والله أعلم. (آكام المرجان فى غرائب الأخبار وأحكام الجان:ص ۶۲،الباب السادس والعشرون فى بيان هل تصح الصلاة خلف الجنى، آرام باغ كراچى)

انسانی شکل میں ہونا اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بغیر حرکات وسکنات کا پتہ چلنا مشکل ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وتصح إمامة الجنى أشباه ...... وفى الشامى:(قوله وتصح إمامة الجنى)لأنه مكلف ...... (قوله أشباه) ...... إنما يستلزم أحكامها إذا كانوا على صورة ظاهرة ولهذا لو جامع امرأة ووجدت لذة لا يلزمها الاغتسال كما فى الخانية إلا إذا أنزلت كما فى الفتح أو جاءها على

صورة آدمي كما في الحلية وكذا يقال في إمامة الجني. والله أعلم.

(الدر المختار مع الشامي: ١/٥٥٤، باب الامامة، سعيد)

نیز جنات کے ذبیحہ کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انسانی شکل کی قید لگائی ہے۔

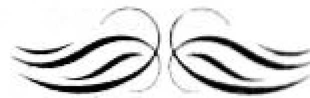
ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله وجني) لما في الملتقط "نهى رسول الله عن ذبائح الجن" أشباه، والظاهر أن ذلك محله ما لم يتصور بصورة الآدمي ويذبح وإلا فتحل نظرًا إلى ظاهر الصورة ويحرر.

(شامی: ٦/٢٩٨ کتاب الذبائح، سعید۔ وكذا في الطحطاوي: ٤/١٥٢، كتاب الذبائح، العربية كوئٹہ)

نیز ملاحظہ ہو:

("الأشباه والنظائر للعلامة ابن نجيم الحنفي رحمه الله تعالى: ٢/٩٦، أحكام الجان، ادارة القرآن كراچی۔ وكذا في الأشباه والنظائر للسيوطي رحمه الله تعالى: ٢/٦٦، القول في أحكام الجان، الثالث: هل تنعقد الجماعة بالجن، دار الكتب العلمية۔ وكذا في مجموعة الرسائل اللكنوي: تدوير الفلك في حصول الجماعة بالجن والملك، الفصل الأول في حصول الجماعة بالجن: ١/٣٧٢، ادارة القرآن كراچی۔ وفتاوى اللكنوي: ص٣٢٥، بيروت")۔ **والله اعلم۔**



فصلِ ہفتم

مسبوق اور لاحق کے احکام

امام کے سلام پھیرتے وقت مسبوق نے تحریمہ کہی تو اقتداء کا حکم:

سوال: ایک شخص امام کے سلام پھیرتے وقت شاملِ نماز ہوا یا اس سے پہلے لیکن قعدہ میں بیٹھنے سے قبل امام نے سلام پھیر دیا تو اس شخص کی اقتداء صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور صحیح نہ ہو تو نیت توڑے گا یا سابقہ نماز جاری رکھے گا؟

الجواب: مسبوق مقتدی نے امام کے سلام سے پہلے تحریمہ کہی تو اقتداء صحیح ہوگی اور اگر امام نے ایک جانب سلام پھیر دیا اس کے بعد تحریمہ کہی تو اقتداء صحیح نہیں ہوئی، اب یہ شخص نئی تحریمہ کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھے۔

شامی میں ہے:

(قوله وتنقضي قدوة بالأول) أي بالسلام الأول، قال في التجنيس: الإمام إذا فرغ من صلاته فلما قال: السلام جاء رجل واقتدى به قبل أن يقول عليكم لايصير داخلاً في صلاته.

(شامي: ۱/۴٦۸ واجبات الصلاة، سعيد۔ وكذافي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۲۵۱، فصل في بيان واجبات الصلاة، قديمي)

درمختار میں ہے:

وإذا فسد الاقتداء بأي وجه كان لايمنع شروعه في صلاة نفسه لأنه قصد المشاركة وهي غير صلاة الانفراد على الصحيح، محيط، وادعى في البحر أنه المذهب.

(الدر المختار: ۱/۵۸۲، باب الامامة، سعيد)

بدائع الصنائع میں ہے:

الاقتداء عبارة عن المتابعة والشركة فيقتضي المساواة. (بدائع الصنائع: ۱/۱۲۸، سعيد)

کفایۃ المفتی میں ہے:

جب مسبوق مقتدی نے امام کے سلام سے پہلے امام کی نماز میں شریک ہونے کی نیت سے تکبیر تحریمہ ادا کر لی تو وہ امام کی نماز میں داخل ہو گیا صحتِ اقتداء کے لئے تحریمہ بہ نیت اقتدا کہنا کافی ہے اقتدا کی صحت صرف نیت

اقتداء کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہنے سے ہوجاتی ہے، پس اگر مقتدی کے بیٹھنے سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی اسی تحریمہ سے مسبوق کی طرح نماز ادا کرے۔ (کفایت المفتی: ۳/ ۴۳۸، کتاب الصلاۃ، دار الاشاعت)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اقتداء بعد لفظ السلام: یہ اقتداء صحیح نہیں ہوئی۔ (فتاوی محمودیہ: ۶/ ۵۴۷، باب المسبوق واللاحق، جامعہ فاروقیہ)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

امام کے سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ دی ہے تو جماعت میں شامل ہونے والا شمار ہوگا۔ تکبیر تحریمہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور امام نے لفظ السلام کہا علیکم نہیں بولا اور کسی نے اقتداء کی یہ اقتداء معتبر نہیں ہے دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرے۔ بحوالہ شامی۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/ ۲۰۵ مزید وضاحت: ۵/ ۱۳۵)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۳/ ۲۷۰، باب الامامۃ والجماعۃ۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: ۳/ ۶۹، باب الامامۃ، مدلل ومکمل، دار الاشاعت۔ وامداد الاحکام: ۱/ ۵۴۹ فصل فی المسبوق واللاحق، مکتبہ دار العلوم کراچی)۔ واللہ اعلم۔

مسبوق کا امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیر دینا:

سوال: مسبوق اگر امام کے ساتھ بھول کر سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مسبوق نے امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیرا یا امام کے سلام سے پہلے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور اگر امام کے سلام کے بعد سلام پھیرا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہے اور عامۃً امام کے بعد ہی سلام پھیرتے ہیں لہٰذا سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

درمختار میں ہے:

ولو سلم ساهيًا إن بعد إمامه لزمه السهو وإلا لا ...... وفي الشامي: (قوله وإلا لا) أي وإن سلم معه أو قبله لايلزمه لأنه مقتد في هاتين الحالتين، وفي شرح المنية عن المحيط: إن سلم في الأولى مقارنًا لسلامه فلا سهو عليه لأنه مقتد به، وبعده يلزم لأنه منفرد ثم قال: فعلى هذا يراد بالمعية حقيقتها وهو نادر الوقوع، قلت: يشير إلى أن الغالب لزوم السجود لأن الغالب عدم المعية وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس فليتنبه له.

(الدر المختار مع الشامي: ۱/ ۵۵۹، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي: ۱/ ۲۵۵)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولا یسلم مع سلام الإمام لأن هذا السلام للخروج عن الصلاة وقد بقي علیه أركان الصلاة فإذا سلم مع الإمام فإن كان ذاكرًا لما علیه من القضاء فسدت صلاته لأنه سلام عمد وإن لم یكن ذاكرًا له لاتفسد لأنه سلام سهو فلم یخرجه عن الصلاة وهل یلزمه سجود السهو لأجل سلامه ینظر إن سلم قبل تسلیم الإمام أو سلما معًا لایلزمه لأن سهوه سهو المقتدي وسهو المقتدي متعطل وإن سلم بعد تسلیم الإمام لزمه لأن سهوه سهو المنفرد فیقضي ما فاته ثم یسجد للسهو في آخر صلاته. واللہ اعلم۔ (بدائع الصنائع: ۱/۱۷۶، سعید)

امام کی پانچویں رکعت میں مسبوق مقتدی کی اقتداء کا حکم:

سوال: امام اگر غلطی سے پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور ایک شخص نے آ کر اس کی اقتداء کی تو درست ہے یا نہیں؟ نیز امام واپس آ گیا اور قعدہ میں بیٹھ گیا تو کیا حکم ہے؟ اور اگر واپس نہیں آیا اور چھٹی رکعت بھی ملالی تو کیا حکم ہے؟

الجواب: پانچویں رکعت میں مسبوق مقتدی کی اقتداء اس وقت صحیح اور درست ہے جبکہ امام واپس آ جائے پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے اور اگر امام نے چھٹی رکعت ملالی تو مسبوق مقتدی کی اقتداء صحیح اور درست نہیں اس لئے کہ اس صورت میں "اقتداء المفترض خلف المتنفل" ہوگی اور یہ فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اکثر کتب میں تفصیل ہے کہ چوتھی رکعت کا قعدہ نہیں کیا تھا تو واپس آنے پر بھی اقتداء صحیح نہیں ہے لیکن قاضی خان میں یہ تفصیل نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

إذا صلى الإمام الظهر أربع ركعات وقعد على الرابعة وقام إلى الخامسة ساهيًا وجاء إنسان واقتدى به في صلاة الظهر قال الشيخ الإمام أبوبكر بن الفضل رحمه الله تعالى: یصح اقتداء الرجل لأن الإمام ما لم یقید الخامسة بالسجدة یكون في تحریمة تلك الصلاة.

(فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة: ۱/۱۰۲، فصل في المسبوق)

البحر الرائق میں ہے:

وفي السراج الوهاج: إذا قعد في الرابعة قدر التشهد وقام إلى الخامسة ساهيًا واقتدى به رجل لا یصح اقتداؤه ولو عاد إلى القعدة لأنه لما قام إلى الخامسة فقد شرع في النفل فكان اقتداء المفترض بالمتنفل ولو لم یقعد مقدار التشهد صح الاقتداء لأنه لم یخرج من الفرض

قبل أن يقيدها بسجدة.

(البحر الرائق: ۲/۱۰۵، باب سجود السهو، الماجديه كوئٹه۔ وكذا في الشامي: ۲/۸۸، باب سجود السهو، سعيد۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر: ۱/۳۱٤، باب سجود السهو)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

امام اگر چوتھی رکعت میں بقدر تشہد بیٹھ کر سہواً کھڑا ہو گیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو چھٹی رکعت ملا لے اور سجدہ سہو کر لے فرض اس کے پورے ہو گئے۔ اگر کوئی شخص پانچویں یا چھٹی رکعت میں اس امام کا مقتدی ہوا تو مقتدی کی نماز نہ ہوگی کیونکہ امام کی دو رکعت نفل ہیں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند: مدلل ومکمل: ۴/۴۱۰، مسائل سجدہ سہو، دار الاشاعت)

مسبوق فوت شدہ نماز کے لئے کب کھڑا ہوگا؟

سوال: مسبوق امام کے سلام اول کے بعد کھڑا ہوگا یا سلام ثانی کے بعد؟

الجواب: مسبوق کو فوت شدہ نماز کے لئے اس وقت کھڑا ہونا چاہئے جبکہ اس کو یقین ہو جائے کہ امام نماز سے فارغ ہو چکا ہے اور اس کے ذمہ کچھ باقی نہیں ہے، اور عامۃً یہ سلام ثانی کے وقت ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو تبیین الحقائق کے حاشیہ میں ہے:

ثم إذا سلم الإمام لايعجل بالقيام وينظر هل يشتغل الإمام بقضاء ما نسيه فإذا تيقن فراغه يقوم إلى قضاء ما سبق ولايسلم مع الإمام، وفيه حكاية وهي أن أبايوسف رحمه الله تعالى كان على مائدة الرشيد فقال لزفر رحمه الله تعالى ما تقول يا أبا هزيل متى يقوم المسبوق إلى قضاء ما سبق به فقال زفر: بعد سلام الإمام فقال له أبويوسف رحمه الله تعالى: أخطأت فقال زفر رحمه الله تعالى: بعد ما يسلم تسليمة فقال: أخطأت فقال زفر رحمه الله تعالى: قبل سلام الإمام فقال: أخطأت، ثم قال أبويوسف رحمه الله تعالى: إنما يقوم بعد تيقنه أن الإمام فرغ من صلاته فقال زفر رحمه الله تعالى: أحسنت أيد الله القاضي.

(حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۱/۱۲٤، فصل في بيان الشروع في الصلاة، امداديه)

امداد الفتاح میں ہے:

وفي المحيط وغيره: ينبغي للمسبوق أن يمكث ساعة بعد فراغ الإمام ثم يقوم لجواز أن

یکون علی الإمام سهوًا لیتابعه فیه انتهی.

(امداد الفتاح: ٥١٤، باب سجود السهو۔ و کذافی مراقی الفلاح علی حاشیة الطحطاوی: ٤٦٤، باب سجود السهو، قدیمی کتب خانه۔ وهکذا فی البحرالرائق: ٢/١٠٠، باب سجود السهو، الماجدیه)

احسن الفتاوی میں ہے:

مسبوق امام کے دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد بھی اتنا تاخیر سے اٹھے کہ امام کے ذمہ سجدہ سہو نہ ہونا معلوم ہوجائے۔ **قال فی الهندیة: و ینبغی للمسبوق أن یمکث ساعة بعد سلام الإمام لجواز أن یکون علی الإمام سهو، عالمکیری. والله اعلم.** (احسن الفتاوی: ٣/٣٧٧، باب المسبوق واللاحق)

مسبوق کا امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں عمداً سلام پھیرنا:

سوال: اگر مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں عمداً سلام پھیر دے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی اگر عمداً سلام پھیر دیا، ورنہ فاسد نہیں ہوگی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله والمسبوق یسجد مع إمامه) قید فی السجود لأنه لایتابعه فی السلام بل یسجد معه ویتشهد فإذا سلم الإمام قام إلی القضاء فإن سلم فإن کان عامدًا فسدت وإلا لا.

(شامی: ٢/٨٢، باب سجود السهو، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومنها أن یتابع الإمام فی السهو ولایتابعه فی التسلیم والتکبیر والتلبیة فإن تابعه فی التسلیم والتکبیر فسدت. (الفتاوی الهندیة: ١/٩٢)

البحرالرائق میں ہے:

ثم المسبوق إنما یتابع الإمام فی السجود لافی السلام فیسجد معه ...... فإن سلم فإن کان عامدًا فسدت وإلا فلا. (البحر الرائق: ٢/١٠٠، باب سجود السهو، الماجدیه)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

مسبوق کا امام کے ساتھ سجدہ سہو تو کرنا ضروری ہے لیکن سجدہ سہو کے لئے سلام میں امام کا اتباع ناجائز ہوتا ہے، اگر قصداً امام کے ساتھ سلام پھیرے گا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی اور سہوا پھیرنے سے فاسد نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ: ٦/٥٥٦، باب المسبوق واللاحق، جامعہ فاروقیہ)

مسبوق کی اقتداء کا حکم:

سوال: امام کے سلام کے بعد مسبوق بقیہ نماز پڑھ رہا تھا ایک شخص نے آ کر اس کی اقتداء کرلی تو یہ اقتداء صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: مسبوق واجب الانفراد ہوتا ہے امام نہیں بن سکتا ہے لہذا صورتِ مسئولہ میں یہ اقتداء صحیح نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

فمن جملة أحكام المسبوق ما ذكروا من جملتها أنه فيما يقضى كالمنفرد إلا فى أربع مسائل إحداهما لايجوز اقتداء ه و لا الاقتداء به لأنه بان من حيث التحريمة. والله اعلم.

(شرح منية المصلى: ۴۳۷، سهيل اكيڈمى۔ والفتاوى الهندية: ۱/۹۲۔ والشامى: ۱/۵۹۷، سعيد۔ وفتاوى قاضى خان على هامش الهندية: ۱/۱۰۱)

مسبوق کا دوسرے مسبوق کو دیکھ کر فوت شدہ نماز پوری کرنا:

سوال: ایک مسبوق اپنی فوت شدہ رکعات اکثر بھول جاتا ہے اور جب ادا کرتا ہے تو اپنے قریب والے کو دیکھ کر اپنی فوت شدہ رکعات پوری کرتا ہے تو اس طرح کرنے سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: دوسرے مسبوق کو دیکھ کر نماز پڑھنا درست ہے، لیکن اس کی اقتداء کرنا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

أما لو نسى أحد المسبوقين المتساوين كمية ما عليه فقضى ملاحظًا للآخر بلا اقتداء به صح. (فتح القدير: ۱/۳۹۰، باب الحدث فى الصلاة، دارالفكر۔ و كذافى البحرالرائق: ۱/۳۷۸، باب الحدث فى الصلاة، كوئٹہ)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

إذا قضى المسبوقان ملاحظًا أحدهما الآخر ليعلم عدد ماعليه من فعله، فلابأس به.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۲۹۲، باب الامامة، قديمى۔ و كذا فى الدرالمختار مع الشامى: ۱/۵۹۷، باب الامامة، سعيد۔ و كذا فى الفتاوى الهندية: ۱/۹۲، الفصل السابع)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی رحیمیہ: ۱/۱۳۷، مکتبہ رحیمیہ۔ وفتاوی محمودیہ: ۶/۵۶۴، باب المسبوق واللاحق، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

مسبوق کا فوت شدہ رکعات میں جہر کرنا:

سوال: کیا مسبوق کے لئے جائز ہے کہ فجر کی نماز میں فوت شدہ رکعت ادا کرتے وقت جہر کرے؟

الجواب: مسبوق فوت شدہ رکعت میں منفرد کے حکم میں ہے اور منفرد کو جہری نماز میں اختیار ہے لہذا مسبوق کو بھی اختیار ہے کہ جہری نماز کی فوت شدہ رکعت جہر سے ادا کرے، بشرطیکہ دوسرے مسبوقین کی نماز میں خلل نہ ہو۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قوله (كمن سبق ركعة من الجمعة) أى أنه إذا قام ليقضيها لايلزمه المخافتة بل له أن يجهر فيها ليوافق القضاء الأداء. (شامی: ۱/۵۳٤، فصل فی القراءۃ،سعید)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمسبوق وهومن سبقه الإمام بكلها أوبعضها وحكمه أنه يقضى أول صلاته فى حق القراءة وآخرها فى حق القعدة وهومنفرد فيما يقضيه.

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۰۹، فصل فيما يفعله المقتدی)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله كمن سبق بركعة من الجمعة) والمغرب والعشاء والفجر كذلك لأن المسبوق منفرد فى الأقوال.

(طحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲۳٤، فصل يجهرالامام۔وكذا فی امداد الفتاح: فصل فی واجبات الصلاۃ۔وفی الفتاوی الهندية: ۱/۷۲، واجبات الصلاۃ)

در مختار میں ہے:

والمسبوق من سبقه الإمام بها أوببعضها وهومنفرد حتى يثنى ويتعوذ ويقرأ.

(الدر المختار: ۱/۵۹٦،سعید)

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

فجر میں مسبوق بقیہ رکعت قراءت جہری سے پوری کرے تو یہ درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند: ۳/۳۸۹ مدلل ومکمل)

واللہ اعلم۔

مسبوق نمازِ مغرب میں فوت شدہ دو رکعت کس طرح پوری کرے؟

سوال: مغرب کی نماز میں کسی کی دو رکعت چھوٹ گئی تو ادا کرتے وقت دو رکعات کے درمیان قاعدہ کرے گا یا نہیں کریگا اور اگر نہیں کیا تو سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مغرب کی فوت شدہ دو رکعات کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں میں قراءت بھی کرے اور دونوں کے درمیان قاعدہ بھی کرے لیکن اگر قاعدہ نہیں کیا تو بھی استحسانا جائز ہے اور نماز صحیح ہے نہ سجدہ سہو لازم ہے اور نہ اعادہ لازم ہے۔

مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن جندبًا ومسروقًا أدركا ركعة يعني من صلاة المغرب فقرأ جندب ولم يقرأ مسروق خلف الإمام فلما سلم الإمام قاما يقضيان فجلس مسروق في الثانية والثالثة وقام جندب في الثانية ولم يجلس فلما انصرف تذاكرا ذلك فأتيا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال: كل قد أصاب أوقال: كل قد أحسن واصنع كما يصنع مسروق. رواه الطبراني في الكبير بأسانيد بعضها ساقط منه رجل وفي هذه الطريق جابر الجعفي والأكثر على تضعيفه۔

(مجمع الزوائد: ۸۶/۲، باب فيما يدرك مع الامام وما فاته، دار الفكر)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لوأدرك مع الإمام ركعة من المغرب فإنه يقرأ في الركعتين الفاتحة والسورة ويقعد في أوليهما لأنها ثنائية ولولم يقعد جاز استحسانًا لاقياسًا ولم يلزمه سجود السهو لوسهواً لكونها أولىٰ من وجه. (شرح منية المصلى: ٤٦٨، فصل في سجود السهو، سهيل)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمسبوق وهو من سبقه الإمام بكلها أوبعضها وحكمه أنه يقضي أول صلاته في حق القراءة وآخرها في حق القعدة وهو منفرد فيما يقضيه. واللہ اعلم۔

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٣٠٩، فصل فيما يفعل المقتدي۔ وكذا في الشامي: ٥٩٧/١، باب الإمامة، سعيد)

مقیم مسبوق مسافر کے پیچھے کس طرح نماز پوری کرے؟

سوال: مسبوق مقتدی مسافر امام کے پیچھے آخری تشہد میں شریک ہوا تو نماز کیسے پوری کرے؟

الجواب: اس مسئلہ میں ہمارے اکابر کا اختلاف رہا ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ مسافر امام کی

فراغت کے بعد لاحق مسبوق ہے پس پہلی دو رکعتیں بلا قراءت ادا کرے گا کیونکہ یہ لاحق ہے، اور تیسری رکعت قراءت کے ساتھ ادا کرے گا یہی جواب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دیوبند نے تحریر فرمایا ہے اس پر شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے دستخط ہیں، یہ حضرات شامی کی عبارت سے استدلال فرماتے ہیں: ومقيم ائتم بمسافر قوله ومقيم أى فهو لاحق بالنظر للأخيرتين وقد يكون مسبوقاً أيضا كما إذا فات أول صلاة إمامه المسافر.

(شامي: ١/٥٩٤، أحكام المسبوق و اللاحق)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے یہ شخص صرف مسبوق ہے لاحق نہیں ہے لہٰذا امام کے فارغ ہونے کے بعد پہلی رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھ لے اور آخری دو رکعتوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں مفصل فتویٰ تحریر فرمایا ہے جس کی تفصیلات اور دلائل فتاویٰ خلیلیہ: ص۹۹۔۱۱۳ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

دلائل میں سے کچھ حسب ذیل درج ہیں:

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن كان الإمام مسافرًا والقوم مقيمين ومسافرين صلى الإمام بالطائفة الأولىٰ ركعة ثم انصرفوا بإزاء العدو وجاء ت الطائفة الثانية وصلى بهم ركعة فمن كان مسافرًا خلف الإمام بقي إلى تمام صلاته ركعة ومن كان مقيما بقي إلى تمام صلاته ثلاث ركعات ثم ينصرفون بإزاء العدو وترجع الطائفة الأولىٰ إلى مكان الإمام فمن كان مسافرًا يصلي ركعة بغير قراء ة لأنه مدرك أول الصلاة ومن كان مقيمًا يصلي ثلاث ركعات بغير قراء ة في ظاهر الرواية فإذا أتمت الطائفة الأولىٰ صلاتهم ينصرفون بإزاء العدو وتجيء الطائفة الثانية إلى مكان صلاتهم فمن كان مسافرًا يصلي ركعة بقراء ة لأنه مسبوق ومن كان مقيمًا يصلي ثلاث ركعات الأولىٰ بفاتحة الكتاب وسورة لأنه كان مسبوقاً فيها وفي الأخريين بفاتحة الكتاب على الروايات كلها. (الفتاوى الهندية: ١/١٥٥، الباب العشرون في صلاة الخوف، بلوچستان)

شامی میں ہے:

(قوله والمقيم) ذكر في البحر أن المقيم المقتدي بالمسافر كالمسبوق في أنه يتابع الإمام في سجود السهو ثم يشتغل بالإتمام، وأما إذا قام إلى إتمام صلاته وسها فذكر الكرخي: أنه كاللاحق فلا سجود عليه بدليل أنه لا يقرأ، وذكر في الأصل: أنه يلزمه

السجود وصححه في البدائع لأنه إنما اقتدى بالإمام بقدر صلاة الإمام، فإذا انقضت صار منفردًا وإنما لايقرأ فيما يتم لأن القراءة فرض في الأوليين وقد قرأ الإمام فيهما.

(شامي: ۸۳/۲، باب سجود السهو۔ وفي الشامي أيضا: ۵۹۴/۱، أحكام المسبوق)

محقق علماء نے حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتوے کو اختیار فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں مسافر امام کے پیچھے تشہد میں شریک ہونے والا مقیم مقتدی صرف مسبوق کے حکم میں ہے لہٰذا یہ مقتدی اقتداء سے علیحدہ ہوکر منفرد ہوجائے گا، اب اس کو چاہئے کہ پہلی دو رکعات سورۂ فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے، اور آخری دو رکعت میں صرف فاتحہ پڑھے اور دو رکعات پر قعدہ بھی کریگا۔

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (فتاوی خلیلیہ: ۱/۹۹-۱۱۳، فصل فی حکم اللاحق والمسبوق، مکتبۃ الشیخ۔ واحسن الفتاوی: ۳/۳۸۶-۳۹۷، باب المسبوق)۔ واللہ اعلم۔

مسافر امام کے پیچھے مقیم مسبوق کس طرح نماز پوری کرے؟

سوال: مسبوق مقتدی مسافر امام کے پیچھے نمازِ ظہر میں دوسری رکعت میں شریک ہوا تو بقیہ نماز کیسے پوری کرے؟

الجواب: یہ مسئلہ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے البتہ محققین کے نزدیک مقیم مقتدی اقتداء سے علیحدہ ہوکر منفرد ہوجائے گا، لہٰذا مسبوق کی طرح تینوں رکعات ادا کرے گا پہلی رکعت قراءتِ فاتحہ و سورۃ کے ساتھ ادا کرے گا اور قعدہ کرے گا اور آخری دو رکعات صرف فاتحہ کے ساتھ ادا کرے اور دونوں کے درمیان قعدہ نہ کرے۔

درمختار میں ہے:

والمسبوق من سبقه الإمام بها أو ببعضها وهو منفرد حتى يثني ويتعوذ ويقرأ وإن قرأ مع الإمام لعدم الاعتداد بها لكراهتها مفتاح السعادة. فيما يقضيه أي بعد متابعته لإمامه، ويقضي أول صلاته في حق قراءة وآخرها في حق تشهد، وفي الشامي قوله يقضي أول صلاته في حق قراءة.

(الدر المختار مع الشامي: ۵۹۶/۱، باب الامامة، سعيد)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية، باب صلاة الخوف۔ وفتاوى خليلية: ۹۹/۱-۱۱۳۔ واحسن الفتاوى: ۳۸۶/۳، کمامر)۔ واللہ اعلم۔

لاحق کی نماز کا طریقہ:

سوال: ایک شخص کا دوسری رکعت میں وضوٹوٹ گیا اور جب وضو کرنے گیا تو دو رکعتیں نکل گئیں، اب امام کے سلام کے بعد نماز کیسے ادا کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں وضو کرنے کے بعد اسے فوت شدہ نماز بلاقراءت پڑھنی چاہئے جو حدث کی وجہ سے فوت ہو چکی تھی، پھر اگر امام نماز میں ہو تو اس کے ساتھ شریک ہو جائے ورنہ اکیلا اپنی نماز پوری کرے۔

درمختار میں ہے:

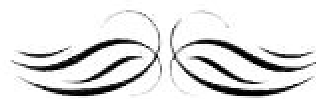
واللاحق من فاتته الركعات كلها أو بعضها لكن بعد اقتدائه بعذر ...... وحكمه كمؤتم فلا يأتي بقراءة ...... ويبدأ بقضاء مافاته عكس المسبوق ثم يتابع إمامه إن أمكنه أدراكه و إلا تابعه.

وفي الشامي: ففي شرح المنية: وحكمه أن يقضي مافاته أولاثم يتابع الإمام إن لم يكن قد فرغ. وفي النتف: إذا توضأ ورجع يبدأ بما سبقه الإمام به ثم إن أدرك الإمام في شيء من الصلاة يصليه معه. وفي البحر: وحكمه أنه يبدأ بقضاء مافات بالعذر ثم يتابع الإمام إن لم يفرغ وهذا واجب لاشرط، حتى لوعكس يصح، فلو نام في الثالثة واستيقظ في الرابعة فإنه يأتي بالثالثة بلا قراءة، فإذا فرغ منها صلى مع الإمام الرابعة، وإن فرغ منها الإمام صلاها وحده بلا قراءة أيضا، فلو تابع الإمام ثم قضى الثالثة بعد سلام الإمام صح وأثم، ومثله في الشرنبلالية وشرح الملتقى للباقاني. وهذا العمل مما أغفل التنبيه عليه جميع محشي هذا الكتاب، والحمدلله ملهم الصواب.

(الدرالمختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۹۵، أحكام المسبوق واللاحق، سعيد۔ و كذا في الفتاوى الهندية: ۱/ ۹۲، الفصل السابع في المسبوق واللاحق)

احسن الفتاوی میں ہے:

لاحق اولاً فوت شدہ رکعات ادا کرے اس کے بعد اگر امام کو نماز میں پالے تو اس کے ساتھ شریک ہو جائے ورنہ تنہا ادا کرے۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۳۸۰، باب المسبوق واللاحق۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۱۹۳، باب المسبوق واللاحق)۔ واللہ اعلم۔



فصلِ ہشتم
حدث اور استخلاف کے مسائل

سلامِ اول کے بعد امام کو حدث لاحق ہو تو استخلاف کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو ایک سلام پھیرنے کے بعد حدث لاحق ہوا تو اس کی نماز پوری ہوئی یا نہیں یا وضو کر کے واپس آ کر دوسرا سلام پھیرے اور اگر امام ہے تو کیا حکم ہے کسی کو خلیفہ بنائے گا یا نہیں؟

الجواب: سلامِ ثانی اصح قول کے مطابق واجب ہے لہٰذا شخص مذکور وضو کر کے واپس آئے اور دوسرا سلام پھیرے اور اگر امام ہے تو خلیفہ بنائے۔

درمختار میں ہے:

ولفظ السلام مرتين فالثاني واجب على الأصح. (الدر المختار: ۱/۴۶۸، واجبات الصلاة)

طحطاوی میں ہے:

ويجب لفظ السلام مرتين وهو الأصح.

(طحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۲۵۱، واجبات۔ وکذا فی بدائع الصنائع: ۱/۱۹۴، سعید)

درمختار میں ہے:

سبق الإمام حدث ..... ولو بعد التشهد ليأتي بالسلام استخلف. وفي الشامي: قوله ليأتي بالسلام: قال ابن الكمال: صرح بذلك في الهداية وهذا صريح في أنه لاخلاف للإمامين هنا إذ لاخلاف لهما في وجوب التسليم، وقوله استخلف: أشار إلى أن الاستخلاف حق الإمام.

(الدر المختار مع الشامي: ۱/۶۰۰ باب الاستخلاف، سعيد)

وفي تقريرات الرافعي:

قوله وقد يجاب الخ: يبعد هذا الجواب تعليل ابن ملك للوجوب بقوله صيانة الخ فإنه يدل على التعميم. (التحرير المختار للرافعي على الشامي: ۱/۷۸ باب الاستخلاف، سعيد)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی قاضی خان: ۱/۱۱۵، فصل فی الاستخلاف)۔ واللہ اعلم۔

امام کے استخلاف کے بغیر کسی مقتدی کا از خود خلیفہ بننا:

سوال: اگر کسی امام کا وضو ٹوٹ گیا اور چلا گیا پھر از خود ایک آدمی دوسری یا تیسری صف سے آیا اور نماز پوری کردی تو نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟

الجواب: اگر مقتدی امام کے مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے امام کی جگہ پر آگیا اور نماز پوری کردی تو نماز صحیح ہوگئی، جو بھی عمل کثیر ہوا وہ اصلاحِ صلاۃ کے لئے تھا اس لئے مفسد نہیں ہے ہاں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ استدبارِ قبلہ لازم نہ آئے ورنہ نماز فاسد ہوجائے گی۔

فتاوی قاضی خان میں ہے:

وإن تقدم رجل من غير تقديم أحد وقام مقام الأول قبل أن يخرج الإمام من المسجد جاز، ولو خرج الإمام من المسجد قبل أن يصل هذا الرجل إلى المحراب ويقوم مقامه فسدت صلاة الرجل والقوم ولا تفسد صلاة الإمام الأول.

(فتاوی قاضیخان علی هامش الهندية: ١/١١٥، فصل في الاستخلاف)

شامی میں ہے:

وإن قدم القوم واحدا أو تقدم بنفسه لعدم استخلاف الإمام جاز إن قام مقام الأول قبل أن يخرج من المسجد ولو خرج فسدت صلاة الكل دون الإمام.

(شامی: ١/٦٠١، باب الاستخلاف، سعيد۔ والفتاوى التاتارخانية: ١/٥٨٤، ادارة القرآن)

شامی میں ہے:

ويفسد كل عمل كثير ليس من أعمالها ولا لإصلاحها (قوله ولا لإصلاحها) خرج به الوضوء والمشي لسبق الحدث فإنهما لا يفسدانها. واللّٰه اعلم. (شامی: ١/٦٢٤، سعيد)



بسم الله الرحمن الرحيم

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

﴿"إن هذه الصلاة لا يصلح فيها شئ من كلام الناس إنماهى التسبيح والتكبير وقراءة القرآن"﴾

(مشكاة)

باب ﴿۷﴾

فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها

فصلِ اول

مفسداتِ نماز کا بیان

قرآن کریم میں دیکھ کر تلاوت کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: کیا قرآن دیکھ کر پڑھنا نماز میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس امام کے نزدیک؟

الجواب: احناف کے نزدیک بحالتِ نماز قراءت من المصحف مفسدِ نماز ہے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی، چاہے فرض نماز ہو یا نفل یا تراویح۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله وقراءة مالايحفظه أي مطلق سواء كان قليل أو كثير وهو ظاهر الرواية عن الإمام ...... ولأبي حنيفة رحمه الله تعالى في فسادها وجهان: أحدهما أن حمل المصحف، والنظر فيه، وتقليب الأوراق عمل كثير والثاني أنه تلقن من المصحف فصار كما لو تلقن من غيره وهو مناف للصلاة وهذا يوجب التسوية بين المحمول وغيره فتفسد بكل حال، وهو الصحيح كذا في الكافي، ولو لم يكن قادرًا إلا على القراءة من المصحف لايجوزله ذلك ويصلي بغير قراءة لأنه أمي ولافرق بين الإمام والمنفرد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٣٣٦، باب ما يفسد الصلاة، قديمي۔ وكذا في تبيين الحقائق: ١/١٥٨، باب ما يفسد الصلاة، امداديه)

درمختار میں ہے:

وقراءته من مصحف أي ما فيه قرآن مطلق لأنه تعلم ...... وفي الشامي: (قوله أي ما فيه قرآن) عممه ليشمل المحراب، فإنه إذا قرأ مافيه فسدت في الصحيح بحر (قوله مطلقا) أي قليلاً أو كثيرًا، إمامًا أو منفردًا، أميًا لايمكنه القراءة إلامنه أو لا (قوله لأنه تعلم) ذكروا لأبي حنيفة رحمه الله تعالى في علة الفساد وجهين......

(الدر المختار مع ردالمحتار: ١/٦٢٤، باب ما يفسد الصلاة، سعيد۔ وكذا في البحر الرائق: ٢/١٠، باب ما يفسد الصلاة، الماجديه كوئته۔ والفتاوى الهندية: ١/١٠١، الباب السابع فيما يفسد الصلاة، بلوچستان۔ والفقه الاسلامي وأدلته: ٢/٨، دارالفكر)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۴/ ۶۸، باب مفسدات نماز مدلل ومکمل، دار الاشاعت۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۲۱۹، باب مفسدات الصلاۃ، دار العلوم حقانیہ۔ واحسن الفتاوی: ۳/ ۴۴۵، مسائل زلۃ القاری)۔

دیگر ائمہ کا مذہب:

امام شافعی کے نزدیک قراءۃ من المصحف مطلقاً جائز ہے، اور مالکیہ کے نزدیک صرف نوافل میں گنجائش ہے، اور حنابلہ کے نزدیک اگر امام حافظ ہو تو مکروہ ہے اور فرائض میں علی الاطلاق مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو شرح المہذب میں ہے:

لو قرأ القرآن من المصحف لم تبطل صلاته سواء كان يحفظه أم لا بل يجب عليه ذلك إذا لم يحفظ الفاتحة كما سبق ولو قلب أوراقه أحيانًا في صلاته لم تبطل.

(شرح المهذب للامام النووي رحمه الله تعالى: ٤/ ٩٥، فرع لو قرأ القرآن من المصحف، دار الفكر)

مواہب الجلیل میں ہے:

فأجاز مالك أن يؤم الإمام في المصحف في قيام رمضان وكره ذلك في صلاة الفرض.

(مواهب الجليل: ٢/ ٣٨٢۔ وكذا في التاج والإكليل: ٢/ ٣٨٢۔ ومنح الجليل: ١/ ٣٤٥)

حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

وكره نظر بمصحف في فرض وفي أثناء نفل لا في أوله لأنه يغتفر في النفل مالا يغتفر في الفرض. (حاشية الدسوقي: ١/ ٤٩٦۔ وكذا في المدونة۔ والذخيرة)

المغنی میں ہے:

قال أحمد لا بأس أن يصلي بالناس القيام وهو ينظر في المصحف قيل له في الفريضة قال لم أسمع فيه شيئًا، وقال القاضي: يكره في الفرض ولا بأس به في التطوع إذا لم يحفظ فإن كان حافظًا كره أيضًا، قال: وقد سئل أحمد عن الإمامة في رمضان فقال: إذا اضطروا إلى ذلك نقله علي بن سعيد وصالح بن منصور. (المغني: ١/ ٦١٢، دار الكتب العلمية بيروت)

الشرح الکبیر میں ہے:

(ويجوز له النظر في المصحف) يجوز له النظر في المصحف في صلاة التطوع قال أحمد: لا بأس أن يصلي بالناس القيام وهو يقرأ في المصحف قيل له الفريضة؟ قال: لم أسمع فيها شيء، وسئل الزهري عن رجل يقرأ في رمضان في المصحف فقال: كان خيارنا يقرؤون في

المصاحف، روى عن عطاء ويحيى الأنصاري، ورويت كراهته عن سعيد بن المسيب والحسن ومجاهد وإبراهيم لأنه يشغل عن الخشوع في الصلاة، وقال القاضي: لابأس به في التطوع إذا لم يحفظ، فإن كان حافظًا كره لأن أحمد سئل عن الإمامة في المصحف في رمضان قال: ان اضطر إلى ذلك. (الشرح الكبير على هامش المغني: ۱/۶۳۷، دار الكتب العلمية بيروت)

الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

وأجاز الحنابلة القراءة في أثناء الصلاة في المصحف، ويكره ذلك لمن يحفظ لأنه يشغل عن الخشوع في الصلاة والنظر إلى موضع السجود لغير حاجة كما يكره في الفرض على الإطلاق لأن العادة أنه لايحتاج إلى ذلك فيها. والله اعلم.

(الفقه الاسلامي وأدلته: ۲/۱۱ مفسدات الصلاة عند الفقهاء، دارالفكر)

سیلولرفون بجنے پر عمل کثیر سے بند کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر سیلولرفون بند کرنے کے لئے عملِ کثیر کی ضرورت پڑے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: عمل کثیر مفسدِ نماز ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سیلولرفون بند کرنے کے لئے عملِ کثیر پایا گیا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

والعمل الكثير لاالقليل، واختلفوا في الفاصل بينهما على خمسه أقوال:

منها أن لايشك الناظر إليه أنه ليس في الصلاة، وإن اشتبه على الناظر فهو قليل على الأصح.

والثاني: أن ما يقام باليدين عادة كثير وإن فعله بيد واحدة كالتعمم ولبس القميص وشد السراويل وما يقام بيد واحدة قليل.

والثالث: الحركات الثلاث المتواليات كثير.

والرابع: أن الكثير ما يكون مقصودًا للفعل.

والخامس: أن يفوض إلى رأى المبتلى به وهو المصلي ...... قال الزيلعي: وهذا أقرب الأقوال إلى رأى أبي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ.

(امداد الفتاح: ۳۵۹ فصل مايفسد الصلاة، بيروت۔ وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۳۲۳، باب ما يفسد الصلاة، قديمي۔ وكذا في الشامي: ۱/۶۲۴، باب ما يفسد الصلاة)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۳/ ۴۱۸، باب مفسدات الصلاۃ)۔ واللہ اعلم۔

چھینکنے والے کو "یرحمك الله" کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص کو نماز میں چھینک آئی اس نے "الحمد للہ" کہا دوسرے نے اس کے جواب میں "یرحمك الله" کہا تو دونوں کی نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چھینکنے والے نے "الحمد للہ" کہا تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی، البتہ قصداً نہیں کہنا چاہئے اور اس کے جواب میں "یرحمك الله" کہنے والے کی نماز فاسد ہوگئی۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله خطاب عاطس أی خطاب المصلی العاطس، وإنماقید بالخطاب من المصلی لأنه لوقاله العاطس لنفسه لاتفسد لأنه بمنزلة قوله یرحمنی الله وبه لاتفسد ظهیریه، ولو قال "الحمدلله" فمن العاطس لنفسه لاتفسد وکذا من غیره......

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۳۲۵، باب ما یفسد الصلاۃ)

امداد الفتاح میں ہے:

وتشمیت عاطس بـ"یرحمك الله" عند أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، وقال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ: لا تفسد لأنه دعاء بالمغفرة والرحمة کما لوقال العاطس: الحمد لله علی أصح الروایتین ...... وجه قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ما رویناه من قوله صلی الله علیه وسلم "إن هذه الصلاة لایصلح فیها شیء من کلام الناس الحدیث. قال لقائله أی: لتشمیت معاویة بن الحکم رضی الله تعالیٰ عنه، ولأنه یجری فی مخاطبات الناس فکان من کلامهم. (امداد الفتاح:۳۶۲، فصل ما یفسد الصلاۃ، بیروت)

احسن الفتاوی میں ہے:

یرحمک اللہ کہنے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی:۳/ ۴۴۱)

شافعی امام نے قعدۂ اخیرہ چھوڑ دیا اور پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کر لیا تو حنفی مقتدی کی نماز کا حکم:

سوال: ایک حنفی شافعی امام کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا تھا شافعی امام چوتھی رکعت پر نہیں بیٹھا اور پانچویں رکعت پر سجدۂ سہو کر لیا تو حنفی مقتدی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ شافعی امام نے ایسے فعل کا ارتکاب کیا جو حنفی کے نزدیک مفسدات میں سے ہے لہٰذا حنفی مقتدی کی نماز فاسد ہوگئی، فرض دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

شامی میں ہے:

وظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال: وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الاجماع.

(شامی: ۱/ ۵٦۳، في الاقتداء بالشافعي، سعيد)

تحریر المختار میں ہے:

وإذا علم المقتدي منه ما يزعم به فساد صلاته كالفصد ونحوه لا يجزيه ثم قال فحاصله أن صاحب الهداية جوز الاقتداء بالشافعي بشرط أن لا يعلم المقتدي منه ما يمنع صحة صلاته في رأي المقتدي. (تقريرات الرافعي على هامش الشامي: ۱/ ۷۱، سعيد)

طحطاوی میں ہے:

(قوله وكذا كل مفسد) ولو ظهر أن بإمامه ما يمنع صحة الصلاة أعادها وما لو أخل بركن أو شرط كظهور أنه توضأ بماء مستعمل أو خرج منه بعد وضوئه دم أو قيح أو قيء فإن الوضوء صحيح عند الإمام مالك في جميعها باطل عندنا (قوله بطلت) فيلزم إعادتها.

(طحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۲۵۳، باب الامامة)

نور الایضاح میں ہے:

وإن سها عن القعود الأخير ما لم يسجد وسجد لتأخيره فرض القعود فإن لم يعد حتى سجد للزائد على الفرض صار فرضه نفلاً ...... ولا يسجد للسهو لترك القعود في هذا الضم في الأصح لأن النقصان بالفساد لا ينجبر بالسجود. والله اعلم.

(نور الايضاح مع مراقي الفلاح: ۱۸۰، باب سجود السهو، مكة المكرمة. وكذا في الدر المختار مع الشامي: ۲/ ۸۵، باب سجود السهو)

مقتدیہ عورت کے لقمہ دینے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی امام کے پیچھے عورت مقتدیہ تھی اس نے امام کو لقمہ دیا تو امام کو لینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: جب عورت مقتدیہ ہو اور امام صاحب نے حالتِ نماز میں غلطی کی تو عورت کو تصفیق کرنا چاہئے

یعنی تالی بجائے نہ کہ لقمہ دے اگر لقمہ دیدیا تو امام صاحب کو لینے سے احتراز کرنا چاہئے اور اگر لقمہ لے لیا تو نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آئے گا، کیونکہ اصح قول کے مطابق عورت کی آواز ستر نہیں ہے۔

امداد الفتاح میں ہے:

وتدفعه المرأة بالإشارة أو التصفيق بظهر أصابع يدها اليمنى على صفحة كف اليسرى لأن لهن التصفيق ولاترفع صوتها بالقراءة أوبالتسبيح لأنه فتنة فلايطلب منهن التسبيح للدرء.

(امداد الفتاح:۱ ۴۰ بیروت)

البحر الرائق میں ہے:

وفي شرح المنية: الأشبه أن صوتها ليس بعورة، وإنما يؤدي إلى الفتنة كماعلل به صاحب الهداية وغيره في مسئلة التلبية ولعلهن إنما منعن من رفع الصوت بالتسبيح في الصلاة لهذا المعنى، ولايلزم من حرمة رفع صوتها بحضرة الأجانب أن يكون عورة كما قدمناه. (البحر الرائق:۱/ ۲۷۰، باب شروط الصلاۃ)

فتاوی شامی میں ہے:

(قوله وصوتها) يعني أنه ليس بعورة (قوله) على الراجح عبارة البحر عن الحلية أنه الأشبه وفي النهر وهو الذي ينبغي اعتماده. (فتاوی شامی:۱/ ۴۰۶، مطلب فی ستر العورۃ)

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت اور حدیث مذکور سے اتنا ثابت ہوا کہ عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں، لیکن اس پر بھی احتیاطی پابندی یہاں بھی لگادی اور تمام عبادات اور احکام میں اس کی رعایت کی گئی ہے کہ عورتوں کا کلام جہری نہ ہو جو مرد سنیں، امام کوئی غلطی کرے تو مقتدیوں کو لقمہ زبان سے دینے کا حکم ہے، مگر عورتوں کو زبان سے لقمہ دینے کے بجائے یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر تالی بجادیں، جس سے امام متنبہ ہو جائے، زبان سے کچھ نہ کہیں۔ واللہ اعلم۔ (معارف القرآن:۷/ ۱۳۲)

سلام کے جواب میں یہ الفاظ "اللّٰھمّ اجعل السلام علی من سلم علیّ" کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے مصلی کو سلام کیا اس کے جواب میں مصلی نے یہ الفاظ کہے "اللّٰھمّ اجعل السلام علی من سلم علیّ" تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: چونکہ یہ دعائیہ جملہ محلِ جواب میں صادر ہوا ہے اور عرفاً دوسروں کے حوالہ سلام پہنچاتے ہیں لہٰذا احتیاطاً نماز فاسد ہوجائے گی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنہ أنه قال: "كنا نسلم على النبي صلی الله علیہ وسلم وهو في الصلاة فيرد علينا فلما رجعنا من عند النجاشي سلمنا عليه فلم يرد علينا وقال: إن في الصلاة شغلاً".

(بخاری شریف: ۱/ ۱/ ۱۱۹۹، باب ما ينهى من الكلام في الصلاة)

امداد الفتاح میں ہے:

وكل شيء قصد به الجواب كـ "يا يحيى خذ الكتاب" ويفسدها جواب مستفهم عن ند الله سبحانه؛ أي قال قائل: هل مع الله إله آخر؟ فأجاب المصلي: بـ "لا إله إلا الله" فسدت صلاته عندهما خلافاً لأبي يوسف رحمہ الله تعالیٰ ولهما أنه أخرجه مخرج الجواب وهو صالح له لأنه يستعمل في موضعه عرفاً فيجعل جواباً لأن الكلام يبنى على قصد المتكلم فإن من رأى رجلاً اسمه يحيى وبين يديه كتاب وقال: يا يحيى خذ الكتاب بقوة وأراد خطابه لم يشكل على أحد أنه متكلم لا قارئ.

(امداد الفتاح: ۳٦۲، باب ما يفسد الصلاة۔ وكذا في حاشية الطحطاوي: ۳۲٦، باب ما يفسد الصلاة، قديمي)

شامی میں ہے:

(قوله تفسد إن قصد جوابه) ذكر في البحر أنه لو قال مثل ما قال المؤذن، إن أراد جوابه تفسد وهكذا لو لم تكن له نية لأن الظاهر أنه أراد به الإجابة، وكذلك إذا سمع اسم النبي صلی الله علیہ وسلم فصلى عليه فهذا إجابة. (شامی: ۱/ ٦۲۱، باب ما يفسد الصلاة، سعيد)

تبیین الحقائق میں ہے:

ولو سمع اسم النبي صلی الله علیہ وسلم فصلى عليه تفسد ولو سمع الأذان فأجاب وأراد به الجواب أو لم يكن له نية تفسد لأن الظاهر أنه أراد به الجواب.

(تبيين الحقائق: ۱/ ۱۵۷، باب ما يفسد الصلاة، امداديه ملتان)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ ٦/ ۲۳۱)۔ واللہ اعلم۔

"أستغفر الله العظیم" پڑھنے سے فسادِ نماز کا حکم:

سوال: ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا امام کے پیچھے یا اکیلے اور "أستغفر الله العظیم" پڑھنا شروع کیا اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ خطا اور عمد میں فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں استغفر اللہ العظیم اگر بقصد جواب پڑھا یا کسی کو تنبیہ کرنے کے لئے تو نماز فاسد ہو جائے گی، چاہے عمداً ہو یا خطاً اور اگر وساوس کو دور کرنے کے لئے پڑھا یا برائے ذکر پڑھا تو دونوں صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اگر چہ عمداً ہو۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

أخبر بما یسوء ہ فاسترجع أو بما یسرہ فحمد الله وأراد به جوابه تفسد صلاته، وإذا أخبر بما یعجبه فقال: سبحان الله أو لا إله إلا الله أو الله أکبر إن لم یرد به الجواب لاتفسد صلاته عند الکل وإن أراد به الجواب فسدت عند أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ ومحمد رحمہ اللہ تعالیٰ.

(الفتاوی الهندیة: ۱/۹۹ ۲۔ و کذافی الشامی: ۱/ ۲۶۰، سعید)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

ولو تعوذ لدفع الوسوسة لاتفسد مطلقًا. إذ لافرق بینها وبین الحوقلة. والله اعلم.

(حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/ ۲۶۲، فصل ما یفسد الصلاۃ)

منہ میں چیونگم رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز کی حالت میں منہ میں چیونگم رکھی ہے اور تھوڑی بہت حلاوت حلق میں جاری ہے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نماز فاسد ہوگئی، نیز منہ میں کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنے کی چند صورتیں ہیں:

(۱) اگر میٹھی چیز ہے اور حلاوت پیٹ میں پہنچتی ہے تو مفسدِ نماز ہے۔

(۲) اگر حلاوت ختم ہوگئی اور بار بار چبا تا ہے تو بھی مفسدِ نماز ہے۔

(۳) اگر منہ میں چھوٹی چیز ہے جو مانعِ قراءت نہیں تو مفسدِ نماز نہیں لیکن نماز مکروہ ہوگی۔

(۴) اگر بڑی چیز ہے جو مانعِ قراءت ہے تو مفسدِ نماز ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله أما المضغ فمفسد) أی إن كثر وتقديره بالثلاث المتواليات كما في غيره كذا في شرح المنية، وفي البحر عن المحيط وغيره: ولو مضغ العلك كثيرًا فسدت، وكذا لو كان في فمه اهليلجة فلاكها، فإن دخل في حلقه منها شيء يسير من غير أن يلوكها لا تفسد، وإن كثر ذلك لاتفسد (قوله كسكر) أفاد أن المفسد أما المضغ الكثير أو وصول عين المأكول إلى الجوف بخلاف الطعم، قال في البحر عن الخلاصة: ولو أكل شيئاً من الحلاوة وابتلع عينها فدخل في الصلاة فوجد حلاوتها في فيه وابتلعها لاتفسد صلاته، و لو أدخل الفانيد أو السكر في فيه ولم يمضغه لكن يصلي والحلاوة تصل إلى جوفه تفسد صلاته.

(شامی: ۱/۶۲۳، باب ما یفسد الصلاۃ۔و کذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳۲٤، قدیمی)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو أدخل الفانيد أو السكر في فيه ولم يمضغه لكن يصلي والحلاوة تصل إلى جوفه تفسد صلاته كذا في الخلاصة. وهو المختار كذا في الظهيرية، ولو مضغ العلك كثيرًا فسدت كذا في المحيط السرخسي، إذا لاك الفوفلة فلم ينفصل منها شيء إن كثر ذلك فسدت من أجل أنه عمل كثير وإن انفصل عنها شيء ودخل حلقه فسدت ولو قل، وأما إذا لم يلكها ودخل ريقه لم تفسد. (الفتاوی الهندية: ۱/۱۰۲، الباب السابع فيما يفسد الصلاة)

درمختار میں ہے:

وأخذ درهم ونحوه في فيه لم يمنعه من القراءة فلو منعه تفسد. وفي الشامي: (قوله لم يمنعه من القراءة) قال في الحلية: الأولى أن يقول بحيث يمنعه من سنة القراءة كماذكره في الخلاصة، حتى لو كان لايخل بها لايكره كما في البدائع، ثم قول قاضيخان: ولا بأس أن يصلي وفي فيه دراهم أو دنانير لاتمنعه من القراءة يشير إلى أن الكراهة تنزيهية (قوله فلو منعه) بأن سكت أو تلفظ بألفاظ لاتكون قرآنًا، شرح المنية.

(الدرالمختار مع الشامی: ۱/٦٤١، مکروهات الصلاة، سعید)

نورالایضاح میں ہے:

ووضع شيء في فمه يمنع القراءة المسنونة. (نور الایضاح: ۹۱، فصل فی المکروهات)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

ولو يصلي وفي فيه دراهم أو دنانير لايمنعه عن القراءة، وإن منعه لم تجز صلاته، وفي موضع آخر: إن منعه عن أداء الحروف أفسد الصلاة، وإن لم يمنعه عن عين القراءة وإنما منعه عن سنة القراءة لاتفسد صلاته ولكن يكره له، وإن لم يمنعه شيئًا فلابأس به. والله اعلم.

(التاتارخانية: ١/٥٦٥، الفصل الرابع في بيان ما يكره للمصلي، ادارة القرآن)

پیشاب کی بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی کی جیب میں خون سے بھرا ہوا خراب انڈا موجود ہے یا پیشاب سے بھری ہوئی بوتل ہے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: نجاست اور ناپاکی جب تک اپنے محل اور معدن میں ہو تو مفسدِ صلاۃ نہیں ہے لیکن اپنے محل میں نہ ہو تو مفسد ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں پیشاب کی بوتل جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو نماز فاسد ہوگئی، لیکن خون سے بھرا ہوا خراب انڈا جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو نماز ہو جائے گی کیونکہ نجاست اپنے محل میں ہے۔

شامی میں ہے:

كما لو صلى حاملاً بيضة مذرة صار محها دمًا جاز، لأنه في معدنه، والشيء مادام في معدنه لايعطى له حكم النجاسة، بخلاف ما لو حمل قارورة مضمومة فيها بول فلا تجوز صلاته لأنه في غير معدنه كمافي البحر عن المحيط. (شامي: ١/٤٠٣، باب شروط الصلاة، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

ونجاسة باطنة في معدنه فلا يظهر حكمها كنجاسة باطن المصلي ولو صلى وفي كمه قارورة مضمومة فيها بول لم تجز صلاته لأنه في غير معدنه ومكانه ولو صلى وفي كمه بيضة مذرة قد صار محها دمًا جازت لأنه في معدنه والشيء مادام في معدنه لايعطى له حكم النجاسة الكل في المحيط. (البحر الرائق: ١/٢٦٧، باب شروط الصلاة، كوئتة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا صلى وفي كمه بيضة مذرة قد حال محها دمًا جازت صلاته وكذا البيضة التي فيها فرخ ميت كذا في فتاوى قاضيخان، في النصاب رجل صلى وفي كمه قارورة فيها بول لاتجوز الصلاة سواء كانت ممتلئة أو لم تكن لأن هذا ليس في مظانه ومعدنه بخلاف البيضة المذرة لأنه في معدنه ومظانه وعليه الفتوى كما في المضمرات. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ١/٦٢، الفصل الثاني وطهارة ما يستر به العورة)

عورت کے کچھ بال کھلے رہ جانے سے نماز کا حکم:

سوال: عورت نے نماز اس حالت میں پڑھی کہ اس کے کچھ بال ظاہر تھے تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چوتھائی حصہ کے بقدر بال کھلے رہے تو نماز فاسد ہوگئی لیکن اگر چوتھائی سے کم کھلے رہے تو نماز فاسد نہیں ہوئی۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ویفسدها أداء ركن ...... وهو قدر ثلاث تسبيحات أما لو حصل الانكشاف المانع أقل من ذلك أو الانكشاف اليسير في الزمن الكثير فإنه غير مفسد (قوله مع كشف عورة) مراده به مايعم كشف ربع عضو منها فإنه مانع.

(حاشية الطحطاوی علی الدر: ۱/۲٦٦، باب ما یفسد الصلاۃ۔ و کذا فی الشامی: ۱/۴۰۸، سعید)

شامی میں ہے:

وللحرة ...... جميع بدنها حتى شعرها النازل في الأصح (قوله النازل) أي عن الرأس بأن جاوزا لأذن، وقيد به إذ لا خلاف فيما على الرأس.

(شامی: ۱/۴۰۵، سعید۔ و کذا فی الفتاوی الهندية: ۱/۵۸، الفصل الاول فی الطهارة و ستر العورة)

فتاوی لکھنوی میں ہے:

الساق من المرأة وشعرها النازل وبطنها وفخذها كل ذلك عضو على حدة ...... فلو انكشف منها الربع في الصلاة لم تجزو إلا يجوز عندهما، وعند أبي يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ: والأكثر ما فوق النصف، وفي النصف عنه روايتان كذا في الهداية ...... لا تفسد الصلاة بانكشاف القليل من العورة، وإن طال إلى أداء ركن......

(فتاوی اللکھنوی: ۲۴۵، ۲۴۸، التشریح الثانی فی ستر العورة، دار ابن حزم)

احسن الفتاوی میں ہے:

قاعدہ یہ ہے کہ اگر سہواً ربع عضو تین بار "سبحان ربی الأعلی" کہنے کی مقدار تک کھلا رہے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے اور قصداً ربع عضو سے کم ستر کھلنا خواہ سہواً ہو یا عمداً تین تسبیح کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ بہرحال مفسد نہیں۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۳/۴۰۲، باب مفسدات الصلاۃ۔ و امداد الفتاح: ۱/۲۸۹ باب ما یفسد الصلاۃ)

مرد عورت نماز میں ایک دوسرے کا بوسہ لیں تو فسادِ نماز کا حکم:

سوال: عام فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ تحریر شدہ ہے کہ اگر مرد نماز میں ہو اور عورت بوسہ لے تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر عورت نماز میں ہو اور مرد بوسہ لے تو عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی، اگر یہ مسئلہ صحیح ہے تو دونوں میں فرق کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واللہ أعلم بوجه الفرق" یعنی دونوں میں فرق کی وجہ اللہ کو معلوم ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دونوں کی نماز فاسد ہونی چاہئے لیکن عورت کی نماز اس وجہ سے فاسد ہوئی کہ مرد کا بوسہ اس کے لئے جماع کے حکم میں ہے کیونکہ عورت تو پہلے سے تیار ہے برخلاف عورت کا بوسہ۔ دوسری وجہ یہ ذکر فرمائی کہ عام طور پر عورتوں میں شہوت کا غلبہ بنسبت مردوں کے زیادہ ہوتا ہے لہٰذا جب مرد بوسہ لے گا تو عورت کو بھی شہوت ہوگی اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔

لیکن مرد کا بوسہ مفسدِ صلاۃ ہو یہ بات بندہ کی سمجھ میں نہیں آتی ہے جیسے کہ محقق ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی سمجھ میں نہیں آئی، میرے خیال میں شرح زاہدی کا قول بہتر ہے جس سے دونوں کے بوسہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، نیز عورت پر شہوت غالب ہے یہ بات تو عقلاً نقلاً قیاساً تجربۃً ہر لحاظ سے درست نہیں۔ اور بوسہ جماع کے معنی میں ہے یہ بھی حنفیہ کے اصول کے خلاف ہے کیونکہ حنفیہ بوسہ لینے کو ناقضِ وضو نہیں سمجھتے معلوم ہوا کہ بوسہ جماع کے معنی میں نہیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ لکھنوی میں ہے:

قلت: لعل وجه الفرق هو أن القياس أن لاتفسد في الصورتين لأن فعل غير لايفسد صلاة المصلي.

أما ترى إلى أنه لوأخذ رجل ثياب المصلي أووضع اليد على بدنه لايفسد لكن إنما يفسد بسبب كونه في معنى الجماع، وهوفعل الرجل فلما قبل المصلية كأنه وجد الجماع فتفسد صلاتها، بخلاف ما لوقبلته ولم توجد الشهوة من قبله.

ووجه آخر أن الشهوة على النساء غالبة فلما قبلها فكأنها وجدت الشهوة من جانبها أيضًا فتفسد صلاتها بهذا السبب، بخلاف، ما لوقبلته ولم توجد الشهوة فيه. والله أعلم.

(فتاوى اللكهنوى: ٢٨٦، ما يتعلق بما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دارابن حزم)

فتح القدیر میں ہے:

ولو مس المصلية بشهوة أو قبلها ولو بغير شهوة تفسد ولو قبلت المصلي ولم يشتهها تفسد كذا في الخلاصة، والله أعلم بوجه الفرق.

(فتح القدير:١/٤٠٤،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،دارالفكر)

عدمِ فساد والوں کے اقوال ملاحظہ ہو:

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

وإن قبلت المصلي امرأته ولم يقبلها هو لا تفسد صلاته ...... وكذا لو كانت هي تصلي فقبلها لا تفسد صلاتها. (الجوهرة النيرة:٧٧،مكتبة امداديه)

البحر الرائق میں ہے:

وأما قولهم كما في الخانية والخلاصة لو كانت المرأة هي المصلية دونه فقبلها فسدت بشهوة أو بغير شهوة ولو كان هو المصلي فقبلته ولم يشتهها فصلاته تامة فمشكل إذ ليس من المصلي فعل من الصورتين فمقتضاه عدم الفساد فيهما في شرح الزاهدي ولو قبل المصلية لا تفسد صلاتها.

(البحر الرائق: ٢/١٢، باب مايفسد الصلاة،الماجدية،وكذا في الشامي: ١/٦٢٩، مطلب في المشي في الصلاة،سعيد)

طحطاوی میں ہے:

ورده في الفتح حيث قال والله أعلم بوجه الفرق وذلك لأنه لا صنع للمصلي في الوجهين فمقتضاه عدم الفساد فيهما ...... والذي في شرح الزاهدي التسوية في عدم الفساد بالتقبيل. والله اعلم. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار:١/٢٦٦،ما يفسد الصلاة)

نماز میں غیر عربی میں اور کلام الناس کے مشابہ دعا کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک عورت جب نماز پڑھتی ہے تو سجدہ یا قعدہ میں انگریزی زبان میں یہ دعا پڑھتی ہے "یا اللہ میرے شوہر اور بچوں کی حفاظت فرمائے" اس عورت کی نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب: نماز میں غیر عربی میں دعا کرنا مکروہ تحریمی ہے پھر جو دعا لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو وہ مفسدِ نماز ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں عورت کی نماز فاسد ہوگئی اور اعادہ کرنا چاہئے۔

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

إذا قرأ القرآن فى الصلاة بالفارسية عند أبى حنيفة رحمه الله تعالى يجوز وإن كان يحسن العربية لايجوز وتفسد صلاته كذاذكر شمس الأئمة الحلوانى رحمه الله تعالى وعلى هذا الخلاف جميع أذكار الصلاة من التشهد والقنوت والدعاء وتسبيحات الركوع والسجود فإن قال بالفارسية "يارب بيا مرزمرا" (اے اللہ مجھے بخش دے)إذاكان يحسن العربية تفسد صلاته وكذاكل ماليس بعربية كالتركية والزنجيه والحبشية والنبطية.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۱/۸٦، باب افتتاح الصلاة،بلوچستان)

امداد الفتاح میں ہے:

ويفسدها الدعاء بمايشبه كلامنا نحو: اللّهم ألبسنى ثوب كذا أوزوجنى امرأة ...... وذكر فى البحر عن المرغينانى ضابطًا فقال: الحاصل أنه إذا دعا بماجاء فى الصلاة أوفى القرآن أوفى المأثور لاتفسد صلاته وإن لم يكن فى القرآن أوالمأثور ولايستحيل سؤاله من العباد تفسد. انتهى. (امداد الفتاح: ۳۵۸ مايفسد الصلاة)

شامی میں ہے:

لكن المنقول عندنا الكراهة فقد قال فى غرر الأفكار شرح درر البحار فى هذا المحل: وكره الدعاء بالعجمية لأن عمر رضى الله تعالى عنه نهى عن رطانة الأعاجم ...... وقدم أول الفصل أن الإمام رجع إلى قولهما بعد جواز الصلاة بالقراء ة بالفارسية إلا عند العجز وأما صحة الشروع بالفارسية وكذا جميع أذكار الصلاة فهى على الخلاف فعنده تصح الصلاة بها مطلقًا خلافًا لهما كما حققه الشارح هناك ...... ولايبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروهاً تحريماً فى الصلاة. (شامى: ۱/۵۲۱، الدعاء بغير العربية، سعيد)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

نماز میں غیر عربی میں دعا کے بارے میں تین قول ہیں: حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، کراہتِ تحریمیہ کا قول ارجح واوسط ہے لہٰذا نماز کا اعادہ واجب ہے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی:۳/۴۳۲، باب مفسدات الصلاۃ والمکروہات)

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر فسادِ نماز کے شبہ کا ازالہ:

سوال: بعض حضرات لاؤڈ اسپیکر پر جہری نماز کو ناجائز یا مشکوک قرار دیتے ہیں کیا لاوڈ اسپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں، اوراس میں جو تعلیم من الغیر کا شبہ پایا جاتا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: جدید فقہی مسائل میں ہے:

لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ نماز درست ہے یا نہیں؟ ابتداء میں علماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف تھا۔ بعض حضرات کی رائے تھی کہ لاؤڈ سپیکر کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں بلکہ اس آواز کی بازگشت ہے۔ اس طرح اس آواز پر مقتدیوں کی نقل وحرکت گویا امام کی بجائے ایک دوسری آواز کی بناء پر ہوگی اور یہ بات جائز نہیں ہے کہ مقتدی امام کی بجائے کسی اور کی آواز پر نقل وحرکت کرے۔

اس کے مقابلے میں کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اس کے باوجود نماز کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال صحیح ہے اور شریعت میں اس کی نظیر موجود ہے کہ نماز کے باہر کے ایک شخص کی تلقین پر نمازیوں نے نقل وحرکت کی، چنانچہ جب بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کو قبلہ بنایا گیا اور مدینہ کے مضافات کی بعض مساجد میں جہاں بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے لوگ نماز ادا کر رہے تھے، قبلہ کی تبدیلی کی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اطلاع دی تو سب نے اپنا رخ بدل لیا۔ ظاہر ہے یہ نقل وحرکت ایک ایسے شخص کی آواز پر عمل میں آئی جو نماز سے باہر تھا۔

اب یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز امام کی نقل اور اس کا چربہ نہیں ہے بلکہ بعینہ امام کی وہی آواز ہے جو اس کی زبان سے نکلتی ہے، اس طرح اب لاؤڈ اسپیکر سے نماز وامامت کے جواز پر علماء کا اتفاق ہو چکا ہے۔

بعض علماء اس کے استعمال میں ایک گونہ کراہت سمجھتے ہیں اور ناگزیر ضرورت ہی پر اس سے کام لینے کو درست سمجھتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ فقہاء نے بلاضرورت امام کی آواز کو تقویت دینے والی مکبرین کے تقرر کو مکروہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہی حکم لاؤڈ اسپیکر کا بھی ہوگا، مگر یہ استدلال قابلِ غور ہے، مکبرین کی آواز بعینہ امام کی آواز نہیں ہوتی جب کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز کا بعینہ امام کی آواز ہونا ثابت ہو چکا ہے، اس لئے ان دونوں کو ایک درجہ نہیں دیا جا سکتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کو حسبِ ضرورت اس طرح استعمال کرنا چاہئے کہ اس کی آواز مناسب حدود اور مسجد میں رہے اور مسجد سے باہر اپنے کاموں میں مصروف لوگوں تک پہنچانے سے گریز کیا جائے کہ اس سے قرآن مجید کی طرف سے بے توجہی ہوتی ہے جس میں قرآن کی اہانت کا اندیشہ ہے۔

(جدید فقهي مسائل: ۱/ ۱۳٤، کتب خانه نعیمیه دیوبند)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۴/ ۶۴۔ فتاوی حقانیہ: ۳/ ۲۲۰۔ امداد الفتاوی: ۱/ ۲۰۵، ۲۰۸۔ کفایت المفتی: ۷/ ۲۰۶)۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام: ص۳۵۔۶۵)۔ واللہ اعلم۔

لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنے کی مزید تحقیق:

سوال: بعض حضرات لاؤڈ اسپیکر پر جہری نماز کو ناجائز یا مشکوک قرار دیتے ہیں کیا لاؤڈ اسپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں؟ اور اس میں جو تعلیم من الغیر کا شبہ پایا جاتا ہے اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا بلا کسی شبہ کے جائز اور درست ہے اس کو مشکوک قرار دینا درست نہیں ہے۔ دلائل مندرجۂ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

بوّب الإمام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ "فی العمل فی الصلاۃ" باب إذا قیل للمصلی تقدم وانتظر فانتظر فلا بأس به. (بخاری شریف: ۱/۱۶۲)

یعنی اگر مصلی نے خارج الصلاۃ کی بات کو قبول کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

خارج الصلاۃ کی بات کو قبول کرنا...... اس مسئلہ کی اہمیت لاؤڈ اسپیکر (Loud Speaker) پر نماز پڑھنے کے مسئلہ میں ظاہر ہوتی ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر نماز نہیں ہوتی یا مشکوک ہوتی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ مقتدی تک پہنچنے والی آواز درحقیقت امام کی آواز نہیں بلکہ لاؤڈ اسپیکر امام کی آواز کو جذب کر کے مقتدی تک پہنچاتا ہے اور مقتدی اس کی اتباع میں انتقالات کرتا ہے تو گویا خارج الصلاۃ کی اتباع میں انتقالات کرنا پایا گیا لہٰذا نماز درست نہیں۔

اکثر مفتی حضرات اور علمائے کرام کے نزدیک لاؤڈ اسپیکر پر نماز ہو جاتی ہے، نماز کے صحیح ہونے کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) محققین علماءِ سائنس کہتے ہیں کہ مقتدی تک پہونچنے والی آواز امام ہی کی آواز ہے لاؤڈ اسپیکر کی نہیں لہٰذا خارج الصلاۃ کی آواز کی اتباع میں انتقالات کرنا نہیں پایا گیا تو نماز بھی فاسد نہ ہوگی۔

(۲) بالفرض اگر یہ امام کی آواز نہیں لاؤڈ اسپیکر کی آواز ہے تب بھی فاسد نہ ہوگی کیونکہ لاؤڈ اسپیکر غیر عاقل ہے اور خارج الصلاۃ کی اتباع اس وقت مفسد ہے جب یہ عاقل ہو، غیر عاقل کی اتباع مفسد نہیں، اس کی مثال صوت الصدی کی ہے پہلے زمانے میں امام گنبد میں نماز پڑھاتا تھا امام کی آواز گنبد میں ٹکرا کر مقتدیوں تک پہنچتی تھی اور اسی آواز پر مقتدی انتقالات کرتے تھے تو اس میں خارج الصلاۃ کی اتباع پائی گئی مگر اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لاؤڈ اسپیکر پر پڑھی گئی نماز کے بارے میں عدم فساد کو راجح قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ تحقیقاتِ سائنس سے قطع نظر اگر اس آواز کو امام کی اصل آواز نہ مانا جائے بلکہ مثلِ صوتِ صدی کے قرار دیا جائے تو خود مقیس علیہ میں بھی فسادِ صلاۃ کا حکم نہ فقہاء کی تصریح سے ثابت ہے اور نہ اس کی وجہ فقہی ہوسکتی ہے، بلکہ اگر امام کی آواز کسی مقتدی کو بذریعۂ صدی یعنی آواز بازگشت پہنچ جائے اور مقتدی اس پر نقل و حرکت کرے تو اس میں بھی کوئی وجہ فساد کی نہیں معلوم ہوتی پھر اس پر مکبر الصوت کو قیاس کر کے مفسدِ نماز کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔ (آلات جدیدہ:ص ۶۵)

فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے زیرِ بحث مسئلہ میں عدمِ فساد کو راجح قرار دیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۳/ ۴۰ ۳رسالہ "امام الکلام فی تبلیغ صوت الإمام")

اگر بالفرض تسلیم کیا جائے کہ خارج الصلاۃ کی اتباع مفسد ہے چاہے عاقل ہو یا غیر عاقل تو یہ اس وقت مفسد ہے جب کہ اس اتباع سے امتثال امر اللہ مقصود نہ ہو اگر امتثال امر اللہ مقصود ہو تو مفسد نہیں اور زیرِ بحث مسئلہ میں امام کے انتقالات کو مقتدیوں تک پہنچانا مقصود ہے، لہذا نماز فاسد نہیں ہوگی۔

مصلی خارج الصلاۃ کی تلقین قبول کرلے تو نماز فاسد نہیں ہوتی اس کے شواہد مندرجۂ ذیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) تحویلِ قبلہ کے موقع پر ایک صحابی نے خبر دی اور تمام مصلی حضرات نے قبول کرلیا اور دورانِ نماز بیت اللہ کی طرف رخ کرلیا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

أخرج البخاري عن البراء رضي الله تعالى عنه في قصة تحويل القبلة: وكان يعجبه أن تكون قبلته قِبل البيت وأنه صلى أول صلاة صلّاها صلاة العصر وصلى معه قوم فخرج رجل ممن صلى معه فمرّ على أهل مسجد وهم راكعون فقال: أشهد بالله لقد صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قِبل البيت.

(صحيح البخاري: ۱/ ۱۰،۱۱)

(۲) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ختم ہونے کو تکبیر کے ذریعہ محسوس کرتے تھے:

أخرج مسلم عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: ما كنا نعرف انقضاء صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم الا بالتكبير. (صحيح مسلم: ۱/ ۲۱۷، الذكر بعد الصلاة)

وروى عنه البخاري أيضا: كنت أعرف انقضاء صلاة رسول الله بالتكبير.

(صحيح البخاري: ۱/ ۱۱۹)

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر امامت فرمائی دو رکعت کے بعد اعلان فرمایا کہ اپنی نماز پوری کرو ہم مسافر ہیں اور مقیمین نے دورانِ نماز اعلان سن کر نماز پوری کی۔ ملاحظہ ہو:

أخرج البيهقي في سننه الكبرى: قال عليه الصلاة والسلام لأهل مكة حين أمهم بها: "أتمّوا صلاتكم فإنا قوم سفر". (السنن الكبرى للبيهقي: ۳/۱۳٦۔وأبو داؤد:۱/۱۷۳)

نیز فقہاء نے بھی یہ مسئلہ بیان کیا ہے:

قال في الدر: وندب للإمام ...... أن يقول بعد التسليمتين في الأصح: أتمّوا صلاتكم فإني مسافر لدفع توهّم أنه سها. (الدر المختار:۲/۱۳۰،سعید)

(۴) مقتدی کے کہنے پر امام قراءت میں تطویل کرے تاکہ آمین میں شریک ہو اس میں بھی خارج الصلاۃ کا اثر قبول کرنا ہے:

وذكر البخاري في باب جهر الإمام بالتأمين: وكان أبو هريرة رضي الله تعالى عنه ينادي الإمام لاتفتني بآمين...... (بخاری شریف:۱/۱۰۷)

وقال العيني في شرح البخاري:

وروى البيهقي من حديث أبي رافع أن أبا هريرة رضي الله تعالى عنه كان يؤذن لمروان بن الحكم فاشترط أن لايسبقه بالضالّين حتى يعلم أنه دخل الصّف فكان إذا قال مروان ولاالضّالين قال أبوهريرة رضي الله تعالى عنه آمين يمدّ بها صوته وقال: إذا وافق تأمين أهل الأرض تأمين أهل السماء غفرلهم. (عمدة القاري: ٤/٤٩٨،دارالحديث،ملتان)

(۵) خسوفِ شمس کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نماز میں اشارہ سے جواب دیا۔ ملاحظہ ہو:

روى البخاري رحمه الله تعالى في أبواب الوضوء والخسوف من حديث أسماء بنت أبي بكر رضي الله تعالى عنها قالت: أتيت عائشة رضي الله تعالى عنها زوج النبي صلى الله عليه وسلم حين خسفت الشمس فإذا الناس قيام يصلون هي قائمة تصلي فقلت ما للناس؟ فأشارت بيدها إلى السماء وقالت سبحان الله فقلت آية؟ فأشارت أي نعم. (صحيح البخاري:۱/۳۰،۱٤٤)

(۶) ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت کرائی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پیچھے ہٹنا شروع کیا آپ نے اشارہ سے روک دیا اور نماز پوری کی۔ملاحظہ ہو: أخرج مسلم برواية المغيرة بن شعبة رضي الله تعالى عنه قال ...... فانتهينا إلى القوم وقد قاموا في الصلاة يصلي بهم عبد الرحمن بن عوف وقد ركع بهم ركعة فلما أحسّ بالنبي صلى الله عليه وسلم ذهب يتأخر فأومأ إليه فصلى بهم فلما سلم

قام النبی ﷺ وقمت وركعنا الركعة التي سبقتنا. (مسلم شريف: ١/١٣٤)

(۷) صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کی اقتداء میں پڑھی تو صحابہ نے غیر امام کی اقتداء کی پھر بھی نماز فاسد نہیں ہوئی اسی طرح جو لوگ مکبر کی آواز پر انتقالات کرتے رہتے ہیں وہ سب غیر امام کی تکبیر پر انتقالات کرتے رہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

بوّب الإمام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ باب الرجل يأتمّ بالإمام ويأتمّ الناس بالمأموم وذكر فيه حديث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا الطويل وفيه:

فكان أبو بكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ يصلي قائمًا وكان رسول الله ﷺ يصلي قاعدًا يقتدي أبو بكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصلاة رسول الله ﷺ والناس مقتدون بصلاة أبي بكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

(صحيح البخاری:١/٩٩)

(۸) کبھی نبی پاک ﷺ نے بچہ کی آواز سن کر نماز مختصر فرمادی۔ ملاحظہ ہو:

وفي الصحيح للإمام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی ﷺ قال: إني لأدخل في الصلاة و أنا أريد إطالتها فأسمع بكاء الصبي فأتجوز في صلاتي مما أعلم من شدة وجد أمه من بكائه. (صحيح البخاری: ١/٩٨)

وذكر ابن أبي شيبة عن ابن سابط: أن رسول الله قرأ في الركعة الأولى بسورة نحوا من ستين آية فسمع بكاء الصبي قال: فقرأ في الثانية بثلاث آيات.

(مصنف ابن أبي شيبة: ٣/٤٧١٤/٤٠٥، المجلس العلمي۔ومصنف عبد الرزاق: ٢/٣٦٥، ادارة القرآن)

قال الشيخ محمد عوامة: الحديث مرسل ورجاله ثقات.

(۹) ایک مرتبہ باندی کے پوچھنے پر نبی پاک ﷺ نے اشارہ سے جواب مرحمت فرمایا۔ ملاحظہ ہو:

أخرج مسلم بسنده عن كريب مولى ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن عبد الله بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعبد الرحمن بن أزهر والمسور بن مخرمة أرسلوه إلى عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبي ﷺ فقالوا اقرأ عليها السلام منا جميعًا وسلها عن الركعتين بعد العصر وقل إنا أُخبرنا أنك تصلينها وقد بلغنا أن رسول الله ﷺ نهى عنها، قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وكنت أصرف مع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ الناس عنها وبلّغنها ماأرسلوني به فقالت: سل أم سلمة

رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فخرجت إليهم فأخبرتهم بقولها فردّوني إلى أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا بمثل ما أرسلوني إلى عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فقالت أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: سمعت رسول الله ﷺ ينهى عنها ثم رأيته يصليها أمّا حين صلّاهما فإنه صلى العصر ثم دخل وعندي نسوة من بني حرام من الأنصار فصلاهما فأرسلت إليه الجارية فقلت: قومي بجنبه فقولي له: تقول أم سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا يا رسول الله إني أسمعك تنهى عن هاتين الركعتين وأراك تصليهما فإن أشار بيده فاستأخري عنه، قالت: ففعلت الجارية فأشار بيده فاستأخرت عنه فلما انصرف قال: يا ابنة أبي أمية سألتِ عن الركعتين بعد العصر أنه أتاني أناس من بني عبد القيس بالإسلام من قومهم فشغلوني عن الركعتين اللتين بعد الظهر فهما هاتان. (مسلم شريف: ۱/۲۷۷)

نیز فقہاء کے کلام میں بھی ملتا ہے کہ نمازی نے اشارہ سے جواب دے دیا یا خارج الصلاۃ کی بات قبول کرلی تو نماز فاسد نہیں ہوتی، ملاحظہ فرمائیں چند مثالیں حسبِ ذیل درج ہیں:

(۱) مصلی نے اشارہ سے سلام کا جواب دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

قال في الدر: ورد السلام ولو سهواً بلسانه لا بيده بل يكره.

وقال الشامي رحمہ اللہ تعالیٰ: لا بيده أي لا يفسدها رد السلام بيده. (شامي مع الدر المختار: ۱/۶۱۶)

(۲) مصلی سے پوچھا جائے یہ پیسہ کھوٹا ہے یا کھرا اور اشارہ سے جواب دے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو رد المصلي السلام بيده أو طلب منه شيء فأومأ برأسه أو عينيه أو حاجبه أي قال نعم أو لا لا تفسد بذلك وكذا لو أراه إنسان درهمًا وقال أجيد هو؟ فأومأ بنعم أو لا لعدم العمل الكثير. (شرح منية المصلي: ۴۴۵، سهيل اكيڈمی)

(۳) مصلی سے تعدادِ رکعات کے متعلق پوچھا جائے اور انگلی کے اشارہ سے جواب دے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ ملاحظہ ہو:

وفي شرح المنية:

وروي عن أبي بكر أنه أجاب فيمن أي في مسئلة من قال له أي للمصلي كم صليتم؟ فأشار إليه المصلي بيده أي بإصبعين منها إلى أنهم صلوا ركعتين وبثلاث إلى أنهم صلوا ثلاثاً ونحو ذلك، لا تفسد صلاته. (شرح منية المصلي: ۴۴۴، سهيل)

(۴) اگر کوئی آدمی پیچھے کی صف میں اکیلا تھا اور اس نے اگلی صف سے کسی کو کھینچا اور اگلی صف والا اس کی اتباع میں پیچھے آ گیا تو راجح قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۵) اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا تھا اور کوئی دوسرا آدمی باہر سے آیا اور مصلی سے کہا کہ آگے بڑھ جاؤ اور خارج کی اتباع میں مصلی آگے بڑھ گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

(۶) اگر کوئی صف میں داخل ہوا اور مصلی نے اس کو جگہ دی تو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں بھی یہ بات راجح قرار دی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی چاہے مصلی نے یہ کام آنے والے کے کہنے سے کیا ہو یا اس کے کہے بغیر ہر صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ولو وجد فرجة في الأول لاالثاني له خرق الثاني لتقصيرهم، وفي الحديث "من سدّ فرجة غفر له" وصح "خياركم ألينكم مناكب في الصلاة" وبهذا يعلم جهل من يستمسك عند دخول داخل بجنبه في الصف ويظن أنه رياء كما بسط في البحر، لكن نقل المصنف وغيره عن القنية وغيرها ما يخالفه ثم نقل تصحيح عدم الفساد في مسئلة من جذب من الصّف فتأخر.

قال ابن عابدين رحمہ اللہ تعالیٰ:

كما بسط في البحر أي نقلاً عن فتح القدير قال ويظن أن فسحه له رياء بسبب أن يتحرك لأجله بل ذاك إعانة على إدراك الفضيلة وإقامة لسدّ الفرجات المأمور بها في الصف والأحاديث في هذا شهرة كثيرة.

(لكن نقل المصنف وغيره الخ) استدرك على ما استنبطه في البحر والفتح من الحديث بأنه مخالف للمنقول في المسئلة، وعبارة المصنف في المنح بعد أن ذكر: لو جذبه آخر فتأخر الأصح لاتفسد صلاته،وفي القنية:قيل لمصل منفرد تقدّم فتقدم بأمره أو دخل رجل فرجة الصف فتقدم المصلي حتى وسع المكان عليه فسدت صلاته وينبغي أن يمكث ساعة ثم يتقدم برأي نفسه، وعلّله في شرح القدوري بأنه امتثال لغير أمر الله تعالى أقول: ما تقدم من تصحيح صلاة من تأخر ربما يفيد تصحيح عدم الفساد في مسئلة القنية،لأنه مع تأخره بجذبه لاتفسد صلاته ولم يفصّل بين كون ذلك بأمره أم لا ...... هذا وقد ذكر الشرنبلالي في شرح

الوهبانية ما مر عن القنية وشروح القدوري ثم رده بأن امتثاله إنما هو لأمر رسول الله ﷺ فلايضر. (شامی: ۱/۵۷۱)

وفي مفسدات الصلاة من الدر:

أو دخل فرجة الصف فوسع له فسدت...... وقال ابن عابدين: المعتمد فيه عدم الفساد. (شامی: ۱/۶۲۲)

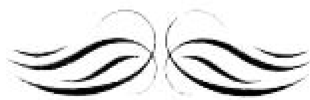
(۷) امام کا آنے والے کی رعایت کرتے ہوئے رکوع کو طویل کرنا، اگر اس نیت سے ہو کہ اسے رکوع مل جائے تو اعانۃ علی الطاعۃ ہونے کی وجہ سے جائز ہے اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی حالانکہ امام نے خارج الصلاۃ کی رعایت کی:

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وكره تحريما إطالة الركوع والقراءة لإدراك الجائي أي إن عرفه وإلا فلا بأس به ولو أراد التقرب إلى الله تعالىٰ لم يكره اتفاقًا.

قال الشامي رحمه الله تعالى: ولو أراد التقرب إلى الله أي خاصة من غير أن يتخالج قلبه بشيء سوى التقرب حتى ولا لإعانة على إدراك الركعة...... أقول: قصد الإعانة على إدراك ركعة مطلوب فقد شرعت إطالة الركعة الأولىٰ في الفجر اتفاقاً وكذا في غيره على الخلاف إعانة للناس على إدراكها...... (شامی: ۱/۴۹۵)

مذکورہ بالا احادیث وعباراتِ فقہیہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مصلی خارج الصلاۃ کی تلقین قبول کرلے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، لہٰذا لاؤڈ سپیکر خارج الصلاۃ ہے جو امام کی آواز مقتدیوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے تو اس پر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے نہ اس میں کوئی وجہِ فساد پائی جاتی ہے، نیز پرانے زمانے میں لاؤڈ سپیکر درمیان میں خراب ہو جاتا تھا لیکن آج کل لاؤڈ سپیکر عمدہ ہوتے ہیں اکثر خراب نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔



فصلِ دوم

مکروہاتِ نماز کا بیان

سیل فون کی گھنٹی بجنے پر عملِ قلیل سے بند کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر نماز میں سیل فون کی گھنٹی بجنے لگے تو اس کو عملِ قلیل سے بند کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: نماز کے دوران گھنٹی بجنے پر عملِ قلیل سے بند کرنا جائز ہے یعنی ایک ہاتھ جیب میں ڈال کر بند کردے نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ نماز مکروہ ہوگی۔

مصلی کے لئے ضروری ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے سائلنٹ (silent) پر کردے یا بند کردے، اور اس کی طرف خاص توجہ رکھے لیکن کسی وجہ سے بھول گیا اور نماز میں بجنے لگے تو فوراً عملِ قلیل سے بند کردینا چاہئے کیونکہ گھنٹی کا مسلسل بجنا دیگر مصلیوں کی سخت ناگواری کا سبب ہے اور خود اپنی نماز کے لئے بھی باعثِ خلل ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک بچہ کے رونے کی آواز آئی تو آپ ﷺ نے نماز مختصر فرمادی تاکہ بچہ کی ماں پریشان نہ ہوجائے معلوم ہوا کہ جس طرح بچہ روتا ہے اور چپ کرنا مشکل ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے خیال فرمایا، اسی طرح سیل فون جب رونا شروع کرے تو اس کو بند کرنا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا کیونکہ سیل فون بھی بچہ کی طرح جلدی خاموش ہونے والا نہیں ہے اور اس میں مصلیوں کی تشویش کا سبب ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبی قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی ﷺ قال: إنی لأقوم فی الصلاة أرید أن أطول فیها فأسمع بكاء الصبی فأتجوز فی صلاتی كراهة أن أشق علی أمه. وفی روایة: قال أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: فیخفف مخافة أن تفتن أمه. وفی روایة: فأتجوز فی صلاتی مما أعلم من شدة وجد أمه من بكائه. وفی روایة: كراهة أن أشق علی أمه.

(بخاری شریف: ۱/ ۹۸، باب أخف الصلاة عند بکاء الصبی)

ملاحظہ ہوامداد الفتاح میں ہے:

والثاني أن ما يقام باليدين عادة كثير …… ويقام بيد واحدة قليل …… وفي مكروهات الصلوة …… ويكره العمل القليل. (امداد الفتاح: ۳۵۹-۳۸۳، بیروت)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

العمل الكثير يفسد الصلاة والقليل لا، كذا في محيط السرخسي وكل ما يقام بيد واحد فهو يسير ما لم يتكرر كذا في فتاوى قاضيخان وأنه لو نظر إليه ناظر من بعيد إن كانت لايشك أنه في غير الصلاة فهو كثير مفسد وإن شك فليس بمفسد وهذا هو الأصح كما في التبيين. وهو أحسن كذا في محيط السرخسي وهو اختيار العامة كذا في فتاوى قاضيخان والخلاصة وإن تقلد سيفًا أو نزعه لاتفسد صلاته.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۰۱، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

ندائے شاہی میں ہے:

نماز میں موبائل بند کرنا: ضروری ہے کہ نماز شروع ہونے سے پہلے موبائل کی گھنٹی بند کردی جائے اوراس کا خاص اہتمام رکھنے کی عادت ڈالی جائے لیکن اگر اتفاق سے گھنٹی بند کرنا بھول گیا اور دورانِ نماز گھنٹی بجنے لگی تو عملِ قلیل کے ذریعہ (ایک ہاتھ سے جیب میں رکھے) موبائل بند کردینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

(ماہنامہ: ص۱۴ ندائے شاہی مرادآباد، دسمبر ۲۰۰۶)

کوٹ (jacket) کندھے پر ڈال کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں کوٹ (jacket) کو کندھے پر ڈال دے اور آستینوں میں ہاتھ داخل نہ کرے تو نماز میں کچھ نقص وخرابی آئے گی یا نہیں؟

الجواب: نماز میں اس طرح کوٹ کندھے پر ڈالنا اور ہاتھ آستینوں میں داخل نہ کرنا سدل یعنی کپڑا لٹکانے کے حکم میں ہے اور یہ مکروہ ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نماز مکروہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولايسدل ثوبه لأنه عليه الصلاة والسلام نهى عن السدل وهو أن يجعل ثوبه على رأسه وكتفيه ثم يرسل أطرافه من جوانبه. وفي فتح القدير: (قوله لأنه عليه الصلاة والسلام نهى عن السدل) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أنه صلى الله عليه وسلم "نهى عن السدل في الصلاة وأن يغطي الرجل فاه"

أخرجه أبوداؤد والحاكم وصححه (قوله وهو أن يضع الخ) ويصدق أيضًا على لبس القباء من غير ادخال اليدين كميه، وقد صرح بالكراهة فيه.

(فتح القدير مع الهداية: ۱/۱۲ ٤ ،فصل ويكره للمصلى ،دار الفكر۔ وكذا فى البحر الرائق: ۱/ ۲٤ ،كوئٹہ)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ومن السدل أن يجعل القباء على كتفيه ولم يدخل يديه فى الكمين، قالوا: ومن صلى فى قباء ينبغى أن يدخل يديه فى كميه ويشده بالمنطقة مخافة السدل كذا فى فتاوى قاضيخان.

(فتاوى هندية: ۱/ ۱۰٦)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

والصحيح الذى عليه قاضيخان، والجمهور أنه يكره لأنه إذا لم يدخل يديه فى كميه صدق عليه اسم السدل لأنه إرخاء للثوب بدون لبس معتاد. واللّٰه اعلم.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۳٥۰ ،فصل فى المكروهات،قديمى۔ وكذا فى امداد الفتاح: ۳۷۹)

نماز میں چادر یا رومال سر پر ڈال کر کنارے چھوڑنا:

سوال: کیا نماز میں کچھ نقص آئے گا اس صورت میں کہ مصلی اپنے رومال یا چادر کا ایک کنارہ یا دونوں کو لٹکا دے اور چھوڑ دے؟

الجواب: رومال یا چادر کا ایک کنارہ اگر کندھے پر ڈالدے تو نماز میں کوئی نقص نہیں ہے البتہ دونوں کناروں کو چھوڑ دے اور لٹکائے رکھے تو نماز مکروہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو؛ امداد الفتاح میں ہے:

ويكره سدله ...... السدل وهو أن يجعل الثوب على رأسه وكتفيه ويرسل جوانبه من غير أن يضمها ...... وفى الظهيرية هو أن يضع ثوبه على كتفيه ويرسل طرفيه انتهى. وفى مجمع الروايات: لو كان تحت الرداء قميص أو ثوب اختلفوا فى كراهة السدل والصحيح أنه يكره انتهى. وفى البحر عن فتح القدير أن السدل يصدق على أن يكون المنديل مرسلًا من كتفيه كما يعتاده كثير فينبغى لمن على عنقه منديل أن يضعه عند الصلاة، ولا فرق بين أن يكون الثوب محفوظًا عن الوقوع أو لا انتهى، وذلك لقول أبى هريرة رضى الله تعالى عنه أنه عليه السلام "نهى عن السدل وأن يغطى الرجل فاه". (أخرجه أبوداؤد فى الصلاة باب ماجاء فى السدل فى الصلاة: ٦٤۳۔

والترمذي في الصلاة باب ما جاء في كراهة السدل في الصلاة من زيادة أن يغطي الرجل فاه: ٣٧٨۔ والبيهقي في الصلاة باب كراهية السدل في الصلاة: ٢/٢٤٢۔ وابن حبان في صحيحه في الصلاة: ٢٢٨٩۔ والحاكم في المستدرك: ١/٢٥٣، وقال: حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه فيه، ووافقه الذهبي) **وفي المحيط لأنه تشبه بفعل اليهود حال عبادة النيران.** انتهى.

(امداد الفتاح: ٣٧٩ فصل في المكروهات، بيروت)

درمختار میں ہے:

وكره سدل(تحريماللنهي)ثوبه أي إرساله بلا لبس معتاد ...... كشد ومنديل يرسله من كتفيه، فلو من أحدهما لم يكره كحالة عذر ...... وفي الشامي (قوله كشد) هو شيء يعتاد وضعه على الكتفين كما في البحر وذلك نحو الشال ...... وفي تقريرات الرافعي ...... (قول الشارح فلو من أحدهما لم يكره) أي أحد كتفيه ولف الباقي على عنقه، سندي تأمل وبه يعلم عدم المخالفة لمافي البحر.

(الدر المختار مع الشامي مع حاشيته تحرير المختار: ١/٦٣٩/ ٨٤ مكروهات الصلاة)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

(قوله ولا يسدل ثوبه) وهو أن يلقيه من رأسه إلى قدميه أويضع الرداء على كتفيه ولم يعطفه على بعضه. (الجوهرة النيرة: ٧٥، امدادية ملتان)

حضرت مفتی رشید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرب کے معتاد سدل کو بغیر کراہت کے جائز فرمایا ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳/۴۰۸) مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ عرب حضرات رومال لٹکا کر اس کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں جس سے کراہت اور مؤکد ہوجاتی ہے اس لئے ہمارا خیال یہ کہ عرب حضرات کے طریقہ پر رومال لٹکانے سے بچنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: آستین چڑھائے ہوئے نماز پڑھنا یعنی کہنیوں کو نماز میں کھلا چھوڑنا کیسا ہے؟

الجواب: بلا وجہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ وضو کے لئے یا اور کسی سبب سے آستین چڑھائی ہوں تو اتار لیوے پھر نماز شروع کرے اگر رکعت پانے کے شوق میں نماز میں داخل ہوجائے تو بہتر یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اتار لیوے کہ جس سے عمل کثیر لازم نہ آئے۔

امداد الفتاح میں ہے:

ویکره تشمير كميه عنهما لقوله ﷺ "أمرت أن أسجد على سبعة أعظم وأن لا أكف شعرًا ولا ثوبًا" متفق عليه۔ وهو يتضمن كراهة تشمير الكمين ولما فيه من الجفاء المنافي للخشوع لما فيه من التهاون والتكاسل وقلة الأدب. (امداد الفتاح: ۳۷۷ فصل فی المکروهات،بیروت)

شامی میں ہے:

(قوله كمشمر كم أو ذيل)أي كما لو دخل في الصلاة وهو مشمر كمه أو ذيله،وأشار بذلك إلى أن الكراهة لاتختص بالكف وهو في الصلاة كما أفاده في شرح المنية،لكن قال في القنية: واختلف فيمن صلى وقد شمر كميه لعمل كان يعمله قبل الصلاةأوهيئته ذلك ومثله مالو شمر للوضوء ثم عجل لإدراك الركعة مع الإمام، وإذادخل في الصلاة كذلك وقلنا بالكراهة فهل الأفضل إرخاء كميه فيها بعمل قليل أوتركهما؟ لم أره: والأظهر الأول بدليل قوله الآتي ولو سقطت قلنسوة فإعادتها أفضل تأمل.

هذا هو قيد الكراهة في الخلاصة والمنية بأن يكون رافعاً كميه إلى المرفقين،وظاهره أنه لايكره إلى مادونهما،قال في البحر :والظاهر الإطلاق لصدق كف الثوب على الكل و نحوه في الحلية، وكذا قال في شرح المنية الكبير: إن التقييد بالمرفقين اتفاقي،قال:وهذا لوشمرهماخارج الصلاة ثم شرع فيها كذلك،أما لوشمروهوفيها تفسد لأنه عمل كثير.

(شامی:۱/ ٦٤٠،مکروهات الصلاة،سعید۔وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۲٤،مکروهات الصلاة،الماجدیة کوئٹه۔وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۳٤۹، فصل فی المکروهات،قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۳/ ۴۰۶، باب مفسدات الصلاۃ ومکروہات۔فتاوی رحیمیہ :۳/ ۴۱، کتاب الصلاۃ، مکتبہ رحیمیہ۔ وفتاوی محمودیہ:۶/ ۶۵۲،الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلاۃ، جامعہ فاروقیہ۔کفایت المفتی:۳/ ۴۲۸)۔ واللہ اعلم۔

رکوع سجدے میں جاتے ہوئے پاجامہ اٹھانے سے نماز کا حکم:

سوال: سجدے میں جاتے وقت مصلی اپنا پاجامہ یا کرتہ سمیٹ لے تو نماز میں کچھ خلل واقع ہوگا یانہیں؟

الجواب: رکوع سجدے میں جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے پاجامہ اٹھانے سے نماز میں کراہت پیدا ہوتی ہے لیکن نماز فاسد نہیں ہوئی، البتہ نماز میں ایسی حرکت کرنا اور اس کو عادت بنالینا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے اور بعید نہیں کہ عملِ کثیر کی طرف مفضی ہوکر فسادِ صلاۃ کا باعث بن جائے لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے۔

امداد الفتاح میں ہے:

ویکره کف ثوبه أی: رفعه بین یدیه أو من خلفه إذا أراد السجود، انتهی وقیل: أن یجمع ثوبه ویشده فی وسطه کذا فی شرح الإرشاد انتهی لما قدمناه من قوله ﷺ "أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم وأن لا أکف شعرًا ولا ثوبًا" متفق علیه ولما فیه من الجبر المنافی لوضع الصلاة وهو الخشوع والخضوع کذا فی البرهان. (امداد الفتاح: ۳۷۹، فصل فی المکروهات، بیروت)

شامی میں ہے:

وکره کفه أی رفعه أی سواء کان من بین یدیه أو من خلفه عند الانحطاط للسجود.

(شامی: ۱/ ٦٤٠، مکروهات الصلاة، سعید)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

سوال: قومہ سے سجدے میں جاتے ہوئے پاجامہ اوپر کو اٹھا لیتے ہیں نماز میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بلاضرورت ایسا کرنا اچھا نہیں اور نماز ادا ہو جاتی ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۴/ ۹۳، باب مکروہاتِ نماز)

کفایت المفتی میں ہے:

یہ فعل مکروہ ضرور ہے مگر مفسدِ نماز نہیں ہے کراہت تحریمی بدرجہ غالب ہے۔ واللہ اعلم۔

(کفایت المفتی: ۳/ ۴۲۸، مکروہاتِ نماز، دارالاشاعت۔ وفتاویٰ محمودیہ: ٦/ ۲۰۲، جامعہ فاروقیہ)

مسجد کے لمبے کرتوں میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: آج کل مسجد میں لمبے کرتے رکھتے ہیں اور عوام جو کام کاج سے نماز کے لئے آتے ہیں وہ اس کو پہن کر نماز پڑھتے ہیں اور کام کاج کے کپڑوں میں نماز پڑھنا مناسب نہیں سمجھتے تو اس طرح نماز پڑھنے میں کوئی کراہت ہوگی یا نہیں؟ بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ عام مجمع میں ان کپڑوں سے نہیں جاتے لہذا نماز مکروہ ہونی چاہئے کیا یہ درست ہے؟

الجواب: بظاہر ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے اس وجہ سے کہ ان کے لباس سے یہ زیادہ ساترِ بدن ہوتے ہیں۔ پھر ان کپڑوں سے نماز میں ایک قسم کی عاجزی پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں آئے تو خاص لباس میں عبادت ادا کی نہ کہ فیشن ایبل کپڑوں میں، پھر فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ آستین چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بعض فتاویٰ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بلا آستین کے کپڑوں میں بھی نماز مکروہ ہے جیسے فتاویٰ محمودیہ، فتاویٰ رحیمیہ وغیرہ لہذا ان کپڑوں سے نماز میں کراہت پیدا نہیں ہوگی۔

اور بعض کا یہ خیال ہے کہ عام مجمع میں نہیں جاتے اس لئے مکروہ ہونا چاہئے۔ تو اس سے وہ کپڑے مراد ہیں جو کام کاج میں پہنتے ہیں جو خستہ ہوتے ہیں ان کپڑوں کو پہن کر عام مجمع میں جانے سے شرم آتی ہے مثلاً ہمارے عرف میں اکثر دکانوں میں کام کرنے والے پہنتے ہیں تو ان کپڑوں میں نماز مکروہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وتكره الصلاة في ثياب البذلة ثوب لايصان ولايحفظ عن الدنس ونحوه ابتذال الثوب وغيره امتهانه وقيل: ما يلبس في البيت ولايذهب به إلى الكبراء وكذا ثياب المهنة كحكمة في أوزانها وهي الخدمة والعمل فيحترز عنها تكميلاً لرعاية مقام الوقوف بين يدي الله سبحانه وتعالى بما أمكن من تجميل الظاهر والباطن وفي قوله تعالى: ﴿خذوا زينتكم عند كل مسجد﴾ (سورة الأعراف: ٣١) إشارة إليه وإن كان المراد به ستر العورة على ماذكره أهل التفسير كما تقدم وقال في التجنيس تكره في ثياب البذلة لما روى أن عمر رضي الله تعالى عنه راى رجلاً فعل ذلك فقال: أرأيت لوكنت أرسلتك إلى بعض الناس أكنت تمر في ثيابك هذه؟ فقال: لا، فقال عمر رضي الله تعالى عنه: "الله أحق أن تتزين له". أخرجه البيهقي في سننه من حديث ابن عمر في الصلاة باب ما يستحب أن يصلي فيه من الثياب: ٢/٢٣٦، انتهى۔

(امداد الفتاح شرح نور الإيضاح: ٣٨٧، فصل في المكروهات، بيروت)

شامی میں ہے:

والظاهر أن الكراهة تنزيهية.

(شامي: ١/٦٤١، مكروهات الصلاة۔ وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٣٥٩، فصل في مكروهات الصلاة، قديمي)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: نصف آستین کی قمیص سے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: حضرت نبی کریم ﷺ سے نصف آستین کی قمیص پہننا منقول نہیں ہے، ایسی قمیص خلافِ سنت ہے اس کو پہن کر نماز پڑھنا بھی خلافِ سنت ہے (مکروہ ہے)۔

(فتاویٰ محمودیہ ۶/۶۵۴ فصلِ ثانی مکروہاتِ نماز، جامعہ فاروقیہ۔ امداد الاحکام ۱/۵۶۳)

البتہ جو صرف آستین چڑھاتے ہیں وہ مناسب نہیں ہے پورا جبہ پہن کر نماز پڑھے۔ واللہ اعلم۔

نماز میں جمائی آنے پر ہاہ ہاہ کی آواز نکلنے سے نماز کا حکم:

سوال: نماز میں جمائی آنے پر داہنا ہاتھ منہ پر رکھنا چاہئے یا بایاں ہاتھ؟ نیز جو لوگ ہاہ ہاہ کی آواز نکالتے ہیں یہ مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

الجواب: نماز میں جمائی لینا یہ شیطانی عمل ہے حتی الامکان اس سے احتراز کرنا چاہئے تاہم بلا اختیار آجائے تو حالتِ قیام میں داہنا ہاتھ منہ پر رکھے تاکہ زیادہ عمل نہ ہو اور دیگر حالتوں میں بایاں ہاتھ استعمال کرے اور ہاہ ہاہ کی آواز نکالنا اختیار سے ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر بلا اختیار ہے تو معاف ہے جیسے چھینک آنے پر کچھ حروف نکلتے ہیں۔ البتہ کراہت سے خالی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله والتثاؤب) قلت: ولهذا السبب كان من الشيطان كما في حديث الصحيحين أنه ﷺ قال: "التثاؤب من الشيطان فإذا تثاءب أحدكم فليكظم ما استطاع" وفي رواية لمسلم "فليمسك بيده على فيه، فإن الشيطان يدخله" وألحق باليد الكم، وهذا إذا لم يمكنه كظمه: أي رده وحبسه، فقد صرح في الخلاصة بأنه إن أمكنه عند التثاؤب أي يأخذ شفته بسنه فلم يفعل وغطى فاه بيده أو بثوبه يكره ...... ثم في المجتبى: يغطي فاه بيمينه وقيل بيمينه في القيام وفي غيره بيساره.

قلت: ووجه القيل أظهر لأنه لدفع الشيطان كما مر، فهو كإزالة الخبث وهي باليسار أولى، لكن في حالة القيام لما كان يلزم من دفعه باليسار كثرة العمل بتحريك اليدين كانت اليمنى أولى، ...... ولم أر من تعرض للكراهة هنا هل تحريمية أو تنزيهية ...... وأما التثاؤب نفسه فإن نشأ من طبيعته بلا صنعه فلا بأس، وإن تعمده ينبغي أن يكره تحريماً لأنه عبث، وقد مر أن العبث مكروه تحريمًا في الصلاة. (شامي: ۱/ ٦٤٥، مكروهات، سعيد)

بنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

وإن كان التنحنح بعذر بأن يكون له سعال فهو عفو يعني لا يفسد وإن حصل به حروف لأنه جاء من قبل من له الحق فجعل عفوًا كالعطاس والجشاء فإنه لا يفسد وكذا التثاؤب إذا ظهر له حروف مهجاة كذا في فتاوى العتابي.

(البناية في شرح الهداية: ۱/ ۷۷۸، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، فيصل آباد)

درمختار میں ہے:

والأنين والتأوه والتأفيف والبكاء بصوت يحصل به حروف لوجع أومصيبة قيد للأربعة إلالمريض لايملك نفسه عن أنين وتأوه لأنه حينئذٍ كعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وإن حصل حروف للضرورة. وفي الشامي: (قوله وإن حصل حروف) أي لهذه المذكورات كلها كما في المعراج، لكن ينبغي تقييده بما إذا لم يتكلف إخراج حروف زائدة على ما تقتضيه طبيعة العاطس ونحوه كما لوقال في تثاؤبه هاه هاه مكررًا لها فإنه منهي عنه بالحديث تأمل. والله اعلم. (الدرالمختارمع الشامي: ۱/ ٦١٩، باب مايفسد الصلاة، سعيد)

تصویر والے سکے جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ابھری ہوئی تصویر والے دھات کے سکے جیب میں رکھنے سے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: تصویر والے سکے جیب میں ہونے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں آتا البتہ احتیاط سے رکھنے چاہئے تاکہ سجدہ کی جگہ نہ گرے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

إلاأن تكون الصورة صغيرة بحيث لاتبدو للقائم إذا نظرها إلا بتأمل كالتي على الدينار لأنها لاتعبد عادة، وقال في التجنيس والمزيد: إذا صلى ومعه دراهم عليها تماثيل ملك لابأس به؛ لأن هذا يصغرعن البصر انتهى. (امداد الفتاح: ۳۹۲، فصل في المكروهات، بيروت)

شامی میں ہے:

(قوله لاالمستتربكيس أوصرة) بأن صلى ومعه صرة أو كيس فيه دنانير أودراهم فيها صور صغار فلا تكره لاستتارها بحر، ومقتضاه أنها لو كانت مكشوفة تكره الصلاة مع أن الصغيرة لاتكره الصلاة معها. (قوله لا تتبين) هذاضبط ممافي القهستاني حيث قال بحيث لاتبدو للناظر إلابتبصر بليغ كما في الكرماني، أولا تبدوله من بعيد كما في المحيط ثم قال: لكن في الخزانة: إن كانت الصورة مقدارطيريكره، وإن كانت أصغرفلا.

(شامی: ۱/ ٦٤٨، مكروهات الصلاة، سعيد)

تبیین الحقائق میں ہے:

قال رحمه الله (إلا أن تكون صغيرة) لأنها لا تعبد إذا كانت صغيرة بحيث لاتبدو للناظر

والكراهة باعتبار العبادة فإذا لم يعبد مثلها لا يكره.

(تبيين الحقائق: ١/١٦٦، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، امدادية)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

پیسے روپے پر اولاً تو تصویر چھوٹی ہے جس کا کوئی اعزاز نہیں ہوتا ہے دوسرے جیب یا کسی اور کپڑے میں نماز کے وقت مخفی رہتی ہے سامنے نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ٦/٦٧٤، باب مایفسد الصلاۃ وما یکرہ فیھا، جامعہ فاروقیہ)

آپ کے مسائل اوران کا حل میں ہے:

تصویر والی نوٹوں کے جیب میں ہونے کی صورت میں نماز صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۲/۳۱۲)

غیر عربی میں دعا پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے اردو میں قعدہ میں یہ دعا پڑھی: یا اللہ تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز میں غیر عربی میں دعا کرنا راجح قول کے مطابق مکروہ تحریمی ہے لیکن ایک قول کراہتِ تنزیہی کا بھی ہے، لہٰذا اگر اس نماز کا اعادہ نہیں کیا تو بعض حضرات کے قول کے مطابق کوئی حرج نہیں ہے۔

شامی میں ہے:

لكن المنقول عندنا الكراهة، فقد قال في غرر الأحكام شرح درر البحار في هذا المحل: وكره الدعاء بالعجمية، لأن عمر رضي الله تعالى عنه "نهى عن رطانة الأعاجم"...... ولا يبعد أن يكون الدعاء بالفارسية مكروهًا تحريمًا في الصلاة. (شامي: ١/٥٢١، الدعاء بغير العربية، سعيد)

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

وعلى هذا الخلاف جميع أذكار الصلاة من التشهد والقنوت والدعاء وتسبيحات الركوع والسجود فإن قال بالفارسية "يارب بيامرز مرا" (اے اللہ مجھے بخش دے) إذا كان يحسن العربية تفسد صلاته وكذا كل ماليس بعربية كالتركية والزنجيه والحبشية والنبطية.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/٨٦، باب افتتاح الصلاة، بلوچستان)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

نماز میں غیر عربی میں دعا کے بارے میں تین قول ہیں: حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی، کراہتِ تحریمیہ کا قول

ارجح واوسط ہے لہٰذا نماز کا اعادہ واجب ہے۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی:۳/۴۳۲،باب مفسدات الصلوۃ ومکروہات۔وفتاوی محمودیہ:۶/۶۲۷،جامعہ فاروقیہ۔وفتاوی حقانیہ:۳/۲۰۹،باب مکروہات الصلوۃ)

منہ میں چنے کی مقدار کوئی چیز رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی کے منہ میں چنے کی مقدار کوئی چیز رہ گئی نماز کے بعد اس کو معلوم ہوا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چنے کی مقدار کوئی چیز منہ میں رہ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ نماز مکروہ ہوگی۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

ولایصلی وفی فیہ دراھم أو دنانیر لایمنعه عن القراءة، وإن منعه لم تجز صلاته، وفی موضع آخر: إن منعه عن أداء الحروف أفسد الصلاة، وإن لم یمنعه عن عین القراءة وإنما منعه عن سنة القراءة لاتفسد صلاته ولکن یکره له، وإن لم یمنعه شیئًا فلابأس به.

(التاتارخانیة:۱/۵٦٥، الفصل الرابع فی بیان ما یکره للمصلی،ادارة القرآن)

فتح القدیر میں ہے:

وذکر شیخ الاسلام أکل بعض اللقمة وبقی فی فمه بعضها فدخل فی الصلاة فابتلعه لاتفسد مالم تکن ملء الفم. (فتح القدیر:۱/۱٢٤،دارالفکر)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

رجل أکل أوشرب قبل الشروع فی الصلاة ثم شرع فی الصلاة وبقی فی فمه فضل طعام أوشراب فأکل أوشرب ما بقی فیه لاتفسد صلاته وعلیه الفتوی. (الفتاوی الهندیة:۱/۱۰۲)

البحر الرائق میں ہے:

ثم إذاکان ابتلاع ما بین أسنانه غیر مفسد بشرطه علی الخلاف فهو مکروه کما صرح به فی منیة المصلی لأنه لیس من أعمال الصلاة ولاضرورة فیه فکان مکروهًا وإن کان قلیلا. والله اعلم. (البحر الرائق:۲/۱۵،باب ما یفسد الصلاة ومایکره فیها،الماجدیة)

سجدہ میں بقدر تین تسبیح دونوں پاؤں اٹھانے سے نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سجدہ میں بقدر تین تسبیح دونوں پاؤں اٹھائے پھر رکھ لئے تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: سجدہ میں قدمین کا کوئی بھی حصہ اگرچہ ایک انگلی ہی ہو رکھنا فرض ہے اور ضروری ہے اس کے

بغیر نماز نہیں ہوتی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں اٹھانے کے بعد رکھ دیئے لہٰذا سجدہ ادا ہوگیا لیکن سنت طریقہ کے خلاف ہوا اس وجہ سے نماز مکروہ ہوگی۔

امداد الفتاح میں ہے:

ویفترض السجود لقوله تعالى: ﴿واسجدوا﴾ (الحج: ٧٧) ولأمر النبي ﷺ به وللإجماع على فرضيته، والسجدة إنما تتحقق بوضع الجبهة لا الأنف، مع وضع أحدى القدمين وإحدى الركبتين وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين من الأرض فإن لم يوجد وضع هذه الأعضاء لا تتحقق السجود ...... ووضع شيء من أصابع الرجلين نحو القبلة حالة السجود على الأرض، ولا يكفي لصحة السجود وضع ظاهر القدم لأنه ليس محله لقوله ﷺ "أمرت أن أسجد على سبعة أعظم، على الجبهة واليدين والركبتين وأطراف القدمين" متفق عليه، وقوله ﷺ "إذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب: وجهه وكفاه وركبتاه وقدماه" وهو اختيار الفقيه أبي الليث كما في البرهان. (امداد الفتاح: ٢٥٧، أحكام السجود، بيروت)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قوله: (وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين) يصدق ذلك بأصبع واحدة قال في الخلاصة: وأما وضع القدم على الأرض في الصلاة حال السجدة ففرض فلو وضع إحداهما دون الأخرى تجوز صلاته ...... ويكفي وضع أصبع واحدة في الفتح عن الوجيز، وضع القدمين فرض فإن وضع إحداهما دون الأخرى جاز، ويكره ...... وفي البحر: ونص صاحب الهداية في التجنيس على أنه لو لم يوجه الأصابع نحو القبلة يكون مكروهًا.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٢٣٠، باب شروط الصلاة، قديمي)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويكره تحويل أصابع يديه أو رجليه عن القبلة في السجود لقوله ﷺ "فليوجه من أعضائه إلى القبلة ما استطاع. (مراقي الفلاح: ١٢٨، فصل في المكروهات)

نیز ملاحظہ ہو: (شامي: ١/٤٩٩، سعيد۔ وفتح القدير: ١/٣٠٥، دار الفكر۔ والبحر الرائق: ١/٣١٨، كوئٹة۔ والفتاوى الهندية: ١/٧٠)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

دونوں پاؤں میں سے کسی ایک کا کوئی جزء بقدر تسبیحہ واحدہ زمین پر رکھنا واجب ہے، اور ایک قول کے مطابق فرض ہے، تیسرا قول سنت کا بھی ہے، قولِ اول راجح ہے۔ پس اگر پورے سجدہ میں بقدر ایک تسبیح کے دونوں پاؤں میں سے کسی کا کوئی جزء زمین پر رکھ لیا تو واجب ادا ہو جائے گا، اگر اتنی مقدار بھی نہیں رکھا تو ترکِ واجب کی وجہ سے نماز واجب الاعادۃ ہوگی، واضح رہے کہ ظہرِ قدم یا صرف ایک قدم کو زمین پر بغیر عذر رکھنے سے واجب تو ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہے، اس لئے کہ دونوں پاؤں زمین پر رکھنا اور انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا سنت مؤکدہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ۳/ ۳۹۸، باب مفسدات الصلاۃ۔ وفتاوی حقانیہ: ۳/ ۸۱)

گانے بجانے کی جگہوں پر نماز پڑھنے سے نماز کا حکم:

سوال: گانے بجانے کی جگہیں مثلاً بازار وغیرہ پر نماز پڑھنے سے نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: اگر نماز کی جگہ الگ ہو اور وہاں گانے بجانے کی آواز نہیں آتی تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہاں گانے بجانے کی جگہ میں نماز پڑھنا جبکہ وہاں سے آواز آتی ہو اور نماز میں خلل پڑتا ہو کراہت سے خالی نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضور ﷺ نے خراب اور ردی جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا تو جہاں پر بھی گانا بجانا ہو اسی کے حکم میں ہے لہٰذا نماز مکروہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

نهى النبي ﷺ عن الصلاة في المقبرة والمجزرة والمزبلة والحمام. (رواہ البیهقی: ۲/ ۳۲۹)

امداد الفتاح میں ہے:

وتكره الصلاة في الطريق لأن فيه منع الناس عن المرور وشغله بما ليس له لأنها حق العامة للمرور وفي الحمام وفي المخرج أي الكنيف وفي المقبرة وفي أمثالها لما رواه ابن ماجة، والترمذي عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "أن رسول الله نهى أن يصلى في سبعة مواطن في المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق وفي الحمام ومعاطن الإبل وفوق ظهر بيت الله ...... والمغتسل مكان الاغتسال والعلة كونها موضع النجاسة وألحق بها المغتسل، لأنه مصب النجاسة والأوساخ والنهي عن الصلاة في الحمام لمعنيين أحدهما: أنه مصب الغسالات فعلى هذا لايكره في سائره فإذا غسل منه موضعًا ليس فيه تمثال لاتكره فيه، والثاني: أن الحمام

بيت الشياطين، وفي الفتاوى: لابأس بالصلاة في المقبرة إذا كان فيها موضع أعد للصلاة وليس فيه قبر ...... وتكره بحضرة كل مايشغل البال كزينة وبحضرة مايخل بالخشوع كلهو ولعب كما ذكرنا.

(امداد الفتاح: ۳۸۶، فصل في المكروهات، بيروت۔ وبدائع الصنائع: ۱/۳۰۱، سعيد۔ والشامي: ۱/۴۱۰، سعيد)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جہاں بھی کوئی زینت کی چیز ہو جو دل کو نماز میں متوجہ ہونے سے روک دے یا خشوع میں خلل انداز ہو تو نماز مکروہ ہوگی، اور اگر نماز کے لئے کوئی خاص جگہ تیار کی ہے جہاں گانے بجانے وغیرہ کی آواز نہیں آتی تو نماز میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

فصلِ سوم
سترہ کے احکام

امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے:

سوال: ایک جماعت خانے میں آنے کا راستہ پہلی صف کے کنارے سے ہے اور نماز شروع ہونے کے بعد بھی مصلی آتے ہیں اور اکثر مقتدیوں کے سامنے سے گذرنا پڑتا ہے لیکن امام کے سامنے دیوار ہے تو یہ امام کا سترہ ہے لیکن مقتدیوں کا سترہ نہیں ہے تو امام کے سامنے والی دیوار تمام مقتدیوں کے لئے بطور سترہ کافی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے لہذا کسی اور سترہ کی ضرورت نہیں البتہ نماز با جماعت ختم ہونے کے بعد اگر مصلی سنتیں پڑھتے ہوں تو ان کے سامنے سے گذرنا ممنوع ہوگا، نیز مسبوق امام کی نماز کے بعد فوت شدہ نماز پڑھے تو اس کے لئے بھی سترہ کی ضرورت نہیں ہے۔

امداد الفتاح میں ہے:

وسترة الإمام سترة لمن خلفه، لأن النبی ﷺ صلی بالأبطح إلی عنزة رکزت له ولم یکن للقوم سترة. ذکره الهیثمی فی مجمع الزوائد: ۲/۸٤ وأخرجه البخاری فی باب الصلاة إلی العنزة ومسلم فی باب سترة المصلی۔ (امداد الفتاح: ٤٠٠، فصل فی اتخاذ السترة)

شامی میں ہے:

(وکفت سترة الإمام للکل أی للمقتدین به کلهم وعلیه فلو مر مار فی قبلة الصف فی المسجد الصغیر لم یکره إذا کان للامام سترة، وظاهره الاکتفاء بها ولو بعد فراغ إمامه، وإلا فما فائدته؟ وقد یقال: فائدته التنبیه علی أنه کالمدرك لایطلب منه نصب سترة قبل الدخول فی الصلاة وإن کان یلزم أن یصیر منفردًا بلاسترة بعد سلام إمامه، لأن العبرة لوقت الشروع وهو وقته کان مستترًا بسترة إمامه تأمل.

(شامی: ۱/٦٣٨، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، سعید)

ہدایہ میں ہے:

وسترة الإمام سترة للقوم لأنه عليه السلام صلى ببطحاء مكة إلى عنزة ولم يكن للقوم سترة. (هداية: ١/١٣٩، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

امام کا سترہ تمام مقتدیوں کے لئے کافی ہے پس جب امام کے آگے سترہ ہو تو اگر کوئی مقتدیوں کی صف کے سامنے سے گذرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے اور یہی حکم مسبوق کے لئے بھی ہے کیونکہ اعتبار نماز شروع کرنے کے وقت کا ہے اور اس وقت امام کا سترہ اس کے لئے کافی تھا پس اب بھی وہی کافی رہے گا۔ واللہ اعلم۔

(عمدۃ الفقہ: ۲/۲۷۶، سترہ کے مسائل، مجددیہ)

ہاتھ بطورِ سترہ استعمال کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے اپنے ہاتھ کو اپنے پیچھے والے مصلی کے لئے سترہ بنایا اس صورت میں اس مصلی کے آگے سے گذرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سترہ کا مطلب یہ ہے کہ مصلی کے سامنے ایک ذراع لمبی اور بقدر ایک انگشت کوئی چیز ہو تو سامنے سے گزرنا جائز ہے کوئی گناہ نہیں ہوگا، لہذا جب پورا ہاتھ سترہ کی جگہ استعمال کیا تو بدرجۂ اولیٰ جائز و درست ہوگا۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

(أن يغرز سترة) لما روينا، ولقوله عليه الصلاة والسلام "ليستتر أحدكم ولو بسهم" أخرجه الحاكم في المستدرك ١/٢٥٢ وأحمد في مسنده ٣/٤٠٤. (وأن تكون طول ذراع فصاعدًا) لحديث مسلم "عن عائشة رضي الله تعالى عنها: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن سترة المصلي فقال: مثل مؤخرة الرحل" أخرجه مسلم في الصلوة، باب سترة المصلي والنسائي في القبلة باب سترة المصلي. وفسرها عطاء بأنها ذراع فما فوقها كما أخرجه أبو داؤد وقال صلى الله عليه وسلم "أيعجز أحدكم إذا صلى أن يجعل أمامه مثل مؤخرة الرحل" ذكره الزيلعي في نصب الراية: ٢/٨١ وقال: غريب بهذا اللفظ. وفي حديث آخر: "إذا وضع أحدكم بين يديه مثل مؤخرة الرحل فليصل ولا يبال بمرور مار" أخرجه مسلم في الصلاة باب سترة المصلي. وتكون السترة في غلظ الأصبع وذلك أدناه لأن ما دون ذلك ربما لا يبدو للناظر فلا يحصل به المقصود، وروى الحاكم مرفوعًا: "استتروا في صلاتكم ولو

بسهم" أخرجه الحاكم في المستدرك: ١/٢٥٢، وقال: على شرط مسلم ووافقه في التلخيص وأحمد في مسنده: ٣/٤٠٤.

وقال ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: "يجزئ من السترة السهم وهو يصلح بيانًا للطول والغلظ جميعا، ذكره شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالى.

(امداد الفتاح: ٣٩٨، فصل في اتخاذ السترة)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

درخت اور جانور اور آدمی وغیرہ کا بھی سترہ ہوسکتا ہے اور ان کے آگے ہوتے ہوئے پرے سے گذرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ۲۷۶، مجددیہ)

رومال یا لاٹھی رکھ کر گذرنے کا حکم:

سوال: نمازی کے سامنے سے گذرنے کے لئے اپنا رومال لٹکا کر یا لاٹھی کھڑی کر کے گذر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بظاہر جواز معلوم ہوتا ہے نیز اس کی دوسری شکل یہ بھی ہے کہ لاٹھی کھڑی کر کے گذر جائے اور گرنے سے پہلے اس کو پکڑ لے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فإن كان معه شيء يضعه بين يديه ثم يمر ويأخذه ... أقول: وإذا كان معه عصا لا تقف على الأرض بنفسها فأمسكها بيده ومر من خلفها هل يكفي ذلك؟ لم أره.

(شامي: ١/٦٣٦، باب مايفسد الصلاة وما يكره فيها، سعيد)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر گذرنے والے کے ساتھ ایسا عصا (لاٹھی) ہے جس کو کھڑا کرنا ممکن نہیں ہے تو اس کو نمازی کے آگے کھڑا کر کے اپنے ہاتھ سے تھام کر نمازی کے آگے سے گذرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کی وضاحت نہیں ملی (شامی) بظاہر جواز معلوم ہوتا ہے، اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کو ہاتھ سے چھوڑ کر اس کے گرنے سے پہلے گذر جائے اور پھر اس کو پکڑ لے۔

(عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلوۃ: ۲۷۶، سترہ کے مسائل، مجددیہ)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

سوال: ایک شخص نمازی کے سامنے سے گذرنے کے لئے اپنا رومال لٹکا کر یا اپنی چھڑی کھڑی کر کے اس کے پیچھے سے گذر جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، بظاہر اس کے جواز سے کوئی مانع نہیں لہٰذا بوقتِ ضرورت اس کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی: ۳/ ۴۱۰ باب مفسدات الصلاۃ)

سترہ کی جگہ تار یا رسی رکھنے کا حکم:

سوال: لکڑی وغیرہ نہیں ہے تو تار یا رسی سامنے رکھنا سترہ کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سترہ کے لئے ضروری ہے کہ بقدرِ یک انگشت موٹی چیز ہو اور عامۃً تار یا رسی اتنے موٹے نہیں ہوتے پھر سترہ کو گاڑنے کا حکم ہے صرف رکھنا اکثر حضرات کے نزدیک کافی نہیں ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں کافی نہیں ہونا چاہئے مگر بوقتِ عذر چونکہ خط کھینچنے کی گنجائش ہے تو پھر رسی یا تار کا رکھنا بدرجۂ اولیٰ درست ہوگا لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ مصلی کا دھیان جما رہے گا اور منتشر نہ ہوگا گذرنے والا بدستور گنہگار رہے گا کیونکہ گذرنے کے لئے یہ کافی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وتكون السترة في غلظ الأصبع وذلك أدناه لأن مادون ذلك ربما لايبدو للناظر فلايحصل به المقصود ...... وإن لم يجد ما ينصبه منع جماعة من المتقدمين الخط وأجازه المتأخرون بما روى في السنن عن النبي ﷺ أنه قال: ”إن لم يكن معه عصا فليخط خطًا“ (هو جزء من حديث أخرجه ابن ماجة في اقامة الصلاة باب ما يستر المصلي و أبو داؤد في الصلاة باب الخط اذا لم يجد عصا) قيل: هو مطعون فيه كذا في شرح الكنز للديري وفي التجنيس لايعتبر الخط هو المختار أي ليس بمسنون ليقام به سنة السترة، إذ لايحصل به المقصود لعدم ظهوره من بعيد وهو رواية والثانية أنه أي: الخط سنة، عن محمد أنه يخط لحديث أبي داؤد: ”فإن لم يكن معه عصا فليخط خطا“ انتهى.

قال في شرح المنية: ويجوز العمل بمثله في الفضائل وكذا قال الكمال ابن الهمام والسنة أولى بالاتباع مع أنه يظهر في الجملة، إذ المقصود جمع الخاطر بربط الخيال به كيلا ينتشر، انتهى. وأيضًا إن سلم أنه غير مفيد فلاضرر فيه من العمل بالحديث الذي يجوز العمل به في مثله، انتهى. وإن وجد ما يغرزه ولكن تعذر الغرز لصلابة الأرض، اختلف الأئمة فيه أيضًا فمنهم من منعه، قال القدوري: قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى: إذا خط المصلي بين يديه في

الصحراء أوطرح سوطًا لم يعتد به من المسنون حتى ينصب شيئًا كمؤخرة الرحل،ولأن المقصود هو الحيلولة بينه وبين المار لايحصل به فيكون وجوده كعدمه كذا فى شرح الديرى وهو المختار كما قال فى التجنيس إذا تعذرغرزالسترة لايعتبرالإلقاء هوالمختار ومن اعتبرالإلقاء قال: يلقي بين يديه طولًا ليجعل كأنه غرزثم سقط هذا اختاره الفقيه أبو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ انتهى.قال هشام: حججت مع أبي يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وكان يطرح بين يديه السوط كذا فى التقريب. واللّٰہ اعلم. (امداد الفتاح: ۳۹۹، فصل فی اتخاذ السترۃ،بیروت)

مدرسہ کی ٹپائی کا سترہ کے قائم مقام ہونا:

سوال: سترہ کا حکم،مقدار اور کیا مدرسہ ھذا میں جو چھوٹے ڈسک (desks) جن کی مقدار ایک ذراع ہے،طولاً سترہ کے قائم مقام ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: سترہ رکھنا مستحسن ہے،البحر الرائق میں بغیر سترہ کے نماز کو مکروہ لکھا ہے اس کی مقدار ایک ذراع لکھی ہے تقریباً ڈیڑھ فٹ اور مدرسہ ہذا کی چھوٹی ٹپائی سترہ کا کام دے سکتی ہے طولاً،اس لئے کہ سترہ کا مقصد یہ ہے کہ گذرنے والے کو علم ہو جائے کہ فلاں شخص نماز پڑھ رہا ہے اور یہ امتیاز حاصل ہے۔

درمختار میں ہے:

سترة بقدرذراع طولاوغلظ أصبع لتبدوللناظربقربه دون ثلاثة أذرع على حذاء أحد حاجبيه لابين عينيه والأيمن أفضل ولايكفي الوضع ولاالخط وقيل يكفي فيخط طولًا وقيل كالمحراب ويدفعه هورخصة فتركه أفضل بدائع. (الدرالمختار:۱/۶۳۷،سعید)

شامی میں ہے:

والظاهر أن المراد به ذراع اليد صرح به الشافعية وهو شبران (قوله وغلظ أصبع) كذا فى الهداية لكن جعل فى البدائع بيان الغلظ قولًا ضعيفًا وأنه لااعتباربالعرض وظاهره أنه المذهب بحر، ويؤيده مارواه الحاكم وقال على شرط مسلم أنه قال: يجزى من السترة قدرمؤخرة الرحل. تنبيه: لم يذكروا ما إذا لم يكن معه سترة ومعه ثوب أوكتاب مثلا هل يكفي وضعه بين يديه والظاهرنعم كما يؤخذ من تعليل ابن الهمام المارآنفا وكذا لوبسط ثوبه وصلى عليه ثم المفهوم من كلامهم أنه عند إمكان الغرز لايكفي الوضع وعند إمكان الوضع لايكفي الخط. (شامی:۱/۶۳۷،سعید)

المبسوط للسرخسي میں ہے:

وإنما قال بقدر ذراع طولاً ولم يذكر العرض وكان ينبغي أن تكون في غلظ أصبع لقول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ يجزئ من السترة السهم فإن المقصود أن يبدو للناظر فيمتنع من المرور بين يديه وما دون هذا لا يبدو للناظر من بعد. (مبسوط: ۱/۱۹۰)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وقيل ما يقع به الامتياز كذا في الشرح. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱/۲۴۴)

خلا والی چیز بطورِ سترہ استعمال کرنا:

سوال: کیا سترہ کے لئے وہ چیز کافی ہے جس کے اندر خلا ہو مثلاً ٹپائی وغیرہ؟

الجواب: خلا والی چیز بطورِ سترہ استعمال کرنا درست ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: أعدلتمونا بالكلب والحمار؟ لقد رأيتني مضطجعة على السرير فيجيء النبي صلی اللہ علیہ وسلم فيتوسط السرير فيصلي فأكره أن أسنحه، فانسل من قبل رجلي السرير حتى أنسل من لحافي. (بخاری: ۱/۷۲ باب الصلاة الى السرير)

عمدۃ القاری میں ہے:

فيتوسط السرير أي يجعل نفسه في وسط السرير. (عمدة القاری: ۱/۵۸۵)

بنایہ شرح الہدایہ میں ہے:

وقال: كل موضع مرتفع يعتبر سترة كالسطح والسرير. واللہ اعلم۔

(البناية فی شرح البناية: ۱/۷۸۸)

مصلی کے سامنے سے گذرنے میں مسجدِ کبیر اور صغیر کا فرق:

سوال: کیا فقہاء کے نزدیک ایسی روایت ہے جس میں مسجدِ صغیر و کبیر اور صحراء میں مصلی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت صرف محلِ سجود تک محدود ہو؟

الجواب: فقہاء کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صحراء یا مسجدِ کبیر میں نماز پڑھ رہا ہے تو مصلی کے سامنے

سے گذرنے کی ممانعت صرف موضِ سجود تک محدود ہے، اور موضعِ سجود کے متعلق اصح قول یہ ہے کہ مصلی کی نگاہ گذرنے والے پر نہ پڑے، اور چھوٹی مسجد میں (جس پر مسجدِ کبیر کی تعریف صادق نہ آتی ہو) مصلی کے آگے سے گذرنا مکروہ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

الا أن المار آثم لقوله عليه السلام: "لو علم المار بين يدى المصلي ماذا عليه من الوزر لوقف أربعين" وإنما يأثم إذا مر في موضع سجوده على ما قيل. (هداية: ١/١٣٨)

بنایہ میں ہے:

قوله على ما قيل: وهو اختيار شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالى وشيخ الإسلام رحمه الله تعالى وقاضيخان رحمه الله تعالى، وقال فخر الإسلام رحمه الله تعالى: إذا صلى راميًا بصره إلى موضع سجوده ولا يقع عليه بصره لايكره، ومنهم من قال مقدار صفين أو ثلاثة، ومنهم من قدره بثلاثة أذرع ومنهم من قدر بخمسة أذرع ومنهم من قدر بأربعين ذراعاً، وقال التمرتاشي رحمه الله تعالى: والأصح إن كان بحال لو صلى صلاة خاشع بصره ولا يقع على المار فلا يكره نحو أن يكون منتهى بصره في قيامه إلى موضع سجوده وفي ركوعه إلى صدور قدميه وفي سجوده إلى أرنبة أنفه وفي قعوده إلى حجره وفي السلام إلى منكبه وهذا كله إذا كان في الصحراء وفي الجامع الذي له حكم الصحراء وأما في المسجد فالحد هو المسجد إلا أن يكون بينه وبين المار أسطوانة وغيرها...... (البناية في شرح الهداية: ١/٧٨٨)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

نماز پڑھنے والے کی سجدہ کی جگہ میں سے کسی کا گذرنا مکروہ تحریمی اور سخت گناہ ہے اگر چہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی ...... اصح یہ ہے کہ میدان اور بہت بڑی مسجد میں جو میدان کے حکم میں ہے نمازی کے قدموں سے سجدہ کی جگہ تک میں گذرنا مکروہ تحریمی ہے اور گذرنے والا گنہگار ہے اس کے بعد سے نہیں اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنے میں قیام کی حالت میں سجدہ کی جگہ پر نظر جمائے ہوئے ہو تو جتنی دور تک اس کی نگاہ پھیلے اتنی دور تک گذرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کے بعد یعنی جب گذرنے والے پر اس کی نگاہ پھیل کر نہ پڑے تو مکروہ نہیں یہی صحیح ہے اور یہ موضعِ سجود کی وضاحت ہے کیونکہ تقریبا موضعِ سجود کا اطلاق اس پر ہوتا ہے اس لئے یہی مرجح ہے۔ (عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ:۲۷۴، سترہ کے مسائل، مجددیہ)

مسجدِ کبیر کی تعریف:

درمختار میں ہے:

ویمنع من الاقتداء طریق تجری فیه عجلة أو نهر تجری فیه السفن أو خلاء فی الصحراء أو فی مسجد کبیر جدًا کمسجد القدس ...... قال الشامی: ثم رأیت فی حاشیة المدنی عن جواهر الفتاوی أن قاضیخان سئل عن ذلك فقال: اختلفوا فیه فقدره بعضهم بستین ذراعًا وبعضهم قال: إن کانت أربعین ذراعًا فهی کبیرة وإلا فصغیرة هذا هو المختار.

(الشامی: ۱/ ۵۸۵، سعید)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اور چھوٹی مسجدوں میں جو قول مختار کی بناء پر چالیس گز شرعی کی مقدار سے کم ہوں اگر نمازی کے آگے سترہ یا کوئی حائل نہ ہو تو قبلہ کی دیوار تک نمازی کے آگے سے گذرنا مکروہ تحریمی اور گناہ ہے کیونکہ یہ مکان واحد کے حکم میں ہیں۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ۲۷۴، سترہ کے مسائل، مجددیہ)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"الوتر حق أو اجب فمن لم یوتر فلیس منا"﴾

باب......﴿۸﴾

نمازِ وتر اور دعاءِ قنوت کا بیان

فصلِ اول

وتر کی نماز کا بیان

غیر رمضان میں وتر با جماعت پڑھنے کا حکم:

سوال: وتر کی جماعت رمضان المبارک کے علاوہ میں کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وتر کی جماعت رمضان المبارک کے ساتھ مخصوص ہے، رمضان المبارک کے علاوہ میں اگر کسی نے کبھی کبھی ایک دو مرتبہ کر لی تو جائز ہے، اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان پر اعتراض نہیں کیا، البتہ اکثر اوقات کرنا بدعت اور مکروہ ہے، وجہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مداومت ثابت نہیں ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے:

ویوتر بجماعة استحبابًا في رمضان فقط عليه إجماع المسلمين لأنه نفل من وجه والجماعة في النفل في غير التراويح مكروهة فالاحتياط تركها في الوتر خارج رمضان، وعن شمس الأئمة رحمه الله تعالى: أن فيما كان على سبيل التداعي أو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لايكره، وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه وإذا اقتدى أربعة بواحدة كره اتفاقًا.

(مراقي الفلاح: ۱٤٥، باب الوتر وأحكامها، مكة المكرمة)

طحطاوی میں ہے:

(قوله فالاحتياط تركها في الوتر خارج رمضان) وما في النوازل عن المغني الاقتداء في الوتر خارج رمضان جائز فلاينافي الكراهة لأن معناه صحيح.

(طحطاوي على مراقي الفلاح: ۳۸٦، باب الوتر، قديمي)

درمختار میں ہے:

ولايصلي الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان أي يكره ذلك على سبيل التداعي. وفي الشامي: (قوله أي يكره ذلك) أشار إلى ما قالوا من أن المراد من قول القدوري في مختصره

لایجوز، الکراهة لاعدم أصل الجواز، لکن فی الخلاصة عن القدوری أنه لایکره، وأیده فی الحلیة بما أخرجه الطحاوی عن المسور بن مخرمة، قال: دفنا أبا بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیلاً فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: إنی لم أوتر، فقام وصفنا وراءه فصلی بنا ثلاث رکعات لم یسلم إلا فی آخرهن، ثم قال: ویمکن أن یقال: الظاهر أن الجماعة فیه غیر مستحبة ثم إن کان ذلک أحیانًا کما فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مباحًا غیر مکروه، وإن کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة لأنه خلاف المتوارث. (الدر المختار مع الشامی: ۲/ ٤۸، باب الوتر، سعید)

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی حقانیہ: ۳/ ۲۳۸، باب الوتر۔ واحسن الفتاوی: ۳/ ۴۵۵، باب الوتر والنوافل)۔ واللہ اعلم۔

وتر کو عشاء پر مقدم کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے وتر کی نماز عشاء سے پہلے پڑھ لی یعنی جب مسجد میں داخل ہوا تو وتر کی جماعت ہو رہی تھی اس میں شامل ہو گیا بعد میں عشاء کی نماز پڑھ لی تو نمازِ وتر ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب: چونکہ وقتِ عشاء اور وتر ایک ہے لہٰذا نسیاناً مقدم کرنے سے نماز ہو جائے گی اعادہ واجب نہیں ہے البتہ جان بوجھ کر کیا تو اعادہ واجب ہوگا، کیونکہ دونوں میں ترتیب واجب ہے یعنی عشاء پہلے پڑھنا واجب ہے اور نسیان کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بیان وقته (الوتر) فالکلام فیه فی موضعین أحدهما فی بیان أصل الوقت ...... أما أصل الوقت فوقت العشاء عند أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ أنه شرع مرتبًا علیه حتی لایجوز أداءه قبل صلاة العشاء مع أنه وقته لعدم شرطه وهو الترتیب إلا إذا کان ناسیًا وهذا بناء علی ما ذکرنا أن الوتر واجب عند أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ ویبنی علی هذا الأصل أن من صلی العشاء علی غیر وضوء وهو لایعلم ثم توضأ فأوتر ثم تذکر أعاد صلاة العشاء بالاتفاق ولایعید الوتر فی قول أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ لأن الوتر کان أصلاً بنفسه فی حق الوقت لاتبعًا للعشاء إلا أن وقته بعد فعل العشاء إلا أن تقدیم أحدهما علی الآخر واجب حالة التذکر فعند النسیان یسقط.

(بدائع الصنائع: ۱/ ۲۷۲، سعید)

البحر الرائق میں ہے:

قوله ولا یقدم علی العشاء للترتیب ولأنهما فرضان عند الإمام وإن کان أحدهما اعتقادًا

والآخر عملاً فأفاد أنه عند التذكر حتى لو قدم الوتر ناسيًا فإنه يجوز.

(البحر الرائق: ١/٢٤٦، كتاب الصلاة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ولو صلى الوتر ناسيًا للعشاء أو صلاهما فظهر فساد العشاء دون الوتر أجزاه عند الإمام لسقوط الترتيب بمثل هذا العذر. (طحطاوي على مراقي الفلاح:١٧٨، كتاب الصلاة، قديمي)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۳/ ۴۵۷، باب الوتر)۔ واللہ اعلم۔

وتر میں نصف رمضان شافعی کا امام بننا اور نصف رمضان حنفی کا بننا:

سوال: ایک مسجد کے مصلی حضرات بعض احناف ہیں اور بعض شوافع ہیں رمضان المبارک میں سب کے ساتھ ملکر ایک ہی امام کے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں لیکن وتر کے لئے علیحدہ جماعت کرنی پڑتی ہے تو ان حضرات کا کہنا ہے کہ وتر بھی ہم ایک ہی امام کے پیچھے پڑھ لیں اور چند دن حنفی امام ہو اور چند دن شافعی امام ہو تو کیا یہ درست ہوگا؟ اور تمام مصلی حضرات اس پر راضی ہیں حکم بیان فرمائیں۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ایک ہی امام کے پیچھے وتر پڑھنا درست ہے، البتہ جب شافعی امام پڑھائے تو تین رکعت ایک سلام سے پڑھائے علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو افضل قرار دیا ہے۔

ہاں اگر شافعی امام دو رکعت پر سلام پھیر دے تو حنفی مقتدی سلام نہ پھیرے بلکہ مسبوق کے حکم میں ہوکر ایک رکعت دعاءِ قنوت کے ساتھ پوری کرلے نماز صحیح ہوجائے گی پھر علیحدہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

البحر الرائق میں ہے:

وجوزه أبو بكر الرازي ويصلي معه بنية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده وهو مجتهد فيه. (البحر الرائق:٢/٣٩، باب الوتر، الماجدية)

فتح القدیر میں ہے:

وقول أبي بكر الرازي أن اقتداء الحنفي بمن يسلم على رأس الركعتين في الوتر يجوز، وإذا سلم الإمام على رأس الركعتين قام المقتدي فأتم منفردًا وكان شيخنا سراج الدين يعتقد قول الرازي.

(فتح القدير: ١/٤٣٧، باب صلاة الوتر، دار الفكر وكذا في منظومة ابن وهبان: ١/٦٢ شعر: ٦٧، الوقف المدني ديوبند۔ وكذا في البناية شرح الهداية: ١/٨٣٥، باب صلاة الوتر، فيصل آباد پاكستان)

حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لو اقتدى خلف الشافعي وسلم الشافعي على الركعة الثانية كما هو مذهبهم ثم أتم الوتر صح وتر الحنفي عند أبي بكر الرازي وابن وهبان:

ولو حنفي قام خلف مسلم لشفع ولم يتبع وتم فموتر

(العرف الشذي على سنن الترمذي:١/١٠٤،باب ماجاء في فضل الوتر،فيصل)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اسی طرح اگر وتر بالتسلیمتین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے تو امام ابوبکر الجصاص اور متأخرین فقہاء کے ہاں اقتدا درست ہے اور یہی ترجیح حالات کی مقتضی ہے۔ بحوالہ بنایہ شرح ہدایہ۔

(فتاوی حقانیہ:۳/۲۴۲،باب الوتر)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو صلى الوتر بمن يقنت في الوتر بعد الركوع في القومة والمقتدي لا يرى ذلك تابعه فيه هكذا في فتاوى قاضيخان. (فتاوى هندية: ١/١١١۔ والدر المختار: ٢/٧ باب الوتر، سعيد)

شرح المہذب میں ہے:

وإذا أراد الإتيان بثلاث ركعات ففي الأفضل أوجه ...... والثاني إن وصلها بتسليمة واحدة أفضل قاله الشيخ أبو زيد المروزي للخروج من الخلاف فإن أبا حنيفة رحمه الله تعالى لا يصحح المفصولة والثالث إن كان منفردًا فالفصل أفضل وإن كان إمامًا فالوصل حتى تصح صلاته لكل المقتدين ...... والمذهب أن السنة أن يقنت في الركعة الأخيرة من صلاة الوتر في النصف الأخير من شهر رمضان هذا هو المشهور في المذهب ونص عليه الشافعي رحمه الله تعالى وبه قال جمهور الأصحاب. (شرح المهذب: ٤/١٣،١٥،دار الفكر)

نیز مذکور ہے:

يصح الاقتداء بالحنفي ونحوه إلا أن يتحقق إخلاله بما نشترطه ونوجبه وهذه الأوجه جارية في صلاة الشافعي خلف حنفي وغيره. والله اعلم. (شرح المهذب:١/٢٠٣،دار الفكر)

حنفی امام کی اقتداء میں شافعی کا وتر تین رکعت ایک سلام سے پڑھنا:

سوال: اگر ایک شافعی کسی حنفی کی اقتداء میں وتر کی نماز پڑھ لے یعنی تین رکعت ایک سلام سے تو شافعی مقتدی کی وتر صحیح ہوئی یا نہیں؟

جواب: شافعی مقتدی کی وتر حنفی کے پیچھے صحیح اور درست ہے اس لئے کہ شوافع کے نزدیک وتر ایک رکعت، تین رکعت، ۵ رکعت، ۷ رکعت، ۹ رکعت اور زیادہ سے زیادہ ۱۱ تک پڑھ سکتے ہیں، اور تین رکعت ایک سلام سے پڑھنے کو امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح المہذب میں افضل قرار دیا ہے اختلاف سے بچتے ہوئے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں وتر کی نماز درست ہے۔

شرح المہذب میں ہے:

وإذا أراد الإتيان بثلاث ركعات ففي الأفضل أوجه ...... والثاني إن وصلها بتسليمة واحدة أفضل قاله الشيخ أبوزيد المروزي للخروج من الخلاف فإن أباحنيفة رحمه الله تعالىٰ لايصحح المفصولة والثالث إن كان منفردًا فالفصل أفضل وإن كان إمامًا فالوصل حتى تصح صلاته لكل المقتدين ...... والمذهب أن السنة أن يقنت في الركعة الأخيرة من صلاة الوتر في النصف الأخير من شهر رمضان هذا هو المشهور في المذهب ونص عليه الشافعي رحمه الله تعالىٰ وبه قال جمهور الأصحاب. (شرح المهذب: ۱۳/٤، ۱۵، دار الفكر)

اعانۃ الطالبین میں ہے:

وأقله ركعة وأدنى الكمال أي أن الكمال في الوتر له مراتب وأدناها ثلاث ثم خمس ثم سبع ثم تسع فكل مرتبة أعلى من التي قبلها وأدنى من التي بعدها وأكثره إحدى عشر ركعة. (اعانة الطالبين: ۱/ ۲٤۹)

شرح المہذب میں ہے:

ويجوز أن يجمعها بتسليمة لما روت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم كان لايسلم في ركعتي الوتر. والله اعلم. (شرح المهذب: ٤/ ۱۱، باب الوتر، دار الفكر)

شافعی امام کی اقتداء میں حنفی کا دو سلام سے وتر پڑھنا:

سوال: اگر کوئی حنفی کسی شافعی کی اقتداء میں وتر کی نماز دو سلام کے ساتھ پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: شافعی امام تین رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھائے تو حنفی کی وتر صحیح ہے اور اگر دو سلام سے پڑھائے تو حنفی مقتدی کھڑے ہو کر اپنی وتر پوری کر لے تو حنفی کی وتر صحیح ہے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

البحر الرائق میں ہے:

وجوزه أبوبكر الرازي ويصلي معه بنية الوتر لأن إمامه لم يخرج بسلامه عنده

وهو مجتهد فيه. (البحر الرائق: ۲/۳۹، باب الوتر، الماجدیه)

فتح القدیر میں ہے:

وقول أبي بكر الرازي أن اقتداء الحنفي بمن يسلم على رأس الركعتين في الوتر يجوز، وإذا سلم الإمام على رأس الركعتين قام المقتدي فأتم منفردًا وكان شيخنا سراج الدين يعتقد قول الرازي.

(فتح القدير: ۱/۴۳۷، باب صلاة الوتر، دار الفكر۔ وكذا في منظومة ابن وهبان: ۱/۶۲، شعر: ۶۷ الوقف المدني ديوبند۔ وكذا في البناية شرح الهداية: ۱/۸۳۵، باب صلاة الوتر، فيصل آباد پاكستان)

حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لو اقتدى خلف الشافعي وسلم الشافعي على الركعة الثانية كما هو مذهبهم ثم أتم الوتر صح وتر الحنفي عند أبي بكر الرازي وابن وهبان:

ولو حنفي قام خلف مسلم لشفع ولم يتبع وتم فموتر

(العرف الشذي على سنن الترمذي: ۱/۱۰۴، باب ماجاء في فضل الوتر، فيصل)

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اسی طرح اگر وتر بالتسليمتين یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے تو امام ابوبکر الجصاص اور متأخرین فقہاء کے ہاں اقتداء درست ہے اور یہی ترجیح حالات کی مقتضی ہے۔ بحوالہ بنایہ شرح ہدایہ۔

(فتاوی حقانیہ: ۳/۲۴۲، باب الوتر)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو صلى الوتر بمن يقنت في الوتر بعد الركوع في القومة والمقتدي لا يرى ذلك تابعه فيه هكذا في فتاوى قاضيخان. واللّٰہ اعلم. (فتاوى هندية: ۱/۱۱۱۔ والدر المختار: ۲/۷ باب الوتر)

وتر کی تیسری رکعت میں سورت نہ پڑھنے سے نمازِ وتر کا حکم:

سوال: ایک شخص لاعلمی کی وجہ سے وتر نماز کو مغرب نماز پر قیاس کرتا تھا اور تیسری رکعت میں سورت نہیں ملاتا تھا۔ مسئلہ معلوم ہونے کے بعد اب اس پر گذشتہ تمام وتر نمازوں کی قضاء ہے یا نہیں؟

الجواب: وتر کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا واجب ہے، اور مسئلہ نہ معلوم ہونا کوئی عذر نہیں ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں گذشتہ تمام وتروں کی قضا لازم ہوگی جو سورت ملائے بغیر پڑھی تھی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

دليل الفريضة لماكان قاصرًا لكونه من أخبار الآحاد ظهر أثر المقصود فيما هو من باب الاحتياط وهو لزوم القراءة في كل ركعة كالسنن لم شابهة بهامن حيث الثبوت فيفسد بترك القراءة في ركعة منه احتياطًا من المستصفى عن الإيضاح والبرهان والتبيين والفتح وغيرها.

(امداد الفتاح: ۴۱۳، باب الوتر، بیروت)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وفي الحاوي تذكر أنه ترك القراءة في كل ركعة واحدة من صلاة يوم وليلة قضى الفجر والوتر وجهه أن ترك القراءة في ركعة واحدة لايبطلها في سائر الصلوات إلا الفجر والوتر.

(طحطاوی علی الدر: ۱/ ۳۰۴، باب قضاء الفوائت)

البحر الرائق میں ہے:

(قوله وقرأ في كل ركعة منه فاتحة الكتاب وسورة) بيان لمخالفته للفرائض، فيقرأ في كل ركعة منه حتمًا ونقل في الهداية أنه بالإجماع وفي التجنيس لوترك القراءة في الركعة الثالثة منه لم يجز في قولهم جميعًا. واللّٰہ اعلم. (البحر الرائق: ۲/ ۴۳، باب الوتر، الماجدیہ)

نمازِ وتر نمازِ تراویح سے پہلے پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے وتر کی نماز تراویح سے پہلے پڑھ لی تو اب وتر کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ وتر قبل از تراویح پڑھنا بھی جائز ہے البتہ بعد از تراویح افضل ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں وتر کی نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

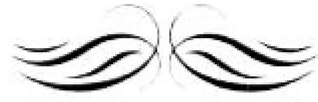
ووقتهما بعد صلاة العشاء على الصحيح إلى طلوع الفجر ولتبعيتها للعشاء ويصح تقديم الوتر على التراويح وتأخيره عنها وهو أفضل حتى لوتبين فساد العشاء دون التراويح والوتر أعادوا العشاء ثم التراويح دون الوتر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى.

(مراقی الفلاح: ۱۵۹، فصل فی صلاۃ التراویح، مکۃ المکرمۃ)

درمختار میں ہے:

ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر قبل الوتر وبعده فى الأصح ...... وفى الشامية: أى من أقوال ثلاثة: الأول أن وقتها الليل كله،قبل العشاء وبعده وقبل الوتر وبعده ...... الثاني: أنه ما بين العشاء والوتر، وصححه فى الخلاصة ...... الثالث: ما مشى عليه المصنف تبعًا للكنز، وعزاه فى الكافى إلى الجمهور، وصححه فى الهداية والخانية والمحيط بحر. والله اعلم.

(الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ٤٤، صلاة التراويح، سعيد)



فصلِ دوم

دعاءِ قنوت کا بیان

وتر کی رکعت کی تعداد میں شک ہو تو دعاء قنوت پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کو وتر کی تعداد میں شک ہوا کہ دو رکعت ہوئی یا تین رکعت تو قنوت کونسی رکعت میں پڑھے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ جس رکعت میں شک ہوا اسی میں دعاء قنوت پڑھ لے پھر قعدہ بھی کرے ہوسکتا ہے کہ تیسری رکعت ہو پھر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور اس میں بھی قنوت پڑھ کر رکعت پوری کر لے اور آخر میں سجدہ سہو کر لے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

أما لو شك أنه في ثانيته أو ثالثته كرره (القنوت) مع القعود في الأصح وفي الشامي: (قوله كرره مع القعود) أي فيقنت و يقعد في الركعة التي حصل فيها الشك لاحتمال أنها في الثالثة، ثم يفعل كذلك في التي بعدها لاحتمال أنها الثالثة وتلك كانت ثانية.

(الدرالمختار مع الشامي: ۲/۱۰، باب الوتر و النوافل، سعيد)

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

لو شك في الوتر وهو قائم أنها ثانية أم ثالثة يتم تلك الركعة ويقنت فيها أيضًا و يسجد للسهو هو المختار. (خلاصة الفتاوى: ۱/۱۷۰، الفصل السادس عشر في السهو في الصلاة، الرشيدية)

مزید ملاحظہ ہو: (الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۱، باب الوتر، بلوچستان۔ وفتاوى قاضيخان: ۱/۱۰۵ على هامش الهندية۔ والبحرالرائق: ۲/۴۱، باب الوتر، الماجدية)۔

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر وتر کی نماز میں شک ہوا کہ یہ دوسری رکعت ہے یا تیسری تو اس میں قنوت پڑھے اور قعدہ کرے اور پھر کھڑا

ہو کر ایک رکعت اور پڑھے اور اس میں بھی قنوت پڑھے اور قعدہ کرے اور سجدہ سہو کرے۔

(عمدۃ الفقہ کتاب الصلاۃ:۲/۲۹۴، وتر کا بیان، المجددیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی حقانیہ:۳/۲۳۶، باب الوتر)۔ واللہ اعلم۔

دعا قنوت یاد نہ ہونے کے وقت دیگر دعا پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کو دعاءِ قنوت یاد نہیں تو کیا پڑھے گا؟

الجواب: اگر دعا قنوت یاد نہ ہو تو "اللّٰهم اغفرلی" پڑھے یا "ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار" پڑھے یا تین مرتبہ "يا رب يارب" پڑھ لے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

ومن لم يحسن دعاء القنوت المتقدم قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالىٰ: يقول: اللّٰهم اغفر لي ويكررها ثلاث مرات أويقول: ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، قال في التجنيس وهو اختيار مشايخنا أويقول: يارب يارب يارب، ثلاثًا ذكره الصدر الشهيد فهذه ثلاثة أقوال مختارة. والله اعلم.

(مراقي الفلاح: ١٤٤، باب الوتر وأحكامها، مكة المكرمة۔ وكذا في البحر الرائق: ٢/٤٢، باب الوتر۔ وكذا في الشامي: ٢/٧، باب الوتر والنوافل، سعيد)

دعاءِ قنوت کی جگہ سورۂ اخلاص پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص بڑھاپے کی وجہ سے یا کمزوری کی وجہ سے مشہور دعاءِ قنوت نہیں پڑھ سکتا ہے تو کیا سورۂ اخلاص اس کی جگہ پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: فقہاءِ احناف نے فرمایا کہ جو شخص دعاءِ قنوت نہیں پڑھ سکتا ہے تو تین مرتبہ "اللّٰهم اغفرلی" پڑھے یا "ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار" یا تین مرتبہ "يا رب يارب" پڑھے، یہ افضل ہے۔ ہاں سورۂ اخلاص بھی پڑھ سکتا ہے اس لئے کہ دعاءِ قنوت یاد نہ ہونے کے وقت کوئی دعا حتمی طور پر متعین نہیں ہے، اور کریم کی تعریف اس سے مانگنے کے مترادف ہے "الثناء على الكريم سوال"۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ومن لايحسن القنوت بالعربية أو لايحفظه ففيه ثلاثة أقوال مختارة قيل يقول: يارب ثلاث

مرات ثم يركع وقيل يقول: اللّٰهم اغفرلي ثلاث مرات وقيل: اللّٰهم ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار والظاهر أن الاختلاف في الأفضلية لا في الجواز وأن الأخير أفضل لشموله. (البحرالرائق: ۲/۴۲،باب الوتر والنوافل،الماجدية)

مراقی الفلاح میں ہے:

و من لم يحسن دعاء القنوت المتقدم قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى: يقول: اللّٰهم اغفرلي ويكررها ثلاث مرات أو يقول: ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار، قال في التجنيس وهو اختيار مشايخنا أو يقول: يارب يارب يارب ثلاثًا ذكره الصدر الشهيد فهذه ثلاثة أقوال مختارة. والله اعلم.

(مراقي الفلاح: ۱۴۴، باب الوتر وأحكامها، مكة المكرمة۔ وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲، باب الوتر۔ وكذا في الشامي: ۲/۷، باب الوتر والنوافل، سعيد)

وتر کی تیسری رکعت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور مقتدیوں کا آمین کہنا چہ حکم دارد؟

سوال: وتر کی تیسری رکعت میں جو حضرات ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، امام دعا پڑھتا ہے اور مقتدی ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے ہیں یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: وتر کی تیسری رکعت میں اس طرح کرنا کسی صحیح مرفوع روایت سے ثابت نہیں چند آثارِ موقوفہ صحابہ وتابعین سے مروی ہیں اور اکثر لیث بن أبی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہیں، جب کہ نماز کی بنیاد ہی سکون ووقار پر ہے لہٰذا اس طرح کرنا اچھا نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن أبی شیبہ میں ہے:

حدثنا أبو بكر قال حدثنا أبو الأحوص عن مغيرة عن إبراهيم قال: ارفع يديك للقنوت. حدثنا معاوية ابن هشام قال: حدثنا سفيان عن ليث عن عبد الرحمن بن الأسود عن أبيه عن عبد الله أنه كان يرفع يديه في قنوت الوتر، حدثنا عبد الرحمن بن محمد المحاربي عن ليث عن ابن الأسود عن أبيه عن عبد الله أنه كان يرفع يديه إذا قنت في الوتر.

(مصنف ابن أبي شيبة: ۴/۵۳۱/۷۰۲۶-۷۰۲۸، باب رفع اليدين في قنوت الوتر، المجلس العلمي)

سنن الکبری للبیهقی میں ہے:

أخبرنا أبو عبد الله الحافظ أنبأ أبو بكر الجراحي ثنا يحيى بن شاسويه ثنا عبد الكريم

السكرى ثنا وهب بن زمعة أخبرني على الباشاني قال: سألت عبد الله يعني ابن المبارك رحمه الله تعالى عن الذى دعا ومسح وجهه قال: لم أجد له ثبتا قال على رضي الله تعالى عنه: ولم أره يفعل ذلك قال: وكان عبد الله رضي الله تعالى عنه يقنت بعد الركوع فى الوتر وكان يرفع يديه، وروى عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه وأبى هريرة رضي الله تعالى عنه فى قنوت الوتر.

(السنن الكبرى للبيهقي، باب رفع اليدين فى القنوت: ٢/٢١٢، بيروت)

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن الأسود قال كان عبد الله رضي الله تعالى عنه يقرأ فى آخر ركعة من الوتر (قل هو الله أحد) ثم يرفع يديه فيقنت قبل الركعة، رواه الطبراني فى الكبير وفيه ليث بن أبى سليم وهو مدلس وهو ثقة. (مجمع الزوائد: ٢/٢٤٤، باب القنوت فى الوتر، دار الفكر)

ارواء الغلیل میں ہے:

روى الأثرم عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: "أنه كان يقنت فى الوتر وكان إذا فرغ من القراءة كبر ورفع يديه ثم قنت.

لم أقف على سنده عند الأثرم لأننى لم أقف على كتابه وإنما وجدت قطعة منه فى الطهارة فى مجموع محفوظ فى المكتبة الظاهرية بدمشق وغالب الظن أنه لايصح فقد أخرجه ابن أبى شيبة والطبراني والبيهقي من طريق ليث عن عبد الرحمن بن الأسود عن أبيه عن عبد الله أنه كان يرفع يديه فى قنوت الوتر، وليث هو ابن أبى سليم وهو ضعيف لاختلاطه.

(ارواء الغليل فى تخريج أحاديث منار السبيل: ٢/١٦٩/٤٢٧، باب صلاة التطوع، المكتب الاسلامي، بيروت)

خلاصہ: ان تمام آثار سے ابتداءِ قنوت میں رفع یدین کا ثبوت ملتا ہے دوام کا ثبوت نہیں ملتا حنفیہ بھی اس کے قائل ہیں۔ واللہ اعلم۔

رفع الیدین فی قنوت الوتر کے متعلق شوافع وحنابلہ کے مستدلات:

سوال: وتر میں دعاءِ قنوت کے وقت شوافع وحنابلہ پوری دعا میں جو رفع یدین کرتے ہیں ان کے دلائل کیا ہیں کیا کوئی صریح صحیح حدیث موجود ہے یا نہیں؟

الجواب: تتبعِ کتب کے بعد معلوم ہوا کہ شوافع اور حنابلہ کے پاس اس بارے میں کوئی صریح مرفوع روایت موجود نہیں ہے، البتہ ایک حدیث جو مستدرک حاکم میں ہے اس سے استدلال کیا ہے لیکن محققین حضرات

نے فرمایا: "لم أقف عليه عند الحاكم" یعنی عام طور پر یہ روایت مستدرک حاکم میں نہیں ملتی اس کے علاوہ چند صحابہ کے عمل اور عمومی دعاؤں والی روایات جن میں رفع یدین کا ذکر ملتا ہے ان سے استدلال کرتے ہیں:

ملاحظہ فرمائیں شوافع کے مستدلال:

البیان میں ہے:

وهل يستحب رفع اليدين في القنوت؟ فيه وجهان: أحدهما: وهو اختيار الشيخ أبي إسحاق: أن ذلك غير مستحب لأن النبي ﷺ لم يرفع يديه إلا في الاستسقاء والاستنصار وعشية عرفة. والثاني: أن ذلك مستحب وهو قول أكثر أصحابنا لما روى أن النبي ﷺ قال: لاترفع الأيدي إلا في سبعة مواضع: عند رؤية البيت وعلى الصفا والمروة وفي الصلاة وفي الموقف بعرفة وعند الجمرتين، وروى عن عثمان رضي الله تعالى عنه أنه كان يرفع يديه حتى يبدو ضبعاه، وفي مصنف ابن أبي شيبة: كان عمر رضي الله تعالى عنه يقنت بنا بعد الركوع ويرفع يديه حتى يبدو ضبعاه،وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه وابن عباس رضي الله تعالى عنه أنهما كانا يرفعان أيديهما إلى صدورهما، فعلى هذا: يستحب أن يمسح يديه على وجهه عند الفراغ من الدعاء لما روى ابن عباس رضي الله تعالى عنه أن النبي ﷺ قال: إذا دعوت...... فادع الله ببطون كفيك ولاتدع بظهورهما فإذا فرغت ...... فامسح راحتيك على وجهك انتهى،قال ابن الصباغ ولايمسح بيديه على غير وجهه من جميع بدنه فإن فعل ذلك كان مكروهًا.

(البيان في مذهب الامام الشافعي:۲/۲۵۶)

حاشیتان علی کنز الراغبین شرح منہاج الطالبین میں ہے:

ويسن القنوت في اعتدال ثانية الصبح وهو اللّٰهمّ اهدني فيمن هديت الخ للاتباع.

رواه الحاكم في المستدرك عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله إذا رفع رأسه من الركوع في صلاة الصبح في الركعة الثانية رفع يديه فيدعو بهذا الدعاء: اللّٰهمّ اهدني إلى آخر ما تقدم لكن لم يذكر "ربنا" وقال: صحيح، ورواه البيهقي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله ﷺ يعلمنا دعاء ندعو به في القنوت من صلاة الصبح فذكر ما تقدم، وفي رواية له كان ﷺ يقنت في صلاة الصبح وفي وتر الليل بهؤلاء الكلمات فذكر ما تقدم والصحيح سنّ الصلاة على رسول الله وفي آخره رواها النسائي في قنوت الوتر الذي علّمه

النبی ﷺ الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، فالحق به قنوت الصبح والصحیح سنّ رفع یدیه فیه لما تقدم من حدیث الحاکم والثانی قاسه علی غیره من أدعیة الصلاة.

(حاشیتان علی کنز الراغبین: ۱/ ۲٤۳)

قال عماد ذکی البارودی فی تعلیقه علی حاشیتیه علی کنز الراغبین فی حدیث الحاکم: "لم أقف علیه عند الحاکم". (حاشیتان علی کنز الراغبین: ۱/ ۲٤۳)

حنابلہ کا مذہب:

المغنی میں ہے:

فیرفع یدیه فی حال القنوت،قال الأثرم: کان أبو عبد الله یرفع یدیه فی القنوت إلی صدره واحتج بأن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفع یدیه فی القنوت إلی صدره وروی ذلك عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وبه قال إسحاق وأصحاب الرأی ...... ولنا قول النبی ﷺ: إذا دعوت الله فادع ببطون کفیك ولا تدع بظهورهما فإذا فرغت فامسح بهما وجهك رواه أبو داؤد وابن ماجة، ولأنه فعل من سمینا من الصحابة، وإذا فرغ من القنوت فهل یمسح وجهه بیدیه؟ فیه روایتان: أحداهما لا یفعل لأنه روی عن أحمد أنه قال: لم أسمع فیه بشيء ولأنه دعاء فی الصلاة فلم یستحب مسح وجهه فیه کسائر دعائها. الثانیة: یستحب للخبر الذی روایناه وروی السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله ﷺ کان إذا دعا رفع یدیه ومسح وجهه بیدیه ولأنه دعاء یرفع یدیه فیه فیمسح بهما وجهه کما لو کان خارجًا عن الصلاة وفارق سائر الدعاء فإنه لا یرفع یدیه. (المغنی: ۱/ ۷۸٦)

ان مستدلال وروایات کا جواب:

مذہبِ احناف کے مطابق ان روایات کا جواب یہ ہے کہ رفع یدین سے مراد ابتداء ہی میں اٹھانا ہے یعنی دعاءِ قنوت کے لئے رفع یدین کرلے پھر ہاتھوں کو باندھ لے اٹھائے رکھنا مراد نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو محیط برہانی میں ہے:

وفی آثار أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ: یرفع یدیه فی تکبیرات القنوت کما یرفع فی افتتاح الصلاة ثم یضعهما ویدعو وهذا قول أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ.

قال الشیخ الإمام أبو عبد الله الجرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ: قد صرّح بوضع الیمنی علی الشمال.

(المحیط البرهانی: الفصل الثالث عشر، التراویح والوتر، ۲/ ۲۷۱)

شامی میں ہے:

ویکبر قبل رکوع ثالثته رافعًا یدیه کما مر ثم یعتمد، وفی الشامی: قوله ثم یعتمد أی یضع یمینه علی یساری کما فی حالة القراء ة. (الشامی: ۲/ ۶)

نیز شیخ عز بن عبد السلام شافعی فرماتے ہیں کہ قنوتِ وتر میں رفع یدین مستحب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ موصلہ میں ہے:

ولایستحب رفع الیدین فی القنوت، کمالایرفع فی دعاء الافتتاح، ولافی الدعاء بین السجدتین، ولم یصح فی ذلک حدیث، وکذا لایرفع الیدان فی الدعاء إلافی المواطن التی رفع فیها رسول اللّٰه ﷺ یدیه. واللّٰه اعلم.

(الفتاوی الموصلة: ص ۳٤، للشیخ العز بن عبد السلام الشافعی رحمه اللّٰه تعالیٰ دار الفکر، بیروت)



فصلِ سوم

قنوتِ نازلہ کا بیان

قنوتِ نازلہ کے الفاظ کتبِ فقہ سے:

سوال: کتبِ فقہ میں قنوتِ نازلہ کے کیا الفاظ مرقوم ہیں؟ اور کیا پڑھنا چاہئے جو چاہے پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: عام طور پر شامی میں مرقوم دعا معمول ہے اسی کو پڑھنا چاہئے، ہاں مناسب الفاظ بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن بہتر وہی ہے جو شامی میں ہے کبھی کبھی طویل الفاظ مقتدیوں کے لئے باعثِ کلفت بن جاتے ہیں بلکہ بعض مرتبہ دوسری رکعت سے قومہ لمبا ہو جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

اللّٰهم اهدني ...... اللّٰهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات. وألّف بين قلوبهم، وأصلح ذات بينهم، وانصرهم على عدوك وعدوهم، اللّٰهم العن كفرة الكتاب الذين يكذبون رسلك ويقاتلون أوليائك، اللّٰهم خالف بين كلمتهم، وزلزل أقدامهم، وأنزل عليهم بأسك الذى لايرد عن القوم المجرمين. (شامی رحمہ اللہ تعالیٰ ۲/ ۶، باب الوتر والنوافل، سعید)

نور الایضاح میں ہے:

اللّٰهم اهدنا بفضلك فيمن هديت وعافنا فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شرما قضيت إنك تقضى ولايقضى عليك إنه لايذل من واليت و لايعزمن عاديت تباركت ربنا وتعاليت وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم.

(نور الایضاح: ۹۵ باب الوتر، مجددیۃ ملتان)

مراقی الفلاح میں ہے:

اللّٰهم اهدني فيمن هديت وعافني فيمن عافيت وتولنا فيمن توليت وبارك لنا فيما أعطيت وقنا شرما قضيت إنك تقضى ولايقضى عليك وإنه لايذل من واليت تباركت ربنا وتعاليت وحسنه الترمذى. (رواه أبو داؤد فى كتاب الوتر باب القنوت فى الوتر والترمذى فى كتاب الوتر باب ما

جاء فی قنوت الوتر وقال هذا حديث حسن لانعرفه الامن هذا الوجه وابن ماجة فی كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها باب ماجاء فی القنوت فی الوتر والدارمی فی كتاب الصلاة باب الدعاء فی القنوت والنسائی فی كتاب قيام الليل باب الدعا فی الوتر) وزاد البيهقی بعد واليت ولايعزمن عاديت وزادالنسائی بعد وتعاليت وصلی الله علی النبی فهو كما تری بصيغة الإفراد فيه وفی المروی عنه ﷺ حال دعائه فی قنوت الفجر لماكان يفعله، قال الكمال بن الهمام لكنهم أی المشايخ لفقوه من حديث فی حق الإمام عام لايخص القنوت فقالوه بنون الجمع أی اللّٰهم اهدناوعافنا وتولنا إلی آخره انتهی، قلت: ومنهم صاحب الدرر والغرر والبرهان.

(مراقی الفلاح: ۱۴۳، باب الوتر وأحكامها، مكة المكرمة)

قنوتِ نازلہ میں مسنون کے علاوہ دیگر ادعیہ پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا یہ جائز ہے کہ قنوتِ نازلہ میں مسنون کے علاوہ دوسری دعائیں پڑھ لیں اگر امام مسنون کے ساتھ دوسری دعاؤں کا بھی اضافہ کیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: دعاءِ قنوت میں منقول دعا کے علاوہ دوسری دعائیں بھی پڑھ سکتے ہیں، ہاں دنیوی دعاؤں کے مشابہ نہ ہوں مثلاً یا اللہ فلاں جگہ سونے کی کان عطا کردے یا فلاں لڑکی سے نکاح کا انتظام فرمادے، شامی میں یہ دعا منقول ہے:

اللّٰهم اغفر للمؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات. وألّف بين قلوبهم، وأصلح ذات بينهم، وانصرهم علی عدوك وعدوهم، اللّٰهم العن كفرة الكتاب الذين يكذبون رسلك ويقاتلون أوليائك، اللّٰهم خالف بين كلمتهم، وزلزل أقدامهم؛ وأنزل عليهم بأسك الذی لايرد عن القوم المجرمين. (شامی: ۲/۶، باب الوتر والنوافل، سعيد)

اور اس سے ملتی جلتی دعا علامہ خوارزمی نے کفایہ شرح ہدایہ میں ۳۷۹/۱ پر نقل فرمائی۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ بدائع الصنائع میں تحریر فرماتے ہیں:

وأما دعاء القنوت: وليس فی القنوت دعاء موقت كذا ذكر الكرخی فی كتاب الصلاة لأنه روی عن الصحابة أدعية مختلفة فی حال القنوت، ولأن الموقت من الدعاء يجری علی لسان الداعی من غير احتياج إلی إحضار قلبه وصدق الرغبة منه إلی الله تعالی فيبعد عن الإجابة. (بدائع الصنائع: ۲۷۳/۱، سعيد)

علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت سے یہ باتیں مفہوم ہوئیں:

(۱) قنوت میں مخصوص دعا ضروری نہیں۔

(۲) صحابہ سے مختلف دعائیں مروی ہیں۔

(۳) مخصوص دعا پڑھنے کی عادت کی وجہ سے کبھی خشوع اور توجہ نہیں رہتی بلکہ معنی کی طرف کبھی خیال بھی نہیں جاتا۔

ہاں قنوتِ وتر میں احناف کے ہاں "اللّٰهم إنانستعينك" پڑھنا مسنون ہے،اس کے ساتھ دوسری دعا پڑھ لے تو درست ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وقال بعض مشائخنا المراد من قوله ليس في القنوت دعاء موقت ما سوى قوله اللّٰهم إنانستعينك لأن الصحابة اتفقوا على هذا في القنوت. (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۲،سعيد) واللہ اعلم۔

قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے صرف تیس دن تک پڑھنا چاہئے یا اس سے زیادہ؟ کب اور کس وقت؟ کیا عشاء کی چوتھی رکعت میں پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: قنوتِ نازلہ دفعِ مصائب کے لئے پڑھنا چاہئے اور تیس دن کی کوئی تحدید نہیں جب تک مصیبت وبلا عام ہو وہاں تک پڑھیں اور فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قومہ میں پڑھیں، نیز عشاء کی چوتھی رکعت میں بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولا يقنت لغيره إلا لنازلة فيقنت الإمام في الجهرية وقيل في الكل. وفي الشامي: قال في الصحاح: النازلة الشديدة من شدائد الدهر،ولاشك أن الطاعون من أشد النوازل أشباه (قوله فيقنت الإمام في الجهرية) يوافقه مافي البحر والشرنبلالية عن شرح النقاية عن الغاية: وإن نزل بالمسلين نازلة قنت الإمام في صلاة الجهر، وهو قول الثوري وأحمد، وكذا مافي شرح الشيخ إسمعيل عن الغاية: قنت في صلاة الفجر، ويؤيده مافي شرح المنية حيث قال بعد كلام: فتكون شرعيته: أي شرعية القنوت في النوازل مستمرة ...... وهوصريح في أن القنوت النازلة عندنا مختص بصلاة الفجر دون غيرها من الصوات الجهرية أو السرية.

(شامي: ۲/۱۱، باب الوتر، سعيد)

تقریرات الرافعی میں ہے:

(قوله يوافقه ما في البحر) قال العلامة ط والسندي ما وقع في بعض نسخ البحر والإمداد عن الغاية إن نزل بالمسلمين نازلة قنت الإمام في صلاة الجهر فهو تحريف من النساخ وصوابه الفجر. (تقريرات الرافعي: ۲/۸۸، سعيد)

کفایت المفتی میں ہے:

جہری نمازوں کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد قومے میں قنوتِ نازلہ پڑھیں امام زور سے قنوت پڑھے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہتے جائیں، قنوتِ نازلہ کسی مصیبت کے وقت پڑھنا جائز ہے۔

(کفایت المفتی: ۳/۴۴۲، دار الاشاعت)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

آقائے دو جہاں رحمۃ للعالمین ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی عام اور دیگر عالمگیر مصیبت نازل ہو جائے مثلاً غیر مسلم حکومتوں کی طرف سے حملہ اور تشدد ہونے لگے اور دنیا کے سر پر خوفناک جنگ چھا جائے یا دیگر بلاؤں اور بربادیوں اور ہلاکت خیز طوفانوں میں مبتلا ہو جائے، تو ایسی مصیبت کے دفعیہ کے لئے فرض نمازوں میں قنوتِ نازلہ پڑھتے تھے اور جب تک وہ مصیبت دفع نہ ہو جائے یہ عمل برابر جاری رہتا تھا، لہٰذا جب کوئی عام مصیبت پیش آئے تو مصیبت کے زمانے تک قنوتِ نازلہ پڑھنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/۲۹۵، کتاب الصلاۃ قنوتِ نازلہ، مجددیہ)

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ قنوتِ نازلہ کو منسوخ کہتے ہیں اس کا مطلب:

سوال: فجر کی نماز میں جب مسلمان مشکل میں پڑ جائیں تو قنوتِ نازلہ پڑھی جاتی ہے لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو منسوخ کہتے ہیں ان کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے دو قول مروی ہیں:

(۱) قنوت فی الفجر منسوخ ہے۔ (۲) ثابت ہے۔

دونوں میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ سخت مصیبت میں جائز ہے اور عام لڑائی میں جائز نہیں یا یہ کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول "لابأس" کا مطلب یہ ہے کہ مسنون نہیں اگر چہ جائز ہے، یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول فقہاء کے ہاں معمول بہ نہیں ہے۔

شرح معانی الآثار میں ہے:

فثبت بما ذكرنا أنه لاينبغي القنوت في الفجر في حال الحرب ولاغيره قياسًا ونظرًا على ماذكرنامن ذلك وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد رحمهم الله تعالى.

(شرح معاني الآثار: ١/ ١٨٠، باب القنوت في صلاة الفجر وغيرها، فيصل)

نثر الازهار علی شرح معانی الآثار میں ہے:

وليعلم أن كلام المصنف رحمه الله تعالى صريح في نسخ القنوت في غير الوتر سواء كان لنازلة أو غيرها والمصرح في كتب المذهب جوازه عند النازلة وذكروه عن المصنف رحمه الله تعالى أيضًا. (نثر الأزهار على شرح معاني الآثار: ١/ ٤٧١)

امانی الاحبار میں ہے:

والظاهر من كلام الطحاوي أن أباحنيفة رحمه الله تعالى وصاحبيه رحمهما الله تعالى لايقولون بالقنوت فيما سوى الوتر مطلقًا ...... وذكر أئمتنا الثلاثة أنهم قالوا لاقنوت في الفجر أصلًا لكن ذكر غير واحد عن الإمام المصنف رحمه الله تعالى لابأس بالقنوت إن وقعت بلية وعلى هذا فمشروعية القنوت للنازلة مستمرة لم ينسخ كما صرح الشيخ ابن الهمام وغيره وعلى هذا مشى الشامي وغيره ...... وقد تقدم الجمع بين ما أثبته المصنف رحمه الله تعالى ههنا وبين ماذكروه عن المصنف رحمه الله تعالى من ثبوت القنوت في النازلة بأنه لايشرع لمطلق الحرب وإنما يشرع لبلية شديدة. (اماني الأحبار: ٤/ ٥٩)

شامی میں ہے:

لكن في الأشباه عن الغاية: قنت في صلاة الفجر، ويؤيده ما في شرح المنية حيث قال بعد كلام: فتكون شرعيته: أي شرعية القنوت في النوازل مستمرة، وهو محمل قنوت من قنت من الصحابة بعد وفاته عليه الصلوة والسلام، وهو مذهبنا وعليه الجمهور، وقال الحافظ أبو جعفر الطحاوي رحمه الله تعالى: إنما لايقنت عندنا في صلاة الفجر من غير بلية، فإن وقعت فتنة أو بلية فلابأس به، فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم. (شامي: ٢/ ١١، مطلب في القنوت للنازلة، سعيد)

مزید ملاحظہ ہو: (اماني الاحبار: ٤/ ٥٩ـ وعمدة القاري: ٥/ ٢٣٩، ٢٤١، باب القنوت قبل الركوع وبعده۔ وشرح فتح القدير: ١/ ٤٣٤، باب صلاة الوتر، دارالفكر۔ ومراقي الفلاح مع الطحطاوي: ٣٧٧، باب الوتر، قديمي)۔

نمازِ فجر میں قنوتِ نازلہ کے وقت ہاتھ باندھنے یا لٹکانے کا حکم:

سوال: نمازِ فجر میں امام صاحب جب دعا قنوت پڑھتے ہیں تو اس وقت ہاتھ باندھنا چاہئے یا لٹکانا چاہئے؟

الجواب: اس بارے میں مذہب احناف میں دونوں کی اجازت ہے ایک دوسرے کو ملامت نہیں کرنا چاہئے ہاں ہاتھ لٹکانے پر تعامل ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ثم الاعتماد سنة القيام عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ و أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ حتى لا يرسل حالة الثناء والأصل أن كل قيام فيه ذكر مسنون يعتمد فيه ومالا فلا هو الصحيح فيعتمد في حالة القنوت و صلاة الجنازة ويرسل في القومة وبين تكبيرات الأعياد.

(هداية: ۱/ ۱۰۲، باب صفة الصلاة)

شرح العنایہ میں ہے:

وعند محمد رحمه الله تعالىٰ أنه سنة القراءة ...... قال الفضلي: إن السنة في صلاة الجنازة وتكبيرات العيد والقومة التي بين الركوع والسجود وهو الإرسال ...... والصحيح ما قاله شمس الأئمة الحلواني وهو الذي أشار إليه في الكتاب أن كل قيام فيه ذكر مسنون، فالسنة فيه الاعتماد كما في حالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة، وكل قيام ليس فيه ذكر مسنون فالسنة فيه الإرسال فيرسل في القومة عن الركوع وبين تكبيرات الأعياد وبه كان يفتي شمس الأئمة السرخسي رحمه الله تعالىٰ وبرهان الأئمة رحمه الله تعالىٰ والصدر الشهيد رحمه الله تعالىٰ، وذكر في فتاوى قاضيخان: وكما فرغ من التكبير يضع يده اليمنى على اليسرى تحت السرة، وكذا في تكبيرات العيد وتكبيرات الجنازة والقنوت ويرسل في القومة.

(شرح العناية على الهداية على هامش فتح القدير: ۱/ ۲۸۷، باب صفة الصلاة۔ وكذا في البحر الرائق: ۱/ ۳۰۸۔ والشامي: ۱/ ۴۸۷ و ۲/ ۹، باب الوتر، سعيد)

فتاوی دارالعلوم دیو بند میں ہے:

صبح کی نماز میں بعد رکوع کے جو کہ اس زمانہ میں دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے اس میں ہم لوگوں کا معمول یہ ہے کہ ہاتھ لٹکائے رہتے ہیں کیونکہ اس موقعہ پر ہاتھ کا باندھنا نہیں آیا ہے اور اٹھانا بھی حنفیہ کے قواعد سے چسپاں نہیں ہے اس لئے احوط اور بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ چھوڑے رکھیں۔

(فتاوی دارالعلوم دیو بند:۴/۱۹۲،مسائل قنوتِ نازلہ،دارالاشاعت)

مزید ملاحظہ ہو: (کفایت المفتی:۳/۴۴۱، کتاب لصلاۃ قنوتِ نازلہ،دارالاشاعت۔ وفتاوی محمودیہ:۷/۱۷۸، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"من صلّٰی فی یوم ثنتی عشرۃ رکعۃ بنی اللّٰہ لہ بیتًا فی الجنۃ"﴾

(مصنفِ عبدالرزاق)

باب......﴿۹﴾

سنن اور نوافل کا بیان

باب ...... ﴿۹﴾

سنن اور نوافل کا بیان

سنتِ مؤکدہ بغیر عذر کے بیٹھ کر ادا کرنے کا حکم:

سوال: ظہر کی سنت بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ظہر کی سنت بیٹھ کر ادا کرنا بغیر عذر کے بھی جائز اور درست ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

یجوز النفل إنما عبر به ليشمل السنن المؤكدة وغيرها فتصح إذا صلاها قاعدًا مع القدرة على القيام وقد حكى فيه إجماع العلماء إلى قوله ...... فلايستثنى من جواز النفل جالسًا بلاعذر شيء على الصحيح (قوله يجوز النفل قاعدًا) مطلقًا من غير كراهة كما في مجمع الأنهر. واللہ اعلم.

(مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی: ۴۰۲، فصل فی صلاۃ النفل جالسًا، قدیمی۔ وھکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۹۲)

نفل نماز کے فاسد ہو جانے پر بیٹھ کر اعادہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نفل کھڑے ہو کر شروع کی پھر کسی وجہ سے فاسد ہوگئی اب اس کو بیٹھ کر ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نفل نماز شروع کرنے سے لازم اور واجب ہو جاتی ہے لہٰذا اب اس کا حکم واجب کا ہے، تو صورتِ مسئولہ میں بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قوله ويتنفل المقيم راكبًا أي بلا عذر ...... واحترز بالنفل عن الفرض والواجب بأنواعه كالوتر والنذور ومالزم بالشروع والإفساد وصلاة الجنازة ...... فلايجوز على الدابة بلاعذر

لعدم الحرج كمافي البحر.

(شامي: ۱/۲۳۲، سعيد۔ وهكذا في غمزعيون البصائر شرح الأشباه والنظائر۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۴۰۲، قديمي)

امداد الفتاح میں ہے:

لا يصح على الدابة صلاة الفرض ولاالواجبات كالوتر والمنذور وما شرع فيه نفلاً فأفسده. والله اعلم. (امداد الفتاح:۴۵۲، بيروت)

فرائض کے ساتھ سنن کی قضاء کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے سنت نماز اور فرض نماز بغیر وضو کے پڑھی یاد آنے کے بعد جب قضا کرے گا تو سنت کی قضا کرے گا یا نہیں؟

الجواب: اگر وقت ہی میں یاد آ گیا اور وضو کر کے پڑھنا چاہتا ہے تو سنن بھی دوبارہ پڑھ لے اور اگر بعد از وقت قضا کرنا چاہتا ہے تو قضا فقط فرائض کی ہے سنن کی قضا نہیں ہے صرف فجر کی سنت فرض کے ساتھ قضا کر سکتا ہے زوال سے پہلے۔

ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار میں ہے:

عن أم سلمة رضي الله تعالى عنها قالت صلى رسول الله ﷺ العصر ثم دخل بيتي فصلى ركعتين فقلت: يارسول الله صليت صلاة لم تكن تصليها قال: قدم علي مال فشغلني عن ركعتين كنت أصليها بعد الظهر فصليتها الآن قلت: يارسول الله أفنقضيها إذا فاتتا قال: لا.

(شرح معاني الآثار للامام الطحاوي رحمه الله تعالى: ۱/۲۴۱)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ وقت کے بعد سنن کی قضا نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان أن السنة إذا فاتت عن وقتها هل تقضى أم لا؟ فنقول بالله التوفيق لاخلاف بين أصحابنا في سائر السنن سوى ركعتي الفجر أنها إذا فاتت عن وقتها لاتقضى سواء فاتت وحدها أومع الفريضة لما روت أم سلمة رضي الله تعالى عنها أن النبي ﷺ دخل حجرتي بعد العصر ...... وأما سنة الفجر فإن فاتت مع الفرض تقضى مع الفرض استحساناً لحديث ليلة التعريس فإن النبي ﷺ لما نام في ذلك الوادي ثم استيقظ بحر الشمس فارتحل منه ثم نزل وأمر بلالاً

فأذن فصلى ركعتي الفجر ثم أمره فأقام فصلى صلاة الفجر وأما إذا فاتت وحدها لاتقضى عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وأبي يوسف رحمه الله تعالىٰ. (بدائع الصنائع: ۱/۲۸۷، سعید)

امدادالفتاح میں ہے:

حكم قضاء الصلاة المسنونة: ولم تقض سنة الفجر إلا بفرائضها مع الفرض إلى الزوال سواء قضى الفرض بجماعة أو منفرداً فإنه يصلى السنة ثم يقضى الفرض والقياس أن لاتقضى السنة لاختصاص القضاء بالواجب لكن ورد الخبر بقضائها قبل الزوال تبعًا للفرض: وما روى أنه عليه السلام "قضاها مع الفرض غداة ليلة التعريس بعد ارتفاع الشمس" فيبقى مارواه على الأصل فلا تقضى وحدها قبل طلوع الشمس اتفاقًا وتقضى بعده قبل الزوال تبعًا اتفاقًا ...... وأما غيرها من السنن فلا تقضى تبعًا لا في الوقت على الصحيح. والله اعلم.

(امداد الفتاح: ۵۰۲، حكم قضاء الصلاة المسنونة، بيروت)

سنت یا نفل بغیر وضو پڑھنے سے اعادہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے سنت یا نفل نماز بغیر وضو کے پڑھی تو "لزم النفل بالشروع" کی وجہ سے قضا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قضاء واجب نہیں ہے، اور "لزم النفل بالشروع" کا مطلب یہ کہ شروع کرنا صحیح ہو پھر کسی وجہ سے فاسد ہوگئی اور صورتِ مسئولہ میں بغیر وضو کے شروع کرنا ہی صحیح نہیں ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

قال أصحابنا إذا شرع في التطوع يلزمه المضى فيه ...... ثم الشروع إنما يكون سبب الوجوب إذا صح فأما إذا لم يصح فلا حتى لو شرع في التطوع على غير وضوء أو في ثوب نجس لايلزمه القضاء. والله اعلم. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱/۲۹۱، سعيد كمپني)

عصر کی سنتِ قبلیہ توڑ دی تو بعد از عصر پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے عصر کی سنتِ قبلیہ شروع کی پھر جماعت شروع ہونے کی وجہ سے توڑ دی تو عصر کے بعد پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: عصر کے بعد پڑھنا مکروہ ہے مکروہ اوقات کے علاوہ میں قضا کرنا صحیح ہے لیکن اگر کسی نے کر لی

تو کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گی یعنی ذمہ سے ساقط ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو افتتح النافلة فی وقت مستحب ثم أفسدها أو فسدت ...... لایقضیها فیما بعد العصر قبل الغروب أو بعد طلوع الفجر قبل ارتفاع الشمس أی یکره أن یقضیها ...... ولو قضاها فیهما تسقط عنه وتصح مع الكراهة. والله اعلم.

(شرح منیة المصلی: ٢٤٤، سهيل اكيڈمی لاهور۔ وكذا فی الدرالمختار مع رد المحتار: ١/٣٧٤، سعيد۔ وكذا فی حاشية الطحطاوی علی الدر: ١/٢٩٩)

فرض پڑھنے والے کے پیچھے سنت پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر ایک شخص نے ظہر کی نماز کسی کے پیچھے پڑھ لی اس کے بعد دوسری جگہ کوئی شخص ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا تو یہ شخص اس کے پیچھے ظہر کی سنت ادا کر سکتا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں فرض پڑھنے والے کے پیچھے سنت پڑھنا جائز ہے اس لئے کہ خروج عن العہدۃ کے لئے مطلق نیت کافی ہے جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ثم اعلم أن ما ذكره المصنف هنا مخالف لما قدمه فی شروط الصلاة بقوله وكفى مطلق نية الصلاة لنفل وسنة وتراويح، وذكر الشارح هناك أنه المعتمد، ونقلنا هناك عن البحر أنه ظاهر الرواية وقول عامة المشايخ وصححه فی الهداية وغيرها، ورجحه فی الفتح ونسبه إلى المحققين. قلت: فعلى هذا يصح الاقتداء فی التراويح وغيرها بمفترض وغيره، ومثلها سائر السنن الرواتب كما تفيده عبارة الخانية تأمل. والله اعلم.

(شامی: ١/٥٩٠ باب الامامة، سعيد كمپنی)

مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا حکم:

سوال: ائمہ اربعہ کے نزدیک مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احناف کے نزدیک مباح ہے اور شوافع کے دو قول ہیں: (۱) مستحب (۲) مباح، مالکیہ کے نزدیک مستحب نہیں ہے اور بعض کے نزدیک منسوخ ہے اور حنابلہ کے نزدیک جائز ہے مگر سنت نہیں۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وحرر إباحة ركعتين خفيفتين قبل المغرب: وأقره في البحر والمصنف ...... وفي الشامي: (قوله وحرر إباحة ركعتين) فإنه ذكر أنه ذهبت طائفة إلى ندب فعلها، وأنه أنكره كثير من السلف وأصحابنا ومالك واستدل لذلك بماحققه أنه في كتب سواد الاحداق ثم قال: والثابت بعد هذا هو نفي المندوبة، أم ثبوت الكراهة فلا إلا أن يدل دليل آخر وما ذكر من استلزم تأخير المغرب فقد قدمنا عن القنية استثناء القليل، والركعتان لايزيد على القليل إذ تجوز فيهما.

(الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/۱٤، باب الوتر والنوافل، سعيد۔ وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۸۷، مكروهات الصلاة، امدادية ملتان۔ وكذا في فتح القدير: ۱/٤٤٥، باب النوافل۔ والفتاوى الهندية: ۱/۵۲)

شرح المہذب میں ہے:

فرع في استحباب ركعتين قبل المغرب وجهان مشهوران في طريقة الخراسانيين (الصحيح) منهما الاستحباب لحديث عبد الله بن مغفل رضي الله تعالى عنه ...... الخ.

(شرح المهذب: ٤/۸ باب صلاة التطوع، دارالفكر۔ وكذا في روضة الطالبين: ۱/۳۲۷، في صلاة التطوع، المكتبة الاسلامي۔ وكذا في حاشية الجمل: ۱/٤۸۱، باب في صلاة النفل، دارالفكر)

فتح الباری میں ہے:

وادعى بعض المالكية نسخها فقال: إنما كان ذلك في أول الأمر حيث نهى عن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس ...... الخ.

(فتح الباري: ۲/۱۰۸، كتاب الاذان باب كم بين الاذان والاقامة۔ وفي مواهب الجليل: ۲/٤۱۰، دارالكتب العلمية، بيروت)

المغنی میں ہے:

ركعتان قبل المغرب بعد الأذان فظاهر كلام أحمد رحمه الله تعالى: أنهما جائزتان وليستا سنة ...... الخ. والله اعلم. (المغني لابن قدامة: ۱/۷٦٦، دارالكتب العلمية، بيروت)

عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا حکم:

سوال: عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھنے کو فقہاء نے مستحب لکھا ہے اور بعض کتابوں میں حدیث مذکور ہے لیکن کتبِ حدیث میں یہ روایت نہیں ملتی، البتہ ایک عمومی حدیث سے استدلال کر سکتے ہیں مثلاً آنحضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے، پھر اس حدیث سے مطلق نماز مراد ہے اور وہ دو رکعتیں ہیں، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اصول کے مطابق کہ رات کی نماز چار رکعت ایک تحریمہ سے پڑھنا افضل ہے اس وجہ سے فقہاء نے چار رکعتیں مستحب قرار دی ہے، اور بعض نے فرمایا کہ اختیار ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن عبداللّٰہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه عليه السلام قال: بين كل أذانين صلاة بين كل أذانين صلاة ثم قال في الثالثة: لمن شاء". (رواه البخاري: ١/٨٧، باب بين كل اذانين صلاة، فيصل)

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وندب أربع قبل العشاء لماقاله في الاختيار شرح المختار: يستحب أن يصلي قبل العشاء أربعًا وقيل: ركعتين، ...... وعن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا "أنه عليه السلام كان يصلي قبل العشاء أربعًا ثم يصلي بعدها أربعًا ثم يضطجع".

(امداد الفتاح: ص ٤٢٨، بيروت۔ وكذافي الاختيار ١/٧٢، باب النوافل، بيروت)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وأما الأربع قبل العشاء فلم يذكر في خصوصها حديث لكن يستدل له بعموم مارواه الجماعة من حديث عبداللّٰہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه عليه السلام قال: بين كل أذانين صلاة بين كل أذانين صلاة ثم قال في الثالثة: لمن شاء" فهذا مع عدم المانع من التنفل قبلها يفيد الاستحباب لكن كونها أربعاً يتمشى على قول أبي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ لأنها الأفضل عنده فيحمل عليها لفظ الصلاة حملاً للمطلق على الكامل ذاتًا ووصفًا. واللّٰہ اعلم.

(شرح منية المصلي: ص ٣٨٥، سهيل)

وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے کا حکم:

سوال: وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: وتر کے بعد دو رکعت نفل پڑھنا احادیث سے ثابت ہے نیز اکابرین کے مختلف فتاوی میں بھی مذکور ہے، البتہ کتب فقہیہ میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل کیا ہے "إذا صح الحديث فهو مذهبي" لہٰذا اس کی بنا پر وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے سے دائرۂ مذہب سے خارج نہیں ہوگا بلکہ عین مذہب پر عمل ہوگا چونکہ صحیح احادیث موجود ہیں۔

ملاحظہ فرمائیں مسلم شریف میں ہے:

عن أبي سلمة قال: سألت عائشة رضي الله تعالى عنها عن صلاة رسول الله ﷺ فقالت: كان يصلي ثلاث عشرة ركعة ثم يصلي ثماني عشرة ركعة ثم يوتر ثم يصلي ركعتين وهو جالس فإذا أراد أن يركع قام فركع ثم يصلي ركعتين بين النداء والإقامة من صلاة الصبح.

(رواه مسلم: ۱/۲۵٤)

بیہقی سنن کبریٰ میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن النبي ﷺ كان يصلي بعد الوتر الركعتين وهو جالس.

(السنن الكبرى للبيهقي: ۳/۳۳، دار المعرفة)

مزید ملاحظہ فرمائیں: (بخاری شریف: ۱/۱۵۵۔ باب المداومة على ركعتي الفجر۔ مسلم شریف: ۱/۲۵٦۔ وابوداود شریف: ص ۱۹۰۔ جامع ترمذی شریف: ۱/۱۰۸۔ وابن ماجہ شریف: ص ۸۳۔ ومسند امام احمد بن حنبل: ٦/۲۹۸/۲٦٥۹٥۔ ودارقطنی: ۲/۳۷۔ وموطا امام محمد: ص ۱٤۸)۔

معارف السنن میں ہے:

والركعتان بعد الوتر لم يرو عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى والشافعي رحمه الله تعالى شئ. وأنكرهما مالك رحمه الله تعالى، وقال أحمد رحمه الله تعالى: لا أفعلهما ولا أمنع من فعلهما، حكاه النووي رحمه الله تعالى في "شرح مسلم" و"شرح المهذب" وكذا في "شرح المواهب" وأباحهما الأوزاعي رحمه الله تعالى ...... وحكي عن أبي الحسن الآمدي رحمه الله تعالى: أنهما من السنن الراتبة، وذكر أنه أوصى بهما خالد بن معدان، وكثير بن مرة الحضرمي، وفعلهما حسن.

(معارف السنن: ٤/۲۰٥، بيان المذاهب في الركعتين بعد الوتر جالسًا، سعيد)

شامی میں ہے:

وفي حاشية البحر للخير الرملي: رأيت في كتب الشافعية أنه قد سن الأذان لغير الصلاة ...... وعند تغول الغيلان: أي عند تمرد الجن لخبر صحيح فيه. أقول: ولا بعد فيه عندنا، أي لأن ما صح فيه الخبر بلا معارض فهو مذهب للمجتهد وإن لم ينص عليه، لما قدمناه في الخطبة عن الحافظ ابن عبد البر رحمه الله تعالى والعارف الشعراني رحمه الله تعالى عن كل من الأئمة أنه قال: إذا صح الحديث فهو مذهبي.

(الشامي: ۱/۳۸٥، مطلب في المواضع التي يندب لها الأذان في غير الصلاة، سعيد۔ شرح عقود رسم المفتي: ص ۱۷)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

وتر کے بعد نوافل پڑھنا جائز ہے، چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو عشاء کے بعد وتر پڑھ لیتے تھے وہ آخر رات میں تہجد پڑھتے تھے تو معلوم ہوا کہ وتر کے بعد نوافل ممنوع نہیں ہیں نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد وتر کے دو رکعت نفل پڑھی ہیں۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ۴/ ۲۲۰، مسائل سنن غیر مؤکدہ، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)

مزید ملاحظہ ہو: (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/ ۳۳۵۔ وکفایت المفتی: ۳/ ۳۱۸۔ وفتاوی محمودیہ: ۷/ ۲۲۴۔ وفتاوی رحیمیہ: ۳/ ۲۴)۔

اشکال اور جواب:

اشکال: "اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترًا" کی حدیث کے ساتھ رکعتین بعد الوتر والی روایت کا تعارض ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں:

(۱) "اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترًا" کا حکم استحباب پر مبنی ہے اور رکعتان بعد الوتر جواز کے لئے ہے۔

(۲) یہ دو رکعتیں وتر کی تکمیل کے لئے ہیں۔

(۳) رات کی آخری نماز وتر کو رکھو مغرب اور عشاء پہلے ہوا اور وتر بعد میں۔

(۴) رات کو آخری نماز جو عشاء مع الوتر ہیں اس کا مجموعہ وتر یعنی طاق بناؤ مطلب یہ کہ وتر کو مت چھوڑو یہ بھی لازم ہے، اور وترًا نکرہ سے اس توجیہ کی تائید ہوئی کیونکہ صلاۃ وتر کے لئے معرفہ الوتر کا لفظ احادیث میں مستعمل ہے۔ واللہ اعلم۔

عشاء کے بعد تہجد کی نیت سے دو یا چار رکعات پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تہجد کے لئے بیدار نہیں ہوسکتا ہے تو عشاء کے بعد دو یا چار رکعات پڑھنے سے تہجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: تہجد اصل میں نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھی جانے والی نماز ہے لہذا کوشش یہی کرنا چاہئے کہ سو کر اٹھنے کے بعد اخیر شب میں پڑھے لیکن کوشش کے باوجود اٹھنا مشکل ہے یا طالب علم رات کو دیر تک مطالعہ میں مشغول رہتا ہے سونے سے پہلے دو یا چار رکعات تہجد کی نیت سے پڑھ لے تو امید ہے کہ ثواب مل جائے گا۔

البحر الرائق میں ہے:

ومن المندوبات صلاة الليل حثت السنة الشريفة عليها كثيرًا وأفادت أن لفاعلها أجرًا كبيرًا فمنها ما في صحيح مسلم مرفوعًا ...... وروى الطبراني مرفوعًا لابد من صلاة بليل ولو حلب شاة وما كان بعد صلاة العشاء قبل النوم. (البحر الرائق: ۲/ ۵۲، باب النوافل، الماجدية)

شامی میں ہے:

قلت: قد صرح بذلك في الحلية، ثم قال فيها بعد كلام: ثم غير خاف أن صلاة الليل المحثوث عليها هي التهجد، وقد ذكر القاضي حسين من الشافعية أنه في اصطلاح التطوع بعد النوم، وأيد بما في مجمع الطبراني من حديث الحجاج بن عمرو رضي الله تعالى عنه قال: "يحسب أحدكم إذا قام من الليل يصلي حتى يصبح أنه قد تهجد، إنما التهجد، المرء يصلي الصلاة بعد رقده" غير أن في سنده ابن لهيعة وفيه مقال، لكن الظاهر رجحان حديث الطبراني الأول لأنه تشريع قولي من الشارع صلى الله عليه وسلم بخلاف هذا، وبه ينتفي ماعن أحمد من قوله قيام الليل من المغرب إلى طلوع الفجر...... أقول: الظاهر أن حديث الطبراني الأول بيان لكونه وقته بعد صلا ة العشاء، حتى لو نام ثم تطوع قبلها لايحصل السنة فيكون حديث الطبراني الثاني مفسرًا للأول، وهو أولى من إثبات التعارض والترجيح، لأن فيه ترك العمل بأحدهما، ولأنه يكون جاريًا على الاصطلاح، ولأنه المفهوم من اطلاق الآيات والآحاديث، ولأن التهجد إزالة النوم بتكلف مثل: تأثم أي تحفظ عن الإثم، نعم صلاة الليل وقيام الليل أعم من التهجد وبه يجاب ماورد على قول الإمام أحمد هذا ما ظهرلي. والله أعلم.

(شامي: ۲/ ۲٤، باب النوافل، سعيد كمپني ـ وهكذا في شرح منية المصلي: ٤٢٤، سهيل)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد المفتیین جلد دوم: ۳۵۹ ـ وفتاوی محمودیہ: ۷/ ۲۳۴، باب السنن والنوافل، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

نمازِ تہجد باجماعت ادا کرنے کا حکم:

سوال: رمضان المبارک میں تہجد کی نماز قصداً باجماعت ادا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ نفل کی جماعت مکروہ ہے ہاں کبھی بغیر تداعی کے ایک دو کسی کی اقتداء کرے تو گنجائش ہے البتہ مداومت مکروہ ہے افضل اور بہتر یہ ہے کہ تنہا ادا کی جائے۔

مراقی الفلاح میں ہے:

والجماعة فی النفل فی غیر التراویح مکروهة فالاحتیاط ترکها ...... وعن شمس الأئمة رحمہ اللہ تعالیٰ أن هذا أی کراهة الجماعة فی النفل إذا کان علی سبیل التداعی أی طریق یدعو الناس للاجتماع علیهم أما لو اقتدی واحد بواحد أو اثنان بواحد لایکره لأن النبی ﷺ أم ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فی صلاة اللیل ...... وصح أنه ﷺ أم أنسًا والیتیم والعجوز فصلی بهم رکعتین، وکانت نافلة وإذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فیه والأصح عدم الکراهة، وإن اقتدی أربعة بواحد کره اتفاقًا.

(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ۳۸۶، باب الوتر، قدیمی کتب خانہ۔ وکذا فی الشامی: ۲/۴۹، کراهة الاقتداء فی النفل علی سبیل التداعی، سعید کمپنی۔ وکذا فی المبسوط للامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲/۸۶، باب صلاة الکسوف، ادارة القرآن)

ہاں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اعلاء السنن میں تحریر فرمایا ہے کہ بغیر اہتمام کے تین سے زیادہ آدمی جمع ہو جائیں تو یہ بھی تداعی میں شامل نہیں ہے اور یہی اقرب الی اللغۃ ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: وتفسیر التداعی بالاهتمام والمواظبة أولی من تفسیرها بالعدد والکثرة کما لایخفی، لأن الأول أقرب إلی اللغة وأشبه بهادون الثانی. والله اعلم.

(اعلاء السنن: ۷/۹۳، باب کراهة الجماعة فی النوافل، ادارة القرآن، کراچی)

تہجد کی نماز میں صبح صادق طلوع ہونے سے نماز کا حکم:

سوال: ایک شخص تہجد پڑھ رہا تھا اور فجر کا وقت داخل ہو گیا تو یہ نفل واجب الاعادہ ہے یا مستحب الاعادہ یا کیا حکم ہے؟

الجواب: تہجد پڑھتے وقت صبح صادق طلوع ہو جائے تو نماز پوری کر لے، یہ نفل صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

لو صلی تطوعًا فی آخر اللیل فلما صلی رکعة طلع الفجر فإن الأفضل إتمامها، لأن وقوعه فی التطوع بعد الفجر لاعن قصد ولاینوبان عن سنة الفجر علی الأصح.

(شامی: ۱/۳۷۴، سعید کمپنی)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ومن صلی تطوعًا فی آخر اللیل فلما صلی رکعة طلع الفجر کان الإتمام أفضل...... واللہ اعلم. (الفتاوی الهندیة: ۱/۵۲)

تہجد کے وقت قضاءِ عمری پڑھنے سے تہجد کا ثواب مل جائے گا:

سوال: اگر کوئی شخص تہجد کے وقت قضاءِ عمری پڑھے تو کیا اسے تہجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: تہجد کے وقت قضاءِ عمری پڑھنے سے نمازِ تہجد کا ثواب مل جائے گا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ظاهر مامر أن التهجد لایحصل إلابالتطوع، فلو نام بعد صلاة العشاء ثم قام فصلی فوائت لایسمی تهجدًا وتردد فیه بعض الشافعیة ...... قلت: والظاهر أن تقییده بالتطوع بناء علی الغالب وأنه یحصل بأی صلاة کانت لقوله فی الحدیث المار "وماکان بعد صلاة العشاء فهو من اللیل". (شامی: ۲/۲٤ فی صلاة اللیل، سعید)

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

اگر کوئی نیند سے اٹھ کر فوت شدہ نماز کی قضاء کرے تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ بھی تہجد میں سے شمار ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۲۶۰، باب السنن والنوافل)

تراویح پڑھنے والے کے پیچھے تہجد پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے چار رکعات تراویح چھوڑ دی جب اس کو اخیر شب میں ادا کرتا ہے تو تہجد والا اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تہجد پڑھنے والا تراویح پڑھنے والے کے پیچھے پڑھ سکتا ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

ولو اقتدی من یصلی سنة بمن یصلی سنة أخری فإنه یجوز کسنة العشاء خلف من یصلی التراویح...... (البحر الرائق: ۱/۳٦۱، باب الامامة، الماجدیة)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

لو اقتدی من یصلی السنة بعد العشاء لمن یصلی التراویح ولو نوی سنة العشاء جاز...... واللہ اعلم. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱۱۷۔ وکذا فی الفتاوی الولوالجیة: ۱/۱۷۔ وکذا فی الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۲۹٦۔ وفی بدائع الصنائع: ۱/۲۹۰، سعید)

اشراق کی نماز میں دو سے زیادہ رکعت کا ثبوت:

سوال: اشراق کی نماز میں فقہائے کرام دو یا چار رکعت پڑھنا تحریر فرماتے ہیں، احادیث میں دو رکعت سے زائد ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث میں دو رکعت سے زائد پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو الترغیب والترہیب میں ہے:

روی عن أبی أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: من صلی الفجر ثم ذکر اللہ حتیٰ تطلع الشمس ثم صلی رکعتین أو أربع رکعات لم تمس جلده النار وأخذ الحسن بجلده فمده، رواه البیهقی۔

(الترغیب والترهیب: ۱/۱۷۸)

شعب الایمان میں ہے:

عن العلاء وأبی الجهم قالا: کان الحسن بن علی جالسًا بعد صلاة الصبح فی المسجد فأتاه رجل فدعاه وجلساء ه إلی طعام فأضرب عنه ثم دعا فدعاه فقال الحسن لجلسائه قوموا فما منعنی أن أجیبه فی المرة الأولیٰ إلا أنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "من صلی الغداة ثم ذکر اللہ عزوجل حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین أو أربع رکعات لم تمس جلده النار" وأخذ الحسن بجلده فمده فإذا الذی دعاهم عبد اللہ بن الزبیر فلما وضع الطعام قال الحسن: إنی صائم فقال ابن الزبیر: اتحفوه بتحفة. (شعب الایمان: ۳/۴۲۰)

سنن ترمذی میں ہے:

عن أبی الدرداء وأبی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اللہ تبارك وتعالی أنه قال "ابن آدم ارکع لی أربع رکعات من أول النهار أکفك آخره".

(رواه الترمذی: ۱/۱۰۸، باب ما جاء فی صلاة الضحی، فیصل۔ وأبو داؤد: ۱/۱۸۳)

اس حدیث کو محدثین نے صلوٰۃ الضحیٰ کے باب میں ذکر فرماتے ہیں لیکن نماز اشراق کی فضیلت میں بھی ہو سکتی ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک اشراق اور چاشت دونوں ایک ہی نماز ہے۔

ملاحظہ ہو حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال الفقهاء والمحدثون: إن صلاة الضحی وصلاة الإشراق واحدة إن صلی بمجرد ذهاب الوقت المکروه بعد الطلوع فصلاة إشراق ولو تأخر عنه بزمان فصلاة الضحی غیر

صلاۃ الإشراق ویفیدهما ماروی علی أن النبی ﷺ صلی الإشراق حین کانت الشمس من ههنا مقدار مایکون ههنا وقت العصر ...... واللہ اعلم.

(العرف الشذی علی هامش الترمذی: ۱/۱۰۷، باب ما جاء فی صلاۃ الضحی)

تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم:

سوال: تحیۃ المسجد سنت ہے یا مستحب؟ اگر نوافل کا وقت نہ ہو تو کیا کرے؟

الجواب: تحیۃ المسجد سنت ہے لیکن مسجد میں داخل ہونے کے بعد فرض یا سنتِ قبلیہ میں مشغول ہوگیا تو یہ نماز تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہو جائے گی۔

اگر مکروہ وقت ہو جس میں نوافل نہیں پڑھ سکتے تو ذکر واذکار میں مشغول ہو جائے مثلاً "سبحان اللہ والحمد للہ ولا إله إلا اللہ واللہ أکبر" وغیرہ۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(قوله ویسن تحیة) کتب الشارح فی هامش الخزائن أن هذا رد علی صاحب الخلاصة حیث ذکر أنها مستحبة ...... ثم قال: وقد حکی الإجماع علی سنیتها غیر أن أصحابنا یکرهونها فی الأوقات المکروهة تقدیمًا لعموم الحاظر علی عموم المبیح ...... فإنه یسبح ویهلل ویصلی علی النبی ﷺ فإنه حینئذٍ یؤدی حق المسجد، کما إذا دخل للمکتوبة فإنه غیر مأمور بها حینئذٍ کما فی التمرتاشی ...... قال فی النهی: وینوب عنها کل صلاۃ صالها عند الدخول فرضًا کانت أو سنة، وفی البنایة معزیًا إلی مختصر المحیط أن دخوله بنیة الفرض أو الاقتداء ینوب عنها وإنما یؤمر بها إذا دخله لغیر صلاۃ (قوله فی الضیاء) عبارته وقال بعضهم: من دخل المسجد ولم یتمکن من تحیة المسجد إما لحدث أو لشغل أو نحوه یستحب له أن یقول: سبحان اللہ، والحمد للہ، ولا إله إلا اللہ، واللہ أکبر، قاله أبو طالب المکی فی قوت القلوب.

(شامی: ۲/۱۸، ۱۹، باب النوافل، سعید)

معارف السنن میں ہے:

الصلاۃ هذه تسمی تحیة المسجد سنة عندنا وعند الکل عبّر عنها بالسنة صاحب الدر المختار وعبّر عنها صاحب الخلاصة بأنها مستحبة وکذالك اختلف فیها کلمات المالکیة والشافعیة والأمر متقارب. واللہ اعلم. (معارف السنن: ۳/۴۹۵، سعید)

تحیۃ المسجد باوجود قدرت کے بیٹھ کر پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص مسجد میں آکر کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر تحیۃ المسجد پڑھ لے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: نفل نماز بغیر عذر کے بیٹھ کر پڑھنا بالکل جائز اور درست ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تحیۃ المسجد بھی نفل کی ایک قسم ہے اس وجہ سے بیٹھ کر پڑھنا جائز اور درست ہے۔ البتہ ثواب میں کمی ہوگی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه قال: سألت النبي صلى الله عليه وسلم عن صلاة الرجل وهو قاعد فقال: "من صلى قائمًا فهو أفضل ومن صلى قاعدًا فله نصف أجر القائم......

(رواه البخاري: ١/١٥٠/١١٠٥، فيصل)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

يجوز النفل إنما عبر به ليشمل السنن المؤكدة وغيرها فتصح إذا صلاها قاعدًا مع القدرة على القيام وقد حكى فيه إجماع العلماء إلى قوله ...... فلا يستثنى من جواز النفل جالسًا بلا عذر شيء على الصحيح (قوله يجوز النفل قاعدًا) مطلقًا من غير كراهة كما في مجمع الأنهر. والله اعلم.

(مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي: ٤٠٢، فصل في صلاة النفل جالسا، قديمي ـ وهكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار ١/٢٩٢ ـ والدر المختار مع الشامي: ٢/٣٦، سعيد)

صلاۃ التسبیح باجماعت ادا کرنے کا حکم:

سوال: صلاۃ التسبیح باجماعت ادا کر سکتے ہیں عندالاحناف والشوافع کیا حکم ہے؟

الجواب: صلوۃ التسبیح باجماعت ادا کرنا درست نہیں ہے، احناف اور شوافع دونوں کے ہاں یہی حکم ہے اس لئے کہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے مگر کبھی کبھی ایک دو کسی کی اقتداء کرے بغیر تداعی کے تو درست ہے اسی طرح تین ہوں تو بھی اصح قول کے مطابق بلا کراہت صحیح ہے البتہ چار ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

ہاں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اعلاء السنن میں تحریر فرمایا ہے کہ بغیر اہتمام کے تین سے زیادہ آدمی جمع ہو جائیں تو یہ بھی تداعی میں شامل نہیں ہے اور یہی اقرب الی اللغۃ ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: وتفسير التداعي بالاهتمام والمواظبة أولى من تفسيرها بالعدد والكثرة كما لايخفى، لأن الأول أقرب إلى اللغة وأشبه بهادون الثاني.

(اعلاء السنن: ۹۳/۷، باب كراهة الجماعة في النوافل، ادارة القرآن، كراچی)

مراقی الفلاح میں ہے:

والجماعة في النفل في غير التراويح مكروهة فالاحتياط تركها ...... وعن شمس الأئمة رحمه الله تعالىٰ أن هذا أي كراهة الجماعة في النفل إذاكان على سبيل التداعي أي طريق يدعو الناس للاجتماع عليهم أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لايكره لأن النبي صلى الله عليه وسلم أم ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما في صلاة الليل ...... وصح أنه صلى الله عليه وسلم أم أنسًا واليتيم والعجوز فصلى بهم ركعتين، وكانت نافلة وإذا اقتدى ثلاثة بواحد اختلف فيه والأصح عدم الكراهة، وإن اقتدى أربعة بواحد كره اتفاقًا.

(مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي: ۳۸۶، باب الوتر، قديمي كتب خانه۔ وكذا في الشامي: ۴۹/۲، كراهة الاقتداء في النفل على سبيل التداعي، سعيد كمپني۔ وكذا في المبسوط للامام السرخسي: ۸۶/۲، باب صلاة الكسوف، ادارة القرآن)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

صلاۃ التسبیح جماعت کے ساتھ منقول ومشروع نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۲۵۳/۷، باب السنن والنوافل، جامعہ فاروقیہ۔ وفتاویٰ حقانیہ: ۲۶۶/۳، باب السنن والنوافل)

البجیرمی میں ہے:

تتمة: من القسم الذي لاتسن الجماعة فيه صلاة التسابيح.

(البجيرمي على الخطيب: ۸۰/۲ القول في النوافل المؤكدة بعدالرواتب، التوفيقية)

نہایۃ المحتاج میں ہے:

ومما لاتسن فيه الجماعة ...... وصلاة التسبيح. واللہ اعلم۔

(نهاية المحتاج: ۱۲۲/۲، باب في صلاة النفل، دار الفكر)

صلاۃ التسبیح مختصر ومطول کا ثبوت اور دونوں کے مابین فرق:

سوال: صلاۃ التسبیح مطول اور مختصر میں کیا فرق ہے؟ اور سند کے اعتبار سے دونوں میں کونسی زیادہ اصح ہے؟

الجواب: صلاۃ التسبیح مطول سب سے زیادہ مشہور ہے اور سند کے اعتبار سے زیادہ ٹھیک طریق عبداللہ

بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اس میں ایک راوی موسیٰ بن عبد العزیز پر بعض نے کچھ کلام کیا ہے اور محدثین کے مختلف نظریات ہیں بعض کے نزدیک حسن اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے البتہ موضوع کہنا غلط ہے۔

اور شیخ البانی نے صحیح قرار دیا ہے ملاحظہ ہو: (تعليق الالباني على سنن الترمذي:٢/٣٥٠/٤٨٢،بيروت۔و سنن ابن ماجة:١/٤٤٢/١٣٨٦،بيروت۔و سنن ابي داود:١/٤٩٩/١٢٠٠،بيروت)۔ لیکن اسی روایت کو صحیح ابن خزیمہ کی تعلیق میں ضعیف قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو: (صحيح ابن خزيمة:١/١٢١٦،باب صلاة التسبيح،المكتب الاسلامي)۔

خلاصۃ الکلام یہ ہے کہ مجموعہ طرق کی وجہ سے درجۂ حسن سے کم نہیں ہے۔

ہاں صلاۃ التسبیح مختصر سند کے اعتبار سے اصح ہے۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ مختصر میں تسبیحات کی تعداد تیس ہے اور مطول میں کل تعداد تین سو ہے، ہر رکعت میں پچھتر ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم للعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ألا أصلك ألا أحبوك ألا أنفعك قال بلى يارسول الله قال: يا عم صل أربع ركعات تقرأ في كل ركعة بفاتحة الكتاب وسورة فإذا انقضت القراءة فقل الله أكبر والحمد لله وسبحان الله ولا إله إلا الله خمس عشرة مرة قبل أن تركع ثم اركع فقلها عشرًا ثم ارفع رأسك فقلها عشرًا ثم اسجد فقلها عشرًا ثم ارفع رأسك فقلها عشرًا ثم اسجد فقلها عشرًا ثم ارفع رأسك فقلها عشرًا قبل أن تقوم فذلك خمس وسبعون في كل ركعة وهي ثلثة مائة في أربع ركعات ولو كان ذنوبك مثل رمل عالج غفرها الله لك ...... قال أبو عيسى هذا حديث غريب من حديث رافع ...... عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن أم سليم غدت على النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقالت علمني كلمات أقولهن في صلاتي فقال: كبري الله عشرًا وسبحي الله عشرًا واحمديه عشرًا ثم سلي ما شئت يقول نعم نعم. وفي الباب عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعبد الله بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ والفضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأبي رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال أبو عيسى حديث أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حديث حسن غريب وقد روي عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم غير حديث في صلاة التسبيح ولا يصح منه كبير شيء وقد روى ابن المبارك وغير واحد من أهل العلم صلاة التسبيح ذكروا الفضل فيه.

(ترمذي شريف:١/١٠٩ باب ماجاء في صلاة التسبيح،فيصل)

قال الألباني: صحيح. (سنن ترمذی:۲/۳۵۰/۴۸۲،بیروت)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والحديث في صلاة التسبيح مختلف فيه، قيل: ضعيف، وقيل: إنه حسن، وهو المختار عند جمهور المحدثين وأدرجه ابن الجوزي في كتاب الموضوعات، وقال الحافظ ابن حجر في أماليه على كتاب الأذكار للنووي أنه قد أشار ابن الجوزي حيث أدرجه في كتاب الموضوعات وكلام الحافظ مضطرب في الحكم على حديث التسبيح فإنه قال في التلخيص إن كل الأسانيد ضعيفة. (العرف الشذي على سنن الترمذي:۱/۱۹۰،باب ما جاء في صلاة التسبيح)

نیز ملاحظہ ہو: (ابوداؤد شریف: ص۱۸۳،باب صلاۃ التسبیح۔ وابن ماجہ شریف: ص۹۹، صلاۃ التسبیح۔ سنن کبری للبیہقی: ۳/۵۱، باب ما جاء فی صلاۃ التسبیح۔ مجمع الزوائد: ۲/۲۸۱، باب صلاۃ التسبیح، دارالفکر)

مختصر صلاۃ التسبیح ملاحظہ ہو نسائی شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: جاءت أم سليم إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: يارسول الله علمني كلمات أدعوبهن في صلاتي قال سبحي الله عشرًا واحمديه عشرًا وكبريه عشرًا ثم سليه حاجتك يقول: نعم نعم. (نسائی شریف:۱/۱۹۱،باب الذکر بعد التشہد)

البانی صاحب فرماتے ہیں:

حسن الأسناد الترمذي. (صحيح و ضعيف سنن النسائي ۳/۴۴۳/۱۲۹۹،تحقيق الالباني)

صحیح ابن خزیمۃ میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: جاءت أم سليم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: يارسول الله علمني كلمات الخ...... وعلى هامشه قال الأعظمي: إسناده حسن۔

(صحيح ابن خزيمة مع الحاشية: ۱/۴۳۰/۸۵۰، باب اباحة التسبيح والتحميد والتكبير في الصلاة، المكتب الاسلامي)

صحیح ابن حبان میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: جاءت أم سليم إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: ...... الخ.

وعلى هامشه: قال شعيب الأرنؤوط: إسناده حسن۔ (صحيح ابن حبان:۴/۲۲۹/۲۰۱۱)

مستدرک میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه: أن أم سليم غدت على النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: ...... الخ هذا

حدیث صحیح علی شرط مسلم و لم یخرجاہ۔ (المستدرک: ۲/۴۴۹/۸۹۳). وقال الذهبي في التلخيص: على شرط مسلم۔

لكن قال الألباني في "سلسلة الضعيفة والموضوعة": ضعيف.

(أخرجه النسائي: ۱/۱۹۱۔ والترمذي: ۱/۱۰۹۔ وابن خزيمة ...... وقال الترمذي: حديث حسن غريب)

وقال الحاكم صحيح على شرط مسلم، ووافقه الذهبي أقول هو كما قالا، لولا أن عكرمة بن عمار فيه ضعف من قبل حفظ كما أشار إليه الحافظ بقوله: صدوق يخطىء، وفي روايته عن يحيى بن أبي كثير اضطراب، ولم يكن له كتاب، قلت: فبحسب مثله أن يكون حسن الحديث، وأما الصحة فلا، وهذا إذا لم يخالف من هو أوثق من أحفظ، وليس الأمر كذلك هنا.

(السلسلة الضعيفة والموضوعة: ۸/۱٦٥)

قلت لايصح ماقاله الشيخ الألباني فإن عكرمة بن عمار ثقة إلا في روايته عن يحيى بن أبي كثير فهي ضعيفة لاضطرابه فيها فقد أطلق توثيقه أيوب السختياني والعجلي وابن المديني وأحمد بن حنبل وابن معين وأحمد بن صالح المصري وأبوداؤد وأبوزرعة الدمشقي وابن عمار وعلي بن محمد الطنافسي وإسحاق بن أحمد بن خلف البكاري الحافظ والدارقطني وغيرهم واجمعوا على اضطراب روايته عن يحيى بن أبي كثير وإنما تكلم منه يحيى بن سعيد القطان لأجل ذلك. (تحرير التقريب: ۳/۳۲)

وهذا الحديث ليس من رواية عكرمة عن يحيى بن أبي كثير فالرواية صحيحة وكون الحديث مرسلاً بسند آخر لاينافي صحة الرواية المرفوعة. والله أعلم.

نیز محدثین کے نزدیک جب کسی حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو اور امت میں تعامل شروع ہوجائے تو وہ حدیث قابلِ استدلال ہوجاتی ہے اور اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

ملاحظہ ہو قواعد فی علوم الحدیث میں ہے:

قد يحكم للحديث بالصحة إذا تلقاه بالقبول وإن لم يكن له إسناد صحيح، قال ابن عبد البر في الاستذكار لما حكى عن الترمذي أن البخاري صحح حديث البحر "هو الطهور ماءه" وأهل الحديث لايصححون مثل إسناده لكن الحديث صحيح لأن العلماء تلقوه بالقبول.

قلت: والقبول يكون تارة بالقول وتارة بالعمل عليه ولذا قال المحقق في الفتح و قول

الترمذى العمل عليه عند أهل العلم يقتضى قوة أصله وإن ضعف خصوص هذا الطريق.

(قواعد فى علوم الحديث: ص ٦٠)

دوسری جگہ ہے:

وقال البيهقى كان عبد الله بن المبارك رحمه الله تعالىٰ يصليها وتداوله الصالحون بعضهم عن بعض وفى ذلك تقوية للحديث المرفوع. (قواعد فى علوم الحديث: ص ٦٢، دار السلام)

بل الحديث إذا تلقته الأمة بالقبول فهو عندنا فى معنى المتواتر. والله أعلم.

معارف السنن میں ہے:

والأحاديث المروية فيها تجاوز العشرة: من رواية عبد الله بن عباس رضى الله تعالىٰ عنه والفضل رضى الله تعالىٰ عنه وأبيهما العباس رضى الله تعالىٰ عنه وأبى رافع رضى الله تعالىٰ عنه وأنس رضى الله تعالىٰ عنه وابن عمر رضى الله تعالىٰ عنه وعلى بن أبى طالب رضى الله تعالىٰ عنه وأخيه جعفر رضى الله تعالىٰ عنه وابنه عبد الله بن جعفر رضى الله تعالىٰ عنه وأم سلمة رضى الله تعالىٰ عنها والأنصارى ..... غير مسمى ..... وقيل: هو جابر بن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه، وقيل أنه أبو كبشة الأنمارى رضى الله تعالىٰ عنه، تجدها مسرودة فى اللآلى المصنوعة، وأمثل هذه الأحاديث وأشهرها وأصحها إسنادًا حديث ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه وموسى بن عبد العزيز فيه وثقة بن معين والنسائى وابن حبان وأخرج البخارى من طريقه فى القراءة، وأخرج له فى الأدب. وحديث أبى رافع رضى الله تعالىٰ عنه فيه موسى بن عبيدة الربذى ضعفوه، ولكن ابن حبان ذكره فى الثقات، وقال ابن سعد: ثقة وليس بحجة، و عسى أن يصلح مثله شاهداً لحديث ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه وأقول: وحديث عبد الله بن عمرو رضى الله تعالىٰ عنه عند أبى داؤد له طرق، وأحسنها طريق أبى داؤد، وقد حسنها المنذرى فيكفى شاهدًا لحديث ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه، علا أنه قد صححه الحاكم من غير طريق أبى داؤد أيضا، ووافقه الذهبى فى "تلخيصه" قال: هذا إسناد صحيح لاغبار عليه. وحديث أنس رضى الله تعالىٰ عنه الذى رواه الترمذى فى الباب الظاهر أنه لاعلاقة له بصلاة التسبيح كما ينبه عليه العراقى وابن حجر وغيرهما، والبقية لا تخلو عن ضعيف وساقط، وربما أفاد قوة اجتماعها وإن كان آحادها ضعيفة، وصحة حديث ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه وحده يكاد يكون كفيلاً لصحة البقية والله أعلم. ولاشك أن الشريعة الغراء عينت أنواعًا من الصلاة،

وكل نوع ليس له أصل في الشريعة بدعة، ومن أحدثها من غير أصل ثابت ابتدع.

والحديث في صلاة التسبيح قد اختلفوا فيه. الخلاف غالبه في حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنه لاغير، والأقوال فيه وفي غيره تبلغ إلى خمسة: الصحة والحسن......

فالأول: اختاره أبوعلي بن السكن وابن خزيمة وابن مندة وأبوبكر الآجري وأبوبكر بن أبي داؤد وأبوموسى المديني والديلمي صاحب مسند الفردوس وأبوبكر الخطيب وأبو سعد السمعاني صاحب "كتاب الأنساب" وأبو الحسن بن الفضل وأبومحمد عبد الرحيم المصري شيخ المنذري وأبوالحسن المقدسي وسراج الدين البلقيني وصلاح الدين العلائي شيخ الحافظ ابن حجر البدر الزركشي، وكلهم من حفاظ الحديث وجهابذة الفن.

والثاني: ذهب إليه ابن المديني شيخ البخاري ومسلم بن الحجاج والمنذري وابن الصلاح والنووي في تهذيب الأسماء وفي الأذكار والتقي السبكي وابن حجر في أمالي الأذكار وفي الخصال المكفرة للذنوب المقدمة المؤخرة.

(معارف السنن: ٤/٢٨٤، باب ما جاء في صلاة التسبيح، سعيد كمپنی)

صلاۃ التسبیح کے بارے میں جو احادیث منقول ہیں وہ تعداد کے اعتبار سے دس سے زیادہ ہیں جو درجِ ذیل صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہیں:

(۱) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۲) حضرت فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۳) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۴) حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۵) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۷) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۸) حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۹) حضرت عبید اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(۱۰) ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے نام میں اختلاف ہے۔

ان احادیث میں سب سے زیادہ مشہور اور سند کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح اور معتبر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے، اس کے علاوہ دوسری بعض احادیث کو کچھ محدثین نے ضعیف یا موضوع قرار دیا ہے، لیکن قدماء محدثین میں سب سے بڑے اور بہت جلیل القدر حضرات نے صلاۃ التسبیح کی حدیث کو صحیح یا کم از کم حسن قرار دیا ہے اور موضوع ہونے کا قول ان میں سے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا۔

چنانچہ درج ذیل محدثین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے:

(۱) ابوعلی بن سکن رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) ابن خزیمہ رحمہ اللہ تعالیٰ
(۳) حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) ابن مندہ رحمہ اللہ تعالیٰ
(۵) ابوبکر الآجری رحمہ اللہ تعالیٰ (۶) ابوبکر بن ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ
(۷) ابوموسی المدینی رحمہ اللہ تعالیٰ (۸) دیلمی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۹) خطیب رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۰) سمعانی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۱۱) ابوالحسن المصری رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۲) ابوالحسن المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۱۳) بلقینی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۴) علائی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۱۵) زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۶) البانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درج ذیل مشائخِ حدیث نے اس کو حسن قرار دیا ہے:

(۱) ابن المدینی جو امام بخاری وامام مسلم کے شیخ ہیں۔ (۲) منذری رحمہ اللہ تعالیٰ
(۳) ابن الصلاح رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) نووی رحمہ اللہ تعالیٰ
(۵) سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ (۶) ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ

یہ سب حضرات حدیث میں امام فن اور ماہرِ فن ہیں اور جن کو اس فن میں مقتدا اور امام مانا جاتا ہے اس لئے ان کے مقابلہ میں اس حدیث کو ضعیف یا موضوع کہنے والوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں، شیخ البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

بعد نمازِ مغرب اوابین پڑھنے کا حکم:

سوال: مغرب کے بعد چھ رکعات پڑھنے کو اوابین کہنے کا کیا حکم ہے؟ احادیث سے اس نماز کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اور ائمہ کرام کا کیا مذہب ہے؟ آج کل عرب اس پر تنقید کرتے ہیں۔

الجواب: مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعات کو اوابین کہنا سلف سے منقول ہے اور اوابین کی نماز احادیث سے ثابت ہے اگرچہ احادیث ضعف سے خالی نہیں تاہم مجموعی طور پر درجۂ حسن سے کم بھی نہیں، خصوصاً فضائل

میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا مسلم ہے اور فقہاء کرام کے یہاں بھی صلاۃ الاوابین کا ثبوت ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینهن بسوء عدلن له بعبادة ثنتی عشرة سنة" قال أبو عیسی: وقد روی عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "من صلی بعد المغرب عشرین رکعة بنی الله له بیتا فی الجنة".

(ترمذی شریف: ۹۸/۱، باب ماجاء فی فضل التطوع ست رکعات بعد المغرب۔ وکذا رواه ابن ماجة: ۸۱، باب ماجاء فی الست الرکعات بعد المغرب۔ وکذا رواه الطبرانی فی الکبیر: ۱۳۹/۱۹۔ والأوسط: ۸۳۱/۳۳۰/۲، من اسمه أحمد وقال: لم یرو هذا الحدیث عن یحیی بن أبی کثیر الاعمر بن عبد الله تفرد به زید بن الحباب۔ وکذا رواه ابن خزیمة: ۱۱۹۵/۵۸۸/۱، باب فضل التطوع بین المغرب والعشاء، المکتب الاسلامی۔ وقال الأعظمی: إسناده ضعیف۔ وکذا رواه أبو یعلی فی مسنده: ۵۸۸۷/۲۷۵/۱۲۔ وکذا رواه المنذری فی الترغیب و الترهیب: ۴۰۴/۱، الترغیب فی الصلاة بین المغرب والعشاء)

حضرت مولانا شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فسمی هذه الصلاة بصلاة الأوابین فی عرف الناس ولم یصح فیها حدیث وحدیث الباب أیضًا ضعیف والعمل به مع ضعفه. (العرف الشذی علی سنن الترمذی: ۱۰۱/۱، فیصل)

اعلاء السنن میں ہے:

قلت: إخراج ابن خزیمة له فی "صحیحه" یدل علی أنه ثقة عنده ویؤیده ما قال فی تهذیب التهذیب (۲۹۱/۵) وأما عبد الله (هو ابن عبد الرحمن بن ثابت بن الصامت) فلم أر فیه جرحًا ولا تعدیلاً، لکن إخراج ابن خزیمة له فی صحیحه یدل علی أنه عنده ثقة، وجعل العلامة الحافظ السیوطی کل ما فی صحیح ابن خزیمة صحیحًا کما فی کنز العمال (۳/۱) فعلی هذا یکون الحدیث صحیحًا وهو مقتضی موضوع صحیح ابن خزیمة أیضًا وإن کان عند البخاری والترمذی ضعیفًا، فإن الاختلاف غیر مضر فافهم.

(اعلاء السنن: ۱۹/۷، باب النوافل والسنن، ادارۃ القرآن)

مجمع الزوائد میں ہے:

وعن محمد بن عمار بن یاسر قال: رأیت عمار بن یاسر رضی الله تعالیٰ عنه یصلی بعد المغرب ست

ركعات وقال: رأيت حبيبي رسول الله ﷺ يصلي بعد المغرب ست ركعات وقال: "من صلى بعد المغرب ست ركعات غفرت له ذنوبه وإن كانت مثل زبد البحر". رواه الطبراني في الثلاثة وقال:تفرد به صالح بن قطن البخاري قلت:ولم أجد من ترجمه۔

(مجمع الزوائد:۲/ ۲۳۰،باب الصلاة قبل المغرب وبعدها)

طبرانی اوسط میں ہے:

حدثنا محمد بن يحيى قال حدثنا صالح بن قطن البخاري قال: حدثنا عثمان بن محمد بن عماربن ياسرقال: حدثني أبي عن جدي قال رأيت عماربن ياسر رضي الله تعالى عنه صلى بعد المغرب ست ركعات ...... الخ. لايروى هذا الحديث عن عمار رضي الله تعالى عنه إلابهذا الإسناد تفرد به صالح بن قطن. (رواه الطبراني في الأوسط:۸/ ۱۲۰/ ۷۲٤۱،مكتبة المعارف رياض)

لسان المیزان میں ہے:

له حديث في صلاة عمار رضي الله تعالى عنه ست ركعات بعد المغرب، وهوغريب لأنه تفرد به وأورده ابن الجوزي في العلل وقال في إسناده مجاهيل.

(لسان الميزان:۲/ ۲۹۵/ ۳۸۸۰ المطبوعات الاسلامی)

وذكره المنذري في الترغيب والترهيب:

وقال صالح هذا لايحضرني الآن فيه جرح ولاتعديل.

(الترغيب والترهيب:۱/ ٤۰٤،الترغيب في الصلاة بين المغرب والعشاء،بيروت)

فیض القدیر میں ہے:

"من صلى ست ركعات بعد المغرب قبل أن يتكلم غفرله ذنوب خمسين سنة". رواه ابن نصرفي الصلاة عن ابن عمربن الخطاب وفيه محمد بن غزوان قال في الميزان:عن أبي زرعة منكر الحديث وعن ابن حبان:يقلب الأخبارويرفع الموقوف۔ (فيض القدير:٦/ ١٩٨)

الترغیب والترہیب میں ہے:

وروى عن عائشة رضي الله تعالى عنها ...... وهذا الحديث الذي أشارإليه الترمذي. ورواه ابن ماجة من رواية يعقوب بن الوليد المدائني عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة، ويعقوب كذبه أحمد وغيره۔

(الترغيب والترهيب: ۱/ ٤۰٤،الترغيب في الصلاة بين المغرب والعشاء)

ترمذی شریف میں ہے:

قال أبو عيسى وقد روى عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبی ﷺ قال: "من صلى بعد المغرب عشرين ركعة بنى الله له بيتا في الجنة".

(ترمذی شریف: ۱/۹۸، باب ما جاء فی فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب)

وروى محمد بن المنكدر مرسلاً: من صلى ما بين المغرب والعشاء فإنها صلاة الأوابين.

فیض القدیر میں ہے:

من صلى ما بين المغرب والعشاء فإنها في رواية فإن ذلك صلاة في رواية من صلاة الأوابين ثم تلا قوله تعالى: ﴿إنه كان للأوابين غفورًا﴾ (الاسراء: ۲۵) ابن نصر في كتاب الصلاة عن محمد بن المنكدر مرسلاً ورواه أيضاً ابن المبارك في الرقائق.

(فیض القدیر: ۶/۱۹۷/۸۸۰۴۔ وكذا في الاستذكار: ۲/۴۰۔ والتمهيد: ۱۹/۲۳۔ والتيسير شرح الجامع الصغير: ۲/۸۲۷)

علامہ بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ احادیث الباب پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولم يصح فيها حديث أي في فضل الست والأربع والعشرين مع كثرة الأحاديث الواردة فيها، فإنها لا تخلو عن ضعيف أو مجهول، وتجد هذه الروايات مجموعة في شرح المنتقى وبعضها في زوائد الهيثمي ولكن بضم بعضها إلى بعض يقوى حالها، وبالأخص في باب الفضائل فإنه واسع وفضل الله أوسع وحديث الباب ضعيف والعمل به مع ضعفه.

(معارف السنن: ۴/۱۱۴، النوافل بعد المغرب وتحقيق صلاة الأوابين، سعيد)

حیاۃ الصحابۃ میں ہے:

أخرج ابن زنجويه عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: إن الملائكة لتحف بالذين يصلون بين المغرب والعشاء وهي صلاة الأوابين، كذا في الكنز: ۴/۱۹۳.

(حياة الصحابة: ۳/۳۷۶، الاهتمام بالنوافل بين المغرب والعشاء، المكتبة التجارية)

لفظ "الأوابين" کا استعمال:

فیض القدیر میں ہے:

من صلى ما بين المغرب والعشاء فإنها في رواية فإن ذلك صلاة في رواية من صلاة الأوابين ثم تلا قوله تعالى: ﴿فإنه كان للأوابين غفورًا﴾ (الاسراء: ۲۵) ابن نصر في كتاب الصلاة عن محمد بن المنكدر مرسلاً ورواه أيضًا ابن المبارك في الرقائق.

(فیض القدیر: ۶/۱۹۷/۸۸۰۴۔ وكذا في الاستذكار: ۲/۴۰۔ والتمهيد: ۱۹/۲۳۔ والتيسير شرح الجامع الصغير: ۲/۸۲۷)

شرح بلوغ المرام میں ہے:

ما بين المغرب والعشاء و يقولون: الصلاة في هذا الوقت هي صلاة الأوابين.

(شرح بلوغ المرام: ١/٢٦٨ للشيخ عطيه سالم)

مرقات شرح مشکاۃ میں ہے:

قال ابن الملك عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه: الصلاة بين المغرب والعشاء صلاة الأوابين، رواه الترمذي. (مرقات شرح مشكاة: ٤/٢٨٣، باب السنن وفضائلها)

معارف السنن میں ہے:

قال الشيخ: التنفل بعد صلاة المغرب بست ركعات يسمى بصلاة الأوّابين في عرف الناس، ولعله أراد رحمه الله أنه لم يثبت تسميتها صلاة الأوابين في رواية وإن قد اشتهرت بها في العرف، والأمر كذلك،فقد ورد في حديث زيد بن أرقم عند أحمد و مسلم وترمذي وابن أبي شيبة وغيرها تسمية صلاة الضحى بصلاة الأوابين فقال صلى الله عليه وسلم: صلاة الأوابين إذا رمضت الفصال من الضحى، وفي تفسير القرطبي عن عون العقيلي قال: الأوّابون هم الذين يصلون صلاة الضحى وعزاه في "شرح المنتقى" إلى الأصبهاني في الترغيب عن عون غير أنه قال: سميت الصلاة ما بين المغرب والعشاء في رواية مرسلة بصلاة الأوابين أيضًا ففي شرح المنتقى في باب ما جاء في الصلاة بين العشائين: روى عن محمد بن المنكدر أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إنها صلاة الأوابين وفي الحلبي الكبير عن المبسوط من حديث ابن عمر رضي الله تعالى عنه مرفوعًا قال: من صلى بعد المغرب ست ركعات كتب من الأوابين وتلا: ﴿إنه كان للأوابين غفورًا﴾ وكذلك في فتح القدير لكن لم أقف على مخرجه مع استقراء،ولا بد له من أصل وإن كان ضعيفًا من جهة السند، فإذن لا مانع من أن تكون هذه أيضًا صلاة الأوابين كما كانت صلاة الضحى الأوابين، وتسميتها في الصحيح بها لا ينافي تسمية غيرها بها كما يقوله شارح المنتقى ثم رأيت في "قيام الليل" لابن نصر عن محمد بن المنكدر وأبي حازم تسميتها بصلاة الأوابين، وكذلك مرفوعًا عن ابن المنكدر بإسناد ثابت، ولعله ما أشار إليه صاحب (المنتقى) وكذا رواه عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالى عنه موقوفًا عليه.

(معارف السنن: ٤/١١٣، تحقيق صلاة الأوابين، سعيد)

مذاہبِ اربعہ میں "صلاة الأوابين" کا ثبوت:

مذہبِ احناف:

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وندب ست ركعات بعد المغرب لقوله ﷺ "من صلى بعد المغرب ست ركعات كتب من الأوابين" وتلا قوله تعالىٰ: ﴿إنه كان للأوابين غفورًا﴾ (الاسراء:۲۵)......

(امداد الفتاح:۴۲۹ فصل فی بیان النوافل،بیروت)

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہو الثمر الدانی میں ہے:

وإن تنفل بعدها (بعد المغرب) بست ركعات فحسن أى مستحب لقوله ﷺ "من صلى بعد المغرب ست ركعات الخ. رواه ابن خزيمة فى صحيحه والترمذى......

(الثمر الدانی ۹۲ باب النوافل و السنن، بیروت)

مذہبِ شوافع:

ملاحظہ ہو الاقناع میں ہے:

وصلاة الأوابين وتسمى صلاة الغفلة لغفلة الناس عنها بسبب عشاء أو نوم أو نحو ذلك، وهى عشرون ركعة بين المغرب والعشاء وأقلها ركعتان لحديث الترمذى.

(الاقناع: ۱/۱۷۸۔ وكذا فى اعانة الطالبين: ۱/۱۵۱۔ واسنى المطالب: ۳/۲۱۷۔ وحواشى الشروانى: ۲/۱۱)

مذہبِ حنابلہ:

ملاحظہ ہو مغنی میں ہے:

ويستحب التنفل بين المغرب والعشاء لماروى عن أنس بن مالك رضى الله تعالى عنه فى هذه الآية ﴿تتجافى جنوبهم عن المضاجع﴾ الآية، قال: كانوا ينتفلون ما بين المغرب والعشاء يصلون، رواه أبو داؤد عن عائشة رضى الله تعالى عنها عن رسول الله ﷺ قال: "من صلى بعد المغرب عشرين ركعة بنى الله له بيتًا فى الجنة". قال أبو عيسى هذا حديث غريب۔ والله اعلم.

(المغنى: ۱/۷۷٤، التنفل بين العشاء ين،دار الكتب العربية،بيروت)

قعدۂ اولیٰ نہ کرنے سے نفل نماز کا حکم:

سوال: کسی نے نفل کی دو رکعت کی نیت کی اور قاعدہ چھوڑ کر تیسری رکعت کی طرف چلا گیا پھر چوتھی بھی ملا دی تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر کسی نے دو رکعت کی نیت کی یا چار کی نیت کی اور قعدۂ اولیٰ پر نہیں بیٹھا سہواً کھڑا ہو گیا تو واپس آئے اور سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر لے، اور اگر تیسری رکعت کے بعد یاد آیا تو چوتھی رکعت ملا کر نماز پوری کر لے اور آخر میں سجدۂ سہو کر لے نماز ہو جائے گی۔

شامی میں ہے:

(قوله والأصل أن كل شفع صلاة) أي فلايلزمه بتحريمة النفل أكثر من ركعتين وإن نوى أكثر منهما، وهو ظاهر الرواية عن أصحابنا بحر ...... (قوله أوترك قعود أول) لأن كون كل شفع صلاة على حدة يقتضي افتراض القعدة عقيبه فيفسد بتركها كما هو قول محمد وهو القياس. لكن عندهما لما قام إلى الثالثة قبل القعدة فقد جعل الكل صلاة واحدة شبيهة بالفرض وصارت القعدة الأخيرة هي الفرض وهو الاستحسان وعليه فلو تطوع بثلاث بقعدة واحدة كان ينبغي الجواز اعتبارًا بصلاة المغرب لكن الأصح عدمه لأنه قد فسد ما اتصلت به القعدة وهو الركعة الأخيرة، لأن التنفل بالركعة الواحدة غير مشروع فيفسد ما قبلها.

(شامی: ۲/۳۲، باب النوافل، سعید۔ وکذا فی مراقی الفلاح: ۱۴۹، فصل فی النوافل، مکۃ المکرمۃ)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن لم ينو أربعًا وقام إلى الثالثة يعود إجماعًا وتفسد إن يعد كذا في البرجندي.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۴)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

استحساناً چاروں رکعتیں صحیح ہیں، اس لئے کہ شفع ثانی شروع کرنے سے تشبہ بالفرائض کی وجہ سے نوافل کے قعدۂ اولیٰ کی فرضیت وجوب سے تبدیل ہو گئی، اور ترکِ واجب کے نقصان کا تدارک سجدۂ سہو سے ہو گیا۔

(احسن الفتاویٰ: ۳/۴۶۳)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۲۵، باب سجود السہو، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

سننِ قبلیہ اذان سے پہلے پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص ظہر کی سنت وقت داخل ہونے کے بعد اذان سے پہلے پڑھ لے تو سنت ادا ہوگی یا نہیں؟ نیز استحباب کے خلاف ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں وقت داخل ہونے کے بعد اذان سے پہلے سنت ادا کر لے تو ادا ہو جائے گی، البتہ اذان کے بعد فرض سے پہلے ادا کرنا افضل اور بہتر ہے وجہ یہ ہے کہ سننِ قبلیہ فرائض کا مقدمہ ہیں تاکہ فرائض خشوع اور توجہ کے ساتھ کامل طور پر ادا ہو سکے اسی وجہ سے فرائض اور سنن کے درمیان فقہاء کلامِ دنیوی سے منع کرتے ہیں لہذا اذان کے بعد ادا کرنا چاہئے تاہم اذان سے پہلے بھی درست ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن عبد الله بن السائب رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي أربعًا بعد أن تزول الشمس قبل الظهر فقال: إنها ساعة تفتح فيها أبواب السماء وأحب أن يصعد لي فيها عمل صالح. (رواه الترمذي: ۱/۱۰۸ـو كذا في الشامي:۲/۱۳ـو كذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۳۸۸، قديمي)

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما الصلاة المسنونة فوقت جملتها وقت المكتوبة لأنها توابع للمكتوبات فكانت تابعة لها في الوقت. (بدائع الصنائع: ۱/۲۸٤، سعيد)

شامی میں ہے:

ثم اختلف في الأفضل بعد ركعتي الفجر قال الحلواني رحمه الله تعالى: ركعتا المغرب ثم التي بعد الظهر بخلاف التي قبلها لأنها قيل: هي للفصل بين الأذان والإقامة.

(شامي: ۲/۱٤، سعيدـو كذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۳۸۸، قديمي)۔ واللہ اعلم۔

دوسرے سے استخارہ کرانے کا حکم:

سوال: دوسرے کو استخارہ کے لئے کہنا درست ہے یا نہیں؟ اگر دو یا زیادہ سے کرائے تو کس کی رائے کا اعتبار ہوگا؟

الجواب: استخارہ کا معنی خیر طلب کرنا ہے اور دعا کے لئے دوسرے کو کہہ سکتے ہیں تو طلبِ خیر بھی دعا ہے اس کے لئے بھی کہنا درست ہے، نیز جن سے قبولیتِ دعا کی زیادہ امید ہوتی ہے ان سے بھی دعا کی درخواست کی

جاتی ہے، اور اگر چند آدمیوں سے کرایا تو جس کی رائے پر عمل کریگا اسی میں خیر ہوگی ان شاء اللہ۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

قوله يعلمنا الاستخارة أى صلاة الاستخارة و دعائها وهى طلب الخيرة ...... من قولك اختاره الله وفي النهاية: خار الله لك أى أعطاك ما هو خير لك ...... وهو في لسان العرب على معان منها سوال الفعل و التقدير اطلب منك الخير فيما هممت به.

(عمدة القارى: ٥/٥٢٢، دار الحديث ملتان)

فتاویٰ مہمہ میں ہے:

النوع السادس: التوسل إلى الله عزوجل بدعاء الرجل الصالح الذى ترجى إجابته فإن الصحابة رضي الله تعالى عنهم كانوا يسألون النبى صلى الله عليه وسلم أن يدعو الله لهم بدعاء عام و دعاء خاص ففى الصحيحين من حديث أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن رجلاً دخل يوم الجمعة و النبى صلى الله عليه وسلم يخطب فقال: يارسول الله هلكت الأموال و انقطعت السبل فادع الله يغيثنا فرفع النبى صلى الله عليه وسلم يديه وقال: "اللّهم أغثنا ثلاث مرات فما نزل من منبره إلا والمطر يتحادر من لحيته وبقى المطر أسبوعًا كاملاً الخ ...... (الصحيح البخارى: ١/١٣٧) وهناك عدة وقائع سأل الصحابة رضي الله تعالى عنهم النبى صلى الله عليه وسلم أن يدعو لهم على وجه الخصوص ومن ذلك أن النبى صلى الله عليه وسلم ذكر أن فى أمته سبعين ألفًا يدخلون الجنة بغير حساب ولا عذاب ...... الخ، فقام عكاشة بن محصن وقال: يارسول الله ادع الله أن يجعلنى منهم فقال: أنت منهم ...... وأيضًا من التوسل الجائز أن يطلب الإنسان من شخص ترجى إجابته أن يدعو الله تعالى له......

(الفتاوى المهمة للشيخ محمد صالح العثيمين: ص ٥٩ ـ ومجموعة فتاوى ورسائل ابن عثيمين ٢/٢٦٦)

امداد الاحکام میں ہے:

دونوں میں خیر ہے جس پر چاہے عمل کرے بشرطیکہ وہ دونوں شقیں جائز ہوں۔ واللہ اعلم۔

(امداد الاحکام: ۱/۶۱۶، فصل فی السنن والنوافل)

استخارہ تین مرتبہ کرنے کا حکم:

سوال: استخارہ تین مرتبہ کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: استخارہ میں اصل دل کا رجحان ہے اگر خیر کی طرف میلان ایک مرتبہ میں ہوگیا تو ایک مرتبہ بھی

درست ہے اور اگر تین مرتبہ میں بھی نہیں ہوا تو سات مرتبہ کر لینا چاہئے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: يا أنس إذا هممت بأمر فاستخر ربك فيه سبع مرات ثم انظر إلى الذى يسبق إلى قلبك فإن الخير فيه.

(أخرجه ابن السنى فى عمل اليوم والليلة: ١٦١)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

قوله ومنها ركعتا الاستخارة وفى البخارى فليستخر ربه سبعًا.

(طحطاوى على الدر ١/٢٨٨۔ وكذا فى امداد الفتاح: ٤٤٠، فصل فى تحية المسجد، بيروت۔ وكذا فى شرح منية المصلى: ٤٣١، سهيل)

شامی میں ہے:

ينبغى أن يكررها سبعًا. (شامى: ٢/٢٧، باب النوافل، سعيد)

مرقات میں ہے:

قيل ويمضى بعد الاستخارة لما ينشرح له صدره انشراحًا خاليًا عن هدى النفس فإن لم ينشرح لشيء فالذى يظهر أنه يكرر الصلاة حتى يظهر له الخير قيل إلى سبع مرات.

(مرقاة شرح مشكاة: ٣/٢٠٩)

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۲۶۳، باب السنن والنوافل)۔ واللہ اعلم۔

دعاءِ استخارہ میں ”خرلی واخترلی“ میں فرق:

سوال: دعاءِ استخارہ میں ”خِرلی واخترلی“ میں کیا فرق ہے؟

الجواب: ”اللّٰھم خرلی“ یعنی اے اللہ میرے لئے خیر کا فیصلہ فرما دیجئے اور ”واخترلی“ یعنی اس کو میرے لئے چن لیجئے۔

عن أبى بكر الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان إذا أراد أمرًا قال: "اللّٰهم خرلى واخترلى" هذا حديث غريب ..... وهو ضعيف عند أهل الحديث.

(ترمذى شريف: ٢/١٩١، أبواب الدعوات)

تاج العروس میں ہے:

خار الله لك في الأمر جعل لك ما فيه من الخير.　(تاج العروس:۳/۱۹۵)

لسان العرب میں ہے:

ومنه دعاء الاستخارة "اللّٰهم خرلي" أي اخترلي أصلح الأمرين واجعل الخيرة فيه.

(لسان العرب:۴/۲۵۹)

"واخترلي" کے بارے میں ملاحظہ ہو:

تاج العروس میں ہے:

وبالمختار أي اختر ما شئت.　(تاج العروس:۳/۱۹۵)

لسان العرب میں ہے:

والاختيار: الاصطفاء وكذلك التخير.　(لسان العرب:۴/۲۵۹)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

خرلي واخترلي أي اجعل أمري خيرًا وألهمني فعله واختر لي الأصلح.

(مجمع بحار الأنوار:۲/۱۳۱)

علامہ وحید الزمان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لغات الحدیث میں ذکر فرمایا:

"خرلي واخترلي" میرا کام بھلا کردے اور جو میرے حق میں بہتر ہو وہی میرے لئے اختیار کر۔ (لغات الحدیث:۱/۱۵۶، باب الخاء مع الیاء، آرام باغ کراچی)

القاموس الوحید میں ہے:

مخصوص نماز کے بعد خدا سے یہ دعا کرنا کہ اس کے لئے فلاں معاملہ میں جو بات باعثِ خیر ہو اس کی رہنمائی فرمائے، اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ دعا منقول ہے: "اللّٰهم خرلي واخترلي".

واللہ اعلم　(القاموس الوحید:۱/۴۸۹، حسینیہ دیوبند)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"من قام إيمانًا واحتسابًا غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر"﴾

(رواہ البخاری)

باب......﴿۱۰﴾

تراویح کی نماز کا بیان

باب ...... ﴿۱۰﴾

نمازِ تراویح کا بیان

نمازِ تراویح کے لئے نیت کا حکم:

سوال: تراویح مطلق نیت سے ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ یا تراویح کی نیت ضروری ہے؟

الجواب: اکثر فقہاء کے نزدیک مطلق نیت کافی ہے البتہ بعض حضرات کے نزدیک مطلق نیت کافی نہیں ہے لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ تراویح کی نیت کرے یا صرف سنت کی یا قیام اللیل کی تاکہ اختلاف سے نکل جائے اور بالاتفاق صحیح ادا ہو جائے۔

درمختار میں ہے:

وكفى مطلق نية الصلاة لنفل وسنة راتبة وتراويح على المعتمد إذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع، والتعيين أحوط، وفي الشامي: (قوله وكفى الخ) أي بأن يقصد الصلاة بلا قيد نفل أوسنة أوعدد (قوله على المعتمد) أي من قولين مصححين وإنما اعتمد هذا لما في البحرمن أنه ظاهر الرواية وجعله في المحيط قول عامة المشايخ ورجحه في الفتح ونسبه إلى المحققين (قوله إذ تعيينها الخ) لأن السنة ماواظب عليها النبي ﷺ في محل مخصوص فإذا أوقعها المصلي فيه فقد فعل الفعل المسمى سنة والنبي ﷺ لم يكن ينوي السنة بل الصلاة لله تعالى وتمام تحقيقه في الفتح (قوله والتعيين) أي بالنية أحوط لاختلاف الصحيح بحر.

(الدر المختار مع الشامي: ۱/۴۱۷، سعید)

البحر الرائق میں ہے:

قوله: (ويكفيه مطلق النية للنفل والسنة والتراويح) وأما في السنة والتراويح فظاهر الرواية مافي الكتاب كما في الذخيرة والتجنيس وجعله في الهداية هو الصحيح وفي المحيط أنه قول عامة المشايخ وفي منية المفتي وخزانة الفتاوى أنه المختار ورجحه في فتح

القدير ونسبه إلى المحققين بأن معنى السنة كون النافلة مواظبًا عليها من النبي ﷺ بعد الفريضة المعينة أو قبلها ...... وذكر قاضيخان في فتاواه في فصل التراويح اختلاف المشايخ في السنن والتراويح والصحيح أنها لاتتأدى بنية الصلاة وبنية التطوع لأنها صلاة مخصوصة فتجب مراعاة الصفة للخروج عن العهدة وذلك بأن ينوي السنة أو متابعة النبي ﷺ، وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوي ويعين قال بعضهم: يحتاج لأن كل شفع صلاة والأصح أنه لايحتاج لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة. فقداختلف التصحيح فلذا قال في منية المصلي: والاحتياط في التراويح أن ينوي التراويح أوسنة الوقت أوقيام الليل.

(البحرالرائق: ۱/۲۷۸، کوئٹہ۔ وکذا فی الفتاوی الهندية: ۱/٦٥۔ وکذا فی فتاوی قاضیخان علی هامش الهندية: ۱/۸۱۔ والبزازية علی هامش الهندية: ٤/۲۹۔ وحاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۱۹٤)

سعایہ میں ہے:

فالحاصل أنه اختلف التصحيح في هذه المسئلة فلهذا ذكر جم غفيرمن أصحابنا منهم صاحب السراجية وصاحب المنية وصاحب الظهيرية وابن الهمام وغيرهم أن الاحتياط أن لايكتفي بمطلق النية بل ينوي السنة أومتابعة الرسول ﷺ وفي فتاوى العلامة قاسم بن قطلوبغا ...... فالاحتياط أن ينوي التراويح أوسنة الوقت فإنه أبعد عن الخلاف انتهى. والله اعلم. (السعاية: ۲/۱۰۲، سهیل)

ایک حافظ کا دو مسجدوں میں دس دس رکعات پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر ایک حافظ صاحب ایک مسجد میں ۱۰ اور دوسری مسجد میں ۱۰ رکعات تراویح پڑھائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ایک مسجد میں دس رکعات اور دوسری مسجد میں دس رکعات پڑھانا جائز ہے اور تراویح کی سنت ادا ہو جائے گی، ہاں ہر ایک مسجد میں ۲۰ رکعات پڑھائے تو دوسری مسجد والوں کی سنت ادا نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

إمام يصلي التراويح في مسجدين في كل مسجد على الكمال لايجوز كذا في محيط السرخسي والفتوى على ذلك كذا في المضمرات ...... والأفضل أن يصلي التراويح بإمام

واحد فإن صلوها بإمامين فالمستحب أن يكون انصراف كل واحد على كمال الترويحة فإن انصرف على تسليمة لايستحب ذلك في الصحيح وجازت التراويح بامامين على هذا الوجه.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۱٦، فصل في التراويح، بلوچستان)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو أم في التراويح مرتين في مسجد واحد ...... وإن في المسجدين اختلف فيه، حكى عن أبي بكر الاسكاف أنه لايجوز يعني لايجوز تراويح أهل المسجد الثاني واختاره أبو الليث.

(شرح منية المصلي: ٤٠٨، سهيل)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

امام دو جگہ تراویح پڑھائے تو تراویح ہو جاتی ہے اور اگر دونوں جگہ پوری پوری تراویح پڑھا دے تو مفتی بہ قول کے مطابق دوسری مسجد والوں کی تراویح نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۴/ ۲۸۸، دار الاشاعت مکمل ومدلل)

ایک حافظ کا تراویح میں دو جگہ قرآن ختم کرنا:

سوال: اگر ایک حافظ نے تراویح میں ایک مرتبہ قرآن سنایا پھر دوسرا قرآن شروع کیا تو اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مقتدیوں کی سنت ادا ہو جائے گی اور امام صاحب کو بھی فضیلت کا ثواب مل جائے گا۔

درمختار میں ہے:

والختم مرة سنة ومرتين فضيلة وثلاثًا أفضل.

(الدر المختار: ۲/٤٦، باب النوافل۔ وكذا في البحر الرائق: ۲/٦٨، باب الوتر والنوافل، الماجدية)

مجموعۃ الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک حافظ نے دس دن میں پہلا قرآن شریف ایک مسجد میں ایک قوم کے ساتھ پھر دوسرا قرآن شریف دوسری مسجد میں دوسری قوم کے ساتھ پڑھا تو آیا تراویح سنت بختم مذکورہ ان دونوں کے لئے ادا ہوگی یا نہیں اور ثواب پائیں گے یا نہیں؟

الجواب: ادا ہوگی خزانۃ الروایات میں ہے:

قد روى بعض أهل العلم عن كنز الفتاوى: رجل أم قومًا في التراويح وختم فيها ثم أم قومًا

آخرین له ثواب الفضيلة ولهم ثواب الختم، بعض اہلِ علم نے کنز الفتاوی سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص جس نے تراویح میں ایک جماعت کی امامت اور قرآن ختم کیا پھر دوسرے کی امامت کی تو اس شخص کو فضیلت کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کو ختم کا۔ واللہ اعلم، (حرره الراجي عفو ربه القوي أبو الحسنات محمد عبد الحي).

(مجموعۃ الفتاوی: ۱/ ۲۷۸، کتاب الصلاۃ، آرام باغ کراچی)

مزید ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ: ۷/ ۳۱۵، فصل ثالث تراویح قرآن ختم کرنے کا بیان مبوب ومرتب۔ امداد الاحکام: ۱/ ۶۲۶، فصل فی التراویح۔ فتاوی دار العلوم دیوبند: ۴/ ۲۷۴، مسائل تراویح)۔ واللہ اعلم۔

امامِ راتب کو تراویح پر مجبور کرنے کا حکم:

سوال: ایک امام صاحب اگر تراویح کی نماز پڑھانے سے انکار کردے کہ میں ہمیشہ سے دوسری جگہ پڑھاتا ہوں آپ کے لئے دوسری انتظام کردوں گا تو اس پر جبر ہوسکتا ہے یا نہیں اور اگر امام کہے میں ہی پڑھاؤں گا تو یہ اس کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب: امامِ راتب تراویح کا زیادہ حقدار ہے، لیکن اگر امام صاحب کو دوسری جگہ پڑھانا ہے تو مجبور نہیں کیا جائے گا، ہاں اہلِ مسجد امام صاحب سے تراویح پڑھانے کا مطالبہ کریں تو امام صاحب کو مان لینا چاہئے کیوں کہ یہ بھی امامت ہی کی ایک قسم ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

واعلم أن صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولى بالإمامة من غيره مطلقًا.

(الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، سعید)

فتاوی دار العلوم دیوبند میں ہے:

سوال: بکر ایک مسجد میں امام مقرر ہوا اور حافظِ قرآن ہے اور زید بھی حافظِ قرآن ہے وہ زمانہ بعید سے اس مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے، اب بکر کہتا ہے کہ میں اب امام مقرر ہوا ہوں تراویح پڑھانے کا حق مجھ ہی کو ہے اور وہ حافظ کہتا ہے کہ میرا قدیمی حق ہے تو کس کو حق ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب بکر امام مقرر ہوگیا تو تراویح کا حق بھی اسی کو ہے۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند: ۴/ ۲۸۲، دار الاشاعت)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

تراویح پڑھانے کا حق امام کا ہے اگر امام نہ پڑھا سکے یا اجازت دیدے تو دوسرے حافظ کو سپرد کردینا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی رحیمیہ: ۴/ ۴۲۵)

داڑھی منڈوانے والے کی امامت تراویح کا حکم:

سوال: داڑھی منڈوانے والے کی امامت تراویح کا کیا حکم ہے؟

الجواب: داڑھی منڈوانے والا شریعت کی نگاہ فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، نیک صالح امام کے پیچھے نمازِ تراویح پڑھنا چاہئے ہاں اگر میسر نہ ہو اور ہٹانے پر بھی قدرت نہیں ہے تو جماعت ترک نہ کرے بلکہ امام کے پیچھے پڑھ لے۔

(دلائل کی تفصیل ''باب الامامت'' کے تحت گذر گئی وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔ واللہ اعلم۔

سنت کے مطابق داڑھی نہ رکھنے والے کی امامتِ تراویح:

سوال: ایک حافظ صاحب کسی مسجد میں ۴۰ سال تراویح پڑھاتے ہیں بڑے بااخلاق اور لوگوں کے خیرخواہ ہیں اور کفن دفن وغیرہ کاموں میں بھی شرکت کرتے ہیں اور بہت سارے مصلی حضرات ان کے شاگرد بھی ہیں لیکن وہ اپنی داڑھی سنت کے مطابق نہیں رکھتے ہیں کترواتے ہیں تو اب کیا کرنا چاہئے اگر ان کو تراویح پڑھانے سے علیحدہ کردیا جائے تو مصلیوں میں انتشار کا خوف ہے لہذا کوئی حل بتائیں؟

الجواب: سنت کے مطابق داڑھی نہ رکھنے والے کی امامتِ تراویح مکروہ ہے، صورتِ مسئولہ میں حافظ صاحب دوسرے امور میں متبع شریعت ہے اور بڑے بااخلاق ہے تو داڑھی ایک قبضہ رکھنا بھی تو شریعت ہی کا حکم ہے اور آنحضور ﷺ کی دائمی سنت ہے لہذا حافظ صاحب سے کہا جائے کہ سنت کے مطابق رکھیں اور ایک قبضہ سے قبل نہ کتروائیں، اس سے حافظ کا اتباعِ شریعت میں اضافہ ہوگا اور حضور ﷺ کا قرب حاصل ہوگا اور مصلی حضرات کی محبت وہمدردی میں اضافہ ہوگا۔

اگر حافظ صاحب کو یہ بات منظور نہ ہو تو رہا کردیا جائے اس لئے کہ شریعت کا معاملہ مقدم ہے نیز دیگر نیکی طاعات کے قبیل سے ہے اور امامتِ تراویح عبادات کے قبیل سے ہے جو طاعات پر مقدم ہے اور تمام مصلی حضرات کی عظیم عبادت اس سے وابستہ ہے۔ دلائل ''باب الامامت'' میں گذر گئے۔ واللہ اعلم۔

نفل کی جماعت کے ساتھ شامل ہو کر تراویح پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے رمضان المبارک میں امام کی اقتداء کی یہ سوچا کہ یہ تراویح ہے بعد میں معلوم ہوا کہ یہ نفل کی جماعت تھی تو تراویح کی رکعات ہوئی یا نہیں؟ اور نہ ہوئی تو ''لزم النفل بالشروع'' کے تحت اس کی قضا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخص مذکور کی تراویح صحیح نہیں ہوئی، البتہ نفل نماز ہوگئی اور چونکہ نماز میں کوئی فساد نہیں آیا، لہٰذا قضاء واجب نہیں ہے، ہاں تراویح دوبارہ پڑھنا ضروری ہے، اگر کسی دوسری مسجد میں جماعت باقی ہوتو شرکت کرلے ورنہ انفراداً پڑھ لے، ہاں رات گذرنے کے بعد گذشتہ رات کی قضاء نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

إذا صلى التراويح مقتديًا بمن يصلي مكتوبة أو نافلة غير التراويح اختلف المشايخ منهم من بنى هذا الاختلاف على الاختلاف في النية، من قال من المشايخ إن التراويح لا تتأدى إلا بنيتها يجب أن يقول بعدم صحة الاقتداء هاهنا لماكانت لاتتأدى إلابنيتها لاتتأدى بنية الإمام وهي تخالف نيته ومن قال بأنها تتأدى من غير نيتها بل بنية مطلقة يجب أن يقول بصحة الاقتداء هاهنا ومنهم من قال لايصح قال القاضي الإمام أبو علي النسفي رحمه الله تعالى وهو الأظهر والأصح. (الفتاوى التاتارخانية: ۱/ ۶۶۷)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو صلى التراويح مقتديًا بمن يصلي مكتوبة أو وترًا أو نافلة الأصح أنه لايصح الاقتداء به لأنه مكروه مخالف لعمل السلف.

(الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۷۔ وكذا في فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۱/ ۲۳۶۔ وكذا في الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ۴/ ۲۹)

بدائع الصنائع میں ہے:

فقد قال أصحابنا إذا شرع في التطوع يلزمه المعنى فيه وإذا أفسده يلزمه القضاء. والله اعلم. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۹۰۔ وكذا في الشامي: ۲/ ۲۹، سعيد)

نمازِ عشاء بغیر وضو پڑھنے پر تراویح اور وتر کے اعادہ کا حکم:

سوال: اگر کسی نے عشاء کے بعد تراویح اور وتر پڑھی پھر یاد آیا کہ میں نے عشاء کی نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی تو اب تراویح اور وتر کا اعادہ ہے یا نہیں ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تراویح کا اعادہ ضروری ہے وتر کا اعادہ لازم نہیں وجہ یہ ہے کہ تراویح عشاء کے تابع ہے اور وتر تابع نہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

والصحيح أن وقتها ما بعد العشاء إلى طلوع الفجر قبل الوتر وبعده حتى لو تبين أن العشاء صلاها بلاطهارة دون التراويح والوتر أعاد التراويح مع العشاء دون الوتر لأنها تبع للعشاء هذا عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ فإن الوتر غير تابع للعشاء في الوقت عنده والتقديم إنما وجب لأجل الترتيب وذلك يسقط بعذر النسيان فيصح إذا أدى قبل العشاء بالنسيان بخلاف التراويح فإن وقتها بعد أداء العشاء فلايعتد بما أدى قبل العشاء. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ١/١١٥، فصل في التراويح، بلوچستان۔ وكذا في تبيين الحقائق: ١/١٧٨، باب الوتر والنوافل، امدادية ملتان)

عشاء پڑھے بغیر تراویح کی جماعت میں شرکت کا حکم:

سوال: اگر کوئی آدمی رمضان میں مسجد میں آیا اور تراویح کی نماز ہو رہی تھی اور اس نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی تھی تو کیا وہ جماعتِ تراویح میں شرکت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور کے لئے جماعتِ تراویح میں شرکت کی گنجائش نہیں ہے پہلے فرض نماز پڑھے پھر شرکت کرے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ووقتها بعد صلاة العشاء إلى الفجر وفي الشامية: (بعد صلاة العشاء) قدر لفظ صلاة إشارة إلى أن المراد بالعشاء صلاة لا وقتها وإلى ما في النهر من أن المراد ما بعد الخروج منها حتى لو بنى التراويح عليها لايصح وهو الأصح، وكذا بنائها على سنتها كما في الخلاصة. والله اعلم. (الدر المختار مع رد المحتار: ٢/٤٤، باب الوتر والنوافل، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ١/١١٥، فصل في التراويح۔ وتبيين الحقائق: ١/١٧٨، باب الوتر والنوافل)

تراویح میں غیر مقتدی کا مصحف میں دیکھ کر امام کو لقمہ دینا:

سوال: تراویح کی نماز میں ایک شخص جماعت میں شریک نہیں وہ قرآن میں دیکھ کر امام کو لقمہ دیتا ہے اگر امام لقمہ لے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر امام نے لقمہ لیا تو امام اور تمام مقتدی حضرات کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

أخذ الإمام بفتح من ليس في صلاته كما فيه عن القنية. (شامي: ١/٦٢٢، باب ما يفسد الصلاة، سعيد)

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

ولوفتح على المصلي رجل ليس في الصلاة فأخذ المصلي بفتحه تفسد صلاته.

(خلاصة الفتاوى: ۱/۱۲۱، رشيديه)

نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: لو كان الإمام يقرأ القرآن وخلفه مقتد يسمعه لا عن القلب بل بالنظر في المصحف ويفتح إمامه من المصحف ويأخذ الإمام فتحه كما جرى في بعض البلاد في صلاة التراويح هل تفسد صلاتهما أم لا؟

الاستبشار: تفسد صلاتهما لأن التلقن من الغير في الصلاة مفسد ...... ولهذا إذا كان الفاتح خارجًا من الصلاة والإمام المستفتح في الصلاة تفسد صلاة المستفتح لأنه تلقن من الغير صرح به الزيلعي. (فتاوى اللكنوي: ص ۲۷۷ ،مايتعلق بمايفسد الصلاة، دارابن حزم)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ ۳/۵۲۴)۔ واللہ اعلم۔

تراویح میں مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنے کا حکم:

سوال: بخاری شریف میں روایت ہے کہ ذکوان نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مصحف میں دیکھ کر امامت فرمائی کیا اس طرح جائز ہے؟

الجواب: مذہب احناف کے مطابق قراءت من المصحف مفسدِ صلاۃ ہے چاہے فرض ہو یا نفل یا تراویح سب کا یہی حکم ہے۔

حدیث کا جواب:

حضرت ذکوان مصحف سے امامت کرتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز سے پہلے مراجعت کرتے تھے اور اس کو نماز میں دہراتے تھے۔

ملاحظہ شرح منیۃ المصلی میں ہے:

روى أن ذكوان مولى عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا كان يؤم بها في شهر رمضان من المصحف، قلنا إن صح فهو محمول على أنه كان يراجعه قبيل الصلاة ليكون بذكره أقرب.

(شرح منية المصلي: ۴۴۷، فصل فيما يفسد الصلاة۔ وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۱۵۹، باب يفسد الصلاة وما يكره فيها، امدادية ملتان)

بدائع الصنائع میں ہے:

و أما حديث ذكوان فيحمل أن عائشة رضی اللہ تعالی عنہا و من كان من أهل الفتوى من الصحابة لم يعلموا بذلك وهذا هو الظاهر بدليل أن هذا الصنيع مكروه بلا خلاف ...... و يحتمل أن يكون قول الراوى كان يؤم الناس فى رمضان و كان يقرأ من المصحف إخباراً عن حالتين مختلفتين أى كان يؤم الناس فى رمضان، و كان يقرأ من المصحف فى غير حالة الصلاة إشعاراً منه أنه لم يكن يقرأ القرآن ظاهره فكان يؤم ببعض سور من القرآن دون أن يختم و كان يستظهر كل يوم ورد كل ليلة ليعلم أن قراءة جميع القرآن فى قيام رمضان ليست بفرض.

(بدائع الصنائع: ١/٢٣٦، فصل بيان ما يفسد الصلاة، سعيد)

نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے مصحف میں دیکھ کر امامت کرنے سے منع فرمایا تھا۔

ملاحظہ ہو کنز العمال میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ قال: نهانا أمير المؤمنين عمر رضی اللہ تعالی عنہ أن نؤم الناس فى المصحف و نهانا أن يؤمنا إلا المحتلم. ابن أبى داؤد.

(كنز العمال: ٨/٢٦٣/٢٢٨٣٧، فصل فى آداب الامام. و كذا ذكره الامام السيوطى رحمہ اللہ تعالی فى جامع الأحاديث: ٢٨/٤٩٢/٣١٥٦٠، مسند عمر بن الخطاب. و كذا فى البحر الرائق ٢/١٠، باب ما يفسد الصلاة، الماجدية)

المصاحف میں ہے:

حدثنا عبد الله حدثنا محمد بن عامر بن إبراهيم عن أبيه عامر بن إبراهيم قال: سمعت نهشل بن سعيد يحدث عن الضحاك عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ قال: "نهانا عمر رضی اللہ تعالی عنہ أن نؤم الناس فى المصحف و نهانا أن يؤمنا إلا المحتلم. و الله اعلم.

(المصاحف لابن أبى داؤد: ٢/٣٩٤/٦٥٥)

تکان کی وجہ سے بیٹھ کر تراویح پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص تراویح میں تھک جائے تو بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں نمازِ تراویح بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

اتفقوا على أن أداء التراويح قاعدًا لايستحب بغير عذر واختلفوا في الجواز قال بعضهم: يجوز وهو الصحيح. (الفتاوى الهندية: ١/١١٨، فصل في التراويح)

امداد الفتاح میں ہے:

وقال قاضي خان في أداء التراويح قاعدًا: اتفقوا على أنه لايستحب بغير عذر واختلفوا في الجواز قال بعضهم: لايجوز بغير عذر ...... وقال بعضهم: يجوز له أداء التراويح قاعدًا بغير عذر ...... وهو الصحيح إلا أن ثوابه يكون على النصف من صلاة القائم ...... وفي الخلاصة: وأما صلاة التراويح قاعدًا من غير عذر اختلف المشايخ فيه والأصح أنه يجوز. واللہ اعلم.

(امداد الفتاح: ٤٤٦، فصل في صلاة النفل جالسًا، بيروت كذا في الشامي: ٢/١٥، باب النوافل، سعيد)

تجوید میں بے احتیاطی کرنے والے کے پیچھے نمازِ تراویح کا حکم:

سوال: ایسے حافظ کے پیچھے نماز پڑھنا جو تجوید کو جاننے کے باوجود بہت تیزی سے قرآن پڑھتا ہے اور تجوید کی رعایت بھی نہیں کرتا، چہ حکم دارد؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر حافظ بہت تیزی سے پڑھتا ہے کہ مقتدیوں کو کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور لحنِ جلی کرتا ہے تو نماز درست نہیں ہوگی، اور لحن خفی کرتا ہے تو نماز فاسد تو نہیں ہوگی مگر مکروہ ضرور ہوگی، نیز قرآن مجید کو بے پرواہی اور بغیر تجوید کی رعایت کے پڑھنا سخت گناہ ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

ولا ينبغي للقوم أن يقدموا في التراويح الخوشخوان (اچھی آواز والا) ولكن يقدموا الدرستخوان (صحیح پڑھنے والا) فإن الإمام إذا كان يقرأ بصوت حسن يشغل عن الخشوع والتدبر والتفكر وكذا لو كان الإمام لحانًا لابأس بأن يترك مسجده.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١/٢٣٨، فصل في مقدار القراءة في التراويح۔ وكذا في شرح منية المصلي: ٤٠٧، سهيل۔ وكذا في الفتاوى الهندية۔ وعلى هامشه قال: قوله: الخوشخوان معناه حسن الصوت والدرستخوان صحيح القراءة ١/١١٦)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

جمال القرآن میں ہے: تجوید کے خلاف قرآن پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن کہلاتا ہے اور یہ لحن دو قسم کا ہے ایک یہ کہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا جیسے الحمد کی جگہ الھمد پڑھ دیا، ش کی جگہ س پڑھ دیا بڑی ح

کی جگہ چھوٹی ھ پڑھ دی یا ذال کی جگہ زاء پڑھ دیا ص کی جگہ س پڑھ دیا ان غلطیوں کو لحن جلی کہتے ہیں اور یہ حرام ہے بعض جگہ اس سے معنی بگڑ کر نماز بھی جاتی رہتی ہے۔ (جمال القرآن)

لہٰذا اس طرح پڑھنے والا امامت کے لائق نہیں ہے اسے لازم ہے کہ پہلے قرآن صحیح پڑھنا سیکھے تب امامت کرائے۔ (فتاوی رحیمیہ:۴/۳۵۱،باب الامامۃ)

دوسری جگہ مرقوم ہے:

جب امام کی قراءت صاف اور صحیح نہیں ہے اور مقتدیوں کو سمجھ میں نہیں آتا تو ان کے لئے امامت کرنا درست نہیں، مقتدیوں کو چاہئے کہ کسی ایسے امام کا انتظام کریں جو قرآن شریف صاف اور صحیح پڑھے۔ (فتاوی رحیمیہ:۱/۱۸۸)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی:۳/۶۹۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۱۵۹، مدلل ومکمل، دارالاشاعت)۔ واللہ اعلم۔

تراویح کے ہر شفعہ پر نیت کرنے کا حکم:

سوال: تراویح کے ہر شفعہ پر علیحدہ نیت کرنا ضروری ہے یا ایک ہی مرتبہ بیس کی نیت کافی ہوجائے گی؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ایک ہی مرتبہ بیس کی نیت کافی ہے ہر شفعہ پر علیحدہ نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضیخان میں ہے:

وهل يحتاج لكل شفع من التراويح أن ينوي التراويح، قال بعضهم: يحتاج لأن كل شفع منها صلاة على حدة والأصح أنه لايحتاج لأن الكل بمنزلة صلاة واحدة.

(فتاوی قاضيخان على هامش الهندية:١/٢٣٧،فصل في نية التراويح)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو صلى التراويح كلها بتسليمة واحدة إن قعد في كل ركعتين يجوز عند الكل وإن لم يقعد في كل ركعتين وقعد في آخرها ففي الاستحسان على القول الصحيح يجزيه عن تسليمة واحدة كذا في السراج الوهاج وهكذا في فتاوى قاضيخان.

(الفتاوى الهندية:١/١١٩ فصل في التراويح۔ و كذا في شرح منية المصلي:٤٠٥، سهيل)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

تراویح کے لئے شروع میں بیس رکعت کی نیت کافی ہے ہر دو رکعت پر نیت کرنا شرط نہیں مگر بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی رحیمیہ:۱/۳۵۴)

تراویح کے بعد نفل نماز باجماعت پڑھنے کا حکم:

سوال: تراویح کے بعد نفل نماز باجماعت پڑھنا کیسا ہے؟ اگر مکروہ ہے تو تحریمی یا تنزیہی؟

الجواب: نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے رمضان اور غیر رمضان کی تخصیص نہیں ہاں ایک دو آدمی کسی کی اقتداء کرے بغیر تداعی تو بلا کراہت جائز ہے اور تین میں اختلاف ہے، علامہ طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اصح قول کے مطابق بلا کراہت جائز ہے اور چار یا زیادہ آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ تنزیہی ہے۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے

والجماعة فی النفل فی غیر التراویح مکروهة فالاحتیاط ترکها ...... وعن شمس الأئمة أن هذا أی کراهة الجماعة فی النفل إذا کان علی سبیل التداعی أی طریق یدعو الناس للاجتماع علیهم أما لو اقتدی واحد بواحد أو اثنان بواحد لایکره لأن النبی ﷺ أمّ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما فی صلاة اللیل ...... وصح أنه ﷺ أمّ أنسا رضی اللہ تعالیٰ عنه والیتیم والعجوز فصلی بهم رکعتین، وکانت نافلة وإذا اقتدی ثلاثة بواحد اختلف فیه والأصح عدم الکراهة، وإن اقتدی أربعة بواحد کره اتفاقًا.

(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ۳۸۶، باب الوتر، قدیمی کتب خانه۔ وکذا فی المبسوط للإمام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۷۶/۲، باب صلاة الکسوف، إدارة القرآن۔ وخلاصة الفتاوی: ۱۵۴/۱، رشیدیة)

شامی میں ہے:

والظاهر أن الجماعة فیه غیر مستحبة ثم إن کان ذلك أحیانًا کما فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه کان مباحًا غیر مکروه، وإن کان علی سبیل المواظبة کان بدعة مکروهة لأنه خلاف المتوارث، قلت: ویؤیده أیضا ما فی البدائع من قوله: إن الجماعة فی التطوع لیست بسنة إلا فی قیام رمضان. فإن نفی السنیة لایستلزم الکراهة، نعم إن کان مع المواظبة کان بدعة فیکره وفی حاشیة البحر للخیر الرملی ...... والنفل بالجماعة غیر مستحب لأنه لم تفعله الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم فی غیر رمضان وهو کالصریح فی أنها کراهة تنزیه تأمل.

(شامی: ۴۸/۲ باب النوافل، سعید)

لیکن مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بغیر دعوت کے چار سے زیادہ آدمیوں کے اجتماع کی گنجائش تحریر فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: وتفسير التداعي بالاهتمام والمواظبة أولى من تفسيرها بالعدد والكثرة كما لايخفى، ل أن الأول أقرب إلى اللغة وأشبه بها دون الثاني. والله اعلم.

(إعلاء السنن: ۷/ ۹۳ باب كراهة الجماعة في النوافل، إدارة القرآن كراچی)

تراویح باجماعت قضا کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ تراویح میں دو رکعت فاسد ہوگئی پھر پوری جماعت نے دوسری رات میں ۲۲ رکعت پڑھی تو اس طرح قضا کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز قضا کی نیت سے دو رکعت زائد پڑھی اس میں جو قراءت ہوئی اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نمازِ تراویح جب فاسد ہو جائے تو دوسرے دن جماعت کے ساتھ قضاء کرنا مکروہ ہے نیز جو قراءت ہوئی اس کا اعتبار نہ ہوگا یعنی ختم قرآن میں شامل نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو قاضی خان میں ہے:

وإن تذكر في الليل أنه فسد عليهم شفع من الليلة الماضية فأراد القضاء بنية التراويح يكره لأنه زيادة على التراويح بنية التراويح.

(فتاوی قاضيخان على هامش الهندية: ۱/ ۲۳۶، فصل في وقت التراويح)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

اگر یاد آیا کہ گذشتہ شب کوئی شفعہ تراویح کا فاسد ہوگیا تھا تو اس کو بھی جماعت کے ساتھ تراویح کی نیت سے قضاء کرنا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔　(فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۲۸۶، باب التراویح، جامعہ فاروقیہ)

قعدہ کئے بغیر تیسری رکعت کی طرف جانے سے تراویح کا حکم:

سوال: تراویح میں تیسری رکعت کے لئے بغیر قعدہ کے کھڑا ہوگیا اور واپس نہیں آیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام تیسری رکعت سے واپس نہیں آیا اور تین پر سلام پھیر دیا تو صحیح قول کے مطابق نماز فاسد ہوگئی دوبارہ پڑھ لے، اور اگر چوتھی رکعت ملالی تو صرف دو رکعت تراویح شمار ہوگی یعنی پہلا شفعہ صحیح نہیں ہوگا اس میں جو قراءت کی گئی اس کا اعادہ کرلیا جائے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

عن أبي بكر الإسكاف أنه سئل عن رجل قام إلى الثالثة في التراويح ولم يقعد في الثانية قال: إن تذكر في القيام ينبغي أي يعود ويقعد ويسلّم وإن تذكر بعد ما سجد للثالثة فإن أضاف إليها ركعة أخرى كانت هذه الأربع عن تسليمة واحدة.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۱۸، فصل في التراويح)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

وإن صلى ثلاث ركعات بتسليمة واحدة فهو على وجهين إما إن قعد في الثانية أو لم يقعد فإن قعد جاز عن تسليمة واحدة ويجب عليه قضاء ركعتين لأنه شرع في الشفع الثاني بعد إكمال الشفع الأول فإذا أفسد الشفع الثاني بترك الرابعة كان عليه قضاء ركعتين، وإن لم يقعد في الثانية ساهيًا أو عامدًا لاشك أن في القياس وهو قول محمد وزفر رحمهما الله تعالى، وإحدى الروايتين عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى تفسد صلاته ويلزمه قضاء ركعتين لاغير، وأما في الاستحسان هل تفسد صلاته في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى وأبي يوسف رحمه الله تعالى اختلفوا فيه قال بعضهم تفسد ولايجزئ عن شيء وقال بعضهم تجزئ عن تسليمة واحدة ...... وجه من قول أنه لا يجوز عن شيء وهو الصحيح أنه ترك القعدة المشروعة وهي القعدة على رأس الثانية والقعدة على رأس الثالثة غير مشروعة في التطوع فصار كأنه لم يقعد أصلاً فلايجوز.

(فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۲۴۰، فصل في السهو)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لايعتد بما قرأ فيه ويعيد القراءة ليحصل له الختم في الصلاة الجائزة وقال بعضهم يعتد بها كذا في الجوهرة النيرة. واللہ اعلم۔

(فتاوى هندية: ۱/۱۱۸ فصل في التراويح)

چار رکعت قعدۂ اولیٰ کے بغیر پڑھنے سے تراویح کا حکم:

سوال: اگر چار رکعت پڑھ لی اور دوسری رکعت پر نہیں بیٹھا تو تراویح ہوئی یا نہیں؟ اور کون سے شفعہ کی قراءت صحیح ہے اور کون سے شفعہ کی تلاوت کی قضاء کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اصح قول کے مطابق قعدۂ اولیٰ نہ کرنے کی وجہ سے پہلا شفعہ فاسد ہو گیا، لہذا تلاوت بھی صحیح نہیں ہوئی، البتہ دوسرا شفعہ اور تلاوت دونوں صحیح ہیں صرف پہلے کی قضاء لازم ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضیخان میں ہے:

وقال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالى والشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى في التراويح تنوب الأربع عن تسليمة واحدة وهو الصحيح لأن القعدة على رأس الثانية فرض في التطوع فإذا تركها كان ينبغي أن تفسد صلاته أصلاً كما هو وجه القياس وإنما جاز استحساناً فأخذنا بالقياس وقلنا بفساد الشفع الأول وأخذنا بالاستحسان في حق بقاء التحريمة وإذا بقيت التحريمة صح شروعه في الشفع الثاني وقد أتمّها بالقعدة فجاز عن تسليمة واحدة.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۱/ ۲٤۰، فصل في السهو، رشيدية)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا فسد الشفع وقد قرأ فيه لايعتد بما قرأ فيه ويعيد القراءة ليحصل له الختم في الجائزة وقال بعضهم يعتد بها كذا في الجوهرة النيرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۸، فصل في التراويح)

نیز ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۳/ ٦۷، باب الوتر والنوافل، الماجديه۔ وحاشية تبيين الحقائق: ۱/ ۱۷۹، باب الوتر والنوافل، امداديه ملتان)۔ واللہ اعلم۔

تراویح میں قرآن میں دیکھ کر امام کو لقمہ دینے کا حکم:

سوال: تراویح کی نماز میں ایک شافعی مقتدی قرآن میں دیکھ کر لقمہ دیتا ہے اور حنفی امام اس لقمہ سے اپنی غلطی کی اصلاح کرتا ہے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: مذہبِ احناف میں یہ عمل مفسدِ نماز ہے جبکہ حنفی مقتدی لقمہ دے اور شوافع کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، لہٰذا نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو روضۃ الطالبین میں ہے:

ولو صلى على وجه لايصححه والشافعي يصححه فعند القفال لايصح الاقتداء الشافعي به، وعند أبي حامد يصح اعتبارًا باعتقاد المأموم.

(روضة الطالبين: ۱/ ۳٤۷، باب صفة الأئمة، المكتب الإسلامي)

الفقہ الاسلامی میں ہے:

اشترط الحنفية والشافعية أن تكون صلاة الإمام صحيحة في مذهب المأموم. فلو صلى حنفي خلف شافعي سال منه دم ولم يتوضأ بعده أو صلى شافعي خلف حنفي لمس امرأة مثلاً

فصلاۃ المأموم باطلة لأنه يرى بطلان صلاة إمامه ...... وأما ما كان شرطًا في صحة الاقتداء فالعبرة فيه بمذهب المأموم. (الفقه الإسلامي وأدلته: ۲/ ۱۸۰، دار الفكر)

شامی میں ہے:

قلت: وهذا بناء على أن العبرة لرأي المقتدي وهو الأصح وقيل لرأي الإمام وعليه جماعة ...... قوله: إن تيقن المراعاة لم يكره: أي المراعاة في الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع في الواجبات والسنن ...... وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الإجماع، إنما اختلف في الكراهة ...... وفي رسالة الاهتداء في الاقتداء لملا علي القاري: ذهب عامة مشايخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط في موضع الخلاف وإلا لا. واللہ اعلم۔ (شامی: ۱/ ۵۶۳، باب الإمامة، سعید)

تراویح اور تہجد دونوں علیحدہ نمازیں ہیں:

سوال: تراویح کے بعد تہجد ہے یا نہیں یا تراویح تہجد کے قائم مقام ہے؟

جواب: احادیث اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح اور تہجد دونوں علیحدہ نمازیں ہیں تراویح تہجد کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، تہجد کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے علیحدہ پڑھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة رضي الله تعالى عنها كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ في رمضان فقالت: ما كان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة ...... يصلي أربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي أربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثًا...... (رواه البخاري: ۱/ ۱۵۴، باب قيام النبي ﷺ بالليل في رمضان وغيره)

محدثین میں سے امام مسلم، امام مالک، امام عبد الرزاق، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابوعوانہ، امام ابن خزیمہ، امام مروزی، امام دارمی، صاحبِ بلوغ المرام، صاحبِ مشکاۃ ان تمام نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے لیکن تراویح کے باب میں نہیں۔

لامع الدراری میں ہے:

ومما ينبغي التنبيه له أن عائشة رضي الله تعالى عنها لم تذكر هنا إلا ما كانت عادته في صلاته بالليل وكان دوامه عليها فأما ما وقع أحيانًا ونادرًا كصلاته بالقوم في رمضان ليالي فغير معترض به نفيًا

ولا إثباتًا وذلك كثير في الكلام ...... قوله في رمضان ولا في غيره: أي في صلاته المعتادة المعروفة بالتهجد وصلاة الليل لأنه لم يزد على ذلك أبدًا.

حاشیہ میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وهذا أيضًا ظاهر أن التراويح صلاة مختصة برمضان والسوال كان عن صلاة تعم رمضان وغيره. (لامع الدراري: ٢/١٨٦، باب قيام النبي ﷺ في رمضان وفي غيره)

فتح الباری میں ہے:

وفي الحديث دلالة على أن صلاته كانت متساوية في جميع السنة.

(فتح الباري: ٣/٣٣، باب قيام النبي ﷺ، دار نشر الكتب الإسلامية)

عمدۃ القاری میں ہے:

ذكر ما يستفاد منه فيه أن عمله ﷺ كان ديمة في شهر رمضان وغيره وأنه كان إذا عمل عملاً أثبته ودوام عليه. (عمدة القاري: ٥/٤٩٥، باب قيام النبي ﷺ، دار الحديث ملتان)

آپ کے مسائل اور ان کا حل میں ہے:

تہجد الگ نماز ہے جو کہ رمضان اور غیر رمضان دونوں میں مسنون ہے، تراویح صرف رمضان مبارک کی عبادت ہے تہجد اور تراویح کو ایک نماز نہیں کہا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/۳۰، لدھیانوی)

اکابر کی تحقیق کے مطابق تراویح اور تہجد کا فرق اور شاہ صاحب کا نظریہ۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظریہ:

تراویح اور تہجد ایک نماز ہے یا الگ الگ نمازیں ہیں؟ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں صرف دونوں کی صفت اور وقت میں فرق ہے نماز ایک ہے۔ ہاں تراویح کی ۲۰ رکعت کے حضرت شاہ صاحب قائل ہیں۔

العرف الشذی علی الترمذی میں مذکور ہے:

ولم يثبت في رواية من الروايات أنه عليه السلام صلى التراويح والتهجّد على حدة في رمضان، بل طوّل التراويح، وبين التراويح والتهجد في عهده لم يكن فرق في الرّكعات بل في الوقت والصّفة أي التراويح تكون بالجماعة في المسجد بخلاف التهجد، وإن الشروع في

التراويح يكون في أوّل الليل وفي التهجد في آخر الليل،نعم ثبت عن بعض التابعين الجمع بين التراويح والتهجد......

فإنه لم يثبت عنه عليه السلام ولا عن الصحابة جمعهم بين التراويح والتهجد.وأمّا ما في مؤطا مالك أن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان يصلي التراويح آخر الليل فمراده أنه إذا لم يصل مع الجماعة أوّل الليل. (العرف الشذي على الترمذي:١/١٦٦،ديوبند)

فیض الباری میں ہے:

وهما متحدان عند الشافعية: فإن صلاها قبل النوم سميت صلاة الليل وإن صلاها بعد ما استيقظ من نومه سميت تهجدًا، فالفرق بينهما وصفيّ، وكذا الوتر عندهم، فالوتر والتهجد وصلاة الليل كلها عندهم متحدة مصداقًا، ومتباينة مفهومًا ...... وقلنا أما الفرق بين صلاة الليل والتهجد فكما ذكرتم، لكنّ الوتر صلاة مستقلّة. (فيض الباري:٢/٤٠٧)

دیگر اکابر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق:

جمہور کے نزدیک تراویح کی نماز تہجد سے الگ اور مستقل نماز ہے اس پر کافی دلائل موجود ہیں:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور فقہاء ومحدثین کے کلام میں اس نماز کی اضافت رمضان کی طرف کی گئی،مثلاً سنن نسائی میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث ہے:

قال رسول الله "إن الله تبارك وتعالى فرض صيام رمضان عليكم وسننت لكم قيامه.

(سنن نسائی:١/٣٠٨)

اور مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يرغب في قيام رمضان من غير أن يأمرهم بعزيمة.

(مسلم شريف:١/٢٥٩)

اور صلاۃ اللیل میں نماز کی نسبت رات کی طرف کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نماز ہر رات کے ساتھ خاص ہے اسی طرح قیام رمضان کا مطلب ایسی نماز جو رمضان ہی میں پڑھی جاتی ہے اور صلاۃ اللیل یا تہجد رمضان کے ساتھ خاص نہیں اس لئے یہ قیام رمضان سے الگ نماز ہے۔

(۲) تراویح اور تہجد میں فرق کا ایک قرینہ اختلافِ وقت ہے،دونوں نمازوں کے وقتوں میں اختلاف ہے، تہجد کا وقت نیند سے اٹھنے کے بعد ہے اور تہجد کا اصل معنی یہی ہے: نیند سے بیدار ہونا،لہٰذا تہجد اسی نماز کو کہیں گے

جو نیند سے بیدار ہونے کے بعد پڑھی جائے۔

علامہ طبری رحمہ اللہ تعالیٰ ﴿ومن الليل فتهجد به نافلة لك﴾ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: **ومن الليل فاسهر بعد نومة يا محمد بالقرآن نافلة لك خالصة لك دون أمتك، والتهجد التقيظ والسهر بعد نومة من الليل.** (تفسیر طبری: ۹۵/۱، دار المعرفة، بیروت لبنان)

تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے:

فإن التهجّد ماكان بعد نوم، قاله علقمة والأسود وإبراهيم النخعي وغيرواحد، وهو معروف في لغة العرب، وكذلك ثبتت الأحاديث عن رسول الله ﷺ أنه كان يتهجد بعد نومه.

(تفسیر ابن کثیر: ۶۱/۳۔ ومثله في روح المعاني: ۱۳۸/۱۵)

لسان العرب میں ہے:

وأما التهجد فهو القائم إلى الصلاة من النوم. (لسان العرب: ۴۳۱/۳، بیروت)

وفي الصحيح للإمام مسلم عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كنا نعد له سواكه و طهوره فيبعثه الله ماشاء أن يبعثه من الليل فيتسوك...... (مسلم شریف: ۲۵۶/۱)

خلاصہ یہ ہے کہ تہجد وہ نماز ہے جو نیند سے اٹھ کر پڑھی جاتی ہے اس کے برعکس تراویح شروع کرنے کا وقتِ مستحب اول اللیل ہے اور یہی امت کا تعامل ہے، اس کے متعلق المغنی لابن قدامۃ میں مذکور ہے:

وقيل لأحمد نؤخر القيام يعني في التراويح إلى آخر الليل، قال: لا، سنة المسلمين أحب إليّ. (المغنی: ۸۰۱/۱، دار الکتب العلمیة، بیروت)

جب دونوں نمازوں کا وقتِ مستحب الگ الگ ہے تو دونوں کو الگ الگ نمازیں شمار کریں گے۔

(۳) آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں صلاۃ اللیل با جماعت ادا کرنے کے لئے کبھی اجتماع نہ ہوا اور نہ آپ نے کبھی با جماعت صلاۃ اللیل ادا کرنے کی ترغیب دی، خلفاءِ راشدین اور بعد کے زمانے میں بھی صلوۃ اللیل با جماعت پڑھنے کا رواج نہ تھا اس کے برخلاف آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے تراویح کی جماعت بھی کرائی، اور دوسروں کو تراویح با جماعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر اس کی تحسین بھی فرمائی، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام صحابہ کی موجودگی میں تراویح کی نماز با جماعت شروع کرائی اور یہ معمول اب تک تمام مساجد میں جاری ہے۔

أخرج البخاري برواية عائشة أمّ المؤمنين رضي الله تعالى عنها أن رسول الله ﷺ صلى ذات ليلة في المسجد، فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة فكثر الناس، ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة أو الرابعة، فلم يخرج إليهم رسول الله ﷺ فلما أصبح قال: لقد رأيت الذي صنعتم ولم

يمنعني من الخروج إليكم إلا أني خشيت أن يفرض عليكم، وذلك في رمضان.

(بخاري شريف: ١/ ١٥٢)

وأخرج عبد الرزاق بسنده عن السائب بن يزيد قال: كنا ننصرف من القيام على عهد عمر رضي الله تعالى عنه وقد دنا فروع الفجر، وكان القيام على عهد عمر رضي الله تعالى عنه ثلاثة وعشرين ركعة. (مصنف عبد الرزاق: ٤/ ٢٦١، ٢٦٢)

(۴) تہجد کی مشروعیت قرآن کریم سے ہوئی:

قال الله تعالىٰ: ﴿ومن الليل فتهجّد به نافلة لك﴾.

وقال تعالىٰ: ﴿يايها المزمل قم الليل إلا قليلاً نصفه أو انقص منه قليلاً﴾.

اورتراویح کی مشروعیت حدیث شریف سے ہے:

قال عليه الصلاة والسلام: وسننت لكم قيامه. (نسائي شريف: ١/ ٣٠٨)

اگر کوئی کہے کہ سنت کا مطلب اللہ تعالیٰ کے حکم کا عملی طریقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا، تو مشروعیت تراویح کی حدیث سے نہ ہوئی؟

الجواب: آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے بصورتِ تقابل یہ ارشاد فرمایا:

إن الله تبارك وتعالى فرض صيام رمضان عليكم، وسننت لكم قيامه.

حلانکہ صوم کا عملی طریقہ بھی آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے بھی بتلایا۔

(۵) تہجد کا حکم مکہ مکرمہ میں ہوا اور تراویح کا مدینہ منورہ میں۔

(۶) آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے کبھی پوری رات تہجد نہیں پڑھی۔

مسلم میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها في حديث طويل، قالت: ولا أعلم نبي الله صلى الله عليه وسلم قرأ القرآن كله في ليلة ولا صلى ليلة إلى الصبح. (مسلم شريف: ١/ ٢٥٦)

اس کے برخلاف تراویح سے متعلق حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں تین متفرق راتوں میں صحابہ کے ساتھ تراویح باجماعت پڑھی ہے اور ان میں سے تیسری رات میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے تراویح کے لئے اپنے گھر والوں کو بھی جمع کیا اور اتنی دیر تک نماز پڑھائی کہ ہمیں خطرہ ہونے لگا کہ کہیں سحری کا وقت نہ نکل جائے۔

ابوداود میں ہے:

عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه قال: صمنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم رمضان فلم يقم بنا شيئًا من الشهر حتى بقي سبع، فقام بنا حتى ذهب ثلث الليل، فلما كانت السادسة لم يقم بنا، فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل ...... فلما كانت الثالثة جمع أهله ونساءه والناس فقام بنا حتى خشينا أن يفوتنا الفلاح قال: قلت: ما الفلاح قال السحور.

(أبو داؤد: ١/١٩٥، قيام شهر رمضان۔ و نسائی ١/٢٣٨، قيام شهر رمضان۔ و ابن ماجة: ١/٩٤، قيام شهر رمضان)

(۷) تمام فقہی مکاتبِ فکر کے محدثین وفقہاء کا یہی طرزِ عمل چلا آرہا ہے کہ وہ صلاۃ اللیل اور تہجد وغیرہ پر الگ ابواب وفصول قائم کرتے ہیں اور قیامِ رمضان اور تراویح کے الگ، حتی کہ بہت سے محدثین سے قیامِ رمضان کا ذکر کتاب الصوم میں کیا ہے مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بخاری شریف میں، اور علامہ ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں امام ترمذی نے سنن الترمذی میں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔

(۸) مسلم شریف کی روایت کے مطابق تہجد پہلے فرض تھی پھر فرضیت منسوخ ہوگئی جب کہ تراویح میں نسخ واقع نہیں ہوا۔

مسلم میں ہے:

عن سعد بن هشام فيما سأل عائشة رضي الله تعالى عنها يقول: فقلت أنبئيني عن قيام رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت: ألست تقرء يأيها المزمل، قلت: بلى قالت: فإن الله عزوجل افترض قيام الليل في أول هذه السورة فقام نبي الله صلى الله عليه وسلم و أصحابه حولاً و أمسك الله خاتمتها اثنى عشر شهرا في السماء حتى أنزل الله في آخر هذه السورة التخفيف فصار قيام الليل تطوعا بعد فريضة.

(مسلم شريف: ١/٢٥٦)

(۹) مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا فرق کو اس طور پر بیان فرمایا ہے کہ نمازِ تہجد پہلے فرض تھی اس کے بعد وحی الٰہی نے اس کی فرضیت منسوخ کردی اب دوبارہ فرضیت والا خطرہ نہ رہا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح پر دوام نہ فرمانیکی حکمت خشیتِ فرضیت بیان فرمائی ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ تراویح تہجد سے الگ کوئی نماز ہے، کیونکہ تہجد کی فرضیت تو پہلے ہی منسوخ کر کے آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو مطمئن کردیا گیا تھا۔

(احسن الفتاوی: ۳/۵۳۲)

(۱۰) ایک فرق یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کو ہر روز آخرِ شب میں پڑھا ہے، چنانچہ بخاری ومسلم کی روایت ہے:

ثم قلت فأی حین کان یقوم من اللیل، قالت: کان إذا سمع الصارخ.

اور دیگر روایات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

اور تراویح کو آپ نے اول لیل میں پڑھا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ:۳۵۴)

قوله: إذا سمع الصارخ. (بخاری: ۱/۱۵۲۔ ومسلم شریف: ۱/۲۵۵ عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

قوله: تراویح اول لیل میں پڑھا ہے۔ هذا الحدیث قد مرّ ذکره. (نسائی:۱/۲۳۸)

پھر احادیث کی روشنی میں بھی ان دونوں نمازوں کا الگ ہونا ثابت ہے، کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے تراویح پڑھ کر پھر اور کوئی نماز پڑھی یعنی تہجد، نیز صحابہ سے بھی یہ عمل ثابت ہے۔

(۱) أخرج أبوداود بسنده عن قیس بن طلق قال: زارنا طلق بن علی فی یوم من رمضان و أمسی عندنا وأفطر، ثم قام بنا تلك اللیلة وأوتربنا ثم انحدر إلی مسجده فصلی بأصحابه حتی إذا بقی الوتر قدم رجلاً فقال: أوتر بأصحابك فإنی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لا وتران فی لیلة. (أبوداؤد:۱/۲۰۳)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اول لوگوں کے ساتھ موافق فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اول وقت میں تراویح ادا کی، اور وتر بھی اس کے ساتھ پڑھی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ اور بعد اس کے اپنی مسجد میں جا کر آخر وقت میں تہجد ادا کیا اور اس کے ساتھ وتر نہیں پڑھی۔ (فتاویٰ رشیدیہ:۳۶۱)

صحابہ کے عمل سے بھی ثابت ہوا کہ یہ دونوں الگ نمازیں ہیں۔

وفی المؤطا عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: والتی تنامون أفضل من التی تقومون یعنی آخر اللیل. (مؤطا: ۹۸)

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اس سے اگر مغایرت دونوں نمازوں کی نکالی جائے تو بعید نہیں کیونکہ اس قول کے معنی یہ ہے کہ جو نماز کہ تم اس سے سورہتے ہو یعنی تہجد کہ آخر رات میں ہوتی ہے افضل ہے اس نماز سے جو تم پڑھتے ہو یعنی تراویح کہ اول وقت پر پڑھتے تھے۔ (فتاویٰ رشیدیہ:۳۶۰)

(۲) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں لکھا ہے کہ ابتداءِ شب میں اپنے شاگردوں کے ساتھ باجماعت تراویح پڑھتے تھے، اور بوقتِ سحر تہجد انفراداً پڑھتے تھے۔ (احسن الفتاویٰ:۳/۵۳۲)

قلت: وقد ذكره الحافظ في مقدمة الفتح في ترجمة أبي عبد الله رحمه الله تعالى:

وقال الحاكم أبو عبد الله ﴿ الحافظ أخبرني محمد بن خالد ثنا مقسم بن سعيد قال: كان محمد بن إسماعيل البخاري رحمه الله تعالى إذا كان أول ليلة من شهر رمضان، يجتمع إليه أصحابه فيصلي بهم ويقرأ في كل ركعة عشرين آية، وكذلك إلى أن يختم القران، وكان يقرأ في السحر ما بين النصف إلى الثلث من القرآن فيختم عند السحر في كل ثلاث ليال.

(هدى الساري: ٤٨١)

(۳) احسن الفتاوی میں ہے:

فقہِ حنبلی کی مشہور کتاب مقنع میں ہے:

ثم التراويح وهي عشرون ركعة يقوم بها في رمضان في جماعة ويوتر بعدها في جماعة، فإن كان له تهجد جعل الوتر بعده. (المقنع: ١٨٤)۔ (احسن الفتاوی ۳: ۵۳۲)

یہ عبارت "المبدع شرح المقنع: ۲/ ۲۴۵" پر مذکور ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ تراویح اور تہجد الگ الگ نمازیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

تراویح میں جھراً بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

سوال: فتاوی رشیدیہ میں ہے: تراویح میں بالسر و بالجہر دونوں طرح پڑھنا درست ہے، کوئی بالجہر پڑھے تو اس پر اعتراض کرنا نامناسب ہے (ص ۳۳۷) اس کے بعد حمید اللہ مقیم مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ لکھتے ہیں: ہاں اتنی بات ہے کہ بسم اللہ کا جھراً پڑھنا متروک ہو رہا ہے تو یہ سنت مردہ کے حکم میں ہے پس اس کو رواج دینے میں امید ہے کہ سو شہیدوں کا ثواب ملے، پس اولیٰ ہے کہ اکثر بسم اللہ کو جہر کے ساتھ نماز میں پڑھا کریں خواہ وہ نمازیں فرض ہوں یا جن میں قراءت جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہو جیسے فجر، عشاء، مغرب، خواہ تراویح ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ تراویح میں بالجہر بسملہ پڑھی جائے بنیتِ احیائے سنت تو کیا مستحقِ ثواب ۱۰۰ شہیدوں کا ہوگا؟ اور کیا فرض نمازوں کا بھی یہی حکم ہوگا؟ بینوا توجروا!

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق بسم اللہ جھراً پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے چاہے تراویح ہو یا فرض نمازیں ہوں، پورے قرآن میں صرف ایک مرتبہ تراویح میں کسی سورت کے شروع میں جھراً بسم اللہ پڑھنا چاہئے اس کے علاوہ سراً پڑھ لے۔

فقہاء کی عبارات اور فتاوی میں اس کی تصریحات موجود ہیں اور احیاءِ سنت میں سو شہیدوں کا ثواب ملنا اس

حدیث کی تحقیق ابواب الحدیث گذر گئی۔

اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے مروجہ بدعتِ قبیحہ کو مٹایا اور اس کی جگہ اصل سنت کا رواج دیا تو ۱۰۰ شہیدوں کا ثواب ملے گا، گویا یہاں سنت کے مقابل میں بدعت ہے اور مسئلہ مذکورہ میں یعنی تسمیہ جھراً یا سراً پڑھنا اس میں دونوں جانب احادیث ہیں البتہ سراً پڑھنے کی احادیث کثیر اور اعلیٰ درجہ کی ہیں۔

اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (نوّر اللہ مرقدہ) کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جھراً خلافِ اولیٰ ہے اس کی وجہ سے مسجد میں اختلاف اور جھگڑا نہیں کرنا چاہئے پہلے سمجھانا چاہئے نہ مانے تو اعتراض نہ کرے اس لئے کہ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے اور درست ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وتسن التسمية أول كل ركعة قبل الفاتحة لأنه ﷺ كان يفتتح صلاته ببسم الله الرحمن الرحيم ...... وهي آية واحدة من القرآن ...... وأنزلت للفصل بين السور ...... ويسن الإسرار بها للآثار الواردة بذلك. (حاشية الطحطاوي مع مراقي الفلاح:ص ۲۶۰، ۲۶۲،قديمي)

الدرالمختار میں ہے:

وسمى غير المؤتم بلفظ البسملة سرا في أول كل ركعة ولو جهرية ...... وفي الشامية: (قوله سرًا في أول كل ركعة) كذا في بعض النسخ وسقط سرًا من بعضها ولابد منه، قال في الكفاية عن المجتبى: والثالث أنه لايجهر بها في الصلاة عندنا.

(الدرالمختار مع الشامي: ۱/ ۴۹۰، سعيد)

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے:

نماز کے اندر حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق بسم اللہ کو سراً پڑھنا چاہئے، اس میں حنفیہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور اطلاقِ نماز شامل ہے نماز فرض اور نفل وتر تراویح وغیرہ کو اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ اتباعِ امام من القراء خارجِ صلاۃ میں ہے نہ صلاۃ میں اور اس پر ہم نے اپنے اساتذہ علماءِ احناف کو پایا ہے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۲۶۴، ۲۶۵ مدلل ومکمل)

نیز ملاحظہ ہو: (وفتاوی رحیمیہ: ۴/ ۳۸۰ باب التراویح)۔ مجموعہ رسائل اللکھنوی (أحکام القنطرۃ فی أحکام البسملۃ): ۱/ ۱۷، ادارۃ القرآن۔ وفتاوی محمودیہ: ۷/ ۲۹۹، ۳۰۱، جامعہ فاروقیہ۔ وامداد الفتاوی: ۱/ ۲۲۸، ۲۳۰، فصل فی التجوید۔ وامداد الاحکام: ۱/ ۶۳۰، فصل فی التراویح)۔

علامہ عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قد صرحوا أن ختم القرآن بجميع أجزاء ه في التراويح مرة سنة مؤكدة حتى لو ترك آية منه لم يخرج عن العهدة، وقد ثبت أن البسملة أيضًا آية منه على الأصح، فيستخرج منه أنه لو قرأ تمام القرآن في التراويح ولم يقرأ البسملة في ابتداء سورة من السور سوى ما في سورة النمل لم يخرج عن عهدة السنية ولو قرأها الإمام سراً خرج عن العهدة لكن لم يخرج المقتدون عن العهدة. (مجموعة رسائل اللكهنوي: "أحكام القنطرة في أحكام البسملة": ١/١٠٣، امدادية)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد المفتیین: جلد دوم ص ۳۶۱ فصل فی التراویح، دار الاشاعت۔ وفتاوی محمودیہ: ۷/۳۰۰، باب التراویح، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

نفل پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے کا حکم:

سوال: نفل پڑھنے والے کے پیچھے تراویح پڑھنے سے تراویح صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: تراویح سنتِ مؤکدہ اور اعلیٰ ہے اور نفل ادنیٰ ہے اور اعلیٰ کی اقتداء ادنیٰ کے پیچھے درست نہیں لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تراویح کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔

منحۃ الخالق میں ہے:

أقول حيث صرح قاضيخان بأن الصحيح أنه إذا صلى التراويح مقتديًا بمتنفل بغيرها لايجوز بناء على أن السنة لاتتأدى بنية التطوع يكون ذلك تصحيحًا لعدم جواز اقتداء مصلى التراويح بالمفترض لأن معنى أن السنة لاتتأدى بنية التطوع أنها لابد لها من التعيين والإمام غير معين للتراويح سواء كان مصليًا نفلاً أو فرضًا فلا تصح نية التراويح من المقتدى وقد صرح بذلك العلامة قاسم في فتاواه ضمن رسالة فقال: (فصل) إذا صلى التراويح مقتديًا بمن يصلى المكتوبة أو وتراً أو نافلة غير التراويح اختلفوا فيه من بنى هذا الاختلاف على الاختلاف في النية ومن قال من المشايخ أن التراويح لاتتأدى إلابنيتها فلا تتأدى بنية الإمام وهى بخلاف نيته ومن قال منهم أنها تتأدى بمطلق النية ينبغي أن يقول هنا أنه يصح والأصح أنه لايصح الاقتداء. (منحة الخالق حاشية البحر الرائق: ١/٣٦٥، باب الامامة، الماجدية)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو صلى التراويح مقتديًا بمن يصلى مكتوبة أو وترًا أو نافلة الأصح أنه لايصح

الاقتداء به لأنه مکروه مخالف لعمل السلف. (الفتاوی الهندية: ١/١٧٧ـ وكذا في ردالمحتار: ١/٥٩٠، سعيد ـ والطحطاوي على الدرالمختار: ١/٢٩٦ـ وبدائع الصنائع: ١/٢٨٨ـ والفتاوى الهندية: ٤/٢٩، الثالث في التراويح)ـ واللہ اعلم۔

۸ رکعت تراویح کا حکم:

سوال: هل يجوز أن نصلي صلاة التراويح ٨ ركعة فقط أم لا؟ ولماذا؟

الجواب: مسئلة عدد ركعات التراويح قد صنّف فيها العلماء قديمًا وحديثًا من صغير وكبير وتعرّضوا لها تعرّضًا وافيًا بإطناب وإيجاز، وذكرت المسئلة في جميع الكتب الفقهية والفتاوى، ولايسع المقام التفصيل فأقتصرهنا على ذكربعضه المهم:

التراويح عشرون ركعة سنة مؤكدة واظب عليها الخلفاء الراشدون رضي الله تعالى عنهم ومن بعدهم إلى يومنا هذا، فلايجوز الاقتصار على ثماني ركعات.

حجة من زعم أن التراويح ٨ ركعة:

(١) أخرج البخاري عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه سأل عائشة رضي الله تعالى عنها كيف كان صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان، فقالت: ماكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولافي غيره على إحدى عشرة ركعة يصلي أربعًا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي أربعًا فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثًا. (الصحيح البخاري: ١/١٥٤)

دل هذا الحديث على أنه كان يصلي ٨ ركعة صلاة التراويح و ٣ وترًا.

والجواب عن هذا:

(١) ليس المراد بالحديث المذكور بيان عدد ركعات التراويح ولايعلم بيان عدده منه، لأن فيه أنه عليه السلام كان يصلي أربعًا أربعًا والتراويح لاتصلى أربعًا أربعًا بل مثنى مثنى.

(٢) الحديث المذكور فيه بيان قيام الليل وهو التهجد لاالتراويح لأن لفظ الحديث: "ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولافي غيره يدل على أن السؤال المعروض إنما كان عن صلاة تصلى دائمًا وهي التهجد لا التراويح، وإنما خص رمضان بالذكر لما ثبت أنه عليه الصلاة والسلام كان يجتهد في رمضان ما لايجتهد في غيره فظن السائل أنه كان يزيد في

رمضان في التهجد أيضًا كغيره من الصلوات فقالت: لا ما كان يزيد على ٨ في التهجد لا في رمضان ولا في غيره.

ويدل على ماقلنا أيضا صنيع أكثر المحدثين أنهم لم يذكروا الحديث المذكور في أبواب التراويح مثل الإمام محمد بن نصر المروزي له كتاب مسمى بـ "قيام الليل" فبوّب في كتابه هذا "باب عدد الركعات التي يقوم بها الإمام للناس في رمضان" وذكر فيه عدّة أحاديث، لكن لم يذكر حديث عائشة رضي الله تعالى عنها المذكور لاصريحًا ولاإشارةً بل ذكروا الحديث المذكور في أبواب قيام الليل.

وأراد من زعم أن التراويح ٨ ركعة الاستدلال ببعض الآثار مثل ماجاء في المؤطا بسند مالك عن السائب بن يزيد رضي الله تعالى عنه أنه قال أمر عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أبيّ بن كعب و تميما الداري رضي الله تعالى عنهما أن يقوم للناس بإحدى عشرة ركعة. (مؤطا الامام مالك: ۹۵)

وقد أجاب العلماء والمحدثون عن هذا الاستدلال بوجوه كثيرة بكل بسط و تفصيل لايسعه المقام.

فليراجع: اعلاء السنن: ۸۴/۷۔ وفتح الباري: ۲۱۹/۴۔ واحسن الفتاوى: ۵۳۴/۳.

وأماكون صلاة التراويح عشرون ركعة فقد ثبت بحجج كثيرة لايصح الإنكار عنها، مثل:

(۱) عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر. أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه۔ والبغوي في معجمه۔ والطبراني في الكبير۔ والبيهقي في سننه۔ (التعليق الحسن: ۵۶/۲)۔ (وفي إسناده إبراهيم بن عثمان وفيه كلام)

(۲) قال عليه الصلاة والسلام: عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديّين رضي الله تعالى عنهم تمسّكوا بهاوعضّوا عليها بالنواجذ. (رواه احمد وابو داؤد والترمذي وابن ماجة)

وما ثبت من عمل الخلفاء الراشدين المهديّين رضي الله تعالى عنهم مثل التراويح ۲۰ ركعة نتبعه بقول النبي صلى الله عليه وسلم وأمره بقوله عليكم بسنتي الخ.

(۳) عن السائب بن يزيد رضي الله تعالى عنه قال: كنا نقوم من زمن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه بعشرين ركعة والوتر. رواه البيهقي في المعرفة وصحّحه السبكي في شرح المنهاج. (التعليق الحسن: ۲۵۴/۲)

(٤) عن عبد العزيز بن رفيع قال: كان أبيّ بن كعب رضي الله تعالى عنه يصلي بالناس في رمضان

بالمدينة عشرين ركعة يوتر بثلاث. أخرجه أبو بكر بن أبي شيبة في مصنفه وإسناده قوي مرسل۔

(آثار السنن: ٢/٥٥)

(٥) عن أبي الحسناء أن علي ابن أبي طالب رضي الله تعالى عنه أمر رجلاً يصلي بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة. رواه البيهقي في سننه وضعّفه۔ (كنز العمال: ٤/٢٨٤)

(٦) عن يزيد بن رومان أنه قال: كان الناس يقومون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في رمضان بثلاث وعشرين ركعة. رواه مالك وإسناده قوي مرسل۔ (بيهقي: ٢/٢٩٦)

(٧) عن نافع عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنه قال: كان ابن أبي مليكة يصلي بنا في رمضان عشرين ركعة. (مصنف ابن أبي شيبة:وإسناده حسن:٥/٢٢٣)

(٨) قال عطاء: أدركت الناس وهم يصلون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة ويوترون بثلاث.

(مصنف ابن أبي شيبة:وإسناده حسن: ٥/٢٢٤)

(٩) قال محمد بن كعب القرظي كان الناس يصلون في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في رمضان عشرين ركعة يطيلون فيها القراءة ويوترون بثلاث.

(قيام الليل للمروزي:ص ٩١)

(١٠) قال الأعمش: كان عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه يصلي عشرين ركعة ويوتر بثلاث. (قيام الليل:ص ٩٠)

(تلك عشرة كاملة)

فهذا المأثور عن الصحابة رضي الله تعالى عنهم والخلفاء الراشدين رضي الله تعالى عنهم ومن بعدهم أحق أن يتبع وهذا بالقبول أليق والقلب إليه أميل وعن الخطأ أبعد. والله اعلم.

(ملخّص من احسن الفتاوی: ٣/٥٢٨-٥٤٥)

آٹھ رکعت تراویح والی روایت کا جواب:

سوال: غیر مقلدین حضرات آٹھ رکعات تراویح پڑھتے ہیں اوران کے دلائل میں سے ایک دلیل حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جومختلف کتبِ احادیث میں مذکور ہے اور خاص طور پر مؤطا کی روایت لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس روایت کی روشنی میں صرف آٹھ رکعت تراویح پڑھنی چاہئے۔

مؤطا امام مالک کی روایت ملاحظہ ہو:

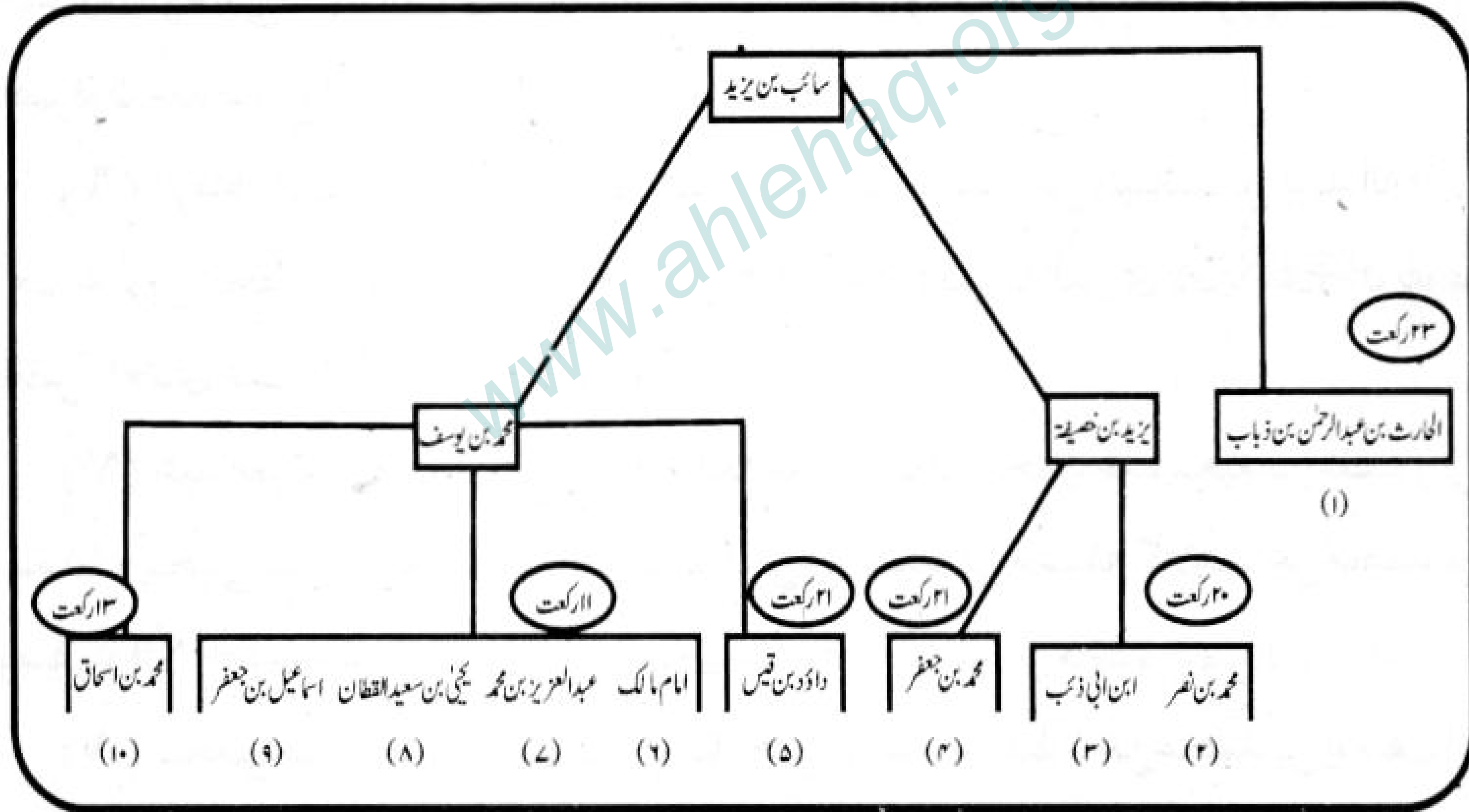
مالك عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد أنه قال: "أمر عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أبيّ بن كعب رضي الله تعالى عنه وتميما الداري رضي الله تعالى عنه أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة.

(رواه امام مالك في المؤطا: ۹۸)

اس روایت میں ۸ رکعت تراویح اور تین وتر گیارہ ہوگئیں، اس استدلال کا کیا جواب ہے؟

الجواب: اس روایت کا جواب یہ ہے کہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرنے والے تین حضرات ہیں: (۱) حارث بن عبد الرحمٰن (۲) یزید بن خصیفہ ان دونوں طرق میں بلا اختلاف ۲۰ کا ذکر ہے (۳) محمد بن یوسف ان کے شاگردوں کا باہمی اختلاف ہے۔

نقشہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:



(۱) الحارث بن عبد الرحمن: عبد الرزق عن الأسلمي عن الحارث بن عبد الرحمن ابن أبي ذباب عن السائب بن يزيد قال: كنا ننصرف من القيام على عهد عمر رضي الله تعالى عنه وقد دنا فروع الفجر، وكان القيام على عهد عمر رضي الله تعالى عنه ثلاثة وعشرين ركعة.

(مصنف عبد الرزاق: ۲/۲۶۱، باب قيام رمضان، ادارة القرآن)

(۲) محمد بن نصر: وما حمله عليه في الحديثين صحيح بدليل ماروى محمد بن

نصرمن رواية يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد رضي الله تعالى عنه أنهم كانوا يقومون في رمضان بعشرين ركعة في زمن عمربن الخطاب رضي الله تعالى عنه. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري:٨/٢٤٥)

(٣) ابن أبي ذئب: ابن أبي ذئب عن يزيد بن خصيفة: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة.

(السنن الكبرى للبيهقي:٢/٤٩٦،باب ما روي في عدد ركعات القيام في شهر رمضان)

(٤) محمد بن جعفر: محمد بن جعفر حدثني يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد رضي الله تعالى عنه قال: "كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه بعشرين ركعة والوتر.

(السنن الصغير للبيهقي:١/٢٣٥، باب قيام شهر رمضان،دارالفكر)

(٥) داؤد بن قيس: عبدالرزاق عن داؤد بن قيس وغيره عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد رضي الله تعالى عنه: أن عمر رضي الله تعالى عنه جمع الناس في رمضان على أبيّ بن كعب رضي الله تعالى عنه وعلى تميم الداري رضي الله تعالى عنه على إحدى وعشرين ركعة،يقرؤون بالمئين و ينصرفون عند فروع الفجر. (مصنف عبد الرزاق:٤/٢٦٠،إدارة القرآن)

(٦) الإمام مالك رحمه الله تعالى: مالك عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد أنه قال: "أمر عمربن الخطاب رضي الله تعالى عنه أبيّ بن كعب رضي الله تعالى عنه وتميما الداري رضي الله تعالى عنه أن يقوما للناس بإحدى عشرة ركعة. (رواه الامام مالك في المؤطا:٩٨)

(٧) عبد العزيزبن محمد: أن مالكاً قد تابعه عبد العزيزبنّ محمد عند سعيد بن منصورفي سننه ويحيى بن سعيد القطان عند أبي بكربن أبي شيبة في مصنفه كلاهما عن محمد بن يوسف وقالا إحدى عشرة. (تحفة الأحوذي:٢/٣٤٩،باب ما جاء في قيام شهر رمضان)

(٨) يحيى بن سعيد القطان: حدثنا يحيى بن سعيد القطان عن محمد بن يوسف أن السائب أخبره أن عمر رضي الله تعالى عنه جمع الناس على أبيّ رضي الله تعالى عنه وتميم رضي الله تعالى عنه فكانا يصليان إحدى عشرة ركعة، يقرآن بالمئين يعني في رمضان.

(المصنف لابن أبي شيبة:٥/٢٢٠،في صلاة رمضان)

(٩) إسماعيل بن جعفر: حدثنا على حدثنا إسماعيل حدثنا محمد بن يوسف بن عبد الله بن يزيد الكندي عن السائب بن يزيد رضي الله تعالى عنه أنهم كانوا يقومون في زمن عمر بن الخطاب بإحدى عشرة ركعة يقرؤون في الركعة بالمأتين...... (حديث اسماعيل بن جعفر:١/٤٥٣/٤٣٧)

(۱۰) محمد بن إسحاق: وأخرج محمد بن نصر المروزي في قيام الليل من طريق محمد بن إسحاق: حدثني محمد بن يوسف عن جده السائب بن يزيد رضي الله تعالى عنه قال: كنا نصلي في زمن عمر رضي الله تعالى عنه في رمضان ثلاث عشرة ركعة.

(تحفة الأحوذي: ۲/۳٤۹، باب ما جاء في قيام شهر رمضان)

اس روایت کے بارے میں محدثِ اعظم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

یہ روایت مضطرب ہے اور جب تک کسی ایک طریق کو اصول وقواعد کے مطابق ترجیح یا تطبیق حاصل نہ ہوگی تب تک اس کو استدلال میں پیش کرنا درست نہیں ہوگا۔

قدمائے محققین نے دونوں صورتیں اختیار کی ہیں: چنانچہ ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۱ کو صحیح قرار دیا ہے اور گیارہ کو راوی کا وہم بتایا ہے اور تطبیق بھی دی ہے کہ پہلے گیارہ کا حکم رہا ہو پھر قیام میں تخفیف کے لئے گیارہ کے بجائے اکیس رکعتیں کردی گئی ہوں۔ (تحفۃ الاحوذی:۲/۷۴) اور زرقانی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تطبیق کو ترجیح دی ہے نیز امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس طرح جمع فرمایا ہے۔ (تحفۃ الاخیار:ص۱۹۱۔وزرقانی شرح مؤطا:۱/۲۱۵)

نیز حضرت سائب بن یزید کے شاگردوں میں سے (۱) عبد الرحمٰن ۲۰ رکعتیں نقل کرتے ہیں اور (۲) یزید بن خصیفہ کے دو شاگرد بھی ۲۰ رکعتیں نقل کرتے ہیں صرف اختلاف (۳) محمد بن یوسف کے شاگردوں میں ہے لہٰذا اب عبد الرحمٰن اور یزید بن خصیفہ کی روایت کو زیادہ قابلِ وثوق مان کر محمد بن یوسف کی روایت پر ترجیح دی جائے۔ یا محمد بن یوسف کی روایت کے اس طریق کو قابل اعتماد سمجھا جائے جو یزید اور عبد الرحمٰن کے ساتھ متفق ہیں یعنی داؤد بن قیس والا طریق اور دوسروں پر ترجیح دی جائے یا محمد بن یوسف کے تمام طرق میں علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تطبیق دی جائے تاکہ یزید اور عبد الرحمٰن کی روایات سے ٹکراؤ نہ ہو۔

بہرحال یہ روایات ترجیح یا تطبیق کے بغیر قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

(ملخص از رسالہ ۱۱ رکعات تراویح مناظرہ ا، ز مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی: ۷، ۹ آرام باغ کراچی)

ترجیح وتطبیق کے کچھ دلائل ملاحظہ فرمائیں:

الاستذکار میں ہے:

(وفي حديث مالك عن محمد بن يوسف عن السائب إحدى عشرة ركعة) وغير مالك رحمه الله تعالى يخالفه فيقول في موضع إحدى عشرة ركعة "إحدى وعشرين" ولا أعلم أحدًا قال في هذا الحديث إحدى عشرة ركعة غير مالك. والله أعلم.

إلا أنه يحتمل أن يكون القيام في أول ما عمل به عمر رضي الله تعالى عنه بإحدى عشرة ركعة ثم خفف عليهم طول القيام ونقلهم إلى إحدى وعشرين ركعة يخففون فيها القراءة يزيدون في الركوع والسجود إلا أن الأغلب عندي في إحدى عشرة ركعة الوهم.

(الاستذكار: ۲/۶۸، باب ما جاء في قيام رمضان، دار الكتب العلمية)

مؤطا کے حاشیہ میں ہے:

قال الزرقاني رحمه الله تعالى: ولا وهم مع أن الجمع بالاحتمال الذي ذكره قريب، وبه جمع البيهقي رحمه الله تعالى، وقوله "انفرد به مالك رحمه الله تعالى" ليس كما قال بل رواه سعيد بن منصور من وجه آخر عن محمد بن يوسف فقال: إحدى عشرة ركعة.

قلت: لكن قال العيني رحمه الله تعالى: روى في المصنَّف عن داؤد بن قيس وغيره عن محمد بن يوسف عن السائب بن يزيد أن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه جمع الناس في رمضان على أبي بن كعب رضي الله تعالى عنه وتميم الداري رضي الله تعالى عنه على إحدى وعشرين ركعة الحديث، وروى الحارث بن عبد الرحمن عن السائب بن يزيد قال: كان القيام على عهد عمر رضي الله تعالى عنه بثلث وعشرين ركعة، وروى محمد بن نصر في قيام الليل من رواية يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال: إنهم كانوا يقومون في عهد عمر رضي الله تعالى عنه بعشرين ركعة انتهى، والاختلاف هذا محمول على اختلاف الوتر.

(حاشية مؤطا الإمام مالك: برقم ۲ ص ص۹۸، ميرمحمد كتب خانه كراچی)

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تطبیق ملاحظہ فرمائیں:

ويمكن الجمع بين الروايتين، فانهم كانوا يقومون بإحدى عشرة ركعة، ثم كانوا يقومون بعشرين ويوترون بثلاث. والله أعلم.

(السنن الكبرى للبيهقي: ۲/۲۹۶، باب ماروى في عدد ركعات القيام في شهر رمضان، دار المعرفة بيروت)

اوجز المسالک میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قلت: والظاهر عندي ما رجحه ابن عبد البر رحمه الله تعالى، لأن جل الروايات نص في أنها كانت عشرين ركعة، لكن الوهم عندي فيه عن محمد بن يوسف، لأن نسبة الوهم إلى الإمام أبعد من النسبة إليهم، ويؤيده رواية سعيد بن منصور، وقد روى يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد: أنهم كانوا يقومون في عهد عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه

بعشرين ركعة ذكره في البذل. (أوجز المسالك: ٢/ ٥٢٨، باب ماجاء في قيام رمضان)

اعلاء السنن میں ہے:

والمحفوظ ما رواه يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال: "كانوا يقومون على عهد عمربن الخطاب رضي الله تعالى عنه في شهر رمضان بعشرين ركعة". أخرجه البيهقي وسنده صحيح وعزاه الحافظ في الفتح الى مالك أيضًا (٤: ٢١٩) فإن له شواهد كثيرة صحيحة۔ (اعلاء السنن: ٧/ ٨٤، باب التراويح)

یزید بن خصیفہ کی روایت کی تحقیق:

التعلیق الحسن میں ہے:

قلت: رجال إسناده كلهم ثقات ...... (ثم ذكر الرواة واحدًا بعد واحدٍ)وقال في آخره: قلت: هذا الأثر قد صحح إسناده غير واحد من الحفاظ كالنووي رحمه الله تعالى في الخلاصة وابن العراقي رحمه الله تعالى في شرح التقريب والسيوطي رحمه الله تعالى في المصابيح. (الحاوي للفتاوى: ١/ ٤١٧)۔

(آثار السنن: ٢٥١، رقم الحاشية: ٢٨٣، باب في التراويح بعشرين ركعات۔و شرح المهذب: ٤/ ٣٢، دار الفكر)

یزید بن خصیفہ پر اعتراض اور اس کا جواب:

اعتراض: بعض حضرات کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یزید بن خصیفہ کو منکر الحدیث کہا ہے؟

الجواب: سب سے پہلے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی زبانی یزید بن خصیفہ کے متعلق سنئے:

کتاب العلل ومعرفۃ الرجال میں ہے:

يزيد بن خصيفه ما أعلم إلا خيرًا. (كتاب العلل ومعرفة الرجال للإمام أحمد بن حنبل: ٢/ ٤٩٠/ ٣٢٣٢)

وقال الذهبي في سير أعلام النبلاء:

وثقه يحيى بن معين، وقال ابن سعد: كان ثبتًا، عابدًا، ناسكًا كثير الحديث.

قلت: توفي بعدا لثلاثين ومئة. (سير أعلام النبلاء: ٦/ ١٥٨)

وقال المزّي: قال أبوبكر الأثرم عن أحمد بن حنبل وأبوحاتم والنسائي: ثقة.

وقال أبوعبيد الآجري عن أبي داوٗد: قال أحمد: منكر الحديث وقال أحمد بن سعد بن أبي مريم: عن يحيى بن معين: ثقة حجة. (تهذيب الكمال في أسماء الرجل: ٣٢/ ١٧٣)

خود امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان کی توثیق مذکور ہے تو پھر دوسرے حضرات کا ان سے منکر الحدیث نقل کرنا درست نہیں جبکہ نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ، ابن معین رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔

محقق الدکتور بشار عواد معروف "منکر الحدیث" کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

هذا شيء لم يثبت عن أحمد رحمہ اللہ تعالیٰ فيما أرى، والله أعلم فقد تقدم قول الأثرم عنه، وفي العلل لابنه عبد الله، أنه قال: ما أعلم إلا خيرًا (۲/۳۵) وهو توثيق واضح. (تهذيب الكمال: ۳۲/۱۷۳، حاشية: ۱۷۳)۔ یا منکر الحدیث قلیل الروایۃ کے معنی میں ہیں۔ واللہ اعلم۔

امامتِ تراویح پر اجرت لینے کا حکم:

سوال: امامتِ تراویح پر اجرت یا ہدیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: تراویح پر اجرت یا ہدیہ لینا درست نہیں، اگر پہلے لینے کی نیت نہیں کی اور اتفاقاً لوگوں نے کچھ دے دیا تو اس کا لینا جائز ہے، علمائے دیوبند کا یہی فتویٰ ہے۔

شامی میں ہے:

وأن القراءة لشيء من الدنيا لاتجوز وأن الآخذ والمعطي آثمان لأن ذلك يشبه الاستئجار على القراءة ونفس الاستئجار عليها لايجوز فكذا ما أشبهه كما صرح بذلك في عدة كتب من مشاهير كتب المذهب وإنما أفتى المتأخرون بجواز الاستئجار على تعليم القرآن لاعلى التلاوة وعلّلوه بالضرورة وهي خوف ضياع القرآن ولاضرورة في جواز الاستئجار على التلاوة كما أوضحت ذلك في شفاء العليل وسيأتي بعض ذلك في باب الإجارة الفاسدة إن شاء الله تعالى. (شامي: ۲/۷۳، سعيد)

بعض مفتی حضرات فرماتے ہیں کہ یہ امامت پر اجرت ہے کیونکہ صرف قرآن کریم سنانا مقصود نہیں بلکہ امامت کے ضمن میں قرآن سنانا مقصود ہے تو یہ امامت مسنونہ پر اجرت ہے جیسے کوئی کسی کو جمعہ کے دن فجر کی نماز پڑھانے اور اس میں سورۂ الم سجدہ اور سورۂ دہر پڑھنے کے لئے کہہ دے تو یہ امامت اور اجرت جائز ہے اسی طرح یہ بھی جائز ہے، نیز تراویح کے امام کی شکل وصورت کا لحاظ رکھنا کہ داڑھی پوری ہو، شلوار و پاجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امامت مقصود ہے صرف قرآن سنانے کے لئے ہوتا تو یہ شرائط نہ ہوتے۔ نیز بظاہر اجرت بھی نہیں کیونکہ کوئی کچھ دیتے ہیں اور کوئی کچھ، کوئی کم ہدیہ پیش کرتے ہیں اور کوئی زیادہ، اجرت تو وہ ہے جو معروف یا مشروط ہو یہاں دینے کا عرف تو ہے لیکن مقدار میں بہت تفاوت ہوتا ہے۔

اس کی نظیر حدیث شریف میں ملاحظہ ہو:

عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أن رجلاً من كلاب سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن عسب الفحل فنهاه فقال: يارسول الله إنا نطرق الفحل فنكرم فرخص له في الكرامة. وقال الترمذي رحمه الله تعالى: وقد رخص قوم في قبول الكرامة على ذلك.

(رواه الترمذي وقال:هذاحديث حسن:۱/ ۲٤٠،باب ما جاء في كراهية عسب الفحل)

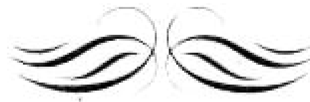
اس روایت سے معلوم ہوا کہ اجرت ممنوع ہے لیکن اکراماً جو ہدیہ دیا جائے اس کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

حافظ کا ختم تراویح میں رقم اور اجرت لینا اجرت علی الامامت ہے علی التلاوت نہیں۔

سوال: حفاظ تراویح میں ختم کرنے کے بعد جو رقم وغیرہ لیتے ہیں وہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب: فقہاءِ کرام نے تلاوت پر اجرت لینے کو ناجائز کہا ہے، لیکن ہمارے بلاد میں حفاظ تلاوت بھی کرتے ہیں اور امامت بھی کرتے ہیں، تو ان کی رقوم کو صرف تلاوت کا معاوضہ ٹھہرانا اور امامت سے خاموش رہنا بلا وجہ ہے اور اگر صرف تلاوت کو ملحوظ کیا جائے تو تلاوت سے کوئی تراویح خالی نہیں تو مطلق تراویح پر اجرت لینا ناجائز ہوگا۔ بہر حال حافظ کی اس رقم پر انکار کرنا ہندی مسئلہ ہے حنفی نہیں ہے، یہ اجرت علی الامامت ہے نہ علی محض التلاوۃ۔ واللہ اعلم۔ (فتاویٰ فریدیہ:۱/ ۲۰۷،مسائل شتیٰ)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم:

﴿"من نسی صلاة أو نام عنها فكفارتها أن يصليها إذا ذكرها"﴾

(رواه مسلم)

باب......﴿۱۱﴾

قضاء الفوائت

باب ……۱۱

قضا نمازوں کا بیان

تہجد کے وقت قضائے عمری پڑھنے کا حکم:

سوال: تہجد کے وقت تہجد پڑھنا بہتر ہے یا قضائے عمری بہتر ہے؟ جبکہ وقت تہجد کا ہے اور قضا کی اہمیت ہے۔

الجواب: قضائے عمری پڑھنا بہتر ہے، ہاں تہجد بھی ساتھ میں پڑھ لے تو نور علی نور ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

الاشتغال بقضاء الفوائت أولى وأهم من النوافل إلا سنن المفروضة وصلاة الضحى و صلاة التسبيح والصلاة التي رويت فيها الأخبار أي كتحية المسجد، والأربع قبل العصر والست بعد المغرب. (شامی: ۲/۷٤، باب قضاء الفوائت، سعید)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وفي الحجة: والاشتغال بالفوائت أولىٰ وأهم من النوافل إلا السنن المفروضه……

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۵۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۲٤۳، قديمي)

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

وقتیہ سننِ مؤکدہ کو نہ چھوڑنا چاہئے اور فوائت کو اوقاتِ فارغہ میں ادا کرنا چاہئے، اور یہ ظاہر ہے کہ ادائے فوائت اہم ہے لیکن اگر دونوں کام ہو سکیں کہ فوائت بھی پڑھے اور سنن مؤکدہ کو بھی نہ چھوڑے تو بہتر ہے۔

واللہ اعلم۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۳۴۴، دار الاشاعت۔ واحسن الفتاویٰ ۴/۱۹)

نماز فجر با جماعت قضا کرتے وقت جہر کرنے کا حکم:

سوال: نماز فجر فاسد ہوگئی قراءت میں فحش غلطی کی وجہ سے تو جماعت کے ساتھ قضا کرتے وقت جہر کریں گے یا نہیں؟

الجواب: اگر جماعت کے ساتھ جہری نماز کی قضا کریں تو جہراً قراءت کرنا ضروری ہے اور اگر انفرادی طور پر ہو تو جہر اور اخفاء میں اختیار ہے لیکن جہر بہتر ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

وأما بيان كيفية قضاء هذه الصلوات فالأصل أن كل صلاة ثبت وجوبها في الوقت وفاتت عن وقتها أنه يعتبرفي كيفية قضائها وقت الوجوب وتقضى على الصفة التي فاتت عن وقتها.

(بدائع الصنائع: ۱/۲۴۷، فصل في بيان حكم الصلاة إذا فسدت او فاتت عن وقتها، سعيد)

امداد الفتاح میں ہے:

وجهر الإمام بقراءة الفجر وأولي العشائين ولو قضاء لفعله ذلك في القضاء.

(امدادالفتاح: ص ۲۷۸، فصل في واجبات الصلاة۔ وكذافي الدرالمختار: ۱/۵۳۲، فصل في القراءة)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمنفرد بفرض مخير فيمايجهر فإن شاء جهر لأنه إمام نفسه ...... وجهره أفضل ليكون الأداء على هيئة الجماعة، وظاهرة، ولو قضاء نهاراً وهو مافي الكافي وغيره. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۲۵٤، في واجبات الصلاة۔ وكذافي الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۱، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت)

مسجد میں جماعت کے ساتھ قضا کرنے کا حکم:

سوال: اگر امام کی عصر کی نماز فاسد ہوئی مغرب کے وقت لوگ آئے اور امام کو بتلایا تو اب جماعت کے ساتھ مسجد میں عصر کی نماز کی قضا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ امرِ عام کی وجہ سے قضا کرنا ہے تو مسجد میں جماعت کے ساتھ درست ہے بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو کہ قضا کے بعد وقتیہ بھی پڑھ سکیں۔

ملاحظہ ہو الدر المختار میں ہے:

(ولافيما يقضى من الفوائت في مسجد) لأن فيه تشويشًا وتغليطًا، وفي الشامي: (قوله لأن فيه تشويشًا) إنما يظهر أن لو كان الأذان لجماعة ...... وفي الإمداد أنه إذا كان التفويت لأمر عام فالأذان في المسجد لايكره لإنتفاء العلة كفعله ليلة التعريس......

(الدرالمختار مع الشامي: ۱/۳۹۱، مطلب في اذان الجوق، سعيد كمپني)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الترتيب بين الفائتة والوقتية وبين الفوائت مستحق كذا في الكافي حتى لايجوز أداء الوقتية قبل قضاء الفائتة كذا في محيط للسرخسي. والله اعلم. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۱)

حرم شریف میں ظہر چھوڑ کر عصر کی جماعت میں شرکت کا حکم:

سوال: ایک شخص حنفی ہے اس نے ظہر کی نماز نہیں پڑھی حرم پہنچا تو عصر کی نماز ہو رہی تھی وہ صاحبِ ترتیب بھی نہیں ہے تو کیا وہ عصر کی نماز میں شرکت کریگا یا عصر چھوڑ کر ظہر کی نماز پڑھے گا؟

الجواب: سفر اور عذر کی وجہ سے عصر کی نماز مثلِ ثانی میں پڑھ سکتے ہیں لیکن صورتِ مسئولہ میں عصر کی تقدیم ظہر پر درست نہیں جبکہ ظہر کی ادا کا وقت ہے لہٰذا عصر پڑھ کر بلا وجہ ظہر قضا نہ کرے۔

ملاحظہ ہو تنویر الابصار میں ہے:

الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداء وقضاء لازم. وفي الشامي: (قوله أداء وقضاء) الواو بمعنى أو مانعة الخلو، فيشمل ثلاث صور: ما إذا كان الكل قضاء أو البعض قضاء والبعض أداء أو الكل أداء كالعشاء مع الوتر ودخل فيه الجمعة، فإن الترتيب بينها وبين سائر الصلوات لازم. (تنوير الأبصار مع الشامي: ۲/۶۵، باب قضاء الفوائت)

شامی میں ہے:

(ووقت الظهر من زواله ...... إلى بلوغ الظل مثليه) هذا ظاهر الرواية عن الإمام نهاية، وهو الصحيح بدائع ومحيط وينابيع وهو المختار غياثية، واختاره الإمام المحبوبي وعول عليه النسفي وصدر الشريعة تصحيح قاسم واختاره أصحاب المتون وارتضاه الشارحون.

(شامی: ۱/۳۵۹، سعید)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولايجوز اقتداء المفترض بالمفترض الآخر عند اختلاف الفرضين بأن كان أحدهما يصلي الظهر والآخر يصلي العصر. والله اعلم۔ (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۱/۸۹)

نماز کے وقت میں کسی عورت کو حیض آنے پر قضا کا حکم:

سوال: ایک عورت نے ظہر کی نماز اول وقت میں نہیں پڑھی یہاں تک کہ وقت کے اندر اس کو حیض آ گیا تو اب اس نماز کی قضا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں عورت پر نمازِ ظہر کی قضا واجب نہیں ہے، اس لئے کہ وجوبِ قضا کا تعلق آخری وقت سے ہے اور آخری وقت میں حائضہ تھی۔

ملاحظہ ہو تبیین الحقائق میں ہے:

والمعتبر فيه آخر الوقت أي المعتبر في وجوب الأربع أو الركعتين آخر الوقت فإن كان آخر الوقت مسافرًا وجب عليه ركعتان وإن كان مقيمًا وجب عليه الأربع، لأنه المعتبر في السببية عند عدم الأداء في أول الوقت، ولهذا لو بلغ الصبي أو أسلم الكافر أو أفاق المجنون أو طهرت الحائض أو النفساء في آخر الوقت تجب عليهم الصلاة وبعكسه لو حاضت أو جن أو نفست فيه لم تجب عليهم لفقد الأهلية عند وجود السبب.

(تبيين الحقائق: ۱/۲۱۵، باب صلاة المسافر)

درمختار میں ہے:

قوله والمعتبر في تغيير الفرض أي من قصر إلى إتمام وبالعكس قوله وهو أي آخر الوقت قدر ما يسع التحريمة كذا في الشرنبلالية والبحر والنهر ...... والحاصل أن السبب هو الجزء الذي يتصل به الأداء أو الجزء الأخير إن لم يؤد قبله وإن لم يؤد حتى خرج الوقت فالسبب هو كل الوقت. قال في البحر: وفائدة إضافته إلى الجزء الأخير اعتبار حال المكلف فيه، فلو بلغ الصبي أو أسلم كافر أو أفاق مجنون، أو طهرت الحائض أو النفساء في آخره لزمتهم الصلاة ولو كان الصبي قد صلاها في أوله و بعكسه لو جن أو حاضت أو نفست فيه لفقد الأهلية عند وجود السبب. (الدر المختار: ۲/۱۳۱، باب صلاة المسافر، سعيد)

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۲/۱۳۷، باب المسافر، کوئٹہ۔ و حاشية تبيين الحقائق: ۱/۲۱۵)۔ واللہ اعلم۔

قضاء نمازوں میں چار یا اس سے کم رہ جانے پر عودِ ترتیب کا حکم:

سوال: قضاء شدہ نمازیں دس تھیں لیکن پڑھتے پڑھتے چار رہ گئیں تو اب وہ صاحبِ ترتیب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں دو قول ہیں اور اصح یہ ہے کہ جب تک تمام نمازیں ادا نہ کرلیں ترتیب لوٹ کر نہیں آئے گی جب سب ادا کرلے تو پھر سے صاحبِ ترتیب ہو جائے گا۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

(عاد الترتيب عند البعض وهو الأظهر) خلاف ما اختاره شمس الأئمة رحمہ اللہ تعالیٰ

وفخر الإسلام رحمه الله تعالى وصاحب المحيط رحمه الله تعالى وقاضيخان رحمه الله تعالى وصاحب المغنى رحمه الله تعالى والكافى رحمه الله تعالى وغيرهم وما استدل به عن محمد رحمه الله تعالى فيه نظر ...... فالأصح أن الترتيب إذا سقط لايعود كماء نجس دخل عليه ماء جار حتى سال ثم عاد قليلاً لم يعد نجسًا، فلذا صحح فى الكافى أنه لايعود. (فتح القدير: ۱/۴۹۳، باب قضاء الفوائت، دار الفكر)

شرح نقایہ میں ہے:

ومتى سقطت الترتيب لايعود فى أصح الروايات حتى لوترك صلاة شهر وقضاها إلاصلاة ثم صلى الوقتية ذاكرًا لهاجاز. (شرح النقاية: ۱/۲۵۶)

امداد الفتاح میں ہے:

ولم يعد الترتيب بين الفوائت التى كانت كثيرة بعودها إلى القلة بقضاء بعضها كذا فى الكنز لأن الساقط قد تلاشى فلايحتمل العود فى أصح الروايتين، قال أبو حفص الكبير رحمه الله تعالى: وعليه الفتوى وهو اختيار شمس الأئمة رحمه الله تعالى وفخر الإسلام رحمه الله تعالى وقاضيخان رحمه الله تعالى وصاحب المحيط رحمه الله تعالى والمغنى رحمه الله تعالى وغيرهم وفى المجتبى وهو الأصح، وقال بعضهم يعود الترتيب ...... ولكن علمت أن الأكثر على أنه لايعود الترتيب فأتبعناه خصوصًا وقد قال الزيلعى رحمه الله تعالى: ولادلالة فيما استدل به صاحب الهداية على عود الترتيب.

(امداد الفتاح: ۸۴۹، الساقط لايعود۔ وكذا فى النهر الفائق: ۱/۳۸۱۔ وكذا فى الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۲۔ وكذا فى البحر الرائق: ۲/۸۶، باب قضاء الفوائت۔ وكذا فى الجوهرة النيرة: ۱/۸۰)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جب بہت سی نمازیں یعنی چھ یا اس سے زیادہ نماز قضا ہوجانے کی وجہ سے ترتیب ساقط ہوگئی تو اصح یہ ہے کہ ترتیب عود نہیں کرتی یہی معتمد ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

(عمدۃ الفقہ حصہ دوم کتاب الصلاۃ: ۳۵۴، قضا نمازوں کو پڑھنے کا بیان)

کثرتِ فوائت کی وجہ سے سننِ رواتب کی جگہ قضاءِ فوائت کا حکم:

سوال: ایک شخص کے ذمہ بہت زیادہ قضا نمازیں ہیں جنکا پڑھنا بے حد دشوار ہے اگر وہ بجائے سنتوں کے قضا نماز پڑھ لیا کرے تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: قضاءِ فوائت کی اہمیت اگر چہ زیادہ ہے تب بھی فقہاء نے سنن رواتب کا ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں فرائض کے بعد سنتیں پڑھے اور نفل کی جگہ فوائت پڑھ لے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

الاشتغال بقضاء الفوائت أولیٰ وأهم من النوافل إلا السنن المفروضة.

(شامی: ۲/۷٤، سعید۔ و کذا فی الهندیة: ۱/۱۲۵۔ و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲٤۳، قدیمی)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

قضا نمازیں پڑھنے کے لئے سنتِ مؤکدہ اور تراویح نہ چھوڑیں بلکہ حضراتِ فقہاء نوافلِ ماثورہ مثل چاشت، اوابین اور صلاۃ التسبیح وغیرہ کو بھی قضا پر مقدم فرماتے ہیں مگر یہ اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ اسبابِ ظاہرہ کے پیشِ نظر موت سے قبل نمازوں سے سبکدوشی کی توقع ہو اگر قضا نمازیں بہت زیادہ ہیں اور عمر کم نظر آرہی ہے تو اصولاً نوافل پر قضا کو ترجیح دینا لازم ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۱۹)

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

وقتیہ سنن مؤکدہ کو نہ چھوڑنا چاہئے اور فوائت کو اوقات فارغہ میں ادا کرنا چاہئے اور یہ ظاہر ہے کہ قضاءِ فوائت اہم ہے لیکن اگر دونوں کام ہوسکیں کہ فوائت بھی پڑھے اور سننِ مؤکدہ کو بھی نہ چھوڑے تو یہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم دیوبند: ٤/٣٤٤)

۲۳ سالہ نمازوں کی قضا کا حکم:

سوال: ایک شخص نے مسقط میں خارجی اباضی کے پیچھے ۲۳ سال نمازیں پڑھیں، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لوگ سری نماز میں سورت نہیں ملاتے، اب ۲۳ سال کی سری نمازوں کی قضاء ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ۲۳ سالہ نمازوں کی قضاء لازم نہیں۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن كان تركه الواجب عمدًا أثم ووجب عليه إعادة الصلاة تغليظًا عليه لجبر نقصها فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولى وقيل تكون الثانية فهي المسقطة فإن لم يعدها حتى خرج الوقت سقطت عنه مع كراهة التحريم هذا هو المعتمد.

(مراقی الفلاح علی حاشیة الطحطاوی: ٤٦٢، باب سجود السهو، قدیمی)

عالمگیری میں ہے:

وتجب قراء ة الفاتحة وضم السورة أوما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة فی الأوليين بعد الفاتحة كذا فی النهر الفائق. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۷۱)

شامی میں ہے:

إن تيقن المراعاة لم يكره أی المراعاة فی الفرائض من شروط وأركان فی تلك الصلاة وإن لم يراع فی الواجبات والسنن كما هو ظاهر سياق كلام البحر. (شامی: ۱/ ۵۶۳، سعید)

امداد الفتاویٰ میں ہے: (اقتداء بغیر مقلد)۔

شامی کی عبارت کے بعد لکھا ہے کہ مراعات کا محل صرف فرائض ہیں۔ واللہ اعلم۔ (امداد الفتاویٰ: ۱/ ۲۵۰)

عمداً نماز ترک کرنے پر قضا کا حکم:

سوال: کسی نے عمداً نماز ترک کردی اس پر قضا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جمہور کے نزدیک قضا واجب ہے بعض ظاہریہ کا اس میں اختلاف ہے۔

قال ابن حزم فی المحلی:

"فإذا نسی أحدكم صلاة أونام عنها فليصلها إذا ذكرها" وأما من تعمد ترك الصلاة حتى خرج وقتها فهذا لايقدر على قضائها أبدًا فليكثر من فعل الخير وصلاة التطوع ليثقل ميزانه يوم القيامة وليتب وليستغفر الله عزوجل وقال أبو حنيفة رحمه الله تعالى ومالك رحمه الله تعالى والشافعی رحمه الله تعالى يقضيها بعد خروج الوقت...... (المحلی: ۲/ ۲۳۵)

بداية المجتهد میں ہے:

وأما تاركها عمدًا حتى خرج الوقت فإن الجمهور على أنه آثم وأن القضاء عليه واجب، وذهب بعض أهل الظاهر إلى أنه لايقضی فإنه آثم وأحد من ذهب إلى ذلك أبو محمد بن حزم وسبب اختلافهم اختلافهم في شيئين: أحدهما فی جواز القياس فی الشرع، والثانی فی قياس العامد على الناسی، إذا سلم جواز القياس فمن رأى أنه وجب القضاء على الناسی الذی قد عذره الشرع فی أشياء كثيرة فالمعتمد أحرى أن يجب عليه لأنه غير معذور أوجب القضاء عليه ومن رأى أن الناسی والعامد ضدان والأضداد لايقاس بعضها على بعض إذ أحكامها مختلفة وإنما تقاس الأشباه، لم يجز قياس العامد على الناسی، والحق فی هذا أنه إذا جعل الوجوب من باب التغليظ كان القياس سائغًا، وأما ان جعل من باب الرفق بالناسی

والعذر له وأن لايفوته ذلك الخير فالعامد في هذا ضد الناسي والقياس غير سائغ لأن الناسي معذور والعامد غير معذور.

والأصل أن القضاء لايجب بأمر الأداء وإنما يجب بأمر مجدد على ماقال المتكلمون لأن القاضي قد فاته وهو الوقت إذا كان شرطاً من شروط صحة والتأخير عن الوقت في قياس التقديم عليه لكن قد ورد الأثر بالناسي والنائم وتردد العامد بين أن يكون شبيهًا أو غير شبيه والله الموفق للحق. (بداية المجتهد: ۱/۱۳۲)

وتعقب ابن عبد البر كلام ابن حزم فأجاب عنه وأنكر عليه أشد الإنكار فهذا بعض ما احتج به عبد البر في كتابه الاستذكار:

(۱) وهو أن رسول الله ﷺ لم يصل هو ولا أصحابه يوم الخندق صلاة الظهر والعصر حتى غربت الشمس لشغله بما نصبه المشركون له من الحرب ولم يكن يومئذٍ ناسيًا ولا نائمًا ولا كانت بين المسلمين والمشركين يومئذٍ حرب قائمة ملتحمة، وصلى رسول الله ﷺ الظهور والعصر في الليل.

(۲) ودليل آخر وهو أن رسول الله ﷺ قال بالمدينة لأصحابه يوم انصرافه من الخندق "لايصلين أحدكم العصر إلا في بني قريظة فخرجوا متبادرين وصلى بعضهم العصر في طريق بني قريظة خوفًا من خروج وقتها المعهود ولم يصلها بعضهم إلا في بني قريظة بعد غروب الشمس فلم يعنف رسول الله ﷺ إحدى الطائفتين وكلهم غير ناس ولا نائم وقد أخّر بعضهم الصلاة حتى خرج وقتها ثم صلاها وقد علم رسول الله ﷺ ذلك فلم يقل لهم أن الصلاة لاتصلى إلا في وقتها ولاتقضى بعد خروج وقتها.

(۳) ودليل آخر وهو قوله ﷺ سيكون بعدي أمراء يؤخّرون الصلاة عن ميقاتها قالوا أفنصليها معهم قال نعم. (وأتى بسنده الصحيح).

وقال: وفي هذا الحديث أن رسول الله ﷺ أباح الصلاة بعد خروج ميقاتها ولم يقل إن الصلاة لاتصلى إلا في وقتها. والأحاديث في تأخير الأمراء الصلاة حتى يخرج وقتها كثيرة جدًا وقد كان الأمراء من بني امية أو أكثرهم يصلون الجمعة عند الغروب.

(الإستذكار: ۱/۳۰۳، ۳۰۴، بيروت)

وتمسك الجمهور أيضًا بهذه الوجوه:

(۱) ما يستفاد من قوله ﷺ المذكور أعني "من نسي صلاة أونام عنها فليصليها إذا ذكرها لا كفارة لها إلا ذلك".

(الف) فيكون من باب التنبيه بالأدنىٰ على الأعلى لأنه إذ أوجب القضاء على الناسي مع سقوط الإثم والحرج عنه فالعامد أولىٰ.

(باء) لأنه لغفلته عنها بجهله وعدمه كالناسي ومتى ذكر تركه لها لزمه قضائها.

(جيم) والكفاره إنما تكون من الذنب والنائم والناسي لاذنب له وإنما الذنب للعامد.

(إكمال المعلم: ۲/۶۷۱)

واستضعف إبن حجر رحمه الله تعالىٰ في الفتح هذه الوجوه ورجّح الوجه الثاني:

وهو ما يستفاد من قوله ﷺ: "فدين الله أحق أن يقضى" فالمعتمد قد خوطب بالصلاة ووجب عليه تأديتها فصارت ديناً عليه والدين لايسقط إلا بأدائه. (فتح الباري: ۲/۷۱)

(۲) تمسكوا أيضا بقياس تارك الصلاة عامدا على تارك الصوم عامدا:

فقال ابن عبد البر رحمه الله تعالىٰ:

وسوى الله تعالى في حكمه على لسان نبيه ﷺ بين حكم الصلاة الموقوتة والصيام الموقوت في شهر رمضان بأن كل واحد منهما يقضى بعد خروج وقته.

فنص على النائم والناسي في الصلاة لما وصفنا ونص على المريض والمسافر في الصوم، وأجمعت الأمّة ونقلت الكافة فيمن لم يصم رمضان عامدًا وهو مؤمن بفرضه وإنما تركه أشرًا وبطرًا تعمد ذلك ثم تاب عنه أن على قضائه فكذلك من ترك الصلاة عامدًا......

وإذا كان النائم والناسي للصلاة وهما معذوران بقضائها بعد خروج وقتها كان المعتمد لتركها المأثوم في فعله ذلك أولىٰ بأن لايسقط عنه فرض الصلاة وأن يحكم عليه بالإتيان بها.

(الاستذكار: ۱/۳۰۱)

ومن شرائط التوبة أداء حقوق الله وحقوق العباد الواجبة على المكلف فمن ترك الصلاة ثم يتوب فعليه أن يقضى الصلاة المتروكة لإتمام توبته وتكميل استغفاره. والله اعلم.

سنن کی قضاء کا حکم:

سوال: سنتوں کی قضا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: سنتوں کی قضا نہیں ہے مگر فجر کی سنت جب فرض کے ساتھ قضاء کرے زوال سے پہلے اور ظہر کی سنتِ قبلیہ فرض کے بعد پڑھ سکتے ہیں ان دونوں کے علاوہ اور سنتوں کی قضاء ثابت نہیں۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: عرسنا مع النبی ﷺ فلم نستيقظ حتى طلعت الشمس ...... ثم دعا بماء فتوضأ ثم سجد سجدتين ثم أقيمت الصلاة فصلى الغداة.

(رواه مسلم: ۱/۲۳۸، باب قضاء الصلاة الفائتة)

ابن ماجہ میں ہے:

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: كان رسول الله ﷺ إذا فاتته الأربع قبل الظهر صلاها بعد الركعتين بعد الظهر. (راه ابن ماجه: ۸۰، باب من فاتته الأربع قبل الظهر)

تبیین الحقائق میں ہے:

لم تقض سنة الفجر إلا تبعًا للفرض إذا فاتت مع الفرض وقضاها مع الجماعة أو وحده لأن القياس فی السنة أن لا تقضى لاختصاص القضاء بالواجب لكن ورد الخبر بقضائها قبل الزوال تبعاً للفرض وهو ماروی أنه عليه الصلاة والسلام قضاها مع الفرض غداة ليلة التعريس بعد ارتفاع الشمس فيبقى مارواه على الأصل وفيما بعد الزوال اختلف المشايخ ...... وأما غيرها من السنن فلا تقضى وحدها بعد الوقت واختلفوا فی قضائها تبعًا للفرض، وقضى اللتی قبل الظهر فی وقته أی وقت الظهر قبل شفعه أی قبل الركعتين اللتين بعد الفرض وهذا عند محمد رحمه الله تعالیٰ وعندهما يبدأ بالركعتين ثم يقضى الأربع ...... والله اعلم.

(تبيين الحقائق: ۱/۱۸۳، باب ادراك الفريضة، امدادية۔ وكذا فی مجمع الأنهر باب ادراك الفريضة۔ وكذا فی الهداية: ۱/۱۵۲، باب ادراك الفريضة۔ وكذا فی امداد الفتاوی: ۱/۳۳۷، باب قضاء الفوائت)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"إذا لم یدر أزاد أم نقص فلیسجد سجدتین وھو جالس"﴾

(مصنف ابن أبی شیبة)

باب ..... ﴿۱۲﴾

سجدۂ سہو کا بیان

باب ۱۲

سجدۂ سہو کا بیان

تکرارِ فاتحہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سورۂ فاتحہ کی بعض آیات مکرر پڑھ لیں تو سجدۂ سہو واجب ہے یا اعادۂ صلاۃ ہے؟

الجواب: اگر تکرارِ فاتحہ سہواً ہو تو سجدۂ سہو واجب ہے، اور اگر عمداً ہو تو نماز واجب الاعادہ ہے لیکن کتنی تکرار موجبِ سہو یا سببِ اعادہ ہے تو شامی میں اکثر فاتحہ اور طحطاوی میں بعض کا ذکر ہے دونوں میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ بعض سے اکثر یعنی نصف سے زائد مراد لیا جائے اس میں آسانی ہے لہٰذا اگر نصف سے زائد کو سہواً مکرر کیا تو سجدۂ سہو واجب ہے اور قصداً کیا تو اعادہ واجب ہوگا۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

ولو كرر الفاتحة أوبعضها في إحدى الأوليين قبل السورة سجد للسهو.

(طحطاوي على مراقي الفلاح: ٤٦٠، باب سجود السهو، قديمي)

شامی میں ہے:

قوله وكذا ترك تكريرها: فلو قرأها في ركعتين من الأوليين مرتين وجب سجود السهو لتأخير الواجب وهو السورة كما في الذخيرة وغيرها، وكذا لوقرا أكثرها ثم أعادها كما في الظهيرية. (شامي: ١/٤٦٠، سعيد)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر فرض کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورت ملانے سے پہلے الحمد دوبارہ پڑھے یا دوسری دفعہ آدھی سے زیادہ پڑھ لے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/۳۶۴، مجددیہ)

سورۂ فاتحہ کی کسی ایک آیت کے تکرار سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے کسی وجہ سے سورۃ فاتحہ کی کسی ایک آیت کا تکرار نماز میں کرلیا تو کیا سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: سورۃ فاتحہ کے کسی ایک آیت کے تکرار سے نماز صحیح ہے سجدہ سہو واجب نہیں، ہاں اکثر فاتحہ کی تکرار موجب سجدۂ سہو ہے، اس قول میں آسانی ہے لہذا ایک آیت کی تکرار سے سجدۂ سہو واجب نہ ہونا چاہئے۔

ملاحظہ ہو رد المحتار میں ہے:

(قوله وكذا ترك تكريرها) فلوقرأها في ركعة من الأوليين مرتين وجب سجود السهو لتاخير الواجب وهوالسورة كما في الذخيرة وغيرها، وكذا لوقرأ أكثرها ثم أعادها كما في الظهيرية. (رد المحتار:١/٤٦٠، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

ولوقرأ الفاتحة مرتين يجب عليه السجود لتأخير السورة كذا في الذخيرة وغيرها ...... وقراءة أكثر الفاتحة ثم إعادتها كقراءتها مرتين كما في الظهيرية. (البحرالرائق: ٢/٩٤، كوئٹه)

عمدۃ الفقہ میں مذکور ہے:

اگر فرض کی پہلی دونوں رکعتوں میں سورۃ ملانے سے پہلے سورۂ فاتحہ دوبارہ پڑھے یا دوسری دفعہ آدھی سے زیادہ پڑھ لے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ :۲/۲۶۴، مجددیہ)

دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: نماز میں واجب چھوٹ گیا پھر سلام پھیرنے کے بعد یاد آیا تو سجدۂ سہو کرے گا یا نماز کا اعادہ کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر نماز کے بعد اسی جگہ پر بیٹھا ہے اور بات چیت بھی نہیں کی یعنی مفسدِ صلاۃ کوئی امر پیش نہیں آیا تو سجدۂ سہو کر لے نماز درست ہو جائے گی، لیکن اگر مفسدِ صلاۃ کوئی کام کر لیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ويسجد للسهو ولومع سلامه ناويًا للقطع لأن نية تغيير المشروع لغومالم يتحول عن القبلة أويتكلم لبطلان التحريمة ولونسي السهو أوسجدة صلبية أوتلاوية يلزمه ذلك ما دام في المسجد. وفي الشامي: (قوله لبطلان التحريمة) أي بالتحول أو التكلم، وقيل لايقطع بالتحول مالم يتكلم أويخرج من المسجد كما في الدررعن النهاية، إمداد(قوله ولو نسي السهو) ...... وهي مالو كان عليه سهوية فقط ...... ففي هذه كلها إذا سلم ناسيًا لما عليه كله

أولما سوى السهوية لايعد سلامه قاطعًا، فإذا تذكر يلزمه ذلك الذى تذكره ...... (قوله مادام فى المسجد) أى وإن تحول عن القبلة استحساناً لأن المسجد كله فى حكم مكان واحد ولذا صح الاقتداء فيه وإن كان بينهما فرجة، وأما إذاكان فى الصحراء فإن تذكرقبل أن يجاوزالصفوف من خلفه أويمينه أويساره عاد إلى قضاء ماعليه،لأن ذلك الموضع ملحق بالمسجد، وإن مشى أمامه فالأصح اعتبارموضع سجوده أوسترته إن كان له سترة بين يديه كما فى البدائع والفتح ...... فى البدائع من أن السجود لايسقط بالسلام ولوعمدًا إلا إذا فعل فعلًا يمنعه من البناء بأن تكلم أوقهقه أوأحدث عمدًا أو خرج من المسجد أوصرف وجهه عن القبلة وهوذاكرله لأنه فات محله وهوتحريمة الصلاة فسقط ضرورة فوات محله.

(الدر المختارمع الشامي:۲/۹۱، باب سجود السهو،سعيد)

نیز ملاحظہ ہو: (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح:۴۷۶، باب سجود السهو،قديمى۔ بهشتى زيور ۲/۱۶۰۔ احسن الفتاوى:۴/۴۶)۔ واللہ اعلم۔

حالتِ قیام میں فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھ لینے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر قیام میں فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، پہلی، تیسری اور چوتھی میں سورۂ فاتحہ سے پہلے تشہد پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب نہیں۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

إن قرأ (التشهد) فى قيام الأولى قبل الفاتحة أوفى الثانية بعد السورة أوفى الأخريينِ مطلقًا لا سهو عليه وإن قرأ فى الأوليين بعد الفاتحة والسورة أوفى الثانية قبل الفاتحة وجب عليه السجود لأنه أخّرواجبًا. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ۴۶۱، باب سجود السهو۔ وكذا فى تبيين الحقائق: ۱/۱۹۳۔ وشرح منية المصلى: ۴۶۰۔ والفتاوى الهندية: ۱/۱۲۷)

قعدہ میں تشہد کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: کسی نے التحیات کی جگہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تشہد کی جگہ فاتحہ یا قراءت کر لی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإذا قرأ الفاتحة مكان التشهد فعليه السهو وكذلك إذا قرأ الفاتحة ثم التشهد كان عليه السهو كذا روى عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ فى الواقعات الناطفية وذكرهناك إذا بدأ فى موضع التشهد بالقراءة ثم تشهد فعليه السهو. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ١٢٧/١، الباب الثانى عشرفى سجود السهو۔ وكذا فى امداد الفتاح: ٥١٠، باب سجود السهو، بيروت۔ وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ٤٦١، باب سجود السهو، قديمى۔ فتاوى رحيميه: ٢٤٢/١)

سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم؟

سوال: اگر کسی حافظ نے نمازِ تراویح میں سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تکرارِ فاتحہ ضمِ سورت کے بعد ہے لہذا سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو قرأ الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة لايلزمه السهو وقيل يلزمه.

(شرح منية المصلى: ٤٦٠، سهيل)

الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولو قرأ فيهما الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة ساهيًا لم يجب عليه سهو وصار كأنه قرأ سورة طويلة. والله اعلم.

(الجوهرة النيرة: ٩٢، باب سجود السهو، امدادية ملتان۔ وكذا فى الفتاوى الهندية: ١٢٦/١۔ وفتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ١٢١/١۔ والدرالمختار: ٤٢٩/١، سعيد)

قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے سنتِ مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں درود شریف پڑھا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: سننِ مؤکدہ کے قعدۂ اولیٰ میں بھول سے درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، البتہ سننِ مؤکدہ میں جمعہ کی بعد والی چار رکعت کا حکم مختلف ہے چونکہ ان چار رکعت کو ایک سلام سے پڑھنا لازم نہیں اس لئے اگر درود شریف قعدۂ اولیٰ میں پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولایصلی علی النبی ﷺ فی القعدة الأولیٰ فی الأربع قبل الظهر والجمعة وبعدها لو صلی ناسیًا فعلیه السهو، وقیل لا (وفی الشامیة) أقول: قال فی البحر فی باب صفة الصلاة إن ما ذکر مسلم فیما قبل الظهر لما صرحوا به من أنه لاتبطل شفعة الشفیع بالانتقال إلی الشفع الثانی منها، ولو أفسدها قضی أربعا، والأربع قبل الجمعة بمنزلتها، وأما الأربع بعد الجمعة فغیر مسلم فإنها کغیرها من السنن، فإنهم لم یثبتوا لها تلك الأحکام المذکورة ومثله فی الحلیة وهذا مؤید لما بحثه الشرنبلالی من جوازها بتسلیمتین لعذر ...... (قوله وقیل لا) قال فی البحر: ولایخفی ما فیه، والظاهر الأول. واللہ اعلم.

(الدر المختار مع الشامی: ۲/۱٦، باب الوتر والنوافل، سعید۔ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۵۱، واجبات الصلاة، قدیمی۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/۱۲۷، سجود السهو۔ وأحسن الفتاوی: ٤/۲۹، باب سجود السهو)

سری نماز میں کچھ جہری قراءت کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: منفرد اگر سری نماز میں جہر سے دو آیتیں یا تین آیتیں پڑھ لے تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں اور اگر امام ایسا کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں منفرد پر سجدۂ سہو نہیں ہے ہاں امام نے تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت جہر سے پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ولو جهر الإمام فیما یخافت أو خافت فیما یجهر تلزمه سجدتا السهو لأن الجهر فی موضعه والمخافتة فی موضعها من الواجبات واختلفت الروایة فی المقدار والأصح قدر ما تجوز به الصلاة فی الفصلین لأن الیسیر من الجهر والإخفاء لایمکن الاحتراز عنه وعن الکثیر یمکن إلی قوله ...... وهذا فی حق الإمام دون المنفرد لأن الجهر والمخافتة من خصائص الجماعة.

(الهدایة: ۱/۱۵۸۔ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۱۲۔ وکذا فی شرح العنایة علی الهدایة: ۱/۵۰۵۔ والشامی: ۲/۱۸، باب سجود السهو، سعید)

درمختار میں ہے:

ولو قرأ آیة طویلة فی الرکعتین فالأصح الصحة اتفاقا لأنه یزید علی ثلاث آیات قصار قاله الحلبی ...... وفی الشامی: (قوله لأنه یزید علی ثلاث آیات) تعلیل للمذهبین لأن نصف الآیة الطویلة إذا کان یزید علی ثلاث آیات قصار یصح علی قولهما فعلی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالی

المكتفي بالآية أولى. قال في البحر: وعلم من تعليلهم أن كون المقروء في كل ركعة النصف ليس بشرط بل يكون البعض يبلغ مايعد بقراء ته قارئًا عرفًا ...... وفي التاتارخانية والمعراج وغيرهما: لوقرأ آية طويلة كآية الكرسي أو المداينة البعض في ركعة والبعض في ركعة اختلفوا فيه على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى ...... وعامتهم على أنه يجوز لأن بعض هذه الآيات يزيد على ثلاث قصار أويعدلها فلاتكون قراء ته أقل من ثلاث آيات ...... وقدرها من حيث الكلمات عشر، ومن حيث الحروف ثلاثون...... والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۵۳۷، فصل فی القراءة)

مسبوق امام کے ساتھ سہواً سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: مسبوق اگر امام کے ساتھ سہواً یعنی بھول کر سلام پھیر دے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: مسبوق نے امام کے سلام کے ساتھ سلام پھیرا یا امام کے سلام سے پہلے تو سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور اگر امام کے سلام کے بعد سلام پھیرا ہے تو سجدۂ سہو واجب ہے اور عامۃً امام کے بعد ہی سلام پھیرتے ہیں لہٰذا سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

درمختار میں ہے:

ولو سلم ساهيًا إن بعد إمامه لزمه السهو وإلا لا ...... وفي الشامي: (قوله وإلا لا) أي وإن سلم معه أوقبله لايلزمه لأنه مقتد في هاتين الحالتين، وفي شرح المنية عن المحيط إن سلم في الأولى مقارنًا لسلامه فلا سهو عليه لأنه مقتد به،وبعده يلزم لأنه منفرد ثم قال: فعلى هذا يراد بالمعية حقيقتها وهونادر الوقوع، قلت: يشير إلى أن الغالب لزوم السجود لأن الغالب عدم المعية وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس فليتنبه له.

(الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۵۵۹، سعید۔و کذا فی الطحطاوی: ۱/ ۲۵۵)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولايسلم مع سلام الإمام لأن هذا السلام للخروج عن الصلاة وقد بقي عليه أركان الصلاة فإذا سلم مع الإمام فإن كان ذاكرًا لما عليه من القضاء فسدت صلاته لأنه سلام عمد وإن لم يكن ذاكرًا له لاتفسد لأنه سلام سهو فلم يخرجه عن الصلاة وهل يلزمه سجود السهو لأجل سلامه ينظر إن سلم قبل تسليم الإمام أوسلما معًا لايلزمه لأن سهوه سهو المقتدي

وسهو المقتدي متعطل وإن سلم بعد تسليم الإمام لزمه لأن سهوه سهو المنفرد فيقضي مافاته ثم يسجد للسهو في آخر صلاته. والله اعلم. (بدائع الصنائع: ۱/۱۷۶،سعید)

پہلی رکعت میں سورت نہ ملانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی تین رکعت فوت ہوگئی امام کے سلام کے بعد ادا کرتا ہے تو پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت نہیں ملائی اس کے بعد دونوں رکعتوں میں سورت ملائی تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ امام کے سلام کے بعد مسبوق جو پہلی رکعت ادا کرتا ہے اس میں ضم سورت ضروری ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سہواً ترک کرنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہے اور نماز درست ہوجائے گی۔

ردالمحتار میں ہے:

(قوله ويقضي أول صلاته في حق قراءة الخ) هذا قول محمد رحمه الله تعالى كما في مبسوط السرخسي، وعليه اقتصر في الخلاصة وشرح الطحاوي والاسبيجابي والفتح والدرر والبحر وغيرهم وذكر الخلاف كذلك في السراج لكن في صلاة الجلابي أن هذا قولهما وتمامه في شرح إسماعيل. وفي الفيض عن المستصفى: لو أدركه في ركعة الرباعي يقضي ركعتين بفاتحة وسورة وتشهد ثم ركعتين أولاهما بفاتحة وسورة وثانيتهما بفاتحة خاصة، وظاهر كلامهم اعتماد قول محمد رحمه الله تعالى. (رد المحتار: ۱/۵۹۶، احکام المسبوق، سعید)

ردالمحتار میں ہے:

(قوله في الأوليين) تنازع فيه قراءة وضم في قول المصنف قراءة فاتحة الكتاب وضم سورة لأن الواجب في الأوليين كل منهما فافهم.

(رد المحتار: ۱/۴۵۹، باب الواجبات۔وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/۷۱، الفصل الثانی فی واجبات الصلاۃ)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا يجب السجود إلا بترك واجب أو تأخيره أو تأخير ركن أو تقديمه أو تكراره أو تغيير واجب بأن يجهر فيما يخافت وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد وهو ترك الواجب، كذا في الكافي. والله اعلم. (الفتاوی الهندية: ۱/۱۲۶)

فرض کی تیسری رکعت میں سورت شروع کرنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے فرض کی تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت شروع کردی پھر یاد آنے پر چھوڑ دی تو نماز کا کیا حکم ہے سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: فرض کی تیسری رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا مسنون ہے سورت ملانا خلافِ اولیٰ اور مکروہ ہے، البتہ اس کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وإن كانت تلك الصلاة فريضة ثلاثية أو رباعية فهو مخير فيما بعد الأوليين والقراءة أفضل وإن قرأ يقرأ الفاتحة فحسب ولا يزيد عليها شيئًا لما في البخاري من حديث أبي قتادة رضي الله تعالى عنه "أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقرأ في الظهر في الأوليين بأم القرآن وسورتين وفي الركعتين الأخريين بأم الكتاب" الحديث. فإن ضم السورة إلى الفاتحة ساهيًا ...... في أظهر الروايات لا يجب عليه سجود السهو لأن القراءة فيهما مشروعة من غير تقدير والتقييد بالفاتحة مسنون لا أن الاقتصار عليها واجب. (شرح منية المصلي: ص ۳۳۱، سهيل اكيدمي)

شامی میں ہے:

وهل يكره في الأخريين؟ المختار لا أي لا يكره تحريمًا بل تنزيهًا لأنه خلاف السنة ...... وفي البحر عن فخر الإسلام أن السورة مشروعة في الأخريين نفلاً، وفي الذخيرة: أنه المختار، وفي المحيط: وهو الأصح. والظاهر أن المراد بقوله نفلاً الجواز، والمشروعية بمعنى عدم الحرمة فلا ينافي كونه خلاف الأولى كما أفاده في الحلية. والله اعلم.

(شامي: ۱/ ۴۵۹، واجبات الصلاة، سعيد)

سجدۂ سہو کرنے کے بعد دوبارہ لازم ہو تو تکرارِ سہو کا حکم:

سوال: سجدۂ سہو کرنے کے بعد التحیات کی جگہ سورتِ فاتحہ پڑھنے لگا تو کیا دوبارہ سجدۂ سہو کرے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوبارہ سجدۂ سہو کرنا لازم نہیں ہے بلکہ پہلا کافی ہے تکرارِ سہو مشروع نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو تبیین الحقائق میں ہے:

وإن تکرر ترك الواجب حتی لایجب علیه أکثر من سجدتین.

(تبیین الحقائق:۱/۱۹۱، باب سجود السهو،امدادیه ملتان)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

ولو سهی فی صلاته مرارًا یکفیه سجدتان. (خلاصة الفتاوی:۱/۱۷۳،رشیدیة)

شامی میں ہے:

(قوله وإن تکرر) حتی لو ترك جمیع واجبات الصلاة سهوًا لایلزمه إلاسجدتان بحر،لأن تکراره غیر مشروع،سیأتي أن المسبوق یتابع إمامه فیه ثم إذا قام لقضاء مافاته فسها فیه یسجد أیضًا فقد تکرر، وأجاب في البدائع بأن المسبوق فیما یقضی کالمنفرد فهما صلاتان حکمًا وإن کانت التحریمة واحدة. (شامی:۲/۸۰، باب سجود السهو،سعید)

البحر الرائق میں ہے:

الخامس أنه لایتکرر الوجوب بترك أکثر من واجب حتی لو ترك جمیع الواجبات ساهیاً فإنه لایلزمه أکثر من سجدتین لأنه تأخیر عن زمان العلة وهو وقت وقوع السهو مع أن الأحکام الشرعیة لا تتأخر عن عللها فعلم أنه لایتکرر إذ الشرع لم یرد به وسیأتي أن المسبوق یتابع إمامه في سجود السهو ثم قام إلی القضاء وسها فإنه یسجد ثانیًا فقد تکرر سجود السهو وأجاب عنه في البدائع بأن التکرار في صلاة واحدة غیر مشروع وهما صلاتان حکمًا وإن کانت التحریمة واحدة لأن المسبوق فیما یقضی کالمنفرد ...... وعلله في المحیط بأن السجدة المتقدمة لاترفع النقصان المتأخر،فأما السجدة المتأخرة فإنها ترفع النقصان المتقدم.

(البحر الرائق:۲/۹۹، باب سجود السهو،الماجدیه)

بحر کی عبارتِ مذکورہ سے شبہ ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو کرنے کے بعد کچھ نقصان ہوا تو جابر نہ ہوگا کیونکہ علت حکم سے مؤخر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ علت حکم پر مقدم ہو،اس کا جواب یہ ہے کہ نماز گویا ایک ہی حل ہے تو ایک ہی سجدۂ سہو کافی ہونا چاہئے اور اگرچہ علت مؤخر ہے لیکن علتِ متقارنہ ہونے کی وجہ سے اگلے حکم کو بھی متضمن ہے۔

پھر دوسرا شبہ یہ ہوتا ہے کہ محیط کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ سہو اگلے نقصان کا جابر ہے لیکن پچھلے کا نہیں تو اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسبوق کے لئے ہے یعنی مسبوق امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں اتباع کرے گا پھر اپنی نماز میں کوئی غلطی کرے تو دوبارہ سجدۂ سہو کرے گا اور یہ اس وجہ سے کہ مسبوق کی نماز حکما ایک نہیں ہے علیحدہ ہے یعنی امام کے ساتھ مقتدی ہونے کی بنا پر سجدۂ سہو کرے گا اور بعد میں منفرد ہونے کی بنا پر۔

بہشتی زیور میں ہے:

سجدۂ سہو کرنے کے بعد پھر کوئی ایسی بات ہوگئی جس سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے تو وہی پہلا سجدۂ سہو کافی ہے پھر سجدۂ سہو نہ کرے۔ واللہ اعلم۔ (بہشتی زیور:۲/۲۰۸۔ وحاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۴۶۴، باب سجود السہو، قدیمی)

قعدہ میں تشہد کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے قعدہ میں تشہد پڑھ لیا پھر سورۂ فاتحہ پڑھنے لگا تو سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر قعدہ اولیٰ میں تشہد کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی تو سجدۂ سہو لازم ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن قرأ بعد التشهد فإن كان في الأول فعليه السهو لتأخير الواجب وهو وصل القيام بالفراغ من التشهد وإن كان في الأخير فلا سهو عليه لعدم ترك واجب لأنه موسع له في الدعاء والثناء بعده فيه والقراءة تشتمل عليهما.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۴۶۴، باب سجود السهو، قديمي۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۷)

قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد کھڑا ہوکر واپس آنے پر سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: ایک شخص چوتھی رکعت میں بیٹھا تشہد بھی پڑھ لیا پھر کھڑا ہوگیا یاد آیا تو واپس بیٹھ گیا اب دوبارہ تشہد پڑھے یا سجدۂ سہو کرے؟

الجواب: صورت مسئولہ میں دوبارہ تشہد نہ پڑھے پہلا کافی ہے، ہاں سجدۂ سہو کرنے کے بعد پھر تشہد، درود اور دعاء وغیرہ پڑھ کر نماز پوری کرے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وإن قعد في الرابعة مثلاً قدر التشهد ثم قام عاد وسلّم وسجد للسهو، وفي الشامي: قوله عاد وسلم أي عاد للجلوس لما مر أن ما دون الركعة محل للفرض وفيه إشارة إلى أنه لا يعيد التشهد وبه صرح في البحر. (الدر المختار مع الشامي: ۲/۸۷، باب سجود السهو، سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإن قعد الجلوس الأخيرة قدر التشهد ثم قام ولو عمدًا وقرأ وركع عاد للجلوس لأن

مادون الركعة بمحل الفرض وسلم...... وسجد للسهو لتأخير السلام. والله اعلم.

(مراقی الفلاح: ۱۸۰، باب سجود السہو، مکۃ المکرمۃ۔ وکذا فی البحر الرائق: ۹۳/۲، باب سجود السہو۔ وکذا فی عمدة الفقه: ۳۶۹/۲۔ وکذا فی شرح منية المصلی: ۴۶۳، سہیل۔ وکذا فی فتاوی محمودیۃ: ۴۲۹/۷، باب سجود السہو، جامعہ فاروقیہ)

سینہ قبلہ کی طرف سے پھیر لینے کے بعد سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: ایک شخص سجدۂ سہو بھول گیا اور دونوں طرف سلام پھیر لیا اور سینہ بھی قبلہ سے پھیر لیا اب سجدۂ سہو کر سکتا ہے یا اعادہ کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب تک مسجد سے باہر نہیں نکلا سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کر لے نماز درست ہو جائے گی اعادہ ضروری نہیں لیکن مسجد سے نکل جانے کے بعد اعادہ ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ويسجد للسهو ولو مع سلامه ناويًا للقطع لأن نية تغيير المشروع لغو مالم يتحول عن القبلة أو يتكلم لبطلان التحريمة ولو نسى السهو أو سجدة صلبية أو تلاوية يلزمه ذلك ما دام في المسجد. وفي الشامية: (قوله لبطلان التحريمة) أي بالتحول أو التكلم، وقليل لايقطع بالتحول ما لم يتكلم أو يخرج من المسجد كما في الدرر عن النهاية، إمداد (قوله ولو نسى السهو) ...... وهي ما لو كان عليه سهوية فقط ...... ففي هذه كلها إذا سلم ناسيًا لما عليه كله أو لما سوى السهوية لايعد سلامه قاطعًا، فإذا تذكر يلزمه ذلك الذي تذكره ...... (قوله مادام في المسجد) أي وإن تحول عن القبلة استحسانًا لأن المسجد كله في حكم مكان واحد ولذا صح الاقتداء فيه وإن كان بينهما فرجة. والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامی: ۹۱/۲، باب سجود السہو، سعید۔ وکذا فی حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۴۷۶، باب سجود السہو، قدیمی۔ وکذا فی شرح العناية على هامش فتح القدير: ۵۱۶/۱، باب سجود السہو، دار الفکر۔ وکذا فی احسن الفتاوی: ۴۶/۴۔ وبہشتی زیور: ۱۶۰/۲)

مقتدی کا تشہد پورا ہونے سے پہلے سجدۂ سہو میں امام کی اتباع کا حکم:

سوال: مقتدی کا تشہد پورے ہونے سے پہلے امام سجدۂ سہو کرنے لگا تو مقتدی کیا کرے؟ پورا کرے یا اتباع کرے فی الفور؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مقتدی تشہد جلدی سے پورا کرلے پھر امام کے ساتھ سجدۂ سہو میں شریک ہوجائے، اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ فی الفور اتباع کرلے لیکن اس میں ترکِ واجب لازم آتا ہے اور تشہد پورا کرنے میں صرف تاخیر ہے جو اخف البلیتین ہے اس وجہ سے اس کو اختیار کرلے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

تنبیه: من الواجب متابعة المقتدی إمامه فی الأرکان الفعلیة ...... أما لو قام الإمام إلی الثالثة قبل أن یتمّ المقتدی التشهد فإنه یتمّ ثم یقوم لأن التشهد واجب وإن لم یتمّ وقام للمتابعة جاز وکذا لو سلم فی القعدة الأخیرة قبل أن یتمّه بخلاف ما إذا رفع رأسه قبل التسبیح أو سلّم قبل الصلاة علیه ﷺ فإنه یتابعه، والحاصل أن متابعة الإمام فی الفرائض والواجبات من غیر تأخیر واجبة، فإن عارضها واجب آخر لاینبغی أن یفوت ذلك الواجب بل یأتی به ثم یتابع لأن الإتیان به لایفوت المتابعة بالکلیة وأنما یؤخرها، والمتابعة مع قطعه تفوت الواجب بالکلیة فکان الإتیان بالواجبین مع تأخیر أحدهما أولی من ترك أحدهما بالکلیة بخلاف ما إذا عارضها سنه لأن ترك السنة أخف من تأخیر الواجب. والله اعلم.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲۵٦، فصل فی واجبات الصلاۃ، قدیمی۔ وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱/ ٤٧٠، فی تحقیق متابعة الإمام۔ وکذا فی شرح منیة المصلی: ۲۹۲ سهیل)

مسبوق قعدہ نہ کرے تو سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی کسی ظہر میں تین رکعت فوت ہوئیں جب ادا کرتا ہے تو پہلی پر قعدہ نہیں کیا دو رکعت پر قعدہ کیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں فوت شدہ رکعت ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ امام کے سلام کے بعد پہلی رکعت پر بیٹھ جائے پھر دو رکعات پڑھ کر اخیری رکعت پر قعدہ کرے اس طرح نماز پوری کرے، لیکن اگر کسی نے پہلی پر قعدہ نہیں کیا اور امام کے بعد دوسری پر قعدہ کیا تو بھی استحساناً جائز اور درست ہے نہ سجدۂ سہو لازم اور نہ اعادہ۔

ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابن مسعود رضی الله تعالی عنه أن جندبًا ومسروقًا أدرکا رکعة یعنی من صلاة المغرب فقرأ جندب ولم یقرأ مسروق خلف الإمام فلما سلم الإمام قاما یقضیان فجلس مسروق فی الثانیة والثالثة وقام جندب فی الثانیة ولم یجلس فلما انصرف تذاکرا ذلك فأتیا ابن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال كل قد أصاب أوقال كل قد أحسن واصنع كما يصنع مسروق. رواه الطبراني في الكبير بأسانيد بعضها ساقط منه رجل وفي هذه الطريق جابر الجعفي والأكثر على تضعيفه.

(مجمع الزوائد:۲/۸۶، باب فيما يدرك مع الإمام وما فاته، دار الفكر)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

لو أدرك مع الإمام ركعة من المغرب فإنه يقرأ في الركعتين الفاتحة والسورة ويقعد في أوليهما لأنها ثنائية ولو لم يقعد جاز استحساناً لا قياساً ولم يلزمه سجود السهو لو سهواً لكونها أولىٰ من وجه.

(شرح منية المصلي:٤٦٨، فصل في سجود السهو، سهيل۔ وكذا في الدر المختار مع الشامي:١/٥٢٣، سعيد)

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

والمسبوق وهو من سبقه الإمام بكلها أو بعضها وحكمه أنه يقضي أول صلاته في حق القراءة وآخرها في حق القعدة وهو منفرد فيما يقضيه. واللّٰہ اعلم.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٣٠٩، فصل فيما يفعل المقتدي۔ وكذا في الشامي: ١/٥٩٧، باب الامامة، سعيد)

سورت ملانا بھول جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کوئی نمازی سورت ملانا بھول گیا اور رکوع میں چلا گیا تو واپس آنا ضروری ہے یا رکوع پورے کرکے آخر میں سجدہ سہو کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں واپس آنا چاہئے اور سورت ملانے کے بعد رکوع دوبارہ کرلے، لیکن اگر واپس نہیں آیا اور اخیر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز درست ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ولو ترك السورة فتذكر ما في الركوع أو بعد الرفع منه قبل السجود فأنه يعود ويقرأ السورة ويعيد الركوع، وعليه السهو لأنه بقراءة السورة وقعت فرضًا فيرتفض الركوع حتى لو لم يعده فسدت صلاته.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٤٦٠، باب سجود السهو۔ وكذا في الشامي: ٢/٨٥، باب سجود السهو۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ١/١٢٦)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإن عاد الساهي عن القعود الأول إليه بعد مااستتم قائما اختلف التصحيح في فساد صلاته وأرجحهما عدم الفساد لأن غاية ما في الركوع إلى القعدة زيادة قيام في الصلاة وهو وإن كان لايحل لكنه بالصحة لايخل ...... وقال صاحب البحر والحق عدم الفساد.

(مراقي الفلاح:۱۷۹، باب سجود السهو، مكة المكرمة)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ چھوڑ کر قیام کی طرف چلا گیا پھر دوبارہ آ گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی حالانکہ فقہاء نے فرض سے واجب کی طرف لوٹنے کو منع فرمایا لیکن لوٹ آیا تو نماز فاسد نہیں ہوتی، تو صورتِ مسئولہ میں بھی فقہاء نے رکوع سے لوٹنے کو فرمایا تا کہ جو واجب چھوٹ گیا تھا اس کی تلافی کر لے اور جب نہیں لوٹا تو بدرجۂ اولیٰ نماز فاسد نہ ہونی چاہئے کیونکہ رکوع سے نہ لوٹنا تو اخف ہے بنسبت اس کے جس میں قیام سے قعدہ کی طرف لوٹنا پایا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں رکوع سے واپس نہ آنے کی صورت میں بھی سجدہ سہو کافی ہوگا اور نماز درست ہے، اگرچہ بعض مفتی حضرات نے فرمایا کہ نہ لوٹنے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ ہے۔ ملاحظہ ہو: احسن الفتاوی ۴/۲۳۔ لیکن یہ بات مجھ میں نہیں آتی۔ واللہ اعلم۔

بلا ضرورت سجدۂ سہو کرنے سے نماز کا حکم:

سوال: سجدۂ سہو واجب نہیں تھا اور کر لیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صاحبِ درمختار نے مفسدِ صلاۃ کہا ہے لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مفتی بہ قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو ظن الإمام السهو وسجد له فتابعه فبان أن لاسهو فالأشبه الفساد لاقتدائه في موضع الانفراد. وفي الشامي: وفي الفيض: وقيل لاتفسد وبه يفتى وفي البحر عن الظهيرية قال الفقيه أبو الليث رحمه الله تعالى: في زماننا لاتفسد لأن الجهل في القراء غالب. والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامي: ۱/۵۹۹، سعيد)

ظہر کی آخری دو رکعت میں جہری قراءت سے سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ظہر کی آخری دو رکعتوں میں قراءت کا کچھ حصہ جہراً پڑھ لیا تو اس پر سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ یاد رہے اس نے پہلی دو رکعتوں میں سری قراءت کی ہے۔

الجواب: امام کے لئے جہری نماز میں جہر واجب ہے اسی طرح سری نماز میں سراً قراءت کرنا واجب ہے لہذا سری کی جگہ تین آیات کے بقدر یا اس سے زیادہ جہر کرلیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

اور اگر منفرد ہے تو اس کو جہر کی جگہ سر کا اختیار ہے لیکن سر کی جگہ جہر کرنے کا اختیار نہیں لہذا اس کے لئے بھی یہی حکم ہے یعنی تین آیات کے بقدر یا اس سے زیادہ جہر کرلیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظاہر الروایہ کے مطابق منفرد پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہے اور یہی صحیح قول ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

والحاصل أن الجهر في الجهرية لايجب على المنفرد اتفاقًا وإنما الخلاف في وجوب الإخفاء عليه في السرية، وظاهر الرواية عدم الوجوب كماصرح بذلك في التتارخانية عن المحيط، وكذا في الذخيرة وشروح الهداية كالنهاية والكفاية والعناية ومعراج الدراية. وصرحوا بأن وجوب السهو عليه إذاجهر فيما يخافت رواية النوادر، فعلى ظاهر الرواية لاسهو على المنفرد إذاجهر فيما يخافت فيه وإنما هو على الإمام فقط.

(شامی: ۲/ ۸۱، باب سجود السہو، سعید)

ملاحظہ ہو شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ولو جهر الإمام فيما يخافت أو خافت فيما يجهر قدرما تجوز به الصلاة يجب سجود السهو عليه وهو أي التقدير بمقدار ما تجوز به الصلاة هو الأصح وإلا فلايجب.

(شرح منیۃ المصلی: ۱/ ۴۵۷، سہیل۔ وکذا فی الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۲۸۔ والدرالمختار: ۱/ ۵۳۳۔ والهدایة: ۱/ ۱۵۷۔ ومجمع الأنهر: ۱/ ۱۰۲)

ہدایہ میں ہے:

ولو جهر الإمام فيما يخافت أو خافت فيما يجهر تلزمه سجدتا السهو لأن الجهر في موضعه والمخافتة في موضعها من الواجبات واختلفت الرواية في المقدار والأصح قدرما تجوز به الصلاة في الفصلين لأن اليسير من الجهر والإخفاء لايمكن الاحتراز عنه وعن الكثير يمكن إلى قوله ...... وهذا في حق الإمام دون المنفرد لأن الجهر والمخافتة من خصائص الجماعة. والله اعلم.

(الهدایة: ۱/ ۱۵۸۔ وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/ ۱۲۔ وکذا فی شرح العنایة علی الهدایة: ۱/ ۵۰۵)

تین آیات یا ایک آیتِ طویلہ کی مقدار:

سوال: تین آیات یا ایک آیتِ طویلہ کی مقدار کیا ہے؟

الجواب: ایک آیت کی مقدار جس سے نماز کی فرضیت ادا ہو جاتی ہے، تین چھوٹی آیات کے بقدر ہو، اور تین چھوٹی آیات کی مقدار ۱۰ کلمات اور ۳۰ حروف ہیں۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ولوقرأ آية طويلة في الركعتين فالأصح الصحة اتفاقًا لأنه يزيدعلى ثلاث آيات قصارقاله الحلبي ...... وفي الشامي: (قوله لأنه يزيد على ثلاث آيات) تعليل للمذهبين لأن نصف الآية الطويلة إذاكان يزيد على ثلاث آيات قصاريصح على قولهما فعلى قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى المكتفي بالآية أولى. قال في البحر: وعلم من تعليلهم أن كون المقروء في كل ركعة النصف ليس بشرط بل يكون البعض يبلغ مايعد بقراء ته قارئًا عرفًا ...... وفي التاتارخانية والمعراج وغيرهما: لوقرأ آية طويلة كآية الكرسي أو المداينة البعض في ركعة والبعض في ركعة اختلفوا فيه على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى ...... وعامتهم على أنه يجوز لأن بعض هذه الآيات يزيد على ثلاث قصارأويعدلها فلاتكون قراء ته أقل من ثلاث آيات ...... وقدرها من حيث الكلمات عشر، ومن حيث الحروف ثلاثون....... والله اعلم.

(الدرالمختار مع الشامي: ۱/۵۳۷، فصل في القراءة۔ وفي في فتح القدير: ۱/۳۳۲، دارالفكر۔ ومجمع الأنهر: ۱/۱۰۴۔ وشرح منية المصلي: ۱/۲۷۸، سهيل۔ وبدائع الصنائع: ۱/۱۱۲، سعيد)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿"قرأ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:
النجم بمکة فسجد فیها وسجد معه"﴾

(بخاری ومسلم)

باب......﴿۱۳﴾

سجدۂ تلاوت کا بیان

باب ......﴿۱۳﴾

سجدۂ تلاوت کا بیان

آیتِ سجدہ کے ساتھ چند آیات پڑھنے کے بعد سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: ایک شخص نے نماز میں سجدۂ تلاوت کی آیت پڑھ لی لیکن سجدہ نہیں کیا تین آیات پڑھنے کے بعد اس کو خیال آیا اب وہ کیا کرے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جب یاد آیا اس وقت فوراً سجدۂ تلاوت کرلے نماز درست ہوجائے گی۔

مراقی الفلاح میں ہے:

ویجزئ عنها أيضًا سجودها أي سجود الصلاة إذا لم ينقطع فور التلاوة وانقطاعه أن يقرأ أكثر من آيتين بعد آية سجدة التلاوة وبالإجماع وقال شمس الأئمة الحلواني رحمه الله تعالى: لا ينقطع الفور ما لم يقرأ أكثر من ثلاث آيات وقال الكمال: إن قول شمس الأئمة رحمه الله تعالى هو الرواية ...... إذا انقطع فور التلاوة صارت دينًا فلا بد من فعلها بنية فيأتي لها بسجود أو ركوع خاص. (مراقي الفلاح: ١٨٥، باب سجود التلاوة، مكة المكرمة)

اگر دوسرے کسی رکن میں یاد آیا تب بھی فوراً ادا کرلے اور اس رکن کا اعادہ مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو تذكر المصلي في ركوعه أو سجوده أنه ترك سجدة صلبية أو تلاوية فانحط من ركوعه بلا رفع أو رفع من سجوده فسجدها عقب التذكر أعادهما أي الركوع والسجود ندبًا لسقوطه بالنسيان وسجد للسهو. وفي الشامي: قيد بالركوع أو السجود لأنه لو تذكر السجدة في القعدة الأخيرة فسجدها أعاد القعدة نهر، قوله لسقوطه أي سقوط وجوب الإعادة المبني على وجوب الترتيب، فإن الترتيب فيما شرع مكرر من أفعال الصلاة واجب، يأثم بتركه عمدًا ويسقط بالنسيان وينجبر بسجود السهو. والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامي: ٦١٢/١، باب الاستخلاف، سعيد)

سورۂ ص کے سجدہ کی تحقیق:

سوال: سورۂ ص کا سجدہ لفظ ﴿أناب﴾ پر ہے یا ﴿حسن مآب﴾ پر اگر کسی نے ﴿حسن مآب﴾ کی جگہ ﴿أناب﴾ پر سجدہ کرلیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سورۂ ص کا سجدہ ﴿حسن مآب﴾ پر ہے اگر کسی نے ﴿أناب﴾ پر کرلیا تو بھی ایک قول کے مطابق ادا ہوجائے گا، اور سورۂ ص کے علاوہ دیگر جگہوں پر لفظ سجدہ سے قبل سجدہ کیا تو دوسرا سجدہ لازم ہوگا اور سجدۂ سہو بھی لازم ہوگا۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

نقول نحن نسجد ذلك شكرًا لما أنعم الله على داؤد علیه الصلاة والسلام بالغفران والوعد بالزلفى وحسن المآب ولهذا لايسجد عندنا عقيب قوله وأناب بل عقيب قوله مآب.

(بدائع الصنائع: ١/ ٢٨٧، سعيد كمپني)

مراقی الفلاح میں ہے:

وص ﴿وظن داؤد إنما فتناه فاستغفر ربه وخر راكعًا وأناب فغفرنا له ذلك وإن له عندنا لزلفى وحسن مآب﴾ وهذا هو الأولى مما قال الزيلعي تجب عند قوله تعالى: ﴿وخر راكعًا وأناب﴾ وعند بعضهم عند قوله تعالى: ﴿وحسن مآب﴾.

(مراقي الفلاح: ١٨٤، باب سجود التلاوة، مكة المكرمة)

شامی میں ہے:

(قوله من كل واحد حرفًا) لما تقدم أن الموجب للسجدة تلاوة أكثر الآية مع حرف السجدة والظاهر أن المراد بالحرف الكلمة ويكون الحرف الحقيقي مفهومًا بالأولى.

(شامي: ٢/ ١١٨، باب سجود التلاوة، سعيد)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولايجب السجود إلابترك واجب أوتأخيره أوتأخير ركن أوتقديمه أوتكراره أوتغير واجب بأن يجهر فيما يخافت وفي الحقيقة وجوبه بشيء واحد وهوترك الواجب كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ١/ ١٢٦)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

بہتر یہ ہے کہ سورۂ ص میں سجدۂ تلاوت حسن مآب پر کیا جائے اناب پر سجدہ کرنا خلافِ احتیاط ہے۔ شامی میں ہے: وفي ص عند حسن مآب فهو أولىٰ من قول الزيلعي عند وأناب. (شامی: ۱/ ۷۱٦) صورتِ مسئولہ میں اناب پر سجدہ کیا گیا ہے خلافِ احتیاط ہوا لیکن اعادہ کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی رحیمیہ: ۴/ ۴۱۹۔ وفتاوی محمودیہ: ۷/ ۴۷۱ باب سجود التلاوۃ، جامعہ فاروقیہ)

سواری پر تکرارِ آیتِ سجدہ سے تکرارِ سجدہ کا حکم:

سوال: سواری پر سوار آدمی اگر سجدہ کی آیت پڑھتا رہے تو متعدد سجدے ہیں یا صرف ایک؟

الجواب: سواری پر آیتِ سجدہ کی تکرار سے اگر نماز میں ہے تو صرف ایک سجدہ واجب ہے اور نماز میں نہیں ہے تو متعدد سجدے واجب ہیں اسی طرح سمندری جہاز میں بھی تکرارِ آیتِ سجدہ سے متعدد سجدے لازم ہوں گے اگرچہ فقہاء کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک واجب ہے لیکن اُس زمانہ میں سمندری جہاز ہوا سے چلتے تھے اور موجودہ دور میں مشین وغیرہ کے ذریعہ ملاح چلاتے ہیں لہذا جگہ کی تبدیلی کی وجہ سے متعدد واجب ہوں گے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وانتقاله من غصن إلى آخر وسبحه في نهر أو حوض تبديل فتجب أخرى بخلاف زوايا مسجد وبيت وسفينة سائرة وفعل قليل كأكل لقمتين وقيام ورد سلام وكذا دابة يصلى عليها لأن الصلاة تجمع الأماكن ولو لم يصل تتكرر. وفي الشامي: (قوله ولو لم يصل تتكرر) لأن سيرها مضاف إليه حتى يجب عليه ضمان ما أتلفت بخلاف سير السفينة.

(الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۱۵، باب سجود التلاوۃ، سعید)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ولا يتبدل مجلس التلاوة والسماع بسير سفينة كما لو كانت واقفة لأن سير السفينة لا يضاف إليه.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٤٩٦، باب سجود التلاوة۔ وكذا في الطحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۳۲۸)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

إذا كررها مصليًا أما إذا كررها خارج الصلاة تكرر الوجوب لأن سير الدابة يضاف إلى راكبها. والله اعلم. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٤٩٦، باب سجود التلاوة، قديمي)

ریڈیو سے آیتِ سجدہ سن کر وجوبِ سجدہ کا حکم:

سوال: ریڈیو سے آیت سجدہ سنی تو سجدہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر تلاوت کو کسی آلہ مثلاً کسیٹ، سیڈی یا ٹیپ ریکارڈ وغیرہ میں محفوظ کرلیا تھا وہ تلاوت ریڈیو پرنشر کی جارہی ہے تو سامع پر سجدہ واجب نہیں ہے، اور اگر قاری تلاوت کر رہا ہے اور اس نے آیت سجدہ پڑھی تو سامع پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، خلاصہ یہ ہے اصل تلاوت سے سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے نقل یا عکس سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

ولاتجب بسماعها من الصدى وهوما يجيبك مثل صوتك في الجبال والصحارى ونحوها، الأولى قول بعضهم الصوت الذي يسمعه المصوت عقب صياحه راجعًا إليه من جبل أوبناء مرتفع فإنه لاإجابة في الصدى إنما هو محاكاة.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٤٨٦، باب سجود التلاوة،قديمي)

نظام الفتاویٰ میں ہے:

ٹیپ ریکارڈ، گراموفون وغیرہ جن میں متکلم کی آواز بعینہ نہیں آتی بلکہ متکلم کی آواز کی نقل آتی ہے صدائے باز گشت وغیرہ میں آتی ہے، تو اس کی تلاوت کی بنا پر سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔

ریڈیو میں اکثر بیان کرنے والے کی تقریر وآواز ٹیپ کر لی جاتی ہے اور پھر اسی کو نشر کرایا جاتا ہے پس اگر ایسا ہونے کا ظنِ غالب ہو تو اس کی آواز پر سجدۂ تلاوت کرنا لازم نہ رہے گا۔

ہاں جب بولنے والا بغیر ان وسائل کے خود بول رہا ہے اور آیت سجدہ کی تلاوت کرے تو اس کی آیتِ سجدہ کی تلاوت کرنے پر سجدۂ تلاوت واجب ہو جائے گا، اور ریڈیو میں متکلم کی بعینہ آواز اور ٹیپ کی آواز میں موقعہ استعمال کا فرق مدلل طور پر ہو جاتا ہے اس کے اعتبار سے عمل کرتے۔ (منتخب نظام الفتاویٰ: ۱/۷۲، اسلامک فقہ اکیڈمی)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۷/۴۷۲، باب سجود التلاوۃ، جامعہ فاروقیہ۔ واحسن الفتاویٰ: ۴/۶۵)۔ واللہ اعلم۔

نابالغ بچے کی تلاوتِ آیتِ سجدہ پر وجوبِ سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: اگر کسی چھوٹے نابالغ بچے نے سجدہ کی آیت تلاوت کی تو سامع پر سجدہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر سمجھدار بچہ ہے تو سامع پر سجدۂ تلاوت واجب ہے ورنہ صبی غیر ممیز کی

تلاوت سے سامع پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وذكر شيخ الإسلام إذ لايجب السجود بالسماع من مجنون أونائم أوطير، لأن السبب سماع تلاوة صحيحة وصحت التلاوة بالتمييز ولم يوجد.

(امداد الفتاح: ۵۳۱، باب سجود التلاوة، بيروت)

فتح القدیر میں ہے:

وهذا التعليل يفيد التفصيل في الصبي فليكن هو المعتبر إن كان له تمييز وجب بالسماع منه وإلا فلا. والله اعلم. (فتح القدير: ۲/۱۵، باب سجود التلاوة، دار الفكر۔ واحسن الفتاوى: ۴/۶۰)

آیتِ سجدہ کے اکثر حصہ کو پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: اگر کسی نے وہ الفاظ پڑھے جن میں سجدہ کا ذکر ہے لیکن پوری آیت نہیں پڑھی مثلاً ﴿خر راكعًا وأناب﴾ پڑھا تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں آیتِ سجدہ کا اکثر حصہ پڑھا تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا ورنہ نہیں لہٰذا ﴿خر راكعًا وأناب﴾ پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولوقرأ آية السجدة إلاالحرف الذي في آخرها لايسجد ولوقرأ الحرف الذي يسجد فيه وحده لايسجد إلاأن يقرأ أكثر آية السجدة بحرف السجدة. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۲، الباب الثالث عشرفي سجود التلاوة۔ وكذا في امداد الفتاح: ۵۲۸، باب سجود التلاوة، بيروت۔ وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۴۸۱، قديمي)

نماز میں سجدہ کرنے کے بعد دوبارہ اُسی آیت کو پڑھنے سے سجدۂ تلاوت کا حکم:

سوال: ایک حافظ صاحب نے تراویح میں آیتِ سجدہ پڑھی پھر سجدہ کرلیا اس کے بعد دوبارہ وہی آیت پڑھی تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوبارہ سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے پہلا کافی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو تلاها في ركعة فسجدها ثم أعادها في تلك الركعة لاتجب ثانيًا كذا في محيط السرخسي، المصلي إذا قرأ آية السجدة في الأولى ثم أعادها في الركعة الثانية وسجد للأولى ليس عليه أن يسجدها وهو الأصح كذا في الخلاصة.

(الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۵، سجود التلاوة۔ وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/ ۱۸۷، مسائل السجدات، الرشيديه)

بہشتی زیور میں ہے:

اگر نماز میں سجدہ کی ایک ہی آیت کوئی دفعہ پڑھے تب بھی ایک ہی سجدہ واجب ہے چاہے سب دفعہ پڑھ کے اخیر میں سجدہ کرے یا ایک دفعہ پڑھ کے سجدہ کرلیا پھر اسی رکعت یا دوسری رکعت میں وہی آیت پڑھے۔ واللہ اعلم۔

(بہشتی زیور:۴۴،دوسرا حصہ سجدۂ تلاوت کا بیان،دارالاشاعت)

مختلف لوگوں سے مختلف آیاتِ سجدہ سننے سے تکرارِ وجوب کا حکم:

سوال: ایک شخص ایک ہی جگہ میں بیٹھا ہے اور مختلف لوگوں سے مختلف آیاتِ سجدہ سن رہا ہے تو کتنے سجدے واجب ہوں گے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ مختلف آیاتِ سجدہ مختلف لوگوں سے سن رہا ہے اسوجہ سے ہر آیت پر الگ سجدہ واجب ہوگا تو جتنی آیتیں سنے گا ان کے مطابق سجدے واجب ہوں گے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

الأصل أنه لايتكرر الوجوب إلا بأحد أمور ثلاثة: اختلاف التلاوة أو السماع أو المجلس أما الأولان: فالمراد بهما اختلاف المتلو والمسموع حتى لو تلا سجدات القرآن كلها أو سمعها في مجلس أو مجالس وجبت كلها ...... قوله بشرط اتحاد الآية والمجلس أي بأن يكون المكرر آية واحدة في مجلس واحد، فلو تلا آيتين في مجلس واحد أو آية واحدة في مجلسين فلا تداخل ولم يشترط اتحاد السماع لأنه إنما يكون باتحاد المسموع فينبغي عند اشتراط اتحاد الآية. (شامي: ۲/ ۱۱٤، باب سجود التلاوة، سعيد)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله بشرط اتحاد الآية) أما لو قرأ القرآن كله في مجلس واحد لزمه أربع عشرة سجدة لأن المجلس لايجعل الكلمات المختلفة الجنس بمنزلة كلام واحد.

(حاشية الطحطاوي على الدر: ۱/ ۳۲۷، باب سجود التلاوة۔ وكذا في الجوهرة النيرة: ۹۷)

تبدیلِ مجلس سے تکرارِ وجوب کا حکم:

سوال: اگر کسی نے آیتِ سجدہ مسجد کے اندر سنی پھر وہی آیت صحنِ مسجد میں سنی اور صحن خارجِ مسجد ہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں صحنِ مسجد مسجد سے خارج ہے لہذا تبدیلِ مجلس کی وجہ سے دو سجدے واجب ہوں گے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو تبدل مجلس السامع دون التالي يتكرر الوجوب عليه.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۳٤، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

أجمعوا على أنه إذا اختلف مجلس السامع في غير الصلاة واتحد مجلس التالي يتكرر الوجوب على السامع بتكرر التلاوة. واللہ اعلم۔

(فتاوى قاضيخان: ۱/۷۷۔ وكذا في فتاوى السراجية على هامش قاضيخان: ۱/۷۸۔ وكذا في الهداية: ۱/۱۵۷۔ والبحر الرائق: ۲/۱۲٦)

اتحادِ مکان میں جگہ کی تبدیلی سے تکرارِ وجوب کا حکم:

سوال: اگر مسجد کا صحن خارج نہ ہو بلکہ دونوں مسجد ہی ہو تو اب کتنے سجدے لازم ہوں گے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اتحادِ مکان کی وجہ سے ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔

امداد الفتاح میں ہے:

ولا يتبدل مجلس السماع والتلاوة بزوايا البيت الصغير كذا في البرهان ...... وفي التتار خانية ولو قرأها في زوايا المسجد الجامع يكفيه سجدة واحدة ...... وقد جزم قاضيخان حيث قال: ولا يتكرر الوجوب لو انتقل من زاوية البيت أو المسجد إلى زاوية إلا إذا كانت الدار كبيرة كدار السلطان وإن انتقل في المسجد الجامع من زاوية إلى زاوية لا يتكرر الوجوب، وإن انتقل فيه من دار إلى دار ففي كل موضع يصح الاقتداء يصير كمكان واحد ولا يتكرر الوجوب، انتهى. واللہ اعلم.

(امداد الفتاح: ٥٤٠، بيروت۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۱۳٤)

امام نے رکوع میں نیت کی تو مقتدیوں کے سجدہ کا حکم:

سوال: اگر رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی اور مقتدیوں نے نہیں کی تو مقتدیوں کا سجدہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ امام کی نیت مقتدی کی طرف سے کافی ہونا چاہئے جیسے مسافر امام سفر والی نماز یا مقیم اقامت والی نماز کی نیت کرلے تو مقتدیوں کے لئے کافی ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب امام نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرلی تو مقتدیوں کی طرف سے کافی ہوگی اور تمام کا سجدہ ادا ہوجائے گا، لیکن افضل طریقہ یہ ہے کہ جہری نماز میں مستقل سجدہ کرکے ادا کرنا چاہئے تاکہ جاہل عوام پر کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو۔

ملاحظہ ہو منحۃ الخالق میں ہے:

(قوله وفي القنية ولو نواها في الركوع الخ) قال في النهروينبغي حمله على الجهرية، قلت: لعل وجهه والله أعلم ما يأتي عن القنية أيضًا أن الركوع أولى في صلاة المخافتة و علله في التتار خانية بقوله لئلا يلتبس الأمر على القوم فإنه يفيد أنه لايلزم القوم نيتها في الركوع لأنه لاعلم لهم بتلاوته وإلا لم يحصل عليهم التباس بخلاف الجهرية.

(منحة الخالق على هامش البحر الرائق: ٢/ ١٢٣، باب سجود التلاوة)

مراقی الفلاح میں ہے میں ہے:

ويجزىء عنها أي عن سجدة التلاوة ركوع الصلاة إن نوها أي نوى أداء ها فيه نص عليه محمد رحمه الله تعالى لأن معنى التعظيم فيهما واحد وينبغي ذلك للإمام مع كثرة القوم أو حال المخافتة حتى لايؤدي إلى التخليط وفي الطحطاوي: قوله وينبغي ذلك للإمام ان يجعلهافي ركوع الصلاة إن كانت سرية.

(مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي: ص ٤٨٦، باب سجود التلاوة، قديمي ـ والشامي: ٢/ ١١٢، باب سجود التلاوة ـ والفتاوى الهندية: ١/ ١٣٤)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

راجح یہ ہے کہ رکوع میں امام کی نیت مقتدی کی طرف سے بھی کافی ہے۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوی: ٤/ ٥٩ ـ وكفايت المفتي: ٣/ ٤١٥، دارالاشاعت)

سجدۂ تلاوت رہ جانے پر وجوبِ فدیہ کا حکم:

سوال: اگر کسی سے سجدۂ تلاوت رہ جائے تو اس کا فدیہ دے گا یا نہیں؟

الجواب: احتیاطاً سجدۂ تلاوت کا فدیہ دیدیا جائے تو درست ہے لیکن واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولا رواية في سجدة التلاوة أنه يجب أو لايجب كما في الحجة والصحيح أنه لايجب كما في الصوفية إسمعيل. (شامی:۲/۷۳، باب قضاء الفوائت، سعید۔ وکذا في البحر الرائق:۲/۹۱، کوئٹہ)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے جواہر الفقہ میں تحریر فرمایا ہے:

سجدۂ تلاوت رہ گئے ہوں تو احتیاط اس میں ہے کہ ہر سجدے کے بدلے میں پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت کا صدقہ کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ (جواہر الفقہ:۱/۳۹۳، مسائل فدیہ نماز و روزہ وغیرہ، مکتبہ دار العلوم کراچی)

سجدۂ تلاوت خارجِ نماز رکوع سے ادا کرنے کا حکم:

سوال: سجدۂ تلاوت خارج الصلاۃ رکوع میں کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں اگر چہ بعض حضرات نے رکوع میں ادا کرنے کو درست قرار دیا ہے لیکن محققین کے نزدیک رکوع میں ادا کرنا درست نہیں، اس لئے کہ رکوع مستقل کوئی عبادت نہیں۔ البتہ فتاوی ہندیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مریض کے لئے جائز ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وتؤدي بركوع وسجود غير ركوع الصلاة وسجودها في الصلاة وكذا في خارجها ينوب عنها الركوع في ظاهر المروي بزازية لها أي للتلاوة. وفي الشامي: قوله وكذا في خارجها الخ: هذا ضعيف لما قدمناه عن البدائع من أنه لايجزئ لاقياسًا ولااستحسانًا وما عزاه إلى البزازية تبع فيه صاحب النهر وهو خلل في النقل لأن الذي رأيته في نسختين من البزازية هكذا ...... والله اعلم. (الدرالمختار مع الشامي:۲/۱۱۱، باب سجود التلاوة۔ وكذا في البدائع الصنائع:۱/۱۸۹، سعيد۔ والفتاوى الهندية:۱/۱۳۵)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿"صل علی الأرض إن استطعت وإلا فأوم إيماءً واجعل سجودك أخفض من ركوعك"﴾

(السنن الکبریٰ)

باب...... ﴿۱۴﴾

مریض اور معذور کی نماز کا بیان

باب......﴿۱۴﴾

مریض اور معذور کی نماز کا بیان

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جب تک قیام پر قدرت ہو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں اور سجدہ پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، جو حضرات قیام وسجدہ پر قدرت نہیں رکھتے ہیں ان کو اول حکم بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ہے، کرسی پر نماز پڑھنا درست نہیں۔ اگر قیام پر قدرت ہو اور سجدہ پر قدرت نہ ہو تو قیام ساقط ہو جاتا ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ کرسی پر نماز پڑھنا جائز ہو جاتا ہے بلکہ قیام اس وجہ سے ساقط ہوتا ہے کہ اصل مقصود نماز میں سجدہ ہے اور قیام ورکوع اس کے لئے وسیلہ ہے اور اسی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے سجدہ کے سقوط کے وقت کیونکہ قعود مشابہ بالسجود ہے اور اقرب الی الارض ہے حتی الامکان حصول مقصد کی طرف اشارہ ہے اس وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے اور کرسی پر نماز پڑھنے سے یہ افضلیت حاصل نہیں ہوتی۔ ہاں اگر مریض کے لئے زمین پر بیٹھنا انتہائی تکلیف دہ ہو اور سجدے سے بھی عاجز ہو تو پھر بحالتِ مجبوری اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن آج کل اس مسئلہ میں بظاہر بہت بے احتیاطی ہو رہی ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ نیز اس میں مندرجہ ذیل خرابیاں ہیں:

(۱) نماز غایت تذلل اور عاجزی کا نام ہے جیسا کہ الاشباہ میں مذکور ہے: "وهي التذلل والخضوع على أبلغ الوجوه". (الاشباه والنظائر: ۱/۱۰۴) اور کرسی پر اپنی شان کا اظہار ہے اگرچہ ارادہ نہ ہو۔

(۲) اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے سامنے اس طرح کھڑا ہونا چاہئے جس طرح بادشاہ کے سامنے۔ یعنی اپنی عاجزی کا اعتراف اور فقیر حقیر کی طرح۔ جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے: " فقم بين يديه قيامك بين يدي بعض ملوك الزمان"۔ (احياء علوم الدين: ۱/۱۷۲) اور کرسی میں یہ بات نہیں۔ شریعتِ اسلامیہ نے انسان کے ضعف کو تسلیم کیا ہے، اور اس کے مختلف حالات بیان کئے ہیں کہ معذور ہو بیٹھ کر پڑھے اور صحیح قول یہ ہے کہ جس طرح بھی بیٹھ سکتا ہے بیٹھے اور زمین پر بیٹھے جیسا کہ حدیث میں بھی اس کا حکم ہے: "صل على الأرض".

(السنن الكبرى للبيهقي: ۲/۴۳۵)

(۳) زمانۂ نبوی اور خیر القرون میں سے کسی بھی زمانہ میں کوئی جزئیہ ایسا نہیں ملتا کہ اس قسم کا ثبوت ہو، معذور و مریض اس وقت بھی تھے اور کرسی بھی اسوقت موجود تھی جیسا کہ مسلم اول، وابوداؤد اول کی روایت میں کرسی کا تذکرہ آتا ہے اس کے باوجود نماز پڑھنا ثابت نہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے کہ مساجد میں کرسیوں کو رکھا جائے؟ اس لئے کہ یہ دستور ہو چکا ہے اور کرسی کو دیکھ کر ذرا سی بات پر جرأت ہوتی ہے اور کرسی پر نماز پڑھ لیتے ہیں اور محض سستی کی وجہ سے کرسیوں پر نماز پڑھتے ہیں حالانکہ نماز میں سستی کرنے کو منافقین کی علامت قرار دیا ہے اور مذمت فرمائی ہے۔ قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا قاموا إلى الصلاة قاموا كسالى يرآءون الناس ولايذكرون الله إلا قليلا﴾ (سورة النساء:الآية:١٤٢) موجودہ دور میں جبکہ نفاذِ شریعت کا ہتھیار مسلمانوں کے پاس چند گنی چنی عبادات کے علاوہ کچھ نہیں اور ان میں بھی صوم و حج تو سال میں ایک مرتبہ اسی طرح زکاۃ بھی اور یہ دونوں بھی مخصوص افراد کے ساتھ کلی طور پر نہیں۔ کلی طور پر جو حاوی ہے وہ فقط نماز ہے اگر اس کو بھی اس طرح ضائع کر دیا تو مسلمانوں کے لئے بڑی دردناک و افسوس کی بات ہے۔

ملاحظہ ہو بیہقی میں ہے:

عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم عاد مريضًا فرآه يصلي على وسادة فأخذها فرمى بها فأخذ عودًا ليصلي عليه فأخذه فرمى به وقال: صل على الأرض إن استطعت وإلا فأوم إيماء واجعل سجودك أخفض من ركوعك". (السنن الكبرى للبيهقي: ٢/٤٣٥)

طحطاوی میں ہے:

إذا تعذر على المريض كل القيام أو تعسر كل القيام بوجود ألم شديد كدوران رأس ووجع ضرس أو شقيقة أو رمد كما في القهستاني وسواء حدث ذلك في الصلاة أو قبلها كما في "النقاية" وقيده بالشديد لأنه إن لحقه نوع من المشقة لم يجز ترك القيام كما في "مسكين" أو خاف بأن غلب في ظنه بتجربة سابقة أو إخبار طبيب مسلم حاذق ...... صلى قاعدًا بركوع وسجود ويقعد كيف شاء أي كيف تيسر له بغير ضرر من تربع أو غيره في الأصح من غير كراهة كذا روي عن الإمام للعذر، وإن تعذر الركوع والسجود وقدر على القعود ولو مستندًا صلى قاعدًا بالإيماء وجعل إيماءه برأسه للسجود أخفض من إيمائه للركوع وكذا لو عجز عن السجود وقدر على الركوع يومي بهما لأن النبي صلى الله عليه وسلم عاد مريضًا فرآه يصلي على وسادة فأخذها فرمى بها ...... الخ (صلى قاعدًا بإيماء) أو قائمًا به والأول أفضل لأنه أشبه بالسجود

ولکونه أقرب إلى الأرض وهو المقصود كذا في "التبيين".

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ١/٢٣٤، قديمي)

شامی میں ہے:

(وإن تعذرا) ليس تعذرهما شرطًا بل تعذر السجود كافٍ) نقله في "البحر" عن "البدائع" وغيرها وفي "الذخيرة": رجل بحلقه خراج إن سجد سال وهو قادر على الركوع والقيام والقراءة يصلي قاعدًا يومي ولو صلى قائمًا بركوع وقعد وأومأ بالسجود أجزأه، والأول أفضل لأن القيام والركوع لم يشرعا قربة بنفسهما بل ليكونا وسيلتين إلى السجود.

(شامي: ٢/٩٧، سعيد)

عالمگیری میں ہے:

إذا عجز المريض عن القيام صلى قاعدًا يركع ويسجد كذا في الهداية وإن عجز عن القيام والركوع والسجود وقدر على القعود يصلي قاعدًا بإيماء ويجعل السجود أخفض من الركوع كذا في فتاوى قاضيخان، ثم إذا صلى المريض قاعداً كيف يقعد الأصح أن يقعد كيف يتيسر عليه هكذا في "السراج الوهاج" وهو الصحيح، هكذا في "العيني" وإذا لم يقدر على القعود مستويًا وقدر متكئًا أو مستندًا إلى حائط أو إنسان يجب أن يصلي متكئًا أو مستندًا كذا في "الذخيرة". (الفتاوى الهندية: ١/١٣٦)

کفایت المفتی میں مذکور ہے "کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم":

سوال کا ماحصل حسب ذیل درج ہے:

پیٹ میں بے چینی سی معلوم ہوتی ہے اور زمین پر نماز پڑھنا بہت دشوار معلوم ہو رہا ہے تو کیا کرسی پر بیٹھ کر سامنے ٹیبل پر سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: کرسی پر پاؤں نیچے لٹکا کر بیٹھنا اور ٹیبل پر سر جھکانا جائز نہیں الا اس صورت میں کہ زمین پر بیٹھنا اور زمین پر سجدہ کرنا طاقت سے باہر ہو جائے، زمین پر بیٹھ کر کسی اونچی چیز پر جو زمین سے ایک بالشت سے زیادہ اونچی نہ ہو سجدہ کر لیا جائے تو عذر کی حالت میں جائز ہے۔ (کفایت المفتی: ۴۲۲/۳، دارالاشاعت)

احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے "کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا":

الجواب: بعض لوگ کرسی پر بیٹھ کر سجدہ کے بجائے اشارہ سے نماز پڑھتے ہیں اگر زمین پر بیٹھ کر سجدہ کی

قدرت ہوتو کرسی پر اشارہ سے نماز نہیں ہوگی ،فقط ،واللہ اعلم ۔ (احسن الفتاوی:۴/۵۱)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

ضروری تنبیہ:

آج کل عموماً یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ جہاں ذرا بخار آیا یا خفیف سی تکلیف ہوئی بیٹھ کر نماز شروع کردی حالانکہ وہی لوگ اسی حالت میں دس دس پندرہ پندرہ منٹ بلکہ زیادہ کھڑے ہوکر ادھر ادھر کی باتیں کرلیا کرتے ہیں (آج کل ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مساجد میں کرسیوں پر نماز پڑھنے والے حضرات جو اپنی دکانوں میں کئی کئی گھنٹے کھڑے رہتے ہیں) ان کو اس بات کی نہایت احتیاط کرنی چاہئے اور جو فرض وواجب نمازیں قیام وغیرہ پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھی ہوں انھیں لوٹانا فرض وواجب ہے۔ واللہ اعلم ۔

(عمدۃ الفقہ: ۲/۲۰۴،مجددیہ)

سجدے پر قدرت نہ رکھنے والے کے لئے قیام کا حکم:

سوال: ایک آدمی قیام کرسکتا ہے مگر سجدہ میں جانے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن نیچے بیٹھ کر پاؤں پھیلا کر اشارے سے نماز پڑھ سکتا ہے اس کے لئے کونسی ہیئت پر نماز پڑھنا افضل ہے؟

الجواب: اگر یہ شخص سجدے پر قادر نہیں تو قیام اس سے ساقط ہے تاوقتیکہ صحتمند ہوجائے لہذا یہ شخص بیٹھ کر رکوع اور سجدہ اشارہ سے کر کے نماز ادا کرے اس لئے کہ قیام وسیلہ ہے سجدہ کے لئے اور جب سجدہ نہ رہا تو قیام ساقط ہوجائے گا۔

ملاحظہ ہو مبسوط میں ہے:

وأما إذا كان قادرًا على القيام وعاجزًا عن الركوع والسجود فإنه يصلي قاعدًا بإيماء وسقط عنه القيام لأن هذا القيام ليس بركن لأن القيام إنما شرع لافتتاح الركوع والسجود به، فكل قيام لايعقبه سجود لايكون ركنًا ولأن الإيماء إنما شرع للتشبه بمن يركع ويسجد والتشبه بالقعود أكثر. (المبسوط للامام السرخسي رحمہ اللہ تعالیٰ: ۱/۲۱۳، باب صلاۃ المريض، ادارۃ القرآن)

تبیین الحقائق میں ہے:

(وإن تعذر الركوع والسجود لاالقيام أومأ قاعدًا) وقال زفر رحمہ اللہ تعالیٰ والشافعي رحمہ اللہ تعالیٰ: يصلي قائمًا بالإيماء لأن القيام ركن فلايسقط بالعجز عن أداء ركن آخر، ولنا

أن المقصود الخضوع والخشوع لله تعالىٰ وإنما حصل ذلك بالركوع والسجود والقيام وسيلة إلى السجود فلايجب بدونه، وهذا لأن التواضع يوجد في الركوع ونهايته توجد في السجود ولهذا لو سجد لغير الله تعالىٰ يكفر والقيام وسيلة إلى السجود فصار تبعًا له فسقط بسقوطه....... والله اعلم.

(تبيين الحقائق: ۱/۲۰۲، باب صلاة المريض۔ وكذا في العناية شرح الهداية: ۲/۶، باب صلاة المريض على هامش فتح القدير۔ والجوهرة النيرة: ۱/۹۶، باب صلاة المريض۔ والفتاوى الهندية: ۱/۱۳۶، باب صلاة المريض)

میز سامنے رکھ کر سجدہ کرنے کا حکم:

سوال: جو شخص معذور ہو کر کرسی پر نماز پڑھتا ہے اگر وہ سامنے میز رکھ کر اس پر سجدہ کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: جو شخص ایسا مریض یا معذور ہو کہ بیٹھنا بھی مشکل ہے اور کرسی پر نماز پڑھتا ہے تو میز وغیرہ پر سجدہ کرے تو درست ہے لیکن سامنے تختہ رکھنا ضروری نہیں ہے سجدہ کے لئے اشارہ کافی ہے، اور میز پر سجدہ کرے وہ بھی اشارہ میں شمار ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولايرفع إلى وجهه شيئًا يسجد عليه فإنه يكره تحريمًا. وفي الشامي: (قوله فإنه يكره تحريمًا) قال في البحر: واستدل لكراهة في المحيط بنهيه عليه الصلاة والسلام عنه وهو يدل على كراهة التحريم وتبعه في النهر، أقول: هذا محمول على ما إذا كان يحمل إلى وجهه شيئًا يسجد عليه بخلاف ما إذا كان موضوعًا على الأرض يدل عليه ما في الذخيرة حيث نقل عن الأصل الكراهة في الأول ثم قال: فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض وكان يسجد عليها جازت صلاته، فقد صح أن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها كانت تسجد على مرفقة موضوعة بين يديها لعلة كانت بها ولم يمنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذلك،فإن مفاد هذه المقابلة والاستدلال عدم الكراهة في الموضوع على الأرض المرتفع ثم رأيت القهستاني صرح ذلك. والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامي:۲/۹۸، باب صلاة المريض۔ وكذا في الهداية:۱/۱۳۶، باب صلاة المريض)

کرسی پر نماز پڑھنے والے کے لئے میز سامنے رکھنا ضروری نہیں ہے:

سوال: معذور آدمی کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو اور سامنے میز رکھ کر سجدہ کر سکتا ہو تو میز پر سجدہ ضروری ہے یا نہیں؟ بعض مفتی حضرات فرماتے ہیں کہ میز رکھنا ضروری ہے۔

مثلاً ملاحظہ ہو: (فتاوی بینات: ۲/۳۹۰۔ واحسن الفتاوی: ۴/۵۴)۔

الجواب: معذور آدمی جب کرسی پر نماز پڑھتا ہو تو سامنے میز رکھنا ضروری نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ سجدہ کے تحقق کے لئے پیشانی، دونوں ہاتھوں میں سے ایک، دونوں گھٹنوں میں سے ایک اور پاؤں کی انگلیوں میں ایک انگلی کا زمین پر رکھنا ضروری ہے، اگر چہ تھوڑی دیر کے لئے ہو اس کے بغیر سجدہ محقق نہ ہوگا اور کرسی میز پر سجدہ کرنے میں یہ چیزیں نہیں ہوسکتی لہذا معذور آدمی رکوع، سجدہ اشارہ سے کرے میز رکھنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

والسجدة إنما تتحقق بوضع الجبهة والأنف مع وضع إحدى اليدين وإحدى الركبتين وشيء من أطراف أصابع إحدى القدمين على ظاهر من الأرض، فإن لم يوجد وضع هذه الأعضاء لاتتحقق السجدة ...... وإلى ذلك أشار في الفتاوى الصغرى حيث قال: وضع القدمين على الأرض حالة السجود فرض فإن وضع أحدهما دون الأخرى يجوز ......

(امداد الفتاح: ص ٢٥٦، بيروت)

درمختار میں ہے:

ومنها السجود بجبهته وقدميه ووضع أصبع واحدة منهما شرط، وفي الشامي: وأفاد أنه لو لم يضع شيئًا من القدمين لم يصح السجود وهو مقتضى ما قدمناه آنفًا عن البحر.

(الدر المختار مع الشامي: ١/٤٤٧، بحث الركوع والسجود، سعيد۔ وكذا في حاشية الطحاوي على الدر المختار: ١/٢٢١)

نیز احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سواری پر نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے سجدہ کے لئے اشارہ فرمایا جبکہ پالان پر پیشانی رکھنا ممکن تھا اس کے باوجود آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اشارہ سے سجدہ فرمایا تو میز کا سامنے ہونا اور پالان کا ہونا دونوں برابر ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

كان عبد الله بن دينار يصلي في السفر على راحلته أينما توجّهت به يؤمي، وذكر عبد الله أن النبي ﷺ كان يفعله.

عن عامر بن ربيعة رضي الله تعالى عنه قال: رأيت رسول الله ﷺ وهو على الراحلة يسبح يؤمي برأسه قبل أي وجه توجه، ولم يكن رسول الله ﷺ يصنع ذلك في الصلاة المكتوبة.

(بخاري شريف: ١/١٤٨)

مذکورہ بالا حدیث پر اگر کوئی اشکال کرے کہ یہ تو نفل کا واقعہ ہے نہ کہ فرض نماز کا، تو جواب یہ ہے کہ نفل نماز

میں قدرت علی القیام کے باوجود قعود جائز ہے لیکن پھر بھی سجدہ پر قدرت ہو تو لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو در المختار میں ہے:

ويتنفل مع قدرته على القيام قاعدًا لامضطجعًا إلابعذر. وفي الشامية: قوله لامضطجعًا ...... وكذا لوشرع منحنيًا قريبًا من الركوع لايصح، بحر، وماذكرمن عدم صحة التنفل مضطجعًا عندنا بدون عذر، نقله في البحرعن الأكمل في شرحه على المشارق. وصرّح به في النتف، وقال الكمال في الفتح: لا أعلم الجوازفي مذهبنا وإنما يسوغ في الفرض حالة العجز عن القعود. والله اعلم. (الدرمع الشامي: ۲/۳٦، سعيد)

لیٹ کر نماز پڑھتے وقت چہرہ قبلہ کی طرف کرنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص معذور ہوا اور لیٹ کر نماز پڑھتا ہو تو پیر قبلہ کی طرف کرے گا یا کروٹ پر لیٹ کر پیر قبلہ سے ہٹائے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں معذور شخص لیٹ کر نماز پڑھتے وقت چہرہ قبلہ کی طرف کرلے اور پیروں کو ہلکے سے موڑ دے تاکہ قبلہ کی طرف نہ رہے، اور یہ طریقہ کروٹ لیٹ پر کر نماز پڑھنے سے افضل اور بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وإن تعذرالقعود ولوحكمًا أومأ مستلقيًا على ظهره ورجلاه نحوالقبلة غيرأنه ينصب ركبتيه لكراهة مد الرجل إلى القبلة ويرفع رأسه يسيرًا ليصيروجهه إليها أوعلى جنبه الأيمن أوالأيسرو وجهه إليها والأول أفضل على المعتمد.

وفي الشامي: (قوله ويرفع رأسه يسيرًا) أي يجعل وسادة تحت رأسه لأن حقيقة الاستلقاء تمنع الأصحاء عن الإيماء. فكيف بالمرضى بحر، (قوله والأول أفضل) لأن المستلقي يقع إيمائه إلى القبلة والمضطجع يقع منحرفًا عنها بحرقوله على المعتمد ...... بأن الاستلقاء هو ما في مشاهير الكتب والمشهورمن الروايات. والله اعلم.

(الدرالمختار مع الشامي: ۲/۹۹، باب صلاة المريض، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۷، باب صلاة المريض۔ وبهشتي زيورحصه دوم ٤٦)

معذور کا شرعی حکم:

سوال: ایک شخص کو خروجِ ریح کا عارضہ ہے وضوء کے بعد ۵ منٹ سے زیادہ اس کا وضوء نہیں رہتا اور وہ چاہتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم معلوم کرے اور قرآن کی تلاوت سنن ونوافل وغیرہ ادا کرے چند سالوں سے علاج معالجہ بھی کیا لیکن مفید ثابت نہیں ہوا لہٰذا اس بارے میں حکم شرعی سے مطلع فرمائیں؟

الجواب: اگر ایک مرتبہ کسی نماز کا کامل وقت اس حالت میں گذر جائے کہ خروجِ ریح مسلسل رہے یعنی اتنی دیر کے لئے بھی بند نہ ہو کہ وہ وضو کر کے وقتیہ نماز پوری کر سکے تب تو یہ شخص معذور ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ ہر وقت کے لئے اس کے ذمہ وضو ضروری ہے اس وضو سے فرض، سنن ونوافل، تلاوتِ قرآن، اداء، قضاء جو دل چاہے پڑھتا رہے خروجِ ریح ناقض وضو نہیں ہوگا، وقت کا نکلنا اس کے حق میں ناقض وضو ہے، ہر وقت کے لئے علیحدہ وضو ضروری ہے۔

اور یہ شخص معذور رہے گا جب تک کہ کسی ایک نماز کا کامل وقت عذر سے خالی نہ گذر جائے یعنی معذور رہنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ عذر مسلسل رہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ ہر نماز کے کامل وقت میں ایک دو مرتبہ عذر کا تحقق ہو جائے اور جب ایسی حالت آجائے گی کہ کامل وقت ایک مرتبہ بھی عذر سے خالی گذر جائے گا تو یہ شخص معذور نہ رہے گا اور کسی کامل نماز کا وقت ایسا نہیں گذرے کہ اس کو عذر سے خالی رہ کر نماز کا ادا کرنا ممکن ہو، بلکہ اتنی گنجائش مل جاتی ہے کہ ہر وقت میں نماز بلا عذر ادا کر سکتا ہے تو یہ معذور نہیں ہے، خروجِ ریاح اس کے حق میں ناقضِ وضو ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۴۶، باب صلاۃ المریض، جامعہ فاروقیہ۔ وبہشتی زیور ص ۷ کتاب الطہارۃ)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها **أن فاطمة بنت أبي حبيش** رضي الله تعالى عنها **أتت النبي** صلى الله عليه وسلم **فقالت إني أحيض الشهر والشهرين فقال** رسول الله صلى الله عليه وسلم **إن ذلك ليس بحيض وإنما ذلك عرق من ذلك فإذا أقبل الحيض فدعي الصلاة وإذا أدبر فاغتسلي لطهر ثم توضئي عند كل صلاة.**

(شرح معاني الآثار: ۱/۸۰، باب المستحاضة كيف تطهر للصلاة)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معذور شخص ہر نماز کے وقت وضو کرے گا۔

درمختار میں ہے:

وصاحب عذر من به سلسل بول لا يمكنه إمساكه أو استطلاق بطن أو انفلات ريح ...... إن استوعب عذره تمام وقت صلاة مفروضة بأن لا يجد في جميع وقتها زمنًا يتوضأ ويصلي فيه

خالیًا عن الحدث ولو حکمًا لأن الانقطاع الیسیر ملحق بالعدم وهذا شرط العذر فی حق الابتداء وفی حق البقاء کفی وجوده فی جزء من الوقت ولو مرة وفی حق الزوال یشترط استیعاب الانقطاع تمام الوقت حقیقة لأنه الانقطاع الکامل ونحوه لکل فرض، اللام للوقت کما فی لدلوك الشمس ثم یصلی به فیه فرضًا ونفلاً ...... فإذا خرج الوقت بطل ...... وفی الشامی: (قوله أو نفلات ریح) هو من لایملك جمع مقعدته لاسترخاء فیها نهر. (قوله ولو حکمًا) أی ولو کان الاستیعاب حکمًا بأن انقطع العذر فی زمن یسیر لایمکنه فیه الوضوء والصلاة فلا یشترط الاستیعاب الحقیقی فی حق الابتداء کما حققه فی الفتح والدرر ...... (قوله اللام للوقت) أی فالمعنی لوقت کل صلاة بقرینة قوله بعده فإذا خرج الوقت بطل فلا یجب لکل صلاة ...... قال فی الإمداد: وفی شرح مختصر الطحاوی: روی أبو حنیفة رحمه الله تعالیٰ عن هشام بن عروة عن أبیه عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن النبی ﷺ قال لفاطمة بنت أبی حبیش رضی الله تعالیٰ عنها "توضئی لوقت کل صلاة".

(الدر المختار مع الشامی: ۱/ ۳۰۶، أحکام المعذور، سعید۔ وکذا فی امداد الفتاح: ۱۵۲۔۱۵۴، بیروت۔ وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱۴۹، قدیمی۔ وکذا فی المبسوط: باب المسح علی الخفین، ادارة المعارف۔ وفی مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر: فصل المستحاضة ومن به سلسل بول۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: ۴/ ۴۴۲، مدلل ومکمل، دار الاشاعت)

تنبیہ: معذور کے احکام مشکل اور دقیق ہیں، لہٰذا معذور ہونے اور نہ ہونے میں بہشتی زیور کو مقامی علماء سے سمجھنے کی کوشش کریں یا اگر صلاحیت ہو تو خود سمجھنے کی کوشش کرلیں۔ واللہ اعلم۔

معذور شخص کی نماز کا حکم:

سوال: (۱) میرا ہاتھ کٹ گیا میں نے زخم کو صاف کیا یہاں تک کہ مجھے اطمینان ہو گیا کہ زخم خشک ہو گیا اور خون بالکل نہیں پھر میں نے وضو کیا اور زخم خشک ہونے کے بعد اس پر پلستر لگایا پھر میں جمعہ کے لئے گیا پھر دو گھنٹے کے بعد پلستر نکالا تو اس پر کچھ خون کے اثرات نظر آئے کیا میرا جمعہ صحیح ہوا؟

(۲) کیا یہ صحیح ہوتا کہ زخم صاف کر کے اس پر پلستر لگا کر مسح کر لیتا؟ کیا زخم سے خون کا بند ہونا ضروری ہے ایسے موقع پر آدمی کیا کرے؟

(۳) میں نے قرآن پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن زخم پر خون کے اثرات کی وجہ سے میرا وضو نہ تھا جب بھی ٹیشو سے زخم کو پونچھتا تو ٹیشو پر خون کے اثرات نظر آتے لہٰذا میں نے کاغذ کی مدد سے قرآن غلاف سے نکالا اور بغیر

ہاتھ لگائے پڑھنا شروع کیا اور اوراق کو قلم کے ذریعہ پلٹا کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

(۴) مجھے کچھ ہدایات کرے تا کہ آئندہ ایسا مسئلہ پیش آئے تو کیا کیا جائے؟

الجواب: زخم کی پٹی پر خون لگے لیکن باہر ظاہر نہ ہو یعنی بہنے والا نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا لہٰذا صورتِ مسئولہ (۱) میں زخم صاف کر کے اس کو دھو کر وضوء کرنے کے بعد پٹی لگائی پھر دو گھنٹے کے بعد خون کے اثرات پلستر پٹی پر لگے چونکہ یہ دمِ سائل کے حکم میں نہیں ہے اور نہ باہر ظاہر ہوئے لہٰذا وضو باقی تھا اور جمعہ کی نماز درست ہوگئی۔

(۲) خون کو دھویا گیا لہٰذا پٹی لگانے کے بعد مسح درست ہے اور ایسے موقع پر جب خون نکل آیا پھر اس کو دھولیا اور صاف کر لیا پھر پلستر پٹی لگا دی تو نماز وغیرہ سب درست ہے جب تک خون باہر نظر نہ آئے وضو باقی رہتا ہے اور عام طور پر جب پلستر پٹی دبا کر زخم پر لگادے تو خون بند ہو جاتا ہے اثرات پٹی پر لگے وہ مضر نہیں ہاں دوسری نماز کا وقت آجائے اور خون اندر زیادہ نظر آنے لگے تو پٹی نکال کر پھر صاف کرے اور وضو کر لے پھر پٹی لگالے۔

(۳) زخم پر پٹی نہیں ہے اور خون کے اثرات نظر آتے ہیں اس کو بار بار ٹیشو سے پونچھا تو دیکھا جائے گا اگر ایک ہی مجلس میں سب کو جمع کرے اور اتنا ہو جائے کہ اگر نہ پونچھتے تو یقیناً زخم کے منہ سے بہہ جاتا تو وضو ٹوٹ گیا اور آپ کا قرآن پڑھنا بغیر چھوئے اور صفحات کو قلم سے پلٹنا درست ہے، بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانا درست نہیں، اور اگر ایک ہی مجلس میں سب کو جمع کرنے سے بہنے کے بقدر نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹا لہٰذا قرآن کو ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔

(۴) پھر اگر آئندہ اس قسم کا عذر پیش آجائے مثلاً زخم سے خون رستا رہتا ہے تو بہتر تو یہ ہے کہ پلستر پٹی لگالے تو انشاء اللہ بند ہو جائے گا اور پٹی پر اثرات لگے جب تک زیادہ نظر نہ آئے مضر نہیں وضو باقی ہے اور اگر زیادہ رستا رہتا ہے اور ایک نماز کا پورا وقت اسی طرح نکل جائے کہ نماز پڑھنے کا بھی موقع نہ ملے تو آپ معذور کے حکم میں ہے لہٰذا آئندہ وقت میں ایک مرتبہ وضو کرے تو کافی ہے جب تک وقت باقی ہے آپ کا وضو بھی باقی سمجھا جائے گا اور وقت نکل جائے تو دوسری نماز کے لئے نیا وضو کرے اسی طرح کرے جب تک یہ عذر باقی ہے۔

شامی میں ہے:

(قوله لو مسح الدم كلما خرج الخ) وكذا إذا وضع عليه قطنًا أو شيئًا آخر حتى ينشف ثم وضعه ثانيًا وثالثًا فإنه يجمع جميع مانشف فإن كان بحيث لو تركه سال نقض وإنما يعرف هذا بالاجتهاد وغالب الظن وكذا لو ألقى عليه رمادًا أو ترابًا ثم ظهر ثانيًا فتربه ثم وثم فإنه يجمع قالوا وإنما يجمع إذا كان في مجلس واحد مرة بعد أخرى فلوفي

مجالس فلا، تاترخانية، ومثله في البحر.

أقول: وعليه فما يخرج من الجرح الذي ينزّ دائمًا وليس فيه قوة السيلان ولكنه إذا ترك يتقوى باجتماعه ويسيل عن محله فإذا نشفه أوربطه بخرقة وصاركلما خرج منه شيء تشرّبته الخرقة ينظر إن كان ما تشرّبته الخرقة في ذلك المجلس شيئًا فشيئًا بحيث لو ترك واجتمع أسال بنفسه نقض وإلا لا ولايجمع ما في مجلس آخروفي ذلك توسعة عظيمة لأصحاب القروح ولصاحب كيّ الحمصة فاغتنم هذه الفائدة. (شامی: ۱/ ۱۳۵، سعید)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن كان رأس الجرح مبتلا بالدم لايعيد شيئًا منها هكذا في المحيط ولو كانت جراحة فربطها فابتل ذلك الرباط إن نفذ البلل إلى الخارج نقض الوضوء وإلا فلا، ولو كان الرباط ذاطاقين فنفذ البعض دون البعض ينتقض الوضوء كذا في التتارخانية في نواقض الوضوء.

(الفتاوی الهندية: ۱/ ۳۶)

وإنما يمسح إذا لم يقدرعلى غسل ما تحتهاومسحه بأن تضرربإصابة الماء أو حلها هكذا في شرح الوقاية وإن كان يضره الغسل بالماء البارد ولايضره الغسل بالماء الحار يلزمه الغسل بالماء الحارهكذا في شرح الجامع الصغيرلقاضيخان. (الفتاوی الهندية: ۱/ ۳۵)

شامی میں ہے:

(قوله ولوشد الخ) قال في البدائع ولوألقى على الجرح الرماد أوالتراب فتشرّب أوربط عليه رباطًا فابتل الرباط ونفذ قالوا يكون حدثًا لأنه سائل وكذا لوكان الرباط ذاطاقين فنفذ إلى أحدهما لما قلنا، قال في الفتح: ويجب أن يكون معناه إذاكان بحيث لولا الرباط سال، لأن القميص لوتردد على الجرح فابتل لاينجس مالم يكن كذلك لأنه ليس بحدث أي وإن فحش كما في المنية. (شامی: ۱/ ۱۳۹، سعید)

تقریراتِ رافعی میں ہے:

(قوله فابتل الرباط ونفذ) ولولم ينفذ من الرباط لاينتقض، من السندي انتهى.

(تقریراتِ الرافعی علی هامش الشامی: ۱/ ۱۹، سعید)

تنبیہ: معذور کے احکام مشکل اور دقیق ہیں، لہٰذا معذور ہونے اور نہ ہونے میں بہشتی زیور کو مقامی علماء سے سمجھنے کی کوشش کریں یا اگر صلاحیت ہو تو خود سمجھنے کی کوشش کرلیں۔ واللہ اعلم۔

نجاست کا تھیلا ساتھ رکھ کر مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی بیمار ہے اس کے پیٹ کے ساتھ ایک تھیلا لگا دیا گیا جس میں فضلہ نلکی کے ذریعہ آتا ہے، جو عموماً مقعد کے راستہ سے نکلتا ہے، اس آدمی کا مسجد میں آنا اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ یہ نجاست کو مسجد میں داخل کرنے کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور بدبو ہونے یا نہ ہونے سے مسئلہ میں فرق پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں بدبودار چیز یا نجاست مسجد میں داخل کرنا مکروہِ تحریمی ہے خصوصاً جب کہ تلویثِ مسجد کا اندیشہ ہو، لیکن جو شخص معذور ہے جیسا کہ صورتِ مسئولہ میں تو یہ تھیلا اس کے پیٹ اور معدہ کے حکم میں ہوگا، لہٰذا اگر بدبو نہ ہو اور چھپا ہوا ہو اور لوگوں کے لئے باعثِ نفرت نہ ہو تو اس کا مسجد جانا جائز اور درست ہے۔

نبی پاک ﷺ کے زمانہ میں مستحاضہ عورت کا مسجد میں اعتکاف کرنا ثابت ہے اگر چہ نجاست ساتھ تھی لیکن چھپی ہوئی تھی اور بدبو وغیرہ بھی نہیں تھی لہٰذا آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے نکیر نہیں فرمائی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: اعتكفت مع رسول الله ﷺ إمرأة من أزواجه مستحاضة فكانت ترى الحمرة والصفرة فربما وضعنا الطست تحتها وهي تصلي.

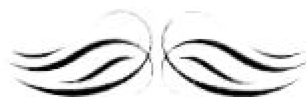
(رواه البخاري: ١/٢٧٣/١٩٩١، باب اعتكاف المستحاضة، فيصل)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کپڑے یا مسجد ملوث نہ تو ٹھیک ہے اسی طرح جو مستحاضہ کے معنی میں ہے یعنی معذور وغیرہ ان کے لئے بھی مسجد میں داخل ہونے اور اعتکاف کرنے کی اجازت ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

ومما يستنبط منه: جواز اعتكاف المستحاضة، وجواز صلاتها لأن حالها حال الطاهرات وإنها تضع الطست لئلا يصيب ثوبها أو المسجد وأن دم الاستحاضة رقيق ليس كدم الحيض، ويلحق بالمستحاضة ما في معناها كمن به سلس البول والمذي والودي ومن به جرح يسيل في جواز الاعتكاف. والله اعلم.

(عمدة القاري: ٣/١٣٠، كتاب الحيض، باب الاعتكاف للمستحاضة، دار الحديث ملتان)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم:

﴿"إن الصلاة أول ما فرضت ركعتين فأقرت صلاة السفر وأتمت صلاة الحضر"﴾

(مسلم)

باب......﴿۱۵﴾

مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان

باب ۱۵

مسافرت میں نماز پڑھنے کا بیان

ابتداء سفر شرعی کی حد:

سوال: مسافتِ شرعی کا شمار گھر سے ہوتا ہے یا حدودِ شہر سے؟

الجواب: شہر کے آخری مکان سے سفر کی مسافتِ شرعی شروع ہوگی، اس سے پہلے سفرِ شرعی شروع نہیں ہوتا اگر چہ گھر سے نکل جائے۔

ملاحظہ ہو مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن أبي حرب بن أبي الأسود الديلي أن عليًا رضي الله تعالى عنه لما خرج إلى البصرة رأى خصًا فقال: لولا هذا الخص لصلينا ركعتين فقلت: ماخصًا؟ قال: بيت من قصب.

(مصنف عبدالرزاق: ۲/۵۲۹، باب المسافر متى يقصر اذا خرج مسافراً)

ہدایہ میں ہے:

وإذا فارق المسافر بيوت المصر صلى ركعتين لأن الإقامة تتعلق بدخولها فيتعلق السفر بالخروج عنها وفيه الأثر عن علي رضي الله تعالى عنه لو جاوزنا هذا الخص لقصرنا.

(الهداية: ۱/۱۶۶، باب صلاة المسافر)

شامی میں ہے:

قوله: من خرج من عمارة موضع إقامته، أراد بالعمارة مايشمل بيوت الأخبية لأن بها عمارة موضعها، قال في الإمداد: فيشترط مفارقتها ولو متفرقة وإن نزلوا على ماء أو محتطب يعتبر مفارقته كذافي مجمع الروايات. والله اعلم.

(الشامي: ۲/۱۲۱، باب صلاة المسافر. وكذا في الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر. وفتاوى محموديه: ۷/۴۷۶، باب صلاة المسافر)

شہر بہت کشادہ ہو تو سفر کی ابتداء اور انتہاء کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص سفر پر چلا جائے اور جس شہر سے سفر کر کے گیا وہ شہر بہت بڑا ہے جیسے بمبئی کراچی وغیرہ تو واپسی پر اس کا سفر کب ختم ہوگا جب شہر میں داخل ہو جائے یا گھر آجائے اور سفر کب شروع ہوگا گھر سے نکلنے پر یا شہر سے نکلنے پر؟

الجواب: صورت مسئولہ میں شہر میں داخل ہونے سے شخص مذکور کا سفر شرعی ختم ہو جائے گا، اور شہر کا آخری مکان تجاوز کرنے سے سفر شرعی شروع ہوگا۔

ملاحظہ ہو مصنفِ عبدالرزاق میں ہے:

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة، ويقصر إذا رجع حتى يدخل بيوتها. وعن علي بن ربيعة الأسدي قال: خرجنا مع علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ ونحن ننظر إلى الكوفة فصلى ركعتين، ثم رجع فصلى ركعتين، وهو ينظر إلى القرية فقلنا له: ألا تصلي أربعًا؟ قال: حتى ندخلها. (مصنف عبدالرزاق: ۲/۵۳۰، باب المسافر متى يقصر اذا خرج مسافرًا)

نیز مذکور ہے:

عن أبي حرب بن أبي الأسود الديلي أن عليًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما خرج إلى البصرة رأى خصًا فقال: لولا هذا الخص لصلينا ركعتين فقلت: ما خصًا؟ قال: بيت من قصب.

(مصنف عبدالرزاق: ۲/۵۲۹، باب المسافر متى يقصر اذا خرج مسافرًا)

کتاب الحجۃ میں ہے:

قال أبو حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ: لا يقصر الذي يريد السفر الصلاة حتى يخرج من بيوت القرية فيجعلها خلف ظهره ولا يبقى شيء أمامه ولا يتمها حتى يدخل البيوت فيجعل بعضها خلف ظهره فإذا دخلها أو دخل شيئًا منها أتم الصلاة. والله اعلم. (کتاب الحجۃ: ۱/۱۷۱، ۱۷۲)

آبادی بڑھنے کی وجہ سے دو بستیاں متصل ہو جانے پر سفرِ شرعی کی ابتداء کا حکم:

سوال: آج کل بعض جگہوں پر آبادی کے بڑھنے کی وجہ سے دو بستیاں متصل ہو جاتی ہیں تو اس حالت میں سفر کا اعتبار کہاں سے ہوگا؟ کیا اپنی بستی سے یا دوسری متصل بستی سے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دوسری بستی اگرچہ متصل ہے لیکن دونوں کے نام علیحدہ ہیں اور دونوں کی

حدود بھی الگ الگ مقرر ہیں تو دونوں مستقل آبادیاں شمار ہوں گی اور سفرِ شرعی کا اعتبار اس وقت ہوگا جب کہ اپنی آبادی سے تجاوز کرے، اور اگر اس طور پر اتصال ہو چکا ہے کہ حکومت کی جانب سے ایک کر دیا ہو اور دوسری بستی پہلی کے لئے بطور محلّہ استعمال ہوتی ہو تو یہ شہر کا جز ہے لہذا اب اس سے تجاوز کرنے پر سفرِ شرعی کے احکام جاری ہوں گے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

من خرج من عمارة موضع إقامته من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر . وفي الشامي: ويشترط مفارقة ماكان من توابع موضع الإقامة كربض المصر وهوماحول المدينة من بيوت ومساكن فإنه في حكم المصر وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح بخلاف البساتين ولو متصلة بالبناء لأنها ليست من البلدة ولو سكنها أهل البلدة في جميع السنة.

(الدر المختار مع الشامي: ۱۲۱/۲، باب صلاة المسافر، سعيد۔ وكذافي الهداية: ۱۶۶/۱۔ والبحر الرائق: ۱۲۸/۲۔ وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۴۲۳، باب صلاة المسافر، قديمي۔ والفتاوى الهندية: ۱۳۹/۱۔ وشرح منية المصلي: ص ۵۳۶۔ والفقه الاسلامي وادلته: ۳۲۴، دار الفكر)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت کی آبادی سے باہر ہو جانے پر شرعی مسافر کا اطلاق ہوگا، دوسری آبادی اگر چہ متصل ہو مگر دوسری آبادی ہے، دونوں کے نام الگ ہیں حکومت اور کارپوریشن یعنی (میونسپلٹی۔نگر پالیکا) نے دونوں آبادیوں کے حدود الگ الگ مقرر کئے ہیں، اس لئے وہ دونوں دو مستقل آبادیاں (یعنی شہر) شمار ہوں گی، اور شرعی مسافر کا اطلاق اس وقت ہوگا جب کہ اپنی آبادی یعنی شہر کے حدود تجاوز کرے، اور اگر متصل ہونے کی وجہ سے کارپوریشن نے دونوں کو ایک کر دیا ہو تو اب وہ آبادی شہر کا محلّہ ہے اور وہ محلّہ شہر کا جز ہے لہٰذا اب اس سے تجاوز ہونے پر مسافرت کے احکام جاری ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی رحیمیہ: ۳۶۴/۶۔ واحسن الفتاوی: ۷۴/۴۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: ۴۷۲/۴، مدلل ومکمل، دار الاشاعت)

ایک سے زائد وطنِ اصلی کا حکم:

سوال: (الف) کسی شخص نے ہندوستان میں شادی کی اور اس کی بیوی وہیں پر رہتی ہے اس نے افریقہ میں بھی شادی کی اور یہ افریقہ میں رہتی ہے تو کیا دونوں اس کے لئے وطنِ اصلی ہوں گے؟ کیا وطنِ اصلی متعدد ہو سکتے ہیں؟ (ب) اگر کسی کے پاس دو ملکوں کے پاسپورٹ ہیں تو اس کی وجہ سے دونوں وطن شمار ہوں گے؟

الجواب: شریعت کی نگاہ میں وطن اصلی ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں، اگر کسی نے چار عورتوں سے شادی کی اور چاروں علیحدہ شہر یا وطن میں ہیں اور وہ شخص چاروں کے پاس وقتاً فوقتاً جاتا رہتا ہے تو اس کے حق میں چار وطن اصلی ہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ (الف) میں شخصِ مذکور کے لئے ہندوستان اور افریقہ دونوں وطن اصلی ہیں۔

(ب) شریعت کی نگاہ میں کسی شخص کا ملک کا فقط پاسپورٹ حاصل کرلینا وطنِ اصلی ہونے کی دلیل نہیں ہے، جب تک اس میں مستقل رہائش اختیار نہ کرلے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ثم الوطن الأصلي يجوز أن يكون واحدًا أو أكثر من ذلك بأن كان له أهل ودار في بلدتين أو أكثر ولم يكن من نية أهله الخروج منها وإن كان هو ينتقل من أهل إلى أهل في السنة حتى أنه لو خرج مسافرًا من بلدة فيها أهله ودخله في أى بلدة من البلاد التى فيها أهله فيصير مقيمًا من غير نية الإقامة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۰۳، سعید)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا لم ينقل أهله بل استحدث أهلاً أيضًا ببلدة أخرى فلايبطل وطنه الأول وكل منهما وطن أصلى له. وقال الطحطاوى: وكذا لو استحدث أهلاً فى ثلاث مواضع فالحكم واحد فيما يظهر. والله اعلم.

(مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ص ۴۲۹، باب صلاۃ المسافر، قدیمی۔ البحر الرائق: ۲/ ۱۳۶، کوئٹہ۔ والفتاوی السراجیۃ: ص ۱۲، باب صلاۃ المسافر۔ والشامی: ۲/ ۱۳۱، سعید)

واپسی میں ایرپورٹ پر قصر کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص سفر سے واپس آیا اور وہ ایرپورٹ میں ہے اور وہ (newtown) نیوٹاؤن میں رہتا ہے تو کیا وہ ایرپورٹ میں قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: مسافر قصر کرے گا جب تک اپنے شہر میں داخل نہ ہو جائے یا ۱۵ دن اقامت کی نیت نہ کرلے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور ایرپورٹ میں قصر کرے گا کیوں کہ ایرپورٹ (newtown) نیوٹاؤن سے خارج ہے اور الگ علاقہ شمار کیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف عبد الرزاق میں ہے:

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان يقصر الصلاة حين يخرج من بيوت المدينة، ويقصر إذا رجع حتى يدخل بيوتها. وعن علي بن ربيعة الأسدي قال: خرجنا مع علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ ونحن ننظر إلى الكوفة فصلى ركعتين، ثم رجع فصلى ركعتين، وهو ينظر إلى القرية فقلنا له: ألا تصلي أربعاً؟ قال: حتىٰ ندخلها. (مصنف عبدالرزاق: ۲/۵۳۰، باب المسافر متى يقصر إذا خرج مسافراً)

عالمگیری میں ہے:

وإذا دخل المسافر مصره أتم الصلاة وإن لم ينو الإقامة فيه سواء دخله بنية الاختيار أو دخله لقضاء الحاجة كذا في الجوهرة النيرة. واللہ اعلم۔ (الفتاوى الهندية: ۱/۱٤۲)

مسافتِ قصر کی مقدار:

سوال: مذہب احناف کے مطابق کتنی مسافت طے کرنے پر احکام سفر وابستہ ہوں گے؟

الجواب: مذہب احناف ظاہر الروایہ کے مطابق مسافت کی مقدار تین دن درمیانی رفتار سے چلنا ہے، علاوہ ازیں فرسخ ومیل وغیرہ کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

ملاحظہ ہو: (مراقي الفلاح: ص ۱٦۲، بيروت۔ والهداية: ۱/۱٦۵۔ والفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸، وغيره)۔

البتہ موجودہ زمانہ میں عوام الناس کی سہولت اور آسانی کی غرض سے علمائے متاخرین نے فرسخ ومیل کا اعتبار کیا ہے۔

چنانچہ تعیینِ فرسخ میں بھی مختلف اقوال پائے جاتے ہیں مثلاً: ۱۵، ۱٦، ۱۸، ۲۱ وغیرہ ائمہ ثلاثہ سے منقول ہیں۔ پھر مفتی بہ قول میں بھی مختلف اقوال ہیں: مثلاً بعض علماء نے ۱۸ فرسخ پر فتویٰ نقل کیا ہے۔

ملاحظہ ہو: (الشامي: ۲/۱۲۳، سعيد۔ الفتاوى التاتارخانية: ۲/۔ شرح منية المصلي: ص ۵۳۵، سهيل۔ عمدة القاري: ۵/۳۸۵۔ حاشية الدرر على الغرر: ۱/۸۱۔ وغيره)۔

اس کے مقابل بعض دوسرے حضرات نے ۱۵ فرسخ والے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے، جو ائمہ خوارزم کا مفتی بہ قول ہے۔

ملاحظہ ہو: (الشامي: ۲/۱۲۳، سعيد۔ بدائع الصنائع: ۱/۹۳، سعيد۔ البحر الرائق: ۲/۱۲۹، كوئٹة۔ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ٤۲۱، وغيره)۔

ہمارے اکابر سے بھی مختلف اقوال منقول ہیں: مثلاً حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ۲۴ میل۔ حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا

عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سے ۳۶ میل انگریزی۔حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ۴۸ میل۔حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ،حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ سے ۴۵ میل (یعنی ۱۵ فرسخ جوائمہ خورزم کا مفتی بہ قول ہے)منقول ہیں۔

نیز اکثر اکابر حضرات سے ۴۸ میل منقول ہیں وہ بھی ۴۵ میل شرعی کوانگریزی میں منتقل کرنے کی وجہ سے ہے پھر ۴۸ میل انگریزی سے حساب لگا کر ۷۸ کلومیٹر بنائے،اسی وجہ سے ۷۸ والا قول مشہور ہے۔

لیکن اگر ۴۵ میل شرعی کوانگریزی میں منتقل نہ کریں تو جدید حساب کے اعتبار سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر بنتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ خوارزم کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے جس کو ہمارے اکابر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہیں،مسافت قصر کی مقدار ۱۵ فرسخ یعنی ۴۵ میل شرعی بحساب ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر ہے۔

یہ قول اس وجہ سے اختیار کیا گیا ہے کہ اکابر رحمہ اللہ تعالیٰ کی موافقت کے ساتھ ساتھ ائمہ ثلاثہ کے قول کے قریب بھی ہے،اوراس میں آسانی بھی ہے۔

دلائل ملاحظہ فرمائیں:اعلاء السنن میں ہے:

عن عبدالرحمن بن أبي بكرعن أبيه "أن رسول الله ﷺ وقت في المسح على الخفين ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر،وللمقيم يوم وليلة" رواه ابن حبان في صحيحه زيلعي:۱/۸۷. وقال الطحاوي في معاني الآثار (۱/۵۰): قد تواترت الآثارعن رسول الله ﷺ في المسح على الخفين للمسافر ثلاثة أيام ولياليها،وللمقيم يوم وليلة.

(اعلاء السنن:۷/۲۶۹/۲،۱۹۷۰،باب مسافت القصر،ادارة القرآن)

دوسری جگہ مذکور ہے:

وفي البحرعن المجتبى: فتوى أكثر أئمة خوارزم على خمسة عشرفرسخًا قلت: وهذا أقرب إلى ماعلقه البخاري ونصه كان ابن عمر رضي الله تعالى عنه وابن عباس رضي الله تعالى عنه يقصران ويفطران في أربعة برد وهو ستة عشر فرسخًا. (اعلاء السنن:۷/۲۸۳،ادارة القرآن كراچي)

بدائع الصنائع میں ہے:

واختلفوا في التقدير قال أصحابنا: مسيرثلاثة أيام سيرالإبل ومشي الأقدام وهو المذكور في ظاهرالروايات وروى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى يومان وأكثرالثالث، وكذاروى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وابن سماعة عن محمد رحمه الله تعالى ومن مشايخنامن قدره بخمسة عشرفرسخًا وجعل لكل يوم خمس فراسخ ومنهم من قدره بثلاث مراحل وقال مالك

رحمہ اللہ تعالیٰ: أربعة برد كل بريد اثناعشر ميلاً واختلفت أقوال الشافعي فيه قيل ستة وأربعون ميلاً وهو قريب من قول بعض مسايخنالأن العادة أن القافلة لاتقطع في يوم أكثر من خمسة فراسخ. (بدائع الصنائع: ۱/۹۳، بيان مايصيربه المقيم مسافراً، سعيد)

البحر الرائق میں ہے:

وأشار المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ إلى أنه لااعتبار بالفراسخ وهو الصحيح ...... وفي النهاية الفتوى على اعتبار ثمانية عشر فرسخًا وفي المجتبى: فتوى أكثر أئمة خوارزم على خمسة عشر فرسخا. (البحر الرائق: ۲/۱۲۹، باب المسافر، الماجدية)

شامی میں ہے:

قوله: ولااعتبار بالفراسخ ...... على المذهب، لأن المذكور في ظاهر الرواية اعتبار ثلاثة أيام كما في الحلية وقال في الهداية: هو الصحيح احترازًا عن قول عامة المشايخ من تقديرها بالفراسخ، ثم اختلفوا فقيل: أحد وعشرون، وقيل: ثمانية عشر، وقيل: خمسة عشر، والفتوى على الثاني لأنه الأوسط، وفي المجتبى: فتوى أئمة خوارزم على الثالث، وجه الصحيح أن الفراسخ تختلف باختلاف الطريق في السهل والجبل والبر والبحر بخلاف المراحل، معراج.

(الشامي: ۲/۱۲۳، باب صلاة المسافر، سعيد، وكذافي حاشية الدرر للعلامة الشرنبلالي: ۱/۱۳۲، باب المسافر، وكذافي معارف السنن: ٤/٤٧٣، تحقيق مسافت القصر، سعيد)

جواہر الفقہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

راجح اور صحیح مذہب امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ کسی خاص مقدار کی تحدید میلوں وغیرہ سے نہ کی جاوے بلکہ تین دن اور تین رات میں جس قدر مسافت انسان پیدل چل کر بآسانی طے کر سکے یا اونٹ کی سواری پر بآسانی طے کرے وہ مقدار مسافت سفر شرعی ہے۔

اس کے خلاف بعض فقہاء نے فراسخ یا میلوں کی تعیین بھی فرمائی ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے کہ ۴۸ میل سے کم میں قصر نہ کرے اور یہی امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک روایت یہی ہے۔ اور مشائخ حنفیہ میں سے بعض نے اکیس فرسخ جس کے تریسٹھ میل ہوتے ہیں۔ اور بعض نے اٹھارہ فرسخ جس کے چون میل ہوتے ہیں۔ اور بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پینتالیس میل ہوتے ہیں مسافت قصر قرار دی، عمدۃ القاری میں اٹھارہ فرسخ پر فتوی نقل کیا ہے، اور شامی اور بحر نے بحوالہ مجتبی

اکثر ائمہ خوارزم کا فتوی پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے......۔

ہندوستان کے عام بلاد میں چونکہ راستے تقریباً مساوی ہیں پہاڑی یا دشوار گذار نہیں ہیں اس لئے علمائے ہندوستان نے میلوں کے ساتھ تعیین کر دی ہے۔

نیز محققین علمائے ہندوستان نے ۴۸ میل انگریزی کو مسافتِ قصر قرار دیا ہے جو اقوال فقہاء مذکورین کے قریب قریب ہے۔ اور اصل مدار اس کا اسی پر ہے کہ اتنی ہی مسافت تین دن تین رات میں پیادہ مسافر آسانی طے کر سکتا ہے، اور فقہائے حنفیہ کے مفتی بہ اقوال میں سے جو فتوی ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ کا نقل کیا گیا ہے وہ تقریباً اس کے بالکل مطابق ہے، کیونکہ پندرہ فرسخ کے ۴۵ میل شرعی ۴۸ میل انگریزی سے کچھ زیادہ متفاوت نہیں رہتے۔

اور ۴۸ میل کی تعیین پر ایک حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے، جو دار قطنی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اہل مکہ چار برید سے کم میں نماز کا قصر مت کرو جیسے مکہ سے عسفان تک۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رسول الله ﷺ قال: يا أهل مكة لاتقصروا الصلاة في أدنى من أربعة برد من مكة إلى عسفان.

(رواه الدارقطني: ۱/۳۸۷، باب قدر المسافة التي تقصر في مثلها صلاة، القاهرة)

اس روایت کی سند میں اگر چہ ایک راوی ضعیف ہے۔

(جواہر الفقہ: "اوزانِ شرعیہ" ۱/۴۳۵، مسافتِ سفر کی تحقیق، دار العلوم کراچی)

ایضاح المسائل میں ہے:

۴۵ میل شرعی کا اعتبار کیا جائے تو میٹروں کے حساب سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر مسافتِ سفر بنتی ہے، تو معلوم ہوا کہ شرعی میل کے لحاظ سے ۸۲ کلومیٹر ۲۹۶ میٹر سے کم کی مسافت میں قصر جائز نہ ہوگا۔

(ایضاح المسائل: ص ۶۸، سفر شرعی کی مسافت پر سیر حاصل تحقیقی بحث، از مفتی شبیر احمد قاسمی، نعیمیہ دیوبند)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد المفتين: ۱/۲۶۳، دار الاشاعت۔ والمقاييس والمقادير عند العرب: ص ۹۰، تاليف: الشهيدة نسيبة محمد فتحي الحريري، دار المعارف ديوبند)۔ **واللہ اعلم۔**

بلا نیت مسافتِ قصر طے کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: ایک آدمی روشنی سے جوہانسبرگ جانے کے لئے نکلا وہاں بیچ کراس کا ارادہ لوڈیم جانے کا ہوا اب یہ مسافر ہوگا یا مقیم؟ کیوں کہ ہر ایک مسافت مقدارِ سفر سے کم ہے جب کی دونوں کا مجموعہ مسافتِ شرعی کے برابر ہے۔

الجواب: ابتداء سفر میں بیک وقت مسافتِ شرعی کی نیت ہو تو قصر کرے گا ورنہ نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ شخص مقیم ہوگا نہ کہ مسافر۔ ہاں واپسی میں قصر کرے گا۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر. وفي الشامي: بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها فلما بلغها بداله أن يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جرًا. قال في البحر: وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدركهم فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث؛ أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر.

(الدر المختار مع الشامی: ۲/ ۱۲۲، باب صلاۃ المسافر، سعید۔ وکذا فی الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/ ۳۳۰)

عالمگیری میں ہے:

ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص له برخصة المسافرين وإلا لا يترخص أبدًا ولو طاف الدنيا جميعها بأن كان طالب آبق أو غريم أو نحو ذلك. (الفتاوی الهندية: ۱/ ۱۳۹، صلاۃ المسافر۔ وکذا فی امداد الفتاوی: ۱/ ۳۹۹، عدم قصر در قطع مسافتِ سفر بصورتِ عدم عزم مسافتِ قصر۔

واللہ اعلم۔

سفر کا ارادہ ترک کر دیا تو واپسی میں قصر کا حکم:

سوال: کوئی شخص جوہانسبرگ سے ڈربن کے لئے روانہ ہوا جب ۵۰ کلومیٹر سفر کر چکا تو آگے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اب واپسی میں قصر کرے گا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسافتِ شرعی طے نہ کرنے کی وجہ سے واپسی میں قصر نہیں کرے گا بلکہ اتمام کرے گا۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

فيتم بمجرد نية العود لعدم استحكام السفر. وفي الشامي: أي ولو في المفازة وقياسه أن لا يحل فطره في رمضان ولو بينه وبين بلده يومان لأنه يقبل النقض قبل استحكامه إذ لم يتم علة فكانت الإقامة نقضًا للسفر العارض لا ابتداء علة للاتمام أفاده في الفتح...... أقول: ويظهر لي في الجواب أن العلة في الحقيقة هي المشقة وأقيم السفر مقامها ولكن لا تثبت علتها إلا بشرط ابتداء وشرط بقاء فالأول مفارقة البيوت قاصدًا مسيرة ثلاثة أيام، والثاني استكمال

السفر ثلاثة أيام،فإذا وجد الشرط الأول ثبت حكمها ابتداء فلذا يقصر بمجرد مفارقة العمران ناويًا ولايدوم إلابالشرط الثاني فهوشرط لاستحكامها علة فإذا عزم على ترك السفر قبل تمامه بطل بقاؤها علة لقبولها النقض قبل الاستحكام...... والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامي: ۲/۱۲٤، باب صلاة المسافر، سعيد۔ والفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، صلاة المسافر)

مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص گھر سے نکلا منزلِ مقصود تک پہنچنے کے دوراستے ہیں ایک کم مسافت والا اور دوسرا غالبًا شرعی مسافت والا ،مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کیا تو ۳۰ کلومیٹر کے بعد قصر کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر منزل مقصود جانے کا ارادہ ہے اور غالب گمان کے مطابق مسافتِ شرعی ہے تو ۳۰ کلومیٹر کے بعد قصر کرے گا ورنہ اتمام کرے گا۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا قصد بلدة وإلى مقصده طريقان أحدهم مسيرة ثلاثة أيام ولياليها والآخر دونها فسلك الطريق الأبعد كان مسافرًا عندنا هكذا في فتاوى قاضيخان وإن سلك الأقصر يتم. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۸، صلاة المسافر۔ وكذافي خلاصة الفتاوى: ۱/۱۹۸۔ والبحرالرائق: ۲/۱۲۹)

سفر میں اتمام کرنے سے اعادہ کا حکم:

سوال: اگر راستہ میں قصر نہیں کیا اس کے خیال میں کم مسافت ہونے کی وجہ سے بعد میں تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ مسافتِ سفر تھی تو اعادہ لازم ہے نہیں؟ نیز واپسی میں کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر قعدۂ اولیٰ کیا تھا تو فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے اور وقت کے اندر اعادہ واجب ہے۔اور واپسی میں قصر کرے گا۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله فلو أتم وقعد في الثانية صح وإلالا أي وإن لم يقعد على رأس الركعتين لم يصح فرضه لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخريان له نفلًا كالفجر وصار آثمًا لتأخير السلام.

(البحرالرائق: ۲/۱۳۰،كوئتة۔وكذافي الهداية مع الفتح: ۲/۳۲، دارالفكر۔والفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹)

وفي الشامي: قوله: بعد ان فسر أساء بإثم، فعلم أن الإساءة هنا كراهة التحريم.

(شامي: ۲/۱۲۸)

وفی البحر الرائق: أمافی الرجوع فإن کانت مدة سفرقصروا.

(البحرالرائق: ۲/۱۲۸۔ وکذافی الشامی: ۲/۱۲۲، سعید۔ والطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۳۰)

فتاوی دارالعلوم میں ہے:

اگرقعدۂ درمیانی میں بیٹھا ہے تو اس کی نماز فرض ادا ہوگئی اعادہ فرض نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند:۴/۴۵۲)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر دو رکعت پر قعدہ کرکے بھول کر کھڑے ہوگئے اور چار رکعت پوری کر لی تو فرض ادا ہوگیا لیکن وقت کے اندر اعادہ لازم ہے اور وقت گذر جانے کے بعد اعادہ لازم نہیں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیہ: ۷/۵۱۱، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

مسافر کا سفرِ شرعی میں عمداً اتمام کرنا:

سوال: اگر حنفی مسافر عمداً اتمام کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حنفی مسافر کا سفرِ شرعی میں عمداً اتمام کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اور سخت گناہ کا باعث ہے۔ اور نماز کا اعادہ واجب ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فلو أتم مسافر إن قعد فی القعدة الأولی تم فرضه ولکنه أساء لو عامدًا لتأخیر السلام وترك واجب القصر وواجب تکبیرة افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لایحل کماحرره القهستانی، وکذا صرح فی البحر بتأثیمه فعلم أن الإساءة هنا کراهة التحریم.

(شامی: ۲/۱۲۸، باب صلاۃ المسافر، سعید)

مراقی الفلاح میں ہے:

والقصر عزیمة عندنا فإذا أتم الرباعیة والحال أنه قعد القعود الأول قدر التشهد صحت صلاته لوجود الفرض فی محله وهو الجلوس علی الرکعتین وتصیر الأخریان نافلة له مع الکراهة...... (مراقی الفلاح: ص ۱۶۴، باب صلاۃ المسافر، بیروت)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

عمداً چار رکعت پڑھنے والا گنہگار ہوگا اور نماز کا اعادہ ضروری ہے، اگرچہ سجدۂ سہو بھی کرلیا ہو اس لئے کہ عمداً کی صورت میں سجدۂ سہو کافی نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی رحیمیہ: ۳/۵۱۔ واحسن الفتاوی: ۴/۷۷)

وطنِ اقامت میں سامان چھوڑ کر سفر کرنے سے وطنِ اقامت کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص ڈربن کا رہنے والا ہے، اور لینسں میں مقیم ہے، نیز سامان وغیرہ بھی لینسں میں ہے، لیکن لینسں وطنِ اصلی نہیں وطنِ اقامت ہے پھر سفر کر کے وائٹ ریور چلا گیا اور واپسی میں لینسں میں صرف ۵ دن قیام کا ارادہ ہے تو ان ۵ دنوں میں قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: اس مسئلہ میں ہمارے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مطلق سفر سے وطنِ اقامت باطل ہو جاتا ہے۔ اور دیگر بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سامان وغیرہ ہونے کی وجہ سے باطل نہیں ہوگا بلکہ جب واپس آئے گا تو اتمام ہی کرے گا۔ موجودہ زمانہ میں حضرت مفتی رشید صاحب، حضرت مفتی عبدالستار صاحب اور حضرت مفتی فرید صاحب اور بعض دوسرے حضرات نے آسانی کی خاطر اسی پر فتویٰ دیا ہیں۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وفي المحيط ولو كان له أهل بالكوفة وأهل بالبصرة فمات أهل بالبصرة وبقي له دور وعقار بالبصرة قيل البصرة لاتبقى وطنًا له لأنها إنما كانت وطنًا بالأهل لابالعقار ألاترى أنه لو تأهل ببلدة لم يكن له فيها عقار صارت وطناً له وقيل تبقى وطناً له لأنها كانت وطناً له بالأهل والدار جميعًا فبزوال أحدهما لايرتفع الوطن كوطن الإقامة يبقى ببقاء الثقل وإن أقام بموضع آخر.

(البحر الرائق: ۱۳٦/۲، باب المسافر، الماجدية۔ و كذا في مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر: ۱٦٤/۱، باب صلاة المسافر۔ بحواله محيط السرخسي)

بدائع الصنائع میں ہے:

ووطن الإقامة ينتقض بالوطن الأصلي ...... وينتقض بالسفر أيضًا لأن توطنه في هذا المقام ليس للقرار ولكن لحاجة فإذا سافر منه يستدل به على قضاء حاجته فصار معرضًا عن التوطن به فصار ناقضًا له دلالة. (بدائع الصنائع: ۱۰٤/۱، مطلب في ان الاوطان ثلاثة، سعيد)

بحر اور بدائع کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامان وہاں پڑا ہے اور وطنِ اقامت سے اعراض کا ارادہ بھی نہیں ہے تو محض سفر سے وطنِ اقامت باطل نہیں ہوگا۔

خیر الفتاویٰ میں ہے:

مستقل وطن اقامت سفر سے باطل نہیں ہوتا۔ (خیر الفتاوی: ۲/ ۶۸۷)

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (احسن الفتاوی "رسالہ وطن الارتحال یبقی ببقاء الاثقال" ۴/ ۹۸-۱۱۰، باب صلاۃ المسافر)۔ واللہ اعلم۔

مغرب کی طرف سفر کرنے سے دوبارہ سورج نظر آنے پر مغرب کی نماز کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص نے ایئر پورٹ میں مغرب کی نماز پڑھ لی اور جہاز مغرب کی طرف اڑا اور دوبارہ سورج نظر آنے لگا پھر غائب ہوا تو کیا دوبارہ مغرب کی نماز پڑھنا ضروری ہوگا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو احسن الفتاوی میں ہے:

سوال: ایک شخص مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز پر سوار ہوا جہاز مغرب کی طرف اتنا تیز چلا کہ آفتاب دوبارہ نظر آنے لگا تو کیا اس پر مغرب کی نماز دوبارہ واجب ہوگی؟

الجواب: باسم ملہم الصواب: مغرب کی نماز دوبارہ پڑھنا واجب نہیں۔ قال في شرح التنوير فلو غربت ثم عادت هل يعود الوقت؟ الظاهر نعم. قال ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله الظاهر نعم) بحث صاحب النهر حيث قال: ذكر الشافعية ان الوقت يعود ...... قلت: على ان الشيخ اسمٰعيل رد ما بحثه في النهر تبعًا للشافعية بان صلوٰة العصر بغيبوبة الشفق تصير قضاءً ورجوعها لا يعيدها اداءً وما في الحديث خصوصية على رضي الله تعالى عنه كما يعطيه قوله عليه الصلوٰة والسلام انه كان في طاعتك وطاعة رسولك. قلت: ويلزم على الاول بطلان صوم من افطر قبل ردها و بطلان صلاة المغرب لو سلمنا عود الوقت بعودها للكل. رد المحتار: ۱/ ۳۶۰۔

(احسن الفتاوی ۴/ ۶۹)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

سوال: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہونچ جائے۔ مکہ میں مغرب کی نماز تفاوتِ وقت کے سبب ابھی ہی ہوتی ہے کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟

الجواب: احترامًا للوقت وموافقة للمسلمين، وہ نماز پڑھے اگر چہ اس کا فریضہ ادا اور مکمل ہو چکا۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۳۷، کتاب الصوم، جامعہ فاروقیہ)

حالتِ حیض میں سفر کا حکم:

سوال: ایک عورت جوہانسبرگ سے حائضہ تھی ڈربن پہنچی تو پاک ہوگئی ڈربن میں تین دن قیام ہے وہاں قصر کرے گی یا اتمام؟

الجواب: حالتِ حیض میں سفر احکام کے اعتبار سے کالعدم ہے یعنی اس کا شمار نہیں ہے لہذا حائضہ عورت ڈربن کے قیام میں پاک ہوکر اتمام کرے گی، البتہ واپسی میں قصر کرے گی۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

طهرت الحائض وبقي لمقصدها يومان تتم في الصحيح كصبي بلغ بخلاف كافر أسلم (قوله: تتم في الصحيح) كذا في الظهيرية قال ط: وكانه لسقوط الصلاة عنها فيمامضى لم يعتبر حكم السفر فيه فلما تأهلت للأداء اعتبر من وقته. (شامي: ۲/۱۳۵، باب صلاة المسافر۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۳۳۷۔ وشرح منية المصلي: ص ۵۴۲، سهيل ايكدمي)

وفي البحر الرائق: أمافي الرجوع فإن كانت مدة سفر قصروا.

(البحر الرائق: ۲/۱۲۸۔ وكذا في الشامي: ۲/۱۲۲ سعيد۔ والطحطاوي على الدر المختار: ۱/۳۳۰)

بہشتی زیور میں ہے:

مسئلہ: چار منزل جانے کی نیت سے چلی لیکن پہلی دو منزلیں حیض کی حالت میں گذریں تب بھی وہ مسافر نہیں ہے۔ اب نہا دھو کر پوری چار رکعتیں پڑھے۔ (بہشتی زیور دوسرا حصہ: ص ۴۹)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی: ۴/۸۷۔ وعمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۱۴)۔ واللہ اعلم۔

بلا نیت سفر کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں: زید نے سفر کیا ایک جگہ (الف) کا جو کہ اپنے گھر سے ۶۰ کلو میٹر ہے اور ارادہ اسی جگہ کا تھا یہاں سے پھر کسی وجہ سے ایک اور جگہ (ب) کا سفر کیا جو کہ (الف) سے ۴۰ کلو میٹر ہے مگر جب (ب) پر پہنچا تو ارادہ یہی کا تھا کہ (ب) پر دو گھنٹے ٹھیر کر پھر (الف) جگہ آکر گھر چلا جاؤں گا۔ تو کیا (ب) پر قصر کرے گا یا اتمام؟ نیز جب واپسی میں جگہ اول (الف) پر آئے تو قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں زید جگہ (ب) پر اتمام کرے گا اس وجہ سے کہ جگہ (الف) سے

جگہ (ب) ۴۰ کلومیٹر ہے جو شرعی مسافت سے کم ہے، اور واپسی میں گھر آتے وقت مجموعہ ۱۰۰ کلومیٹر بنتا ہے لہٰذا جگہ (الف) پر قصر کرے گا۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ومن طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر. وفي الشامي: بأن قصد بلدة بينه وبينها يومان للإقامة بها فلما بلغها بداله أن يذهب إلى بلدة بينه وبينها يومان وهلم جرًا. قال في البحر: وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدركهم فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث؛ أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر.

(الدرالمختار مع الشامي: ۱۲۲/۲، باب صلاة المسافر، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي على الدرالمختار: ۳۳۰/۱۔ والبحر الرائق: ۱۲۹/۲۔ وشرح منية المصلي: ص ۵٤۲)

عالمگیری میں ہے:

ولابد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص له برخصة المسافرين وإلا لايترخص أبدًا ولو طاف الدنيا جميعها بأن كان طالب آبق أو غريم أو نحو ذلك. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱۳۹/۱، صلاة المسافر۔ وكذا في امداد الفتاوی: ۳۹۹/۱، عدم قصر در قطع مسافتِ سفر بصورتِ عدم عزم مسافتِ قصر)۔

شوہر کے لئے سسرال میں قصر کرنے کا حکم:

سوال: اگر شوہر سسرال چلا جائے اور بیوی اپنے میکے والدین کے ہاں جائے تو قصر کریں گے یا اتمام؟

الجواب: شوہر نے شادی کے بعد اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کرلی تو اب یہ ان کے حق میں وطنِ اصلی شمار ہوگا، اور یہاں اتمام کریں گے، اگر خود شوہر تو اس شہر میں نہیں رہتا مگر بیوی وغیرہ کی مستقل سکونت وہیں ہو تو بھی یہ شخص اتمام کرے گا، اور اگر شادی کے بعد رخصتی ہوگئی اور شوہر بیوی کسی دوسرے شہر میں رہتے ہیں تو اب اگر شوہر سسرال جائے اور بیوی میکا جائے تو اگر پندرہ دن سے کم کی نیت ہو تو قصر کریں گے۔ اور صحیح قول یہی ہے کہ محض شادی کرنے سے اتمام کا حکم عائد نہیں ہوگا جب تک اس کو وطن نہ بنالے۔

ملاحظہ ہو فتاوی قاضی خان میں ہے:

إذا جاوز عمران مصره ...... إن كان ذلك وطنًا أصليًا بأن كان مولده وسكن فيه أو لم يكن مولده ولكنه تأهل به وجعله دارًا.

(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۱٦۵/۱، باب صلاة المسافر۔ وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱۹۸/۱، رشيديه)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ محض شادی کرنے سے ہی سسرال وطنِ اصلی بن جائے گا اور آدمی وہاں مقیم ہوگا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

حدیث ملاحظہ ہو مسند احمد میں ہے:

حدثنا أبو سعيد يعني مولى بني هاشم حدثنا عكرمة بن إبراهيم الباهلي حدثنا عبد الله بن عبدالرحمٰن بن أبي ذباب عن أبيه أن عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه صلى بمنى أربع ركعات فأنكره الناس عليه فقال: ياايها الناس إني تأهلت بمكة منذ قدمت وإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من تأهل في بلد فليصل صلاة المقيم...... (مسند احمد: ١/٣٥١)

اس روایت کا جواب یہ ہے کہ دیگر بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض اہل مکہ میں رہتے تھے اس وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اتمام فرمایا۔

ملاحظہ ہو کفایہ شرح ہدایہ میں ہے:

ولو كان له أهل ببلدة فاستحدث في بلدة أخرى أهلاً آخر كان كل واحد منهما وطنًا أصليًا له روى أنه كان لعثمان رضي الله تعالى عنه أهل بمكة وأهل بالمدينة وكان يتم الصلاة بهما جميعًا. (كفاية شرح هداية: ٢/١٧)

محض شادی کرنا اتمام کے لئے کافی ہوتا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ مکرمہ میں شادی فرمائی تھی اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر قصر فرمایا تھا۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

قال حدثني يحيى بن أبي إسحاق سمعت أنسًا رضي الله تعالى عنه يقول: خرجنا مع النبي صلى الله عليه وسلم من المدينة إلى مكة فكان يصلي ركعتين ركعتين حتى رجعنا إلى المدينة قلت: أقمتم بمكة شيء قال: أقمنا بها عشرًا. (رواه البخاري: ١/١٤٧)

کفایہ میں ہے:

ألا ترى أن مكة كانت وطنًا أصليًا لرسول الله صلى الله عليه وسلم ثم لما هاجر منها إلى المدينة بأهله وتوطن ثمة انتقض وطنه بمكة حتى قال عليه الصلاة والسلام عام حجة الوداع أتموا صلاتكم ياأهل مكة فإنا قوم سفر. (كفاية: ٢/١٧)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ رقمطراز ہیں:

کسی شہر میں محض نکاح کر لینے سے وہ وطنِ اصلی نہیں ہو جاتا، بلکہ اہل کا وہاں رکھنا اور وہاں سے منتقل نہ کرنا

شرط ہے......اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ میں بھی ان کے اتمام کا سبب محض تزوج نہ تھا، بلکہ اہل کا وہاں تزوج کے بعد مکہ میں رکھنا سبب تھا۔ (امداد الاحکام:۱/۶۹۶)

نیز اس حدیث پر محدثین نے جرح کی ہے۔

ملاحظہ ہو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

فهذا الحديث لايصح لانه منقطع وفي رواته من لايحتج به. والله اعلم.

(فتح الباري:۲/۵۷۰،باب يقصراذاخرج من موضعه)

شادی کے بعد لڑکی میکے میں صرف دس دن کے لئے آئے تو قصر کا حکم:

سوال: اگر کسی لڑکی کا نکاح کسی ایسے شہر میں ہو جائے جو لڑکی کے والدین سے ۸۱ کلومیٹر سے زائد کی مسافت پر ہو اور وہ لڑکی والدین کے ہاں دس دن گذارنے کے لئے آجائے تو قصر کرے گی یا اتمام؟

الجواب: شادی کے بعد لڑکی نے اپنے سسرال کو وطنِ اصلی بنالیا اور وہیں پر سکونت اختیار کرلی پھر اپنے میکے میں دس دن گذارنے کے لئے آجائے تو قصر کرے گی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

والوطن الأصلي هو وطن الإنسان في بلدته أو بلدة أخرى اتخذها دارًا وتوطن بها مع أهله وولده وليس من قصده الارتحال عنها بل التعيش بها وهذا الوطن يبطل بمثله لاغير وهو أن يتوطن في بلدة أخرى وينقل الأهل إليها فيخرج الأول من أن يكون وطنًا أصليًا حتى لو دخله مسافرًا لايتم.

(البحر الرائق: ۲/۱۳۶، باب المسافر، الماجدية۔ وكذافي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۴۲۹، باب صلاة المسافر، قديمي۔ وكذافي شرح منية المصلي: ص ۵۴۱، سهيل ايكلمي)

امداد الاحکام میں ہے:

اگر بیوی اپنے وطن میں نہیں رہتی بلکہ شوہر کے پاس رہتی ہے تو شوہر اور بیوی دونوں بحالتِ سفر وہاں قصر کریں گے۔ بدليل قصره ﷺ وأهله بمكة. (امداد الاحکام:۱/۷۱۹،فصل فی صلاۃ المسافر)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی دار العلوم دیوبند:۴/۴۸۳۔ واسلامی فقہ از مولانا مجیب اللہ ندوی:۱/۲۹۵۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۳۸۳۔ وبہشتی زیور:۲/۵۰)۔ واللہ اعلم۔

شوہر نے بیوی کو کسی اور شہر میں ٹھہرایا جب شوہر وہاں جائے تو قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص کسی اور جگہ رہتا ہے اور بیوی کو کسی دوسری جگہ رکھا ہے اس شخص کی آمد ورفت اکثر بیوی کے ہاں رہتی ہے تو اس آمد ورفت میں اگر ۱۵ دن سے کم رہنے کی نیت ہو تو قصر کرے گا یا اتمام؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شوہر اس آمد ورفت میں بیوی کے ہاں اتمام کرے گا، اس لئے کہ یہ اس کا وطنِ اصلی ہے، اور وطنِ اصلی ایک سے زائد ہو سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتاوی سراجیہ میں ہے:

إذا دخل المسافر بلدة له فيها أهل صار مقيمًا نوى الإقامة أو لا.

(الفتاوى السراجية: ص ١٢، آرام باغ كراچي، باب صلاة المسافر)

البحر الرائق میں ہے:

قيدنا بكونه انتقل عن الأول بأهله لأنه لو لم ينتقل بهم ولكنه استحدث أهلاً في بلدة أخرى فإن الأول لم يبطل ويتم فيهما. (البحر الرائق: ٢/ ١٣٦، باب المسافر، الماجدية)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا لم ينقل أهله بل استحدث أهلاً أيضا ببلدة أخرى فلا يبطل وطنه الأول وكل منها وطن أصل له. وفي الطحطاوي: وكذا لو اسحدث أهلاً في ثلاث مواضع فالحكم واحد فيما يظهر. (مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي: ص ٤٢٩، قديمي)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام: ۱/ ۷۱۹، فصل فی صلاۃ المریض والمسافر، دار العلوم کراچی)۔ واللہ اعلم۔

مقیم مسافر کے پیچھے اپنی بقیہ نماز قراءت کے ساتھ ادا کرے گا:

سوال: اگر مقیم نے مسافر کے پیچھے دو رکعت پڑھی پھر اپنی بقیہ دو رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا تو اب ان دونوں رکعتوں میں قراءت کرے گا یا نہیں؟

الجواب: بعض کتبِ فقہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منفرد کی طرح ہے لہذا قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ قراءت مستحب ہونی چاہئے، البتہ بعض دیگر کتب میں عدم قراءت والا قول مرقوم ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولا قراءة على المقتدي في بقية صلاته إذا كان مدركًا، أي لا يجب عليه لأنه شفع أخير

فی حقه ومن مشائخنا من قال: ذكر في الأصل ما يدل على وجوب القراء ة فإنه قال: إذا سها يلزمه سجود السهو. (بدائع الصنائع: ۱/ ۲۷۷، صلاۃ المسافر، سعید)

شرح النقایہ میں ہے:

إذا سلم المسافر أتم المقيم منفردًا لأنه التزم الموافقة في الركعتين فصار كالمسبوق في التزام بعض الصلاة مع الإمام وأداء باقيها منفردًا فيقرأ وقيل: لايقرأ لأنه لاحق أدرك أول الصلاة. (شرح النقاية: ۱/ ۲۸٤، صلاة المسافر)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

(قوله في الأصح) وقال الحلواني: يقرأ، قهستاني. (طحطاوی علی الدر: ۱/ ۳۳۵)

دوسرے قول کے دلائل ملاحظہ ہو: (فتاوی قاضی خان علی هامش الهندية: ۱/ ۱٦۹۔ والهندية: ۱/ ۱٤۳۔ والشامی: ۲/ ۱۲۹، سعید۔ والبحر الرائق: ۲/ ۱۳۵۔ وهدايه مع الفتح: ۲/ ٤۰)۔ واللہ اعلم۔

مسافر شافعی کے اتمام کرنے سے مسافر حنفی کی نماز کا حکم:

سوال: ایک حنفی مسافر نے شافعی مسافر کی ظہر کی نماز میں اقتداء کر لی، شافعی نے اتمام کیا تو حنفی کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: امام کی نیت کا اعتبار کرتے ہوئے حنفی کی نماز صحیح ہوگی، کیونکہ شافعی کے نزدیک ۲ پڑھنا رخصت ہے اور ۴ کی بھی اجازت ہے۔

لیکن عام فقہاء نے لکھا ہے کہ مقتدی کے مذہب کا اعتبار ہے تو اس قول کی روشنی میں مقتدی کی نماز صحیح نہیں ہونا چاہئے، لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مقتدی کے مذہب کے اعتبار کا خلاصہ یہ ہے کہ مقتدی کے نزدیک امام فرائض کو پورا کردے اور مفسدات کا ارتکاب نہ کرے اگر مقتدی کے مذہب میں ترک واجبات کرے تو یہ اقتداء اور صحتِ نماز کے لئے کافی ہے، صورتِ مسئولہ میں بھی فرائض کی ادائیگی ہوئی ہاں نفل کا خلط فرض کے ساتھ لازم آیا جو ترک فرائض کے ذیل میں نہیں آتا لہذا نماز صحیح ہوگئی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن إبراهيم قال: سمعت عبدالرحمن بن زيد يقول: صلى بنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمنى أربع ركعات فقيل في ذلك لعبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاسترجع ثم قال: صليت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بمنى ركعتين وصليت مع أبي بكر الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمنى ركعتين وصليت مع

عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بمنی رکعتین فليت حظي من أربع ركعات ركعتان مقبلتان.

(رواه البخاري: ١/١٤٧/١٠٧٣، باب الصلاة بمنى، فيصل)

حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے معارف السنن میں تحریر فرمایا ہے۔ملاحظہ ہو:

قال شيخنا (مولانا أنور شاه الكشميري رحمہ اللہ تعالیٰ): والحق أنه لاعبرة لرأى المأموم بل للإمام حيث توارثت عن السلف والقدماء كلهم الاقتداء خلف أئمة مخالفين لهم في الفروع. فالصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم والتابعون رحمہ اللہ تعالیٰ وكذا أئمة المتبوعين كانوا يصلون خلف إمام واحد مع أنهم مجتهدون أصحاب المذاهب والآراء في الفروع مع كثرة الاختلاف والتباين في آرائهم واقوالهم، ولم ينقل عن أحد منهم نكير أو خلاف في ذلك. نعم هم إذا صلوا منفردين كانوا يتبعون مذاهبهم إن كانوا أهل مذهب أو يتبعون أهل المذاهب إن كانوا مقلدين لهم. (معارف السنن: ١/٦٠، سعيد)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی فیض الباری میں فرمایا ہے کہ اقتداء جائز ہے اور نماز صحیح ہے۔ملاحظہ ہو:

قلت: هذه المسئلة مجتهد فيها والاقتداء في جنس هذه المسائل يجوز من واحد لآخر كما في الدر المختار عند تعديد الواجبات فصرح في ضمنه أن المتابعة تصح عندنا في الاجتهاديات كلها وأوضحه الشافعي رحمہ اللہ تعالیٰ ونقله الحافظ ابن تيمية رحمہ اللہ تعالیٰ عن الأئمة الأربعة قلت: فهذا باب عندنا وسيع ...... وقد قدمنا الكلام فيه مبسوطًا ويدل عليه أن الخليفة هارون الرشيد افتصد مرة فقام إلى الصلاة ولم يتوضأ فاقتدى به أبو يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وماذلك إلاليكون الاقتداء جائزًا ولولاذلك لما كان أبو يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ ليقتدي به فإنه أورع من ذلك...... (فيض الباري على صحيح البخاري: ٢/٣٩٦، باب الصلاة بمنى، المكتبة العزيزية)

اقتداء بالمخالف کے سوال کے جواب میں امداد الفتاویٰ میں مذکور ہے:

امرِ اول: اس لئے کہ اس مسئلہ میں منجملہ اقوالِ مختلفہ کے میرے نزدیک احوط وہ تفصیل ہے جو درمختار میں بحر سے نقل کی ہے: "بقوله أن يتقن المراعات لم يكره أو عدمها لم يصح وان شك كره" اور جس کی ترجیح ردالمحتار میں حلبی سے نقل کی ہے: "بقوله هذا هو المعتمد لأن المحققين جنحوا إليه وقواعد المذهب شاهدة عليه الخ" البتہ اس تفصیل کے جزو ثالث کو میں ماؤل ومقید سمجھتا ہوں تاویل یہ کہ مراد کراہت سے خلافِ اولیٰ ہے، تقیید یہ کہ اپنے مذہب کا امام بدون ارتکاب کسی محذور اعراض عن الجماعۃ وغیرہ

کے میسر ہو: ومبنى التأويل ما نقله في رد المحتار عن حاشية الرملي على الأشباه الذي يميل إليه خاطري القول بعدم الكراهة إذا لم يتحقق منه مفسد. ووجه التقييد ظاهر. نیز مراعات کا محل صرف فرائض ہیں کما في رد المحتار أي المراعات في الفرائض من شروط وأركان في تلك الصلاة وإن لم يراع في الواجبات والسنن كما هو ظاهر سياق كلام البحر وظاهر كلام شرح المنية أيضا حيث قال وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة على اعتقاد المقتدي عليه الإجماع إنما اختلف في الكراهة.

قلت: في التمثيل بالشافعي الذي الأصل فيه عدم التعصب ...... والله اعلم.

(امداد الفتاوی ۱/۲۵۱)

مسافر مقیم کی اقتداء میں اتمام کرلے پھر فساد کی وجہ سے قصر کا حکم:

سوال: اگر مسافر نے مقیم کے پیچھے چار رکعت پڑھ لی، اور امام کی نماز فاسد ہوگئی پھر مسافر اپنی نماز پڑھے گا تو چار پڑھے گا یا دو پڑھے گا؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کی نماز فاسد ہوجانے کی وجہ سے مسافر اگر تنہا پڑھے تو دو رکعت پڑھے گا۔

ملاحظہ ہو شامی ہے:

ولو أفسده صلى ركعتين لزوال المغير. (شامی: ۲/۱۳۰، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن اقتدى مسافر بمقيم أتم أربعًا وإن أفسده يصلي ركعتين.

(الفتاوی الهندية: ۱/۱۴۲، باب صلاة المسافر۔ و کذافي بدائع الصنائع: ۱/۹۳، سعيد)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

مسافر کی اقتداء مقیم کے پیچھے وقت کے اندر درست ہے پس اگر مسافر نے وقت کے اندر مقیم امام کی اقتداء کی تو چار رکعتیں پوری پڑھے بوجہ متابعتِ امام، اور اگر اس کو فاسد کردیا یا کسی وجہ سے فاسد ہوگئی تو اب اگر اکیلا پڑھے یا مسافر کی اقتداء کرلے تو دو رکعتیں پڑھے کیوں کہ جس وجہ سے چار لازم ہوئی تھیں وہ وجہ زائل ہوگئی اور اگر پھر مقیم کی اقتداء کی تو چار پڑھے۔ واللہ اعلم۔

(عمدة الفقه: ۲/۴۲۲، مسافر کی نماز کا بیان، کراچی۔ و کذافي فتاوی رحيمية: ۵/۱۳)

واپسی میں مسافتِ شرعی والا راستہ اختیار کرنے پر قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص اسپرنگ سے لینس ایسے راستہ سے پہنچا جس میں مسافتِ شرعی طے نہیں ہوئی تو لینس میں اس نے قصر نہیں کیا لیکن واپسی دوسرے راستہ سے ہوئی جو مسافتِ شرعی کے بقدر ہے تو واپسی میں قصر کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور واپسی میں قصر کرے گا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قال في البحر: وعلى هذا قالوا: أمير خرج مع جيشه في طلب العدو ولم يعلم أين يدركهم فإنه يتم وإن طالت المدة أو المكث، أما في الرجوع فإن كانت مدة سفر قصر. والله اعلم.

(شامي: ۲/۱۲۲، باب صلاة المسافر، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي على الدر: ۱/۳۳۰۔ والبحر الرائق: ۲/۱۲۸)

وطنِ اصلی میں داخل ہونے سے پہلے مسافر ہے:

سوال: ایک شخص کئی سال سے مدرسہ میں مقیم ہے، اور شروع میں دو تین ہفتے کے بعد گھر جاتا تھا اور اب ہر ہفتہ جاتا ہے اس کا گھر روشنی میں ہے ظاہر ہے کہ روشنی کا رہنے والا یہاں مسافر نہیں ہے وہ کسی کام سے ایک دن کے لئے ڈربن گیا اور واپس آیا اب گھر جانے سے پہلے وہ مسافر ہوگا یا مقیم؟

الجواب: سفرِ شرعی طے کرنے والا شخص مسافر سمجھا جائے گا یہاں تک کہ وہ اپنے شہر میں داخل ہو جائے یا کسی جگہ ۱۵ دن یا اس سے زیادہ رہنے کی نیت کر لے تو پھر اتمام کرے گا۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يومًا أو أكثر كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، باب صلاة المسافر)

شامی میں ہے:

قوله: حتى يدخل موضع مقامه إن سار مدة السفر أي إنما يدوم على القصر إلى الدخول إن سار ثلاثة أيام. (شامي: ۲/۱۲۴، باب صلاة المسافر)

نیز ملاحظہ ہو: (فتح القدير: ۲/۳۴، دار الفكر۔ والبحر الرائق: ۲/۱۳۱، الماجدية)۔ واللہ اعلم۔

مقیم امام نماز توڑ دے تو مسافر مقتدی کی نماز کا حکم:

سوال: مسافر نے مقیم امام کے پیچھے اقتداء کی مقیم امام نے رکعتِ ثانیہ کے قعدہ میں قصداً نماز توڑ دی اب مسافر دو رکعت پڑھے یا سابقہ تحریمہ کی وجہ سے چار پڑھے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسافر نے فرض نماز کی اقتداء کی تھی تو دو رکعت پڑھے گا، اور اگر نفل کی نیت سے اقتداء کی تھی تو چار پڑھے گا۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وإن اقتدى مسافر بمقيم أتم أربعًا وإن أفسده يصلي ركعتين بخلاف مالو اقتدى به بنية النفل ثم أفسد حيث يلزم الأربع كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ١/١٤٢، باب صلاة المسافر)

البحر الرائق میں ہے:

فلو أفسده صلى ركعتين لزواله بخلاف مالو اقتدى بالمقيم في فرضه ينوي النفل حيث يصلي أربعًا إذا أفسده لأنه التزم أداء صلاة الإمام وهنا لم يقصد سوى إسقاط فرضه. والله اعلم. (البحر الرائق: ٢/١٣٤، باب المسافر، الماجدية ـ وكذا في الشامي: ٢/١٣٠)

وطنِ اقامت سے سفر کرنے کے بعد دوبارہ گذر ہو تو قصر کا حکم:

سوال: اگر کسی آدمی نے کسی ملک کا سفر کیا وہاں چھ ماہ مقیم رہا پھر دوسری جگہ کا سفر کیا جو تقریباً ۶۰۰ کلومیٹر دور ہے اس کے بعد جب وہ پہلی جگہ پر لوٹا صرف پانچ دن رہنے کی نیت سے تو قصر کرے گا یا اتمام؟ اور امام بنے تو کیا کرے گا؟

الجواب: وطنِ اقامت سفر شرعی سے باطل ہو جاتا ہے، جب کہ سامان وغیرہ کچھ نہ ہو اور واپسی کا ارادہ بھی نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ جب دوبارہ لوٹے اور ۱۵ دن سے کم کی نیت ہے تو قصر کرے گا اگر امام بنے تب بھی قصر لازم ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ووطن الإقامة ينتقض بالوطن الأصلي ...... وينتقض بالسفر أيضًا لأن توطنه في هذا المقام ليس للقرار ولكن لحاجة فإذا سافر منه يستدل به على قضاء حاجته فصار معرضًا عن التوطن به فصار ناقضًا له دلالة. (بدائع الصنائع: ١/١٠٤، مطلب في ان الاوطان ثلاثة، سعيد)

شامی میں ہے:

قوله وبانشاء السفر أی منه وكذا من غيره إذا لم يمر فيه عليه قبل سير مدة السفر قال فی الفتح: أن السفر الناقض لوطن الإقامة ماليس فيه مرور علی وطن الإقامة أوما يكون المرور فيه به بعد سير مدة السفر، أقول: ويوضح ذلك ما فی الكافی والتتارخانية: خراسانی قدم بغداد ليقيم بها نصف شهر ...... وأفاد أن انشاء السفر من وطن الإقامة مبطل له وإن عاد إليه ولذا قال فی البدائع: لو أقام خراسانی بالكوفة نصف شهر ثم خرج منها إلی مكة فقبل أن يسير ثلاثة أيام عاد إلی الكوفة لحاجة فإنه يقصر لأن وطنه قد بطل بالسفر. والله اعلم.

(شامی: ۲/ ۱۳۲، باب صلاۃ المسافر، سعید)

مسافر مقتدی مسافر امام کے پیچھے اتمام کی نیت کرے تو نماز کا حکم:

سوال: ایک مسافر شخص مسجد میں آیا اور غالب گمان کے موافق امام کی اقتداء میں ظہر کی چار رکعت کی نیت کر لی بعد میں معلوم ہوا کہ امام بھی مسافر ہے، اب نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب: تعدادِ رکعت میں غلطی نماز کے منافی نہیں ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مسافر مقتدی کی نماز مسافر امام کے پیچھے صحیح ہوگئی۔ ہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ امام کا حال معلوم نہیں پھر کیسے نماز صحیح ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء میں ضروری نہیں بلکہ درمیان میں یا نماز کے بعد متصل معلوم ہونا صحتِ نماز کے لئے کافی ہے۔

ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

ولا يشترط نية عدد الركعات هكذا فی شرح الوقاية، حتی لو نواها خمس ركعات وقعد علی رأس الرابعة أجزأه وتلغو نية الخمس كذا فی شرح منية المصلی لابن أمير الحاج.

(الفتاوی الهندية: ۱/ ۶۶۔ وشرح منية المصلی: ص ۵۴۳، سهيل۔ وشرح النقاية: ۱/ ۱۴۷)

الدر المختار میں ہے:

وندب للإمام أن يقول أتموا صلاتكم فإنی مسافر، هذا يخالف الخانية وغيرها أن العلم بحال الإمام شرط لكن فی حاشية الهداية للهندی الشرط العلم بحاله فی الجملة لا فی حال الابتداء ...... وفی الشامی: قوله ان العلم ...... ثم وجه المخالفة أنه إذا كان يشترط لصحة الاقتداء العلم بحال الإمام من كونه مسافرًا أو مقيمًا لا يكون لقول الإمام أتموا صلاتكم فائدة لأن المتبادر أن الشرط لابد من وجوده فی الابتداء واتفاقهم علی استحباب قول الإمام ذلك

لرفع التوهم ينافي اشتراط العلم بحاله في الابتداء قوله لكن ...... أورد ذلك سوالاً في النهاية والسراج والتتارخانية ثم أجابوا بما يرجع إلى ذلك الجواب وحاصله: تسليم اشتراط العلم بحال الإمام ولكن لايلزم كونه في الابتداء فحيث لم يعلموا ابتداء بحاله كان الاخبار مندوباً وحينئذٍ فلامخالفة فافهم ...... والحاصل أنه يشترط العلم بحال الإمام إذاصلى بهم ركعتين في موضع الإقامة وإلا فلا. (الدر المختار مع الشامي: ۲/۱۲۹، سعید)

طحطاوی میں ہے:

قوله في الجملة أي في الابتداء أو الانتهاء وعليه يحمل مافي الخانية. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۳۳۵)

مسافر سہواً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا پھر یاد آیا تو کیا کرے؟

سوال: ایک مسافر شخص ظہر کی نماز پڑھ رہا تھا سہواً تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا پھر یاد آیا کہ میں مسافر ہوں تو اب کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مسافر نے اگر قعدۂ اولیٰ کیا تھا پھر تیسری رکعت کے سجدہ سے قبل یاد آیا تو قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور نماز پوری کر لے، اور اگر سجدہ کے بعد یاد آیا تو چار رکعت پوری کرے اخیری دو رکعت ظہر کی سنت ہوگی، اور بہر صورت سجدۂ سہو واجب ہوگا تاخیر سلام کی وجہ سے اور اگر قعدۂ اولیٰ نہیں کیا تھا اور تیسری رکعت کا سجدہ بھی کر لیا تو نماز فاسد ہو گئی ازسرِ نو قصر کرنا ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

مسافر صلى الظهر ركعتين وقام إلى الثالثة ناسيًا بعد ماقعد قدر التشهد ثم تذكر ذلك في قيام الثالثة أو في ركوعها فإنه يعود ويقعد، وإن تذكر بعد ماقيد الثالثة بالسجدة يتم صلاته أربعاً وكانت الثالثة والرابعة له سنة الظهر، وإن لم يكن قعد على رأس الركعتين إن تذكر في قيام الثالثة عاد، وإن لم يعد حتى قيدها بالسجدة فسدت صلاته. والله اعلم.

(الفتاوى التتارخانية: ۲/۳، ادارة القرآن۔ وكذا في فتاوى قاضيخان على هامش الهندية: ۱/۱۶۸)

وطنِ اصلی دوسرے وطنِ اصلی سے باطل ہو جاتا ہے:

سوال: کسی شخص کا وطنِ اصلی بینونی (Benoni) تھا وہاں سے بیلفور (Balfour) منتقل ہو گیا اور اس کو وطن بنالیا، شادی کے بعد دوبارہ بینونی (Benoni) مع اہل وعیال واپس آ گئے اور صرف بینونی

(Benoni) کو وطنِ اصلی بنالیا تو اب بیلفور (Balfour) جانے پر یہ شخص مسافر رہے گا یا مقیم؟

الجواب: وطنِ اصلی کو چھوڑ کر دوسرا وطنِ اصلی بنالیا جائے تو پہلا وطنِ اصلی باطل ہو جاتا ہے لہٰذا اب سائل کا وطنِ اصلی بینونی (Benoni) شمار ہوگا۔ بیلفور (Balfour) وطنِ اصلی نہیں رہا وہاں جانے پر مسافر شمار ہوگا۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

الوطن الأصلي هو موطن ولادته أوتأهله أوتوطنه ويبطل بمثله إذالم يبق له بالأول أهل. وفي الشامي:قوله أوتوطنه أي عزم على القرار فيه وعدم الارتحال وإن لم يتأهل، فلو كان له أبوان ببلد غيرمولده وهوبالغ ولم يتأهل به فليس ذلك وطنًا له إلا إذا عزم على القرار فيه وترك الوطن الذي كان له قبله شرح منية.قوله ويبطل بمثله،سواء كان بينهما مسيرة سفر أو لا، ولا خلاف في ذلك كما في المحيط قهستاني. والله اعلم.

(الدرالمختار مع ردالمحتار:۲/۱۳۱، باب صلاة المسافر، سعيد۔ و كذافي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۴۲۹، باب صلاة المسافر، قديمي۔ و كذافي الفتاوى الهندية: ۱/۱۴۲)

والدین کی جائے اقامت میں قصر کا حکم:

سوال: ایک شخص اپنے والدین کے ساتھ رہتا تھا پھر وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو گیا جہاں ملازمت وغیرہ کرتا ہے۔ اب اس شخص کے لئے درست ہے کہ ملازمت کی جگہ کو وطنِ اصلی قرار دیکر پہلے وطنِ اصلی میں اپنے آپ کو مسافر شمار کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سائل جب مع اپنے اہل وعیال اور سامان کے ملازمت کی جگہ منتقل ہو گیا اور وہیں رہنے کا ارادہ بھی کرلیا تو جائے ملازمت اس کے لئے وطنِ اصلی بن گیا اب پہلی جگہ آئے تو مسافر شمار ہوگا۔ اس لئے کہ صرف والدین کا ہونا وطنِ اصلی کے کافی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ومن كان له وطن فانتقل منه واستوطن غيره ثم سافرفدخل وطنه الأول قصر-لأنه لم يبق وطنًا له ألا ترى أنه عليه الصلاة والسلام بعدالهجرة عد نفسه بمكة من المسافرين.

(هداية:۱/۱۶۷)

بدائع الصنائع میں ہے:

فالوطن الأصلي ينتقض بمثله لاغيروهوأن يتوطن الإنسان في بلدة أخرى وينقل الأهل إليها من بلدته فيخرج الأول من أن يكون وطنًا أصليًا له حتى لودخل فيه مسافرًا لاتصير صلاته أربعًا وأصله أن رسول الله ﷺ والمهاجرين من أصحابه رضي الله تعالى عنهم كانوا من أهل مكة وكان لهم بها أوطان أصلية ثم لماهاجروا وتوطنوابالمدينة وجعلوهادارًا لأنفسهم انتقض وطنهم الأصلي بمكة حتى كانوا إذا أتوا مكة يصلون صلاة المسافرين حتى قال النبي ﷺ حين صلى بهم أتموا يا أهل مكة صلاتكم فإناقوم سفر. والله اعلم.

(بدائع الصنائع:۱/۱۰۳،سعید۔و کذافی الفتاوی الهندية:۱/۱۴۲۔والبحرالرائق ۲/۱۳۶،باب المسافر،الماجدية:)

کسی شخص کا یہ کہنا کہ والدین کا وطن بھی میرا وطنِ اصلی ہے:

سوال: ایک شخص مع اپنے اہل وعیال کے جائے ملازمت منتقل ہو گیا ہے لیکن والدین دوسری جگہ مقیم ہیں یہ شخص والدین کے وطن کو بھی اپنا وطنِ اصلی قرار دیتا ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں شخصِ مذکور نے جائے ملازمت کو اپنا وطنِ اصلی نہیں بنایا بلکہ صرف اقامت کی نیت ہے اور والدین کی جائے اقامت کو وطنِ اصلی قرار دیتا ہے تو یہ صحیح ہے۔ کیوں کہ وطنِ اصلی وطنِ اقامت سے باطل نہیں ہوتا۔ اور اگر دونوں کو وطنِ اصلی شمار کرتا ہے تو کچھ شرائط ہیں: مثلاً دوسری جگہ شادی کی ہو اور بیوی وہیں مقیم ہو یا دونوں جگہ گھر ہو اور سامان وغیرہ بھی موجود ہو نیز رہنے کا بھی عزم ہو منتقل نہ ہو گیا ہو وغیرہ۔

تاہم مسئلہ کی ظاہری شکل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شخصِ مذکور کے لئے جائے ملازمت وطنِ اصلی کے درجہ میں ہے، اور والدین کی جگہ وطنِ اصلی نہیں کیوں کہ صرف والدین کا ہونا وطن ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ثم الوطن الأصلي يجوزأن يكون واحدًا أو أكثرمن ذلك بأن كان له أهل ودار في بلدتين أو أكثرولم يكن من نيته الخروج منها. (بدائع الصنائع:۱/۱۰۳،سعید)

ہدایہ میں ہے:

ومن كان له وطن فانتقل منه واستوطن غيره ثم سافرفدخل وطنه الأول قصرلأنه لم يبق وطنًا له ألا ترى أنه عليه الصلاة والسلام بعدالهجرة عد نفسه بمكة من المسافرين.

(هداية:۱/۱۶۷)

بدائع الصنائع میں ہے:

فالوطن الأصلي ينتقض بمثله لاغير وهو أن يتوطن الإنسان في بلدة أخرى وينقل الأهل إليها من بلدته فيخرج الأول من أن يكون وطنًا أصليًا له حتى لو دخل فيه مسافرًا لاتصير صلاته أربعًا وأصله أن رسول الله ﷺ والمهاجرين من أصحابه رضي الله تعالى عنهم كانوا من أهل مكة وكان لهم بها أوطان أصلية ثم لماهاجروا وتوطنوا بالمدينة وجعلوها دارًا لأنفسهم انتقض وطنهم الأصلي بمكة حتى كانوا إذا أتوا مكة يصلون صلاة المسافرين حتى قال النبي ﷺ حين صلى بهم أتموا يا أهل مكة صلاتكم فإنا قوم سفر.

(بدائع الصنائع: ١/١٠٣، سعيد۔ و كذافي الفتاوى الهندية: ١/١٤٢۔ والبحر الرائق: ٢/١٣٦، باب المسافر، الماجدية)

امداد الاحکام میں ہے:

نصوصِ فقہیہ سے چند امور مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) وطنِ اصلی وہ ہے جس میں تعیش مع الاہل ہو اور وہاں سے ارتحال ونقلِ اہل کا قصد نہ ہو۔

(۲) جب کسی دوسرے مقام میں توطن کا ارادہ ہو تو بدون نقلِ اہل کے پہلا وطن باطل نہ ہوگا۔

(۳) وطنِ اصلی متعدد ہو سکتے ہیں حتی کہ اگر کوئی شخص چار نکاح چار شہروں میں اور ہر بیوی کو اسی کے شہر رکھے تو اس شخص کے چار وطنِ اصلی ہو جائیں گے۔

(۴) جس شہر میں کسی شخص کے اہل وعیال کا مستقل قیام ہو خواہ کرایہ کے مکان میں یا ذاتی مکان میں وہاں جب مسافر ہو کر پہنچے گا تو قصر باقی نہ رہے گا، بلکہ اتمام ضروری ہوگا۔

(۵) کسی شہر میں محض نکاح کر لینے سے وہ وطنِ اصلی نہیں ہو جاتا، بلکہ اہل کا وہاں رکھنا اور وہاں سے منتقل نہ کرنا شرط ہے۔ (امداد الاحکام: ۱/۶۹۵، فصل فی صلاۃ المسافر، کراچی)

خلاصۃ: ان امور سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص بغیر اہل وعیال کے کسی جگہ کو وطنِ اصلی کہے تو بظاہر وہ وطنِ اصلی نہیں ہوگا۔ اور والدین کا شمار اہل میں نہیں ہے، بلکہ اہل سے مراد بیوی بچے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اپنے شہر کے اردگرد مسافتِ سفر طے کرنے سے قصر کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص ۹۰ کلومیٹر اپنے شہر کے اردگرد سفر کرے مثلاً لینیشیا، ایلڈورادو پارک، ڈ کسینا تو کیا وہ قصر کرے گا یا نہیں؟

الجواب: عرفِ عام میں چونکہ لینیشیا اور ڈ کسینا کو ایک ہی بستی شمار کرتے ہیں اس وجہ سے قصر نہیں کرے گا

اس کا سفر حدودِ شہر میں ہوا اور مسافرِ شرعی اس وقت شمار ہوگا جب کہ سفرِ شرعی کی نیت سے حدودِ شہر تجاوز کر جائے؟

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وأشار إلى أنه يشترط مفارقة ما كان من توابع موضع الإقامة كربض المصر وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن فإنه في حكم المصر وكذا القرى المتصلة بالربض في الصحيح. والله اعلم.

(فتاوی شامی: ۲/۱۲۱، سعید۔ و کذافی شرح منیة المصلی: ص۵۳۷، سهیل۔ والبحرالرائق: ۲/۱۲۸، الماجدیة۔ وفتح القدیر: ۲/۳٤، دارالفکر۔ واحسن الفتاوی: ٤/۷۳)

مسافر امام نے چار رکعت پڑھادی اور سجدۂ سہو کرلیا تو کا حکم:

سوال: مسافر امام نے غلطی سے چار رکعتیں پڑھادی اور آخر میں سجدۂ سہو کرلیا تو نماز صحیح ہوئی یا اعادہ ضروری ہے؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق مسافر کے لئے قصر واجب ہے اتمام کی گنجائش نہیں ہے، البتہ اگر قعدۂ اولیٰ کیا ہے تو فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا، لیکن اس طرح کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر عمداً کیا ہے تو سخت گنہگار ہے اور وقت میں اعادہ واجب ہے۔ بہرصورت مقیم مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھنا ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله فلو أتم وقعد في الثانية صح وإلالا أي وإن لم يقعد على رأس الركعتين لم يصح فرضه لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخريان له نفل كالفجر وصار آثمًا لتأخير السلام.

(البحرالرائق: ۲/۱۳۰، وکذافی الهداية مع الفتح: ۲/۳۲، دارالفکر۔ والفتاوی الهندية: ۱/۱۳۹)

درمختار میں ہے:

فلو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولى تم فرضه ولكنه أساء لو عامدًا لتأخير السلام وترك واجب القصر وواجب تكبير افتتاح النفل وخلط النفل بالفرض وهذا لا يحل كما حرره القهستاني. وفي الشامي: قوله: بعد ان فسر أساء بإثم، فعلم أن الإساء ة هنا كراهة التحريم.

(الدرالمختار مع الشامی: ۲/۱۲۸، سعید)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

مسافر شرعی کے لئے اتمام جائز نہیں ہے بلکہ صلاۃ رباعی کو دو پڑھنا ضروری ہے، اگر مسافر نے اتمام کیا ہے

تو اس کا فرض ادا ہو گیا لیکن یہ مکروہ ہے اور سجدۂ سہو واجب ہے اگر عمداً ایسا کیا ہے تو گنہگار ہوگا اور اعادہ واجب ہوگا، اگر امام نے حالتِ امامت میں اتمام کیا ہے اور مقیم مقتدیوں نے اخیر کی دو رکعت میں بھی امام کا اقتداء کیا ہے تو مقتدیوں کی نماز فرض نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۵۰۹، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

دورانِ سفر گاڑی چلاتے ہوئے نوافل پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص بالکل سیدھے راستے پر گاڑی چلاتا ہے اور زیادہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی مثلاً کیپ ٹاؤن کے راستے پر ہے اور گاڑی اپنے طور پر چلتی ہے تو کیا یہ شخص نفل نماز پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: فقہاء نے سواری چلاتے ہوئے شہر سے باہر نماز پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اگرچہ کوڑا ہاتھ میں پکڑ کر جانور کو ڈراتا اور چھوتا ہو اور ان تمام امور کو عملِ قلیل میں شمار کیا ہیں، لہٰذا اس صورت پر قیاس کرتے ہوئے گاڑی چلاتے ہوئے ایک ہاتھ سے اسٹرنگ پکڑ کر نوافل پڑھ سکتا ہے، ہاں دونوں ہاتھ استعمال کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی عملِ کثیر پائے جانے کی وجہ سے۔

نیز اس بات کا خیال رہے کہ راستہ کھلا ہوا ہو اور گاڑیوں کی آمد و رفت کثرت سے نہ ہوں ورنہ تسبیحات پر اکتفاء کرنا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ جان کی حفاظت نوافل سے بھی بڑھ کر ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ویتنفل المقیم نص على المتوهم فالمسافر من باب أولىٰ راكبًا خارج المصر محل القصر فائدته شمول خارج القرية وخارج الأخبية، انتهى، حلبي.

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ١/ ٢٩٣)

(ويتنفل أى جازله التنفل) لأن الصلاة خيرموضوع فلو اشترط مايشق من نحو النزول يلزم الانقطاع عن الخير قال في المبسوط لولم يكن في التنفل على الدابة من المنفعة إلا حفظ اللسان من فضول الكلام لكان كافياً في جوازه (بل ندب له) لفعله ﷺ كثيرًا ...... وإذا حرك رجله أو ضرب دابته فلابأس به إذا لم يصنع شيئًا كثيرًا (وإذاحرك)أشار به إلىٰ أن تسييره لايضر إذا كان بعمل قليل وهو المعتمد.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ٤٠٥، في الصلاة على الدابة، قديمي)

شامی میں ہے:

إذا حرك رجله أو ضرب دابته فلابأس به إذا لم يكن كثيرًا. قلت: ويدل له أيضًا ما في

الذخيرة: إن كانت تنساق بنفسها ليس له سوقها وإلا فلو ساقها هل تفسد؟ قال: إن كان معه سوط فهيبها به ونخسها لاتفسد صلاته. والله اعلم.

(شامی:۲/۳۹،سعید۔وکذافی الفتاوی الهندية: ۱/۱۴۳)

سفر میں جمع بین الصلاتین کا حکم:

سوال: ہم اکثر سفر میں ہوتے ہیں اور سامان وغیرہ بھی ساتھ ہوتا ہے اور راستہ میں گاڑی روکنا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا تو کیا جمع بین الصلاتین کر سکتے ہیں؟ چونکہ دوسرے مذہب میں جائز ہے۔

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق جمع بین الصلاتین حقیقۃً جائز نہیں ہے۔ ہاں جمع صوری جائز ہے وہ اس طرح کہ مثلِ اول کے آخر میں ظہر اور مثلِ ثانی کے اول میں عصر پڑھ لے تو ایک قول کے موافق درست ہے یا مثلِ ثانی کے آخر میں ظہر اور مثلِ ثالث کے اول میں عصر پڑھ لے تو دوسرے قول کے مطابق جمع صوری ہو جائے گی۔ اسی طرح مغرب وعشاء بھی یعنی غروبِ شفق سے قبل مغرب پڑھ لے اور غروبِ شفق کے بعد عشاء پڑھ لے تو یہ درست ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ إذا ارتحل قبل أن تزيغ الشمس أخر الظهر إلى وقت العصر ثم يجمع بينهما فإذا زاغت صلى الظهر ثم ركب.

(رواه البخاري: ۱/۱۵۰/۱۱۰۰، باب يؤخر الظهر الى العصر اذا ارتحل قبل ان تزيغ الشمس)

شرح معانی الآثار میں ہے:

عن نافع قال: أقبلنا مع ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حتى إذا كنا ببعض الطريق استصرخ على زوجته بنت أبي عبيد فراح مسرعًا حتى غابت الشمس فنودي بالصلاة فلم ينزل حتى إذا أمسى فظننا أنه قد نسي فقلت الصلاة فسكت حتى إذا كادت الشفق أن يغيب نزل فصلى المغرب وغاب الشفق فصلى العشاء وقال: هكذا كنا نفعل مع رسول الله ﷺ إذا جد بنا السير. (شرح معاني الآثار:۱/۱۱۳،باب الجمع بين الصلاتين كيف هو)

فیض الباری میں ہے:

واعلم أن المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ إما جنح إلى الجمع صورة أو الجمع فعلاً على اصطلاحنا ...... وقد مر أن عنوان تاخير صلاة إلى صلاة أقرب بنظر الحنفية ...... ومذهب الحنفية أن

الجمع عندهم فعل فقط كماعرفت وقد مرمني أن الجمع عندي محمول على اشتراك الوقت فإن المثل الأول للظهر خاصة والثالث للعصر كذلك والثاني مشترك يصلح لهما إلاأن المطلوب هو الفصل ويرتفع ذلك في السفر والمرض.

(فيض الباري: ٢/ ٤٠٠، باب الجمع بين الصلاتين)

درمختار میں ہے:

ولاجمع بين فرضين في وقت بعذرسفرومطرخلافًا للشافعي ومارواه محمول على الجمع فعلاً لاوقتًا فإن جمع فسد لوقدم الفرض على وقته وحرم لوعكس أي أخرى عنه وإن صح بطريق القضاء. وفي الشامي: وقال أبوداود: ليس في تقديم الوقت حديث قائم وقد أنكرت عائشة رضي الله تعالى عنها على من يقول بالجمع في وقت واحد وفي الصحيحين عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه والذي لاإله غيره ما صلى رسول الله ﷺ صلاة قط إلالوقتها إلاصلاتين جمع بين الظهروالعصربعرفة وبين المغرب والعشاء بجمع ويكفي في ذلك النصوص الواردة بتعيين الأوقات من الآيات والأخبار وتمام ذلك في المطولات كالزيلعي وشرح المنية. واللہ اعلم۔ (الدرالمختارمع الشامي: ١/ ٣٨١، ٣٨٢، سعيد)

جمع بین الصلاتین شوافع کے نزدیک جائز ہے احناف کیوں نہیں کرتے؟

سوال: مسافر کے لئے عندالشوافع جمع بین الصلاتین جائز ہے ایک شخص کا یہ اشکال ہے کہ پھر کیوں حنفی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے؟ سمجھانے کے باوجود وہ نہیں مانتا اور یہ شخص سلفی قسم کا آدمی ہے۔

الجواب: تمام ائمہ کرام نے انتہائی دیانت اور امانت سے دلائل شرعیہ کی روشنی میں مسائل شرعیہ کا استنباط کیا اور جس مسئلہ کو دلائل ونصوص کی روشنی میں ثابت پایا اسے راجح قرار دیا اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ جو جس امام کا مقلد ہو اسی امام کی پیروی کرے خواہشات پر نہ چلے ورنہ دین دین نہیں رہے گا، اتباع ہویٰ بن جائے گا، لہٰذا اس مسئلہ میں بھی حنفیہ نے دلائل اور نصوصِ قطعیہ کی روشنی میں اس جانب کو ترجیح دی ہے کہ جمع بین الصلاتین جائز نہیں ہے اور جہاں بھی جمع بین الصلاتین کی روایات پائی جاتی ہیں ان سے جمع حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ جمع صوری مراد ہے یعنی ایک نماز کو آخرِ وقت میں پڑھا اور دوسری نماز کو اولِ وقت میں پڑھا۔

چنانچہ ایسی روایات کو جمع حقیقی پر محمول کرنے سے بہت سے دلائل مانع ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے:

(۱) ﴿حافظوا على الصلوات والصلاة الوسطى﴾.

(۲) ﴿إن الصلاة كانت على المؤمنين كتابًا موقوتًا﴾.

ان آیات کے ذیل میں مفسرین وعلمائے محققین نے یہی فرمایا ہے کہ ہر نماز کے لئے مستقل وقت ہے ایک نماز کو دوسری کے وقت میں پڑھنا درست نہیں ہے۔

احادیث ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

(۳) قال سمعت أبا عمرو الشيباني يقول حدثنا صاحب هذه الدار وأشار إلى دار عبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال: سألت النبي صلی اللہ علیہ وسلم أى العمل أحب إلى الله قال: الصلاة على وقتها. (رواه البخاري: ۱/ ۷۶)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا اللہ عز وجل کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔

(۴) بخاری شریف میں ہے:

عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: مارأيت النبي صلی اللہ علیہ وسلم صلى صلاة لغير ميقاتها إلا صلاتين جمع بين المغرب والعشاء (بالمزدلفة) وصلى الفجر (يومئذٍ) قبل ميقاتها.

(بخاری شریف: ۱/ ۲۲۸)

جمع صوری کے دلائل:

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومما يدل على تعيين حمل حديث الباب على الجمع الصوري ماأخرجه النسائي عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلفظ "صليت مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم الظهر والعصر جميعًا والمغرب والعشاء جميعًا أخر الظهر وعجل العصر، وأخر المغرب وعجل العشاء" فهذا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوي حديث الباب قد صرح بأن مارواه من الجمع المذكور هو الجمع الصوري.

(نيل الاوطار: ۳/ ۲۳۰، باب جمع المقيم لمطر أو غيره)

اس کی تائید میں ایک اور روایت نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

ومما يؤيد ذلك مارواه الشيخان عن عمرو بن دينار أنه قال: "يا أبا الشعثاء أظنه أخر الظهر وعجل العصر، وأخر المغرب وعجل العشاء؟ قال: وأنا أظنه، وأبو الشعثاء هو راوي الحديث عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ كما تقدم. (نيل الاوطار: ۳/ ۲۳۰، باب جمع المقيم لمطر أو غيره)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جمع صوری کے قائل تھے ورنہ ان کی روایتوں میں تعارض

ہوجائے گا اس لئے کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی پاک ﷺ نے عرفہ اور مزدلفہ کے علاوہ کبھی دونمازوں کو جمع نہیں فرمایا۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

نفی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطلق الجمع وحصره فی جمع المزدلفة مع أنه ممن روی حدیث الجمع بالمدینة کماتقدم، وهویدل علی أن الجمع الواقع بالمدینه صوری، ولو کان جمعًا حقیقیًا لتعارض روایتاه. (نیل الاوطار:۳/ ۲۳۰،باب جمع المقیم لمطرأو غیره)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ جوشافعی المسلک ہے وہ خود فرماتے ہیں کہ جمع صوری کا رجحان زیادہ قوی ہے۔

قال الحافظ أیضًا: ویقوی ماذکرمن الجمع الصوری أن طرق الحدیث کلها لیس فیها تعرض لوقت الجمع،فاماأن یحمل علی مطلقها فیستلزم إخراج الصلاة عن وقتها المحدود بغیر عذر واماأن یحمل علی صفة مخصوصة لایستلزم الإخراج ویجمع بین متفرق الأحادیث، فالجمع الصوری أولی واللّٰه أعلم. (نیل الاوطار:۳/ ۲۳۰،باب جمع المقیم لمطرأو غیره)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمع صوری کو جمع سے تعبیر کیا کرتے تھے۔

ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

وعن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه کان إذا أراد أن یجمع بین الصلاتین فی السفرأخرالظهرإلی آخر وقتها وصلاها وصلی العصرفی أول وقتها ویصلی المغرب فی آخروقتها ویصلی العشاء فی أول وقتها،ویقول هکذاکان رسول اللّٰه ﷺ یجمع بین الصلاتین فی السفر.

(مجمع الزوائد: ۲/ ۱۶۳،دارالفکر)

نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر میں جمع صوری فرماتے تھے۔

ملاحظہ ہو شرح معانی الآثار میں ہے:

عن نافع قال:أقبلنا مع ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حتی إذاکنا ببعض الطریق استصرخ علی زوجته بنت أبی عبید فراح مسرعًا حتی غابت الشمس فنودی بالصلاة فلم ینزل حتی إذا أمسی فظننا أنه قد نسی فقلت الصلاة فسکت حتی إذاکادت الشفق أن یغیب نزل فصلی

المغرب وغاب الشفق فصلى العشاء وقال: هكذا كنا نفعل مع رسول الله ﷺ إذا جد بنا السير. (شرح معاني الآثار:۱/۱۲۱،باب الجمع بين الصلاتين كيف هو)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

واستدل الحنفية على عدم جواز الجمع حقيقة في غير عرفات والمزدلفة بقوله تعالىٰ: ﴿حافظوا على الصلوات﴾ أى أوردوها فى أوقاتها وبقوله تعالىٰ: ﴿إن الصلاة كانت على المؤمنين كتابًا موقوتًا﴾ أى لها وقت معين له ابتداء لايجوز التقدم عليه وانتهاء لايجوز التأخر عنه، وحملوا الرويات التى فيها الجمع فى السفر على الجمع الصورى لأنه صلى الله عليه وسلم صلى أول الصلاة فى آخر وقتها وثانيها فى أول وقتها لئلا يعارض خبر الواحد الآية القطعية". (بذل المجهود فى حل ابى داؤد:۶/۲۸۳،المكتبة الامدادية)

نیز محدثین میں سے بھی کئی حضرات نے جمع حقیقی کا صراحۃً انکار کیا ہے۔ملاحظہ ہو:

حدثنا يزيد بن هارون عن هشام عن الحسن ومحمد قالا: مانعلم من السنة الجمع بين الصلا تين فى حضر ولافى سفر إلابين الظهر والعصر بعرفة وبين المغرب وللعشاء بجمع. والله اعلم. (مصنف ابن ابى شيبة:۲/۴۵۹)



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلَاۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَسْعَوْا إِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوْا الْبَیْعِ﴾

وقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿"من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فعلیہ الجمعۃ یوم الجمعۃ"﴾

(مصنفِ ابن أبی شیبۃ)

باب......﴿۱۶﴾

نمازِ جمعہ کا بیان

باب ......❀ ۱۶ ❀

نمازِ جمعہ کا بیان

خطبۂ جمعہ سے پہلے تقریر کا حکم:

سوال: جمعہ کی نماز اور خطبہ سے پہلے تقریر کی جاتی ہے اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟
پھر بعض جگہوں میں سنتوں کے لئے خطبہ سے پہلے وقت دیا جاتا ہے اور بعض جگہوں میں تقریر کے دوران لوگ سنتیں پڑھتے ہیں ان میں سے کون سا عمل بہتر ہے؟

الجواب: نمازی حضرات کی رضامندی سے اذانِ اول کے بعد خطبہ اور نماز سے پہلے تقریر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ مستدرکِ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطیب کے خطبہ سے پہلے وعظ فرمایا کرتے اور احادیث بیان فرماتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

كان أبو هريرة رضي الله تعالى عنه يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبر فيطرح اعقاب نعليه في ذراعيه ثم يقبض على رمانة المنبر يقول: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم قال محمد صلى الله عليه وسلم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم ثم يقول في بعض ذلك ويل للعرب من شر قد اقترب فإذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس. (المستدرك للحاكم: ۱/۱۰۸، كتاب العلم)

اسی طرح علامہ زبیدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن دینی مجالس کے قیام کا مشورہ دیتے ہوئے ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے درج ذیل حضرات سے ان مجالس کا جواز نقل فرمایا ہے:

"قد روى ابن أبي شيبة جواز ذلك عن السائب رضي الله تعالى عنه وعبد الله بن بسر رضي الله تعالى عنه وابن عمر رضي الله تعالى عنه وأبي هريرة رضي الله تعالى عنه". (اتحاف سادة المتقين شرح احياء علوم الدين: ۳/۲۷۷)

نیز ہمارے زمانہ میں دین سے دوری ہے اور مسائل علمیہ جاننے اور مجالس علمیہ میں آنے کا شوق نہیں رہا ہے اس لئے لوگوں تک دین کی معلومات بہم پہنچانے کے لئے جمعہ سے پہلے تقریر بے حد مفید ہے۔

چنانچہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے جب استفسار کیا گیا کہ لوگ عربی زبان سے بے بہرہ اور ناواقف ہیں ان کے نفع کے لئے اردو زبان میں خطبہ کا ترجمہ کیسا ہے؟

حضرت نے جواب رقم فرمایا:

اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ خطیب مادری زبان میں خطبہ شروع کرنے سے پہلے تقریر کردے اور ضروریاتِ دینیہ بیان کردے۔ (کفایت المفتی:۳/۲۱۴)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام:۱/۲۷۷، خطبہ سے پہلے وعظ کہنے کا حکم۔ وفتاوی محمودیہ:۸/۲۵۶، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ وفتاوی رحیمیہ:۱/۲۶۴)۔

سنتوں کے لئے خطبہ سے قبل الگ وقت مناسب ہے، درمیانِ تقریر سنتیں پڑھنا نامناسب معلوم ہوتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ خود سنتیں پڑھنے والے کی نماز میں خلل واقع ہوگا۔ دوم یہ کہ یہ بات خلافِ ادب بھی ہے کہ اجتماعی دینی بات کو نہ سنا جائے اور کسی انفرادی عمل میں مشغول ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

خطبہ سے قبل وعظ پر اعتراض اور اس کا جواب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے متولی صاحبان جمعہ سے پہلے وعظ اور بیان پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک ہی خطبہ عربی میں ہوتا تھا، لہٰذا وعظ کہنے کی ضرورت بھی نہیں اور یہ دین میں نیا طریقہ ہے؟ جب کہ یہ مسجد شہر میں سب سے بڑی ہے اور نمازی بھی زیادہ ہیں۔

الجواب: عربی خطبہ سے پہلے جو وعظ اور بیان ملکی زبان میں کیا جاتا ہے اس کا ثبوت صحابہ کرام کے عمل سے ملتا ہے لہٰذا اس کو نیا طریقہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ اور ہم اس کو سنت نہیں بلکہ مصلحت سمجھتے ہیں۔

ملاحظہ ہو مستدرکِ حاکم میں ہے:

أخبرنا أحمد بن سليمان الفقيه حدثنا إسماعيل بن إسحاق القاضي ثنا أحمد بن يونس ثنا عاصم بن محمد بن زيد عن أبيه قال: كان أبو هريرة رضي الله تعالى عنه يقوم يوم الجمعة إلى جانب المنبر فيطرح اعقاب نعليه في ذراعيه ثم يقبض على رمانة المنبر يقول: قال أبو القاسم ﷺ قال محمد ﷺ قال رسول الله ﷺ قال الصادق المصدوق ﷺ ثم يقول في بعض ذلك ويل للعرب من شر قد اقترب فاذا سمع حركة باب المقصورة بخروج الإمام جلس.

هذا حديث صحيح ولم يخرجاه. (المستدرك للحاكم:۱/۱۰۸، كتاب العلم)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے دن ممبر کے پاس کھڑے ہو کر

احادیث سے وعظ سنایا کرتے تھے پھر جب امام کے نکلنے کی آہٹ محسوس کرتے تو بیٹھ جاتے، حاکم نے اس روایت کو صحیح فرمایا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے موضوعات کبیر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طرزِ عمل نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جمعہ کے خطبہ سے قبل وعظ کی اجازت چاہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اولاً انکار کے بعد ایک دن کی اجازت دیدی اور فرمایا جمعہ کے لئے میرے نکلنے سے قبل وعظ کہدیا کریں۔

ملاحظہ ہو موضوعاتِ کبیر میں ہے:

وأخرج ابن عساكر رحمه الله تعالىٰ عن حميد بن عبد الرحمن أن تميمًا الداري رضي الله تعالىٰ عنه استأذن عمر رضي الله تعالىٰ عنه في القصص سنين، فأبى أن يأذن له،فاستأذن في يوم واحد، فلما أكثر عليه، قال له ماتقول؟ قال: أقرأ عليهم القرآن، وآمرهم بالخير، وأنهاهم عن الشر، قال عمر رضي الله تعالىٰ عنه ذلك الذبح ثم قال: عظ قبل أن أخرج في الجمعة، فكان يفعل ذلك يومًا واحدًا في الجمعة. (موضوعاتِ کبیر:ص ۲۰،میر محمد کتب خانہ کراچی)

(شاید پہلے انکار اس لئے کیا ہو کہ وعظ کی نوعیت معلوم نہیں تھی پھر جب حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کا حوالہ دیا تو اجازت دیدی)

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وعظ بجائے ایک دن کے دو دن نقل فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ شروع میں صرف جمعہ کے خطبہ سے قبل بیان تھا پھر جب اس کا فائدہ زیادہ محسوس ہوا تو ایک اور دن کا اضافہ کردیا۔

(مجموعة رسائل اللكنوي "اقامة الحجة على ان الاكثار في التعبد ليس ببدعة:ص ۱۳)

حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت موضوعاتِ کبیر سے نقل کر کے فرمایا ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بار بار درخواست کرنے پر جمعہ کی نماز سے پہلے وعظ کی اجازت دی تھی۔

(فتاویٰ محمودیہ:۸/۲۵۴،۲۵۵،مبوب و مرتب،جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (امداد الاحکام:۱/۲۷۷،خطبہ سے پہلے وعظ کہنے کا حکم۔وفتاویٰ رحیمیہ:۱/۲۶۴۔وکفایت المفتی:۳/۲۱۴)۔ واللہ اعلم۔

قصبہ میں نمازِ جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: وینڈا سے تقریباً ۴۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر گاؤں ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی بہت ہی کم ہے بلکہ گنے چنے لوگ وہاں مقیم ہیں اور ویسے غیر مسلموں کی کل آبادی ۱۰ ہزار کے قریب ہے اور یہاں ایک گھر میں پانچ سات آدمی ملکر نمازِ پنجگانہ ادا کرتے ہیں اور نمازیں اپنے اوقات پر برابر ہوتی ہے، نیز وینڈا سے روزانہ لوگ بغرض تجارت قرب جوار میں آتے ہیں اور شام کو واپس چلے جاتے ہیں اور ماہ کی آخری تاریخوں میں کچھ زیادہ مشغولیت کی بنا پر یہ حضرات اسی قصبہ میں نماز جمعہ ادا کرنے کے خواہاں ہیں، البتہ اس گاؤں میں نہ مسجد ہے اور نہ جماعت خانہ تو کیا اس گھر میں نماز جمعہ صحیح ہے اور کیا چالیس افراد کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قصبہ کی آبادی چونکہ ۱۰ ہزار کے قریب ہے اور آسانی سے ضروریاتِ زندگی فراہم ہوسکتی ہے، لہذا نماز جمعہ ادا کرنا صحیح اور درست ہے مذہبِ احناف کے مطابق جمعہ صحیح ہونے کے لئے ۴۰ افراد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: إن أول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله ﷺ في مسجد عبدالقيس بجواثي من البحرين.

(رواه البخاري: ۱/۱۲۲/۸۸۲، باب الجمعة في القرى والمدن)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جواثی میں لوگ کثرت سے تجارت کرتے تھے گویا کہ تجارت کی منڈی تھی اور جہاں تجارت کثرت سے چلتی ہو اور تجار بہت زیادہ ہو یہ شہر ہونے کی علامت ہے اس وجہ سے وہاں جمعہ جائز ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

قوله جواثي وهي قرية من قرى البحرين وفي رواية عثمان شيخ أبي داؤد: قرية من قرى عبدالقيس ...... وقال أبو عبيد البكري: وهي مدينة بالبحرين لعبدالقيس قال امرؤ القيس:

ورحنا كأنا من جواثي عشية نعالي النعاج بين عدل ومحقب

يريد كأنا من تجار جواثي، لكثرة مامعهم من الصيد، وأراد كثرة أمتعة تجار جواثي. قلت: كثرة الأمتعة تدل غالبًا على كثرة التجار، وكثرة التجار تدل على أن جواثي مدينة قطعًا، لأن القريه لايكون فيها تجار كثيرون غالبا عادة ...... ومذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: لاتصح

الجمعة إلافي مصرجامع أوفي مصلى المصر، ولاتجوزفي القرى ...... ثم اختلف أصحابنا في المصر الذى تجوزفيه الجمعة فعن أبي يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ هو كل موضع يكون فيه محترف، ويوجد فيه جميع مايحتاج إليه الناس من معاشيهم عادة وبه قاض يقيم الحدود، وقيل: إذا بلغ سكانه عشرة آلاف. (عمدة القارى:٥/٣٩/٢،٨٩٢، باب الجمعة في القرى والمدن)

شامی میں ہے:

عن أبي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولهارساتيق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذاهو الصحيح. (شامی:٢/١٣٧،باب الجمعة،سعيد)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

قصبہ اور بڑے گاؤں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ جائز ہے چھوٹے گاؤں میں جائز نہیں، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہو روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو،ان میں مسلمان خواہ اقلیت میں ہوں یا برابر، یا زائد۔ (فتاویٰ محمودیہ ۸/۹۸،مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رحیمیہ:۵/۵۴،وامداد المفتین: جلداول ص ۲۷۸،وامداد الاحکام:۱/۷۵۶)۔ واللہ اعلم۔

قصبہ اور اس کے ملحقات میں جمعہ کا حکم:

سوال: زکریا پارک اور اس کیساتھ ملحقہ آبادی میں جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: زکریا پارک اور اس کے ساتھ ملحقہ آبادی میں جمعہ قائم کر سکتے ہیں، بلکہ قائم کرنا ضروری ہوگا۔

کیوں کہ اس میں اکثر ضروریات پوری ہوجاتی ہیں، اور اس کی آبادی تین چار ہزار کے درمیان ہے، فقہائے کرام نے شہر اور بڑی بستی کی مختلف تعریفیں کی ہیں:

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ ہدایہ کی شرح بنایہ میں فرماتے ہیں:

وهذا تفسير المصر الجامع وقد اختلفوا فيه فعن أبي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ مايجمع فيه مرافق أهله. وعن أبي يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ كل موضع فيه أمير وقاض ينفذ الأحكام ويقيم الحدود وهكذاروى الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ عن أبي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ في كتاب صلاته وفيه عن سفيان الثورى رحمہ اللہ تعالیٰ المصر الجامع ما يعد الناس مصرًا عند ذكر الأمصار المطلقة كبخارى وسمرقند وقال الكرخي رحمہ اللہ تعالیٰ: هو ماأقيمت فيه الحدود ونفذت فيه الأحكام

وهو اختيار الزمخشري رحمه الله تعالىٰ وعن أبي عبدالله البلخي رحمه الله تعالىٰ أنه قال: أحسن ماسمعت أنه إذا اجتمعوا في أكبر مساجدهم لم يسعوا فيه فهو مصر جامع وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ هو بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق و يرجع الناس إليه في ما وقعت لهم من الحوادث...... (البنايه للعلامة العيني رحمه الله تعالىٰ: ۲/۹۸۲)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ مصر کی چند تعریفیں ہیں:

(۱) جس میں ضرورت کی اشیاء ملتی ہوں۔

(۲) جس میں امیر وقاضی ہوں جو اسلامی قوانین اور حدود نافذ کرتے ہوں۔

(۳) جس کو عام لوگ شہر کہتے ہوں۔

(۴) جس میں احکام شریعت اور حدود نافذ ہوتی ہوں۔

(۵) جس کی بڑی مسجد میں مقامی لوگوں کو جمع کیا جائے تو مسجد تنگ دامنی کا شکوہ کررہی ہو۔

(۶) جس میں گلیاں کوچے اور بازار ہوں جس کی طرف لوگ بوقتِ ضرورت رجوع کرتے ہوں۔

اس کے علاوہ دیگر تعریفیں بھی فقہاء سے منقول ہیں۔ تاہم محققین علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب شہر کی علامتیں ہیں جنھیں ہر مجتہد یا فقیہ نے اپنی صواب دید کے موافق بیان کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والحاصل ان تفسير المصر محول على العرف واللغة.

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

دو ہزار کی آبادی میں جمعہ: اگر دونوں گاؤں عرف میں ایک ہی سمجھے جاتے ہیں اور کل آبادی دونوں گاؤں کی دو ہزار آدمیوں کی ہے اور وہ بڑا قریہ سمجھا جاتا ہے تو جمعہ وہاں صحیح ہے۔ کما في الشامي: وتقع فرضًا في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. واللہ اعلم. (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۵۶، مدلل ومکمل)

بڑے شہر یا قصبہ میں مسلمانوں کی آبادی کم ہو تو جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: مذہبِ احناف کے مطابق بڑے شہر یا قصبہ میں غیر مسلم زیادہ آباد ہیں اور مسلمان بہت کم ہے تو جمعہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بڑے شہر یا قصبہ میں جہاں شرائطِ جمعہ موجود ہوں تو جمعہ پڑھنا فرض اور ضروری ہے اگرچہ مسلمانوں کی آبادی کم ہوں اس لئے کہ احناف کے نزدیک ۴۰، افراد کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قولہ: والجماعة وهم ثلاثة أى شرط صحتها أن يصلى مع الإمام ثلاثة فأكثر لاجماع العلماء على أنه لابد فيها من الجماعة كما فى البدائع وإنما اختلفوا فى مقدارها فما ذكره المصنف رحمه الله تعالىٰ قول أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ وقال أبو يوسف رحمه الله تعالىٰ: اثنان سوى الإمام لأنهما مع الإمام ثلاثة وهى جمع مطلق ولهذا يتقدمهما الإمام ويصطفان خلفه ولهما أن الجمع المطلق شرط انعقاد الجمعة فى حق كل واحد منهم وشرط جواز صلاة كل واحد منهم ينبغى أن يكون سواه فيحصل هذا الشرط ثم يصلى ولا يحصل هذا الشرط إلا إذا كان سوى الإمام ثلاثة.

(البحر الرائق: ۲/۱۵۰، باب صلاة الجمعة، الماجدية. وكذا فى الشامى: ۲/۱۵۱، باب الجمعة، سعيد. وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ۵۱۱، قديمى)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جس بستی میں جمعہ کی شرائط موجود ہوں وہاں یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت ہو یا مسلمان کثیر تعداد میں موجود ہوں، بلکہ اگر چار پانچ ہی مسلمان ہوں تو ان کو بھی جمعہ ادا کرنے کا حق حاصل ہے ان کو چاہئے کہ جمعہ ادا کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۸/۴۶، باب صلاۃ الجمعۃ، جامعہ فاروقیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/ ۶۵، ۱۰۹، مدلل مکمل، دار الاشاعت)۔ واللہ اعلم۔

جیل میں نمازِ جمعہ قائم کرنے کا حکم:

سوال: جناب عالی ایک مسئلہ کی طرف آپ کی توجہ دلاتے ہیں: کیا جیل میں نمازِ جمعہ پڑھی جاسکتی ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: اگر حکومت کی طرف سے ممانعت نہ ہو بلکہ اجازت ہو تو جیل میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔ باقی جیل میں عام لوگوں کے جانے پر پابندی انتظامی پابندی ہے جمعہ سے روکنے کے لئے نہیں ہے جیسے کسی قلعہ کے دروازہ کو دشمنی یا پرانی عادت کی وجہ سے بند کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

والسابع الإذن العام ...... فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا لمصلى ...... وفى الشامية: والذى يضر إنما هو منع المصلين

لامنع العدو. (الدر المختار مع الشامی: ۲/۱۵۲، باب الجمعة، سعید کمپنی۔ و کذافی مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ص ۵۱۰، باب الجمعة، قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ: ۸/۱۸۳، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ واحسن الفتاوی: ۴/۱۱۲)۔ **واللہ اعلم۔**

فیکٹریوں اور کارخانوں میں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: مختلف فیکٹریوں میں جن میں باہر سے لوگ نہیں جاسکتے ہیں جمعہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز اسکولوں اور کالجوں میں بھی یہی صورتِ حال ہے لہٰذا ان میں جمعہ کی نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں فیکٹری، اسکول، کالج وغیرہ ایسے شہر میں ہیں جس میں شرائطِ جمعہ پائے جاتے ہیں یا فناءِ شہر میں ہیں تو ان سب میں جمعہ قائم کرنا صحیح اور درست ہے۔ اور باہر سے لوگوں کا نہ آنا مانع نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

والسابع الإذن العام ...... فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أولعادة قديمة لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا لمصلي...... وفي الشامية: والذي يضر إنما هو منع المصلين لامنع العدو. (الدر المختار مع الشامی: ۲/۱۵۲، باب الجمعة، سعید کمپنی۔ و کذافی مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ص ۵۱۰، باب الجمعة، قدیمی)

نیز مذکور ہے:

فلو دخل أمير حصناً أو قصره وأغلق بابه وصلى بأصحابه لم تنعقد ...... وفي الشامية: قلت: وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لاتقام إلا في محل واحد، أما لو تعدد فلا لأنه لايتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل (قوله لم تنعقد) يحمل ما إذا منع الناس فلايضر إغلاقه لمنع عدو أوعادة كما مر. قلت: ويؤيده قول الكافي واجلس البوابين الخ فتأمل.

(الدر المختار مع الشامی: ۲/۱۵۲، باب الجمعة، سعید)

احسن الفتاوی میں ہے:

کارخانہ میں جمعہ پڑھنا: یہاں چوروں سے حفاظت مقصود ہے، نمازیوں کو روکنا مقصود نہیں، نیز بیرونی لوگ دوسری مساجد میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں، لہٰذا اذن عام نہ ہونا صحتِ جمعہ میں مخل نہیں، اس میں نماز جمعہ صحیح ہے۔

(احسن الفتاوی: ۴/۱۲۰، باب الجمعہ)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ: ۸/۱۸۴، فیکٹری میں جمعہ، جامعہ فاروقیہ۔ وامداد الفتاوی: ۱/۶۱۱۔ وفتاوی دار العلوم دیوبند: ۵/۹۷)۔ واللہ اعلم۔

پارک میں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: ہم نے جمعہ کی نماز ایک پارک میں پڑھی جو گراہمسٹون (Grahamstown) کی آبادی سے تقریباً ۴۰ کلومیٹر دور ہے، اس پارک میں کوئی مسجد نہیں ہے البتہ ایک جماعت خانہ ہے جس میں تقریباً ۸۰ آدمیوں کی گنجائش ہے اس پارک میں دس پندرہ مزدور رہتے ہیں۔ کیا اس پارک میں ہماری نماز جمعہ درست ہوئی یا نہیں؟ جب کہ عام طور پر اس جگہ نماز جمعہ نہیں پڑھی جاتی۔

الجواب: مذہب احناف کے مطابق صحتِ جمعہ کے لئے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے ہر جگہ جمعہ صحیح نہیں ہے اور صورتِ مسئولہ میں پارک نہ شہر ہے اور نہ قصبہ بلکہ اطراف میں بھی کوئی بڑا شہر نہیں ہے لہٰذا اس پارک میں نماز جمعہ صحیح نہیں ہوئی۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أبي عبدالرحمن قال: قال علي رضي الله تعالى عنه: لاجمعة ولاتشريق إلافي مصر جامع. وعن الحارث عن علي رضي الله تعالى عنه قال: لا جمعة ولا تشريق، ولاصلاة فطر ولاأضحى إلافي مصر جامع أو مدينة عظيمة. (مصنف ابن ابي شيبة: ٤/٤٦، كتاب الصلاة، من قال لاجمعة ......)

وفي الهداية: لا تجوز في القرى. (الهداية: ١/١٦٨)

شامی میں ہے:

عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق ولهارساتيق وفيها والٍ يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أوعلم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الصحيح. (شامي: ٢/١٣٧، باب الجمعة، سعيد)

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

جہاں بالکل آبادی ہی نہ ہو اور وہ جگہ کسی بڑی آبادی کے قریب نہ ہو وہاں بالاتفاق جمعہ صحیح نہیں ہے۔
(فتاوی دار العلوم دیوبند: ۵/۵۸، مدلل ومکمل، دار الاشاعت)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ: ۸/۱۴۴، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

زوال سے قبل جمعہ قائم کرنے کا حکم:

سوال: امریکہ کی بعض مساجد میں نماز جمعہ زوال سے قبل پڑھی جاتی ہے کیا یہ کسی مذہب کے مطابق ہے؟ اور کیا دوسرے مذہب والے اقتداء کر سکتے ہیں؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق نیز دیگر مذاہب سوائے حنابلہ سب کے نزدیک قبل الزوال جمعہ پڑھنا درست نہیں ہے۔ اور حنابلہ کے ہاں بھی افضل اور بہتر بعد الزوال ہے۔ اگر حنابلہ قبل الزوال ادا کریں تو دوسرے مذہب والے اقتداء نہیں کر سکتے۔

ملاحظہ ہو الفقہ الاسلامی میں ہے:

شروط صحة الجمعة: (۱) وقت الظهر ...... ولا تصح عند الجمهور غير الحنابلة قبله أى قبل وقت الزوال بدليل مواظبة النبى ﷺ على صلاة الجمعة إذا زالت الشمس قال أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "كان رسول الله ﷺ يصلى الجمعة حين تميل الشمس وعلى ذلك جرى الخلفاء الراشدون رضی اللہ تعالیٰ عنہم فمن بعدهم ولأن الجمعة والظهر فرضا وقت واحد فلم يختلف وقتهما كصلاة الحضر وصلاة السفر وقال الحنابلة: يجوز أداء الجمعة قبل الزوال ... وفعلها بعد الزوال أفضل. (الفقه الاسلامی وادلته: ۲/۲۷۲، دار الفكر۔ وكذا فی الفقه علی مذاهب الاربعة: ۱/۳۷۵، وقت الجمعة۔ ومنتهی الارادات مع شرحه: ۲/۱۲۔ والمغنی لابن قدامة: ۳/۱۵۹)

درمختار میں ہے:

وإنما تفسد لمخالفته في الفروض وفي الشامي: وفي البحر المخالفة فيما هو من الأركان أو الشروط مفسدة لا في غيرها. والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامی: ۱/۴۷۲، المراد بالمجتهد فيه، سعيد كمپنی)

کسی مسجد میں بدعات ہو رہی ہو وہاں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک آدمی ایسی مسجد میں جمعہ کے لئے بیٹھا جہاں بدعات ہو رہی ہیں تو کیا اس مسجد میں نمازِ جمعہ صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں جمعہ کی نماز ادا ہو جائے گی ترکِ جمعہ کے لئے یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہے۔ البتہ افضل اور بہتر یہ ہے کہ دوسری مسجد میں جمعہ ادا کرے جہاں بدعات و خرافات نہ ہوں۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا تعذر منعه ينتقل عنه إلى غيره للجمعة وغيرها وإن لم يقم الجمعة إلا هو تصلى معه.

(مراقي الفلاح: ص ۱۱۳، فصل في الاحق بالامامة، مكة المكرمة)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

الفاسق إذا كان يؤم الجمعة وعجز القوم عن منعه قال بعضهم: يقتدى به في الجمعة ولا تترك الجمعة بإمامته. (الفتاوى الهندية: ۱/۸٦، من يصلح اماما لغيره)

وأيضًا: قال المرغيناني: تجوز الصلاة خلف صاحب هوى وبدعة وحاصله إن كان هو لا يكفر به صاحبه تجوز الصلاة خلفه مع الكراهة وإلا فلا هكذا في التبيين والخلاصة.

(الفتاوى الهنية: ۱/۸٤، من يصلح امامًا لغيره)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی رحیمیہ ۱/۱۶۵)۔ واللہ اعلم۔

نمازِ جمعہ جامع مسجد میں پڑھنا افضل ہے:

سوال: آدمی کو جامع مسجد میں جمعہ پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے یا چھوٹی مسجد میں یا جماعت خانہ میں؟

الجواب: جامع مسجد میں جمعہ پڑھنا افضل اور بہتر ہے تاہم اپنے محلّہ کی مسجد میں بھی نمازِ جمعہ ہوتی ہے تو وہاں پڑھنا بھی صحیح اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو ملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مشکوٰۃ میں ایک حدیث کے ذیل میں لکھا ہے:

"قال رسول الله ﷺ صلاة الرجل في بيته بصلاة أي تحسب بصلاة واحد وصلاته في مسجد القبائل بخمس وعشرين صلاة أي بالإضافة إلى صلاة في بيته لامطلقًا وصلاته في المسجد الذي يجمع فيه بخمس مائة صلاة أي بالنسبة إلى مسجد الحي......".

(مرقات شرح مشكاة: ۲/۲۲۸)

یعنی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی نماز اپنے گھر میں ایک نماز ہے یعنی ایک نماز کا حساب ہوگا اور محلّہ کی مسجد میں ۲۵ نمازیں یعنی گھر کی نماز کے مقابلہ میں مطلقاً نہیں۔ اور اس کی نماز جامع مسجد میں ۵۰۰ نمازیں یعنی بنسبت ماقبل کے۔

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

پس اگر ایک جگہ جامع مسجد میں باتفاق تمام اہل شہر نماز جمعہ پڑھیں تو اس میں بہت سی خوبیاں ہیں ایک

تو اختلاف ائمہ سے بچ جائے گا اور بڑی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب پائے گا اور آپس میں اتفاق اور اتحاد بڑھے گا اور شوکت اسلام زیادہ ہوگی اس کے ساعی کو بھی ثواب ملے گا۔

(تفصیلی فتویٰ ملاحظہ ہو: مجموعۃ الفتاویٰ: ۱/ ۳۳۱، ۳۳۴، آرام باغ کراچی)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/ ۶۶۔ وفتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/ ۱۶۲، دارالاشاعت۔ وعمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۵۸، مجددیہ)۔ واللہ اعلم۔

جمعہ کی اذانِ اول کے بعد کھانے پینے یا دکان کھولنے کا حکم:

سوال: جمعہ کی اذانِ اول کے بعد کھانا پینا یا دکان کھولنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کیا مسلک ہے؟ اور اس پر کسی نے فتویٰ دیا ہے یا نہیں؟

الجواب: اکثر فقہاء اذانِ اول کے بعد ہر قسم کے معاملات ترک کرنے کے قائل ہیں، لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور صاحبِ فتاویٰ عتابی وغیرہ نے اذانِ ثانی جو خطبہ سے متصل ہوتی ہے اس کو ترک معاملات میں معتبر قرار دیا ہیں احتیاط پہلے قول میں ہے، اور عند الضرورۃ دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو عمدۃ القاری میں ہے:

وقال صاحب الهداية: قيل: المعتبر في وجوب السعي وحرمة البيع هو الأذان الأصلي الذي كان على عهد النبي ﷺ بين يدي المنبر، قلت: هو مذهب الطحاوي فإنه قال: هو المعتبر في وجوب السعي إلى الجمعة على المكلف، وفي حرمة البيع والشراء، وفي فتاوى العتابي: هو المختار، وبه قال الشافعي رحمه الله تعالى وأحمد رحمه الله تعالى وأكثر الفقهاء الأمصار، ونص المرغيناني رحمه الله تعالى: أنه الصحيح. والله اعلم.

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري: ٥/ ٦٢، ٦٣، باب المشي الى الجمعة، دارالحديث ملتان۔ و كذافي الدرالمختار: ٢/ ١٦١، باب الجمعة، سعيد)

اذانِ ثانی کا جواب دینے کا حکم:

سوال: جمعہ کے دن اذانِ ثانی جو خطیب کے سامنے دی جاتی ہے اس کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق اذان کا جواب دینا سنت ہے۔ اور جمعہ کی اذانِ ثانی بھی اذان ہونے میں برابر ہے لہٰذا اس کا جواب دینا بھی سنت ہوگا۔

کیوں کہ اس کے خلاف کوئی نص موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے ممانعت ثابت کی جاوے، اور خطبہ کا سننا واجب ہے یہ مسلم ہے لیکن ابھی شروع ہی نہیں ہوا پھر استماع کیسے واجب ہوگا؟

عام طور پر فقہاء جو روایت نقل کرتے ہیں "إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام" یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موقوف ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ صحابی کے قول پر عمل کرنا واجب ہے جب تک سنت کی کوئی چیز اس کی نفی نہ کرے۔ أن قول الصحابي حجة يجب تقليده عندنا إذا لم ينفه شيء آخر من السنة. اور اس مسئلہ میں مرفوع روایات موجود ہیں۔ نیز جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے بھی اذانِ ثانی کا جواب دینا ثابت ہے، اس کے برخلاف محض خاموش بیٹھے رہنے اور جواب نہ دینے پر کوئی روایت موجود نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت معاوية بن أبي سفيان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وهو جالس على المنبر أذن المؤذن فقال: الله أكبر الله أكبر، فقال معاوية رضی اللہ تعالیٰ عنہ: الله أكبر الله أكبر، فقال: أشهد أن لا إله إلا الله، فقال معاوية رضی اللہ تعالیٰ عنہ: وأنا، قال: أشهد أن محمدًا رسول الله، قال معاوية رضی اللہ تعالیٰ عنہ: وأنا، فلما أن قضى التأذين قال: يا أيها الناس إني سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم على هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ما سمعتم مني من مقالتي.

(رواه البخاري: ۱/۱۲۵/۹۰۴، باب يجيب الإمام على المنبر اذا سمع النداء، فيصل)

دیگر عمومی احادیث میں جواب دینا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب عن عطاء بن يزيد الليثي عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: "إذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن.

(رواه البخاري: ۱/۸۶/۶۰۳، باب مايقول اذا سمع المنادي۔ ومسلم: ۱/۱۶۶، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه۔ والترمذي: ۱/۵۱، باب مايقول اذا اذن المؤذن۔ وابن ماجة: ص ۵۳، باب مايقال اذا اذن المؤذن)

شامی میں ہے:

قوله إذا خرج الإمام هذا حديث ذكره في الهداية مرفوعًا لكن في الفتح أن رفعه غريب والمعروف كونه من كلام الزهري، وأخرج ابن أبي شيبة في مصنفه عن علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعد خروج الإمام.

والحاصل أن قول الصحابي حجة يجب تقليده عندنا إذا لم ينفه شيء من السنة.

(شامي: ۲/۱۵۸، باب صلاة الجمعة، سعيد)

اگر حدیث کو مرفوع تسلیم کریں تب بھی اس میں ممانعت کلام دنیوی کی ہے نہ کہ کلام دینی کی اور اذان کا جواب دینا دینی کلام میں شامل ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وفي البحر عن العناية والنهاية اختلف المشايخ على قول الإمام في الكلام قبل الخطبة فقيل: إنما يكره ما كان من جنس كلام الناس أما التسبيح ونحوه فلا، وقيل: ذلك مكروه والأول أصح. ومن ثمة قال في البرهان: وخروجه قاطع للكلام أي كلام الناس عند الإمام. فعلم بهذا أنه لا خلاف بينهم في جواز غير الدنيوي على الأصح. ويحمل الكلام الوارد في الأثر على الدنيوي، ويشهد له ما أخرجه البخاري أن معاوية رضي الله تعالى عنه أجاب المؤذن بين يديه...... (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۵۱۸، باب صلاة الجمعة، قديمي)

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ اذان ثانی کا جواب دینا درست ہے کیوں کہ کلام دنیوی مکروہ ہے نہ کہ کلام دینی۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ لکھنوی میں ہے:

قال بعضهم: إنما يكره الكلام الذي هو من كلام الناس، وأما التسبيح واتباعه فلا، وقال بعضهم: كل ذلك، والأول أصح، كذا في مبسوط فخر الإسلام، وقال في العون: المراد بالكلام إجابة المؤذن وأما غيره من الكلام فيكره إجماعًا، انتهى. وقال البرجندي: ذكر في المصفى عن العون: أن المراد بالكلام في هذين الوقتين أي بعد الفراغ من الخطبة قبل شروع الصلاة، وقبلها إجابة المؤذن أما غيره من الكلام فيكره إجماعًا، انتهى.

(فتاوى اللكنوي: ص ۳۵۰، ما يتعلق بالجمعة، بيروت)

معارف السنن میں ہے:

إنما يكره ما كان من كلام الناس، أما التسبيح ونحوه من إجابة المؤذن فلا يكره.

(معارف السنن: ۴/۳۴۱، بحث جواب الاذان الذي بين يدي الخطيب، سعيد كمپني)

دوسری جگہ مذکور ہے:

قال الشیخ: الأولیٰ ھو جواز الإجابة فإنه قد صرح فی حدیث البخاری......

(معارف السنن: ٤/ ٣٨٣، سعید)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (حضرت مولانا قاضی محمد رحمت اللہ صاحب راندیری کا رسالہ: "العطر العنبری فی حکم اجابة الاذان المنبری")۔ واللہ اعلم۔

جمعہ کی اذان کے بعد سنتوں کا موقع نہ ملنا:

سوال: جمعہ کے دن اذان اور خطبہ کے درمیان صرف اتنا وقت دیا جاتا ہے جس میں صرف دو رکعتیں پڑھی جاسکے پھر امام خطبہ شروع کردے تو مذہب احناف کے مطابق چار رکعت کس طرح پوری کرے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں خطیب اگر موقع نہ دے تو مختصر قراءت کے ساتھ چار رکعت مختصر پڑھ لے، اگر سنت کے درمیان خطبہ شروع ہوجائے تو پوری کرنے کی گنجائش ہے توڑنا نہیں چاہئے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وأفاد أنه لایکره الشروع قبل الخروج فیتم ماشرع فیه، ولو خطب الإمام من غیر کراھة مطلقًا، إلا إذا کان فی نفل فإنه یتم شفعًا، ثم یقطع، ولو کان خروجه بعد القیام للثالثة أتم أیضًا لأنه وجب علیه الشفع الثانی بالقیام إلیه، واختلف فی سنة الجمعة فقیل: یقطع علی رأس الرکعتین کالنفل المطلق، والصحیح أنه یتمها لأنه کصلاة واحدة واجبة بحر، ولکن یخفف القراءة در یعنی بقدر الواجب لإدراك الواجب، وھل یترك تسبیح الرکوع والسجود والصلاة علی البشیر النذیر فی القعود الأخیر لأنها سنة والاستماع فرض یحرر.

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ٥١٨، قدیمی)

نیز ملاحظہ ہو: (الدر المختار: ٢/ ١٥٩، سعید کمپنی۔ والبحر الرائق: ٢/ ١٥٥۔ وفتاوی محمودیه: ٨/ ٢٧٧، مبوب ومرتب، جامعه فاروقیه۔ واحسن الفتاوی: ٤/ ١٢١)۔ واللہ اعلم۔

خطیب کا منبر پر چڑھتے وقت سلام کرنے کا حکم:

سوال: خطیب کا منبر پر چڑھتے وقت سلام کرنا کیسا ہے؟

الجواب: عمومی طور پر عباراتِ فقہیہ اس بات پر دال ہیں کہ خطیب خطبہ سے پہلے سلام نہ کرے۔ مگر احادیث میں اس کا ذکر ملتا ہے، لہٰذا نفسِ مشروعیت کا انکار زیبا نہیں۔ ہاں فتنہ کا اندیشہ ہو تو ترک اولیٰ ہے، ورنہ

خطیب کا سلام کرنا درست ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالى عنه "أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا صعد المنبر سلم" رواه ابن ماجة: ص ٧٩، ورجاله ثقات الا ابن لهيعة مختلف فيه حسن الحديث، وقد صححه السيوطي في الجامع الصغير: (٩٣:٢)

وعن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا دخل المسجد يوم الجمعة سلم على من عند منبره من الجلوس، فإذا صعد المنبر يوجه إلى الناس فسلم عليهم.

رواه الطبراني في الاوسط: (مجمع الزوائد: ٢١٥/١، دارالفكر)

قال المؤلف رحمه الله تعالى: وفي مجمع الزوائد: أيضًا وفيه عيسى بن عبدالله الأنصاري وهو ضعيف ذكره ابن حبان في الثقات ولكن في التلخيص الحبير (١٣٦/١): أورده ابن عدي في ترجمة عيسى بن عبدالله الأنصاري وضعفه ...... فالحديث ضعيف، ولكن مجموع أحاديث الباب يدل على أن الحديث له أصل، وهذه الطرق يقوى بعضها بعضًا، ودلالته على الباب ظاهرة، وكذا دلالة المراسيل أيضًا عليه. وفي البحر الرائق (١٦٨/٢): فاستفيد منه (اى من قول البدائع) أنه لايسلم إذا صعد المنبر وروى أنه يسلم كما في السراج الوهاج، قلت: والمختار عندي للأحاديث المذكورة القول بمشروعيته، وبالله التوفيق.

(اعلاء السنن: ٨٢/٨-٢٠٦٧، باب سلام الخطيب على المنبر)

شامی میں ہے:

قوله ترك السلام ومن الغريب مافي السراج أنه يستحب للإمام إذا صعد المنبر وأقبل على الناس أن يسلم عليهم لأنه استدبرهم في صعوده بحر. قلت: وعبارته في الجوهرة ويروى أنه لابأس به لأنه استدبرهم في صعوده. والله اعلم. (شامي: ١٥٠/٢، باب صلاة الجمعة، سعيد)

درایت روایت کے موافق ہو تو اس کو لینا چاہئے:

سوال: فقہائے احناف نے یہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے یا نہیں کہ جو مسئلہ حدیث کے موافق ہو تو اسی کو فتوی کے لئے اختیار کرنا چاہئے؟ مثلاً مذکورہ بالا مسئلہ میں خطیب کا منبر پر سلام کرنا۔

الجواب: فقہاء کی تحریرات میں اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے کہ جہاں کوئی فقہی مسئلہ حدیث کے موافق ہو تو اس سے عدول نہیں کرنا چاہئے، یعنی فتوی کے لئے اسی روایت کو اختیار کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی ہے:

قال في شرح المنية: ولاينبغي أن يعدل عن الدراية إذا وافقتهاروا ية على ما تقدم عن فتاوى قاضيخان، ومثله ماذكرفي القنية من قوله:وقد شدد القاضي الصدرفي شرحه في تعديل الأركان جميعها تشديدًا بليغًا فقال: وإكمال كل ركن واجب عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ. وعند أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ والشافعي رحمه الله تعالىٰ فريضة، فيمكث في الركوع والسجود وفي القومة بينهماحتى يطمئن كل عضومنه،هذا هو الواجب عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ ومحمد رحمه الله تعالىٰ حتى لوتركها أو شيئًا منهاساهيًا يلزمه السهوولوعمدًا يكره أشد الكراهة ...... والحاصل أن الأصح رواية ودراية وجوب تعديل الأركان وأما القومة والجلسة وتعديلهما فالمشهورفي المذهب السنية وروى وجوبهما وهو الموافق للأدلة وعليه الكمال ومن بعده من المتأخرين وقد علمت قول تلميذه أنه الصواب.

(شامي: ۱/ ٤٦٤، مطلب لاينبغي ان يعدل عن الدراية اذاوافقتهارواية، سعيد)

چند مثالیں ملاحظہ ہو:

(۱) تشہد میں مسبحہ سے اشارہ کرنا:

اس مسئلہ میں فقہائے احناف کے دوقول ہیں لیکن راجح اشارہ کرنے کا ہے اس لئے کہ حدیث سے ثابت ہے:

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أخبرنا مالك أنا مسلم بن أبي مريم عن علي بن عبد الرحمن المعاوي أنه قال: رأني عبدالله بن عمرو أنا أعبث بالحصى في الصلاة، فلما انصرفت نهاني وقال:اصنع كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع، فقلت: كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جلس في الصلاة وضع كفه اليمنى على فخذه اليمنى وقبض أصابعه كلها وأشاربأ صبعه التي تلي الإبهام ووضع كفه اليسرى على فخذه اليسرى قال محمد رحمه الله تعالىٰ: وبصنيع رسول الله صلى الله عليه وسلم نأخذ وهوقول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. (مؤطاالامام محمد:ص ۱۰۸)

وقال الشامي رحمه الله تعالىٰ: وهذا ما اعتمده المتأخرون لثبوته عن النبي صلى الله عليه وسلم بالأحاديث الصحيحة، ولصحة نقله عن الأئمة الثلاثة.

(شامي:۱/ ۵۰۹، سعيد۔وكذافي مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي: ص ۲٦۹ ،قديمي۔وامدادالفتاح:ص ۲۹۹، بيروت)

(۲) ماءِ مشمس سے وضو کرنے میں دوقول ہیں علامہ تمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلا کراہت جائز ہے۔ لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا معتمد قول کراہت والا ہے اس لئے کہ حدیث وارد ہے۔

شامی میں ہے:

أقول: وقدمنا في مندوبات الوضوء عن الإمداد أن منهاأن لايكون بماء مشمس،وبه صرح في الحلية مستدلاً بماصح عن عمر رضي الله تعالىٰ عنه من النهي عنه، ولذاصرح في الفتح بكراهته، ومثله في البحر. وقال في معراج الدراية وفي القنية:وتكره الطهارة بالمشمس لقوله صلى الله عليه وسلم لعائشة رضي الله تعالىٰ عنها حين سخنت الماء بالمشمس "لاتفعلي ياحميراء، فإنه يورث البرص"...... فقد علمت أن المعتمد الكراهة عندنا لصحة الأثر. (شامي:۱/۱۸۰،باب المياه،سعيد)

واضح رہے کہ ماء مشمس والی حدیث ضعیف ہے اس پر محدثین نے سخت کلام کیا ہے علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وهذاالحديث ضعيف باتفاق المحدثين وقدرواه البيهقي من طرق وبين ضعفها كلها.

(شرح المهذب:۱/۸۷،كتاب الطهارة،دارالفكر)

علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی کلام فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

قلت: الحديث المذكورلايحتج به،فقد رواه أبونعيم في الطب عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها، وقال: في إسناده خالد بن إسماعيل لايحتج به. وقال الدارقطني: متروك، ورواه الدارقطني من طريق آخرفيها الهيثم بن عدى كذاب. وأخرجه ابن حبان من طريق فيها وهب بن وهب وهو كذاب، وله طرق لايخلومن كذاب أومجهول.

(فتاوى اللكنوي:ص ٦٠،باب مايجوزبه التوضؤ ومالايجوزبه،بيروت)

(۳) خطیب کا منبر پر سلام کرنا:

کتبِ فقہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام نہ کرے، البتہ حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے لہٰذا مشروعیت والا قول میرے نزدیک مختار ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: والمختارعندي للأحاديث المذكورة القول بمشروعيته، وبالله التوفيق.

(اعلاء السنن:۸/۸۲/۲۰۶۷،باب سلام الخطيب على المنبر)

(۴) نفل کی جماعت مکروہ ہے مگر بغیر تداعی کے ہو تو مکروہ نہیں ہے، پھر تداعی کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں نیز فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ ۴ آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

لیکن حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ اصل چیز لوگوں کو اہتمام کے ساتھ بلانا ہے، اگر بلانے کا اہتمام نہیں کیا گیا اور ایسے ہی جمع ہو گئے تو کراہت نہیں ہے، کیوں کہ احادیث اس کے موافق ہیں۔ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل نماز جماعت کے ساتھ پڑھی۔ چونکہ اتفاقاً جمع ہو گئے تھے، اس لئے مکروہ نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قلت: وتفسير التداعي بالاهتمام والمواظبة أولىٰ من تفسيرها بالعدد والكثرة كما لايخفى. والله اعلم. (اعلاء السنن: ۷/ ۹۳، حكم الجماعة بالتداعي في غير المكتوبة، ادارة القرآن)

خطیب کے سامنے ترقیہ کا حکم:

سوال: مؤذن خطیب کو عصا دینے سے پہلے بلند آواز سے درود پڑھتا ہے اور حاضرین کو ترغیب دیتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مؤذن کا اس طرح کرنا درست نہیں ہے یہ طریقہ نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں تھا اور نہ تابعین کے زمانہ میں اور نہ سلف سے اس طرح کرنا منقول ہے لہٰذا شرعاً پسندیدہ نہیں ہے بلکہ اس کا ترک اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

ابتدع بعض الناس أن يتكلموا بين يدي الخطيب بقوله تعالىٰ: ﴿إن الله وملائكته يصلون على النبي﴾ الآية، ويزيدون عليها انشودة طويلة، ثم إذا فرغ المؤذن الذي يؤذن بين يديه يقول: "إذا قلت لصاحبك والإمام يخطب يوم الجمعة: أنصت فقد لغوت" الحديث، ثم يقول بعد ذلك أنصتوا توجروا، وكل هذا بدعة لاداعي لها إليها ولالزوم لها خصوصًا مايفعله ذلك المؤذن من الجهل بمعنى الحديث لأنه يأمر بالإنصات وعدم الكلام، ثم يتكلم هو بعده بقوله أنصتوا ...... وعلى كل حال فالترقية بهذه الكيفية بدعة مكروهة في نظر الحنفية وتركها أحوط على كل حال.

المالكية: قالوا: الترقية بدعة مكروهة لايجوز فعلها.

(الفقه على مذاهب الاربعة: ١/٣٩٧، الترقية بين يدي الخطيب، دارالفكر)

نیز ملاحظہ ہو: (الفقه الاسلامي وادلته: ٢/٢٩٦، الترقية بين يدي الخطيب "وهي بدعة مكروهة" دارالفكر۔ والدرالمختار مع ردالمحتار: ٢/١٦٠، في حكم الرقي بين يدي الخطيب، سعيد۔ والبحرالرائق: ٢/١٥٦، باب صلاة الجمعة، الماجدية۔ وفتاوى اللكنوى: ص ٣٦٧، مايتعلق بالجمعة، بيروت)۔ واللہ اعلم۔

خطیب کا دورانِ خطبہ دائیں بائیں التفات کرنے کا حکم:

سوال: خطیب خطبہ دیتے وقت بالکل سامنے متوجہ رہے گا یا دائیں بائیں التفات کرسکتا ہے؟

الجواب: خطیب کا دورانِ خطبہ سامنے متوجہ رہنا سنت ہے دائیں بائیں التفات کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ويكره التفاته يميناً وشمالاً.　　(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ٥١٤، قديمي)

شامی میں ہے:

تنبيه: مايفعله بعض الخطباء من تحويل الوجه جهة اليمين وجهة اليسار عندالصلاة على النبي ﷺ في الخطبة الثانية لم أره من ذكره والظاهر أنه بدعة ينبغي تركه لئلا يتوهم أنه سنة ثم رأيت في منهاج النووي قال: ولايلتفت يميناً وشمالاً في شيء منها قال ابن حجر رحمه الله تعالى في شرحه: لأن ذلك بدعة، ويؤخذ ذلك عندنا من قول البدائع ومن السنة أن يستقبل الناس بوجهه ويستدبر القبلة لأن النبي ﷺ كان يخطب هكذا.

(شامي: ٢/٩ باب صلاة الجمعة، سعيد۔ وكذافي الفقه السلامي وادلته: ٢/٢٩١، سنن الخطبة ومكروهاتها، دارالفكر)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (فتاوی رحیمیہ ۱/۲۶۳، خطبہ پڑھنے کا طریقہ)۔ واللہ اعلم۔

خطیب کی دعا کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:

سوال: جمعہ وعیدین کے خطبہ میں خطیب حضرات دعا کرتے ہیں تو کیا سامعین کے لئے ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بغیر ہاتھ اٹھائے دل ہی دل میں آمین کہنا جائز اور درست ہے البتہ ہاتھ اٹھا کر زور سے آمین کہنا مکروہِ تحریمی ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وقال البقالي في مختصره: وإذا شرع في الدعاء لايجوز للقوم رفع اليدين ولاتأمين باللسان جهرًا فإن فعلوا ذلك أثموا وقيل: أساء وا ولاأثم عليهم، والصحيح هو الأول، وعليه الفتوى. (شامي: ٢/١٧٢، باب صلاة الجمعة، سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية: ١/١٤٧۔ والبحر الرائق: ٢/١٥٥۔ وفتح القدير: ٢/٦٧۔ ومجمع الأنهر: ١/١٧١۔ وحاشية الطحطاوي على الدر المختار: ١/٣٤٧)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جب خطیب مسلمانوں کے لئے خطبہ میں دعا کرے تو سامعین کو ہاتھ اٹھانا یا زبان سے بول کر آمین کہنا جائز نہیں ہے، اور اگر ایسا کریں گے تو گنہگار رہوں گے یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے، بغیر ہاتھ اٹھائے دل میں مانگ سکتے ہیں یا آمین کہہ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

(عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۵۱ ممنوعات ومکروہات خطبہ، مجددیہ)

خطبہ میں صرف قرآنِ کریم پر اکتفاء کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ جمعہ کے دن دونوں خطبوں میں قرآن کریم پڑھتے ہیں مثلاً سورۂ حجرات کا کچھ حصہ پہلے خطبہ میں اور کچھ حصہ دوسرے میں شرعاً اس کا کیا حکم؟ نیز دونوں خطبوں میں کیا پڑھنا چاہئے؟

الجواب: خطبہ میں قرآنِ کریم کا پڑھنا سنت ہے آپ ﷺ کا معمول تھا لیکن اس پر اکتفاء نہ کریں بلکہ شہادتین اور مسلمانوں کے لئے دعا ہو، آنحضرت ﷺ پر درود اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالی عنہم کا تذکرہ ہو ان پر ترضی ہو وغیرہ یہ سب چیزیں مستحب ہیں، نیز عام طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں لوگ بدظن ہیں لہٰذا ان کا بھی تذکرہ کیا جائے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن عمرة بنت عبد الرحمن عن اخت لعمرة قالت: أخذت قٓ والقرآن المجيد من في رسول الله ﷺ يوم الجمعة وهو يقرأ بها على المنبر في كل جمعة وفيه عن أم هشام بنت حارثة بن النعمان قالت: ماأخذت قٓ والقرآن المجيد إلا عن لسان رسول الله ﷺ يقرؤها كل يوم الجمعة على المنبر إذا خطب الناس. (مسلم شريف: ١/٢٨٦)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويسن بداء ته بحمد الله بعد التعوذ في نفسه سرًا والثناء عليه بما هو أهله سبحانه وتعالى

والشهادتان والصلاة على النبي ﷺ والعظة بالزجر عن المعاصي والتخويف والتحذير لما يوجب مقت الله تعالىٰ وعقابه سبحانه وتعالىٰ والتذكير بما به النجاة وقراءة آية من القرآن لما روى أنه ﷺ قرأ في خطبته واتقوا يومًا ترجعون فيه إلى الله ...... ويسن إعادة الحمد وإعادة الثناء وإعادة الصلاة على النبي ﷺ كائنة تلك الإعادة في ابتداء الخطبة الثانية وذكر الخلفاء الراشدين رضي الله تعالىٰ عنهم مستحسن بذلك جرى التوارث ويسن الدعاء فيها أي الخطبة الثانية للمؤمنين والمؤمنات مكان الوعظ بالاستغفار لهم.

(مراقي الفلاح مع نور الايضاح: ص ١٩٣، باب الجمعة، مكة المكرمة)

نیز ملاحظہ ہو: (شامی: ۲/ ۱٤۸، سعید۔ وامداد الفتاح: ص ٥٦٥، بیروت)

خطبۃ الجمعہ میں ہے:

قراءۃ القرآن فی الخطبۃ سنت ہے یہی راجح قول ہے پھر اس کی مقدار کیا ہے؟ اس میں ۱۳ اقوال ہیں، اور احناف کے نزدیک کم از کم تین آیات قصار یا ایک آیت طویلہ پڑھے۔ (خطبۃ الجمعۃ واحکامہا الفقہیۃ: ص ۱٤۱)

نیز ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ٤/ ۱٤٦)۔ واللہ اعلم۔

خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں لینے کا حکم:

سوال: شریعت کا کیا حکم ہے عصا کے متعلق جمعہ کے دن خطبہ کے لئے کیا واجب ہے یا فرض یا سنت؟ کیا عصا نہ پکڑنے والا کافر ہو جائے گا؟

الجواب: فقہائے کرام نے لکھا ہے اگر کوئی شہر تلوار سے فتح ہوا ہو تو اس میں امام کو چاہئے کہ تلوار بائیں ہاتھ میں لے اور اس پر ٹیک لگا کر خطبہ دے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت یہ بیان فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

أي بالسيف ليريهم أنها فتحت بالسيف فإذا رجعتم عن الإسلام فذلك باقي في أيدي المسلمين يقاتلونكم حتى ترجعوا إلى الإسلام، درر. (شامی: ۲/ ١٦٢، سعید)

یعنی لوگوں کو یہ دکھائے کہ یہ شہر تلوار سے فتح ہوا ہے اگر تم نے اسلام کو چھوڑا تو مسلمانوں کے ہاتھ میں اب بھی تلوار باقی ہے تم سے لڑ کر تم کو اسلام کی طرف لوٹائیں گے۔

اور اگر کوئی شہر یا ملک بزورِ شمشیر فتح نہیں کیا گیا بلکہ دعوت وتبلیغ یا صلح سے فتح ہوا ہو تو وہاں عصا کے سہارے خطبہ دیا جائے۔ مگر یہ عمل نہ فرض ہے نہ واجب اور نہ سنتِ مؤکدہ بلکہ ایک مستحب عمل ہے بشرطیکہ اس کے ساتھ

لوگوں کی فرضیت اور لازم ہونے کا عقیدہ وابستہ نہ ہو۔اگر لوگ اس کو ضروری سمجھنے لگیں تو پھر اس کو چھوڑ نا چاہئے۔

علامہ طیبی نے شرح مشکاۃ میں لکھا ہے کہ مستحب عمل پر اصرار کرنے سے بدعت بن جاتا ہے پھر جو شخص عصا چھوڑنے والے کو کافر کہتا ہے وہ سخت گنہگار اور عاصی ہے اس کو توبہ کرنی چاہئے کسی مسلمان کو کافر کہنا یا سمجھنا سخت گناہ ہے۔

امداد الاحکام میں ہے:

عصا لینا مستحب ہے لیکن اگر اس کو ضروری سمجھا جاوے اور تارک پر ملامت کی جائے تو التزام مالا یلزم کی وجہ سے منع کیا جائے گا۔في الدر: ويكره أن يتكيء على قوس أوعصا. وفي الشامي: نقل القهستاني: عن المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام. (امداد الاحکام: ۱/۷۵۹، کراچی)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۸/۲۷۰، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ واحسن الفتاویٰ: ۴/۱۴۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کو چاہئے کہ اکثر وبیشتر عصا نہ پکڑے، ہاں عوام کے عقیدے کی اصلاح کے بعد مستحب پر عمل کرتے ہوئے گاہے گاہے عصا ہاتھ میں لیا کریں۔ واللہ اعلم۔

خطیب کا جلسہ خفیفہ ترک کرنا:

سوال: اگر کوئی خطیب جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیان جلسہ خفیفہ نہ کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: دو خطبوں کے درمیان جلسہ خفیفہ مذہب احناف کے مطابق سنت ہے، لہٰذا خطبہ تو ادا ہو جائے گا مگر خلافِ سنت اور مکروہ ہوگا۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وسن خطبتان للتوارث إلى وقتنا وبين الجلوس بين الخطبتين جلسة خفيفة وظاهر الرواية مقدار ثلاث آيات. وفي الطحطاوي: وهو المذهب در، وتاركها مسيء في الأصح لأنها سنة قهستاني لماروى أن النبي ﷺ كان يخطب قائما خطبة واحدة فلما أسن جعلها خطبتين بينهما جلسة خفيفة، وفيه دليل على أنها لاستراحة لا لشرط.

(مراقي الفلاح مع الطحطاوي: ص ٥١٦، قديمي۔ وكذا في الدر المختار: ٢/١٤٨، سعيد۔ والفتاوى الهندية: ١/١٤٧)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

دو خطبوں کے درمیان نہ بیٹھنا خلاف سنت ہے۔ واللہ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۸/۲۰۱، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

خطیب کو لقمہ دینے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص خطبہ میں آیتِ کریمہ غلط پڑھتا ہے تو لقمہ دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اگر آیتِ کریمہ میں فحش غلطی کرے تو پرچی کے ذریعہ سے اصلاح فرمادیں تاکہ فحش غلطی دور ہو۔ اگرچہ خطبہ کے وقت ہر قسم کا کلام ممنوع ہے (جیسا کہ نماز میں بھی ہر قسم کا کلام ممنوع ہے لیکن لقمہ کی گنجائش ہے) نیز ایک قول کے مطابق صرف کلام دنیوی منع ہے دینی کلام کی ممانعت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(وفتحه على إمامه جائز) لماروى أنه ﷺ قرأ في الصلاة سورة المؤمنين فترك كلمة فلما فرغ قال: ألم يكن فيكم أبيّ؟ قال: بلى قال: هلا فتحت عليّ؟ قال: ظننت أنها نسخت فقال رسول الله ﷺ: لو نسخت لأعلمتكم وقال: إذا استطعمك الإمام فأطعمه أي إذا استفتحك الإمام فافتح عليه، والصحيح أنه ينوي الفتح دون التلاوة لأن الفتح مرخص فيه.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ٣٣٤، باب مايفسد الصلاة، قديمي)

شامی میں ہے:

قوله ولا كلام أي من جنس كلام الناس أما التسبيح ونحوه فلايكره وهو الأصح كما في النهاية والعناية وذكره الزيلعي أن الأحوط الإنصات ومحل الخلاف قبل الشروع أما بعده فالكلام مكروه تحريمًا بأقسامه كما في البدائع. (شامي: ٢/١٥٨، سعيد)

فتاویٰ لکھنوی میں ہے:

قال بعضهم: إنما يكره الكلام الذي هو من كلام الناس، وأما التسبيح واتباعه فلا، وقال بعضهم: كل ذلك، والأول أصح، كذا في مبسوط فخر الإسلام. والله اعلم.

(فتاوى اللكنوي: ص ٣٥٠، ما يتعلق بالجمعة، بيروت)

غیر عربی میں خطبہ دینے کا حکم:

سوال: خطبہ عربی میں دینا واجب ہے یا سنت اگر کوئی شخص غیر عربی میں خطبہ دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: خطبہ عربی زبان میں دینا سنتِ مؤکدہ اور ضروری ہے۔ کسی اور زبان میں دینا مکروہِ تحریمی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا معمول پوری زندگی عربی زبان میں خطبہ دینے کا تھا۔

حالانکہ وہ مشرق ومغرب میں پھیلے، عجمی ممالک کو فتح کیا اور وہیں پر خطبے دئے، لیکن کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ انہوں نے جمعہ یا عیدین کا خطبہ غیر عربی میں دیا ہو۔ بعض حضرات یہ شبہ کرتے ہیں کہ خطبہ تذکیر اور نصیحت ہے لہٰذا سامعین کی زبان میں ہونا چاہئے۔ مگر ان کو سوچنا چاہئے کہ خطبہ ذکر ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فاسعوا إلى ذكر الله﴾ یعنی اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ و اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر سے مراد محدثین اور مفسرین کے نزدیک خطبہ جمعہ ہی ہے۔

نیز ایک حدیث میں بھی خطبہ کو ذکر فرمایا گیا ہے:

فإذا خرج الإمام حضرت الملائكة يستمعون الذكر.

(بخاری شریف: ۱/۱۲۱/۸۷۱، باب فضل الجمعة)

یعنی جب امام خطبہ کے لئے کھڑا ہو جائے تو فرشتے خطبہ سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ خطبہ نماز اور اذان کی طرح ذکر ہے تو جس طرح نماز اور اذان کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے اسی طرح خطبہ کا بھی عربی زبان میں ہونا ضروری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح مؤطا میں تحریر فرمایا ہے:

وأما كونها عربية فلاستمرار أهل الإسلام في المشارق والمغارب به مع أن في كثير من الأقاليم كان المخاطبون أعجمين.

(مصفی شرح مؤطا: ص ۱۵٤ باب التشديد على من ترك الجمعة من غير عذر)

یعنی خطبہ کا عربی زبان میں ہونا اس لئے ضروری ہے کہ تمام اہل اسلام مشرق ومغرب میں یہی طریقہ جاری رکھے ہوئے ہیں، حالانکہ سامعین اور مخاطب عجمی ہوا کرتے تھے لہٰذا عربی میں خطبہ جمعہ وعیدین کی پابندی ضروری ہے۔

نیز علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی غیر عربی میں مکروہِ تحریمی فرمایا ہے:

فإنه لاشك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي ﷺ والصحابة رضي الله تعالى عنهم فيكون مكروهًا تحريمًا.

(عمدة الرعاية على شرح الوقاية: ۱/۲۰۰، رقم الحاشية ۲، المجيدى كانفور)

نیز ملاحظہ ہو: (الفقه الاسلامى وادلته: ۲/۲۸۹، دار الفكر۔ اتحاف السادة المتقين شرح احياء علوم الدين: ۳/۳۲٦۔ والانصاف فى معرفة الراجح من الخلاف: ۲/۳۸۷۔ وفتاوى دار العلوم ديوبند: ۵/۹۰، دار الاشاعت۔ وامداد الاحكام: ۱/۷۳۲)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ: ۸/ ۲۱۵۔۲۳۹، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ وجواہر الفقہ "الاعجوبة فی عربیة خطبة العروبة" ۱/ ۳۴۷، مکتبۃ دار العلوم کراچی۔ ومجموعۃ الفتاوی لکھنوی: ۱/ ۳۵۹، آرام باغ کراچی)۔ واللہ اعلم۔

خطبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا نام نہ لینا:

سوال: خطبہ میں جب خلفائے راشدین کا تذکرہ آتا ہے تو عام طور پر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کہتے ہیں یعنی والد کا نام بھی ذکر کرتے ہیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام کیوں نہیں ذکر کرتے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام ذکر کریں اور یوں کہیں ابوبکر بن ابی قحافہ تو تکرارِ کنیت کی وجہ سے لفظ میں ثقل پیدا ہوتا ہے، اور اگر کنیت کو چھوڑ کر صرف نام پر اکتفاء کریں مثلاً عبداللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' تو چونکہ مشہور نہ ہونے کی وجہ سے تعریف مکمل نہیں ہوتی، اس وجہ سے فقط ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ واحدی میں ہے:

سوال: ما الوجه فی ترك نسبة الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ إلی أبیه فی الخطبة کما ینسب سائر الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم إلی آبائهم؟

الجواب: والوجه فیه أمر لفظی وهو أن الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وإن کان اسمه عبداللّٰه لکنه اشتهر بکنیة أبی بکر وکذلك والده رضی اللہ تعالیٰ عنہ وإن کان اسمه عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکنه کان مشهوراً بکنیة أبی قحافة رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلو نسب الکنیة إلی الکنیة مع تکرار لفظ الأب لأدی ذلك إلی الثقل فی اللفظ کما یشهد به الذوق السلیم.

ولو نسب الاسم إلی الاسم لم یحصل التعریف المطلوب لعدم الشهرة بالاسم فأقیم الوصف المشهور بالصدیق مقام النسبة لأن الغرض هو التعریف وهو کما یحصل بذکر النسبة فکذلك یتحقق بذکر الوصف المذکور، وأما سائر الخلفاء رضوان اللّٰه تعالیٰ علیهم أجمعین فالفاروق وذو النورین کانا مشهورین باسمائهما کآبائهما فلیس هناك کنیة أصلاً فنسب الاسم إلی الاسم وأن المرتضی کرم اللّٰه وجهه فإن والده کان مشهوراً بالکنیة لکنه رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مشتهراً باسمه فلو یتحقق انتساب الکنیة إلی الکنیة المؤدی إلی الثقل بل انتساب الاسم إلی

الکنیۃ و لاثقل فیہ. واللہ اعلم. (فتاوی واحدی:ص ۲۳۵)

خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کرنے کا حکم:

سوال: خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کرنا چاہئے خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ لوگ ان کے بارے میں بدظنی کا شکار ہیں۔ ہاں اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو پہلے لوگوں کو مانوس کرے، پھر آہستہ خطبہ میں تذکرہ شروع کرے۔

ملاحظہ ہو احسن الفتاوی میں ہے:

ہر زمانہ میں مضمون کی ترتیب میں اسلام میں پیدا ہونے والے فتنوں سے مسلک اہلِ سنت کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے، چنانچہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسمائے مبارکہ اور ان کے لئے دعا اور ان کے مناقب خطبہ میں لانے سے روافض وخوارج پر تردید اور مسلکِ اہل سنت کا اعلان مقصود ہے، سابق زمانہ میں جو فتنے تھے ان کی تردید کے لئے انہی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر کافی تھا جو مطبوعہ خطبوں میں مذکور ہیں، جدید دور کا ایک ایک جدید فتنہ ایک ایسی جماعت کا ظہور ہے جو اہل سنت ہونے کی مدعی ہے اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے عقیدت کا دعوی کرتی ہے، مگر قلوب بغض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مسموم ہیں، بالخصوص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ان کے قلوب کی نجاست ان کی زبان وقلم سے مسلسل اُبل رہی ہے، مسلکِ اہل سنت میں کسی صحابی کے بارے میں ذرا سی بدگمانی بھی اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم کی موجب ہے، اس لئے یہ لوگ اہلِ سنت سے خارج ہیں، اور الحاد میں روافض ہی کی راہ پر چل رہے ہیں، نیز روافض کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا دوسری بناتِ مکرمات رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی بغض ہے، اس لئے ان فتنوں کی تردید کے پیشِ نظر خطبہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بناتِ مکرمات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مناقب وفضائل کا ذکر اور ان کے لئے دعاءِ ترضی کا معمول بنانا چاہئے، اس سے حضرت تھانوی قدس سرہ اور دوسرے اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک سے انحراف لازم نہیں آتا، بلکہ ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ ان کے خطبات جس نظریہ پر مبنی ہیں ان میں یہ اضافہ بھی اسی نظریہ کے ماتحت کیا گیا ہے، جس کی تفصیل اوپر بتائی جا چکی ہے، فقط واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی:۴/۱۴۶، باب الجمعۃ والعیدین)

فتاوی فریدیہ میں ہے:

نہ اصرار مناسب ہے اور نہ انکار زیبا ہے خصوصاً جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بہت سے

لوگ بدظنی کا شکار ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی فریدیہ:۳/۱۸۸،فصل فی الجمعۃ)

ریڈیو پر نشر ہونے والے خطبہ کے سننے کا حکم:

سوال: جب ریڈیو پر جمعہ کا خطبہ نشر کیا جارہا ہو تو استماع واجب ہے نہیں؟

الجواب: ریڈیو پر اگر خطیب کی آواز کو براہِ راست نشر کیا جارہا ہے تو جن پر جمعہ واجب ہے ان کے لئے خطبہ کی جگہ آکر سننا بھی واجب ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر آواز کو ٹیپ کیا گیا تھا اس کو نشر کیا جارہا ہے تو سننا واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ سجدۂ تلاوت کا حکم ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وفي النهر عن البدائع يكره الكلام حال الخطبة، وكذا كل عمل يشغله عن سماعها من قراءة قرآن أو صلاة أو تسبيح أو كتابة ونحوها بل يجب عليه أن يستمع ويسكت، في شرح الزاهدي يكره لمستمع الخطبة مايكره في الصلاة من أكل وشرب وعبث والتفات ونحو ذلك، وفي الخلاصة كل ماحرم في الصلاة حرم حال الخطبة ولو أمرًا بمعروف، وفي السيد استماع الخطبة من أولها إلى آخرها واجب ...... والنائي كالقريب.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص٥١٩، قديمي. وكذا في امداد الفتاح: ص٥٦٩، واجبات الجمعة، بيروت)

نظام الفتاوی میں ہے:

ریڈیو، اس میں اکثر بیان کرنے والے کی تقریر و آواز ٹیپ کر لی جاتی ہے اور پھر اسی کو نشر کرایا جاتا ہے، پس اگر ایسا ہونے کا ظن غالب ہو تو اس کی آواز پر سجدۂ تلاوت کرنا لازم نہ رہے گا۔ ہاں جب بولنے والا بغیر ان وسائل کے خود بول رہا ہے اور آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، اور ریڈیو میں متکلم کی بعینہٖ آواز اور ٹیپ کی آواز میں موقعہ استعمال کا فرق مدلل طور پر ہوجاتا ہے اسی کے اعتبار سے عمل کرے۔

(نظام الفتاوی: ۱/ ۷۲، کتاب الصلاۃ، فقہ اکیڈمی)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ: ۷/ ۴۷۲، مبوب ومرتب۔ وجدید فقہی مسائل: ۱/ ۱۷۱، نعیمیہ دیوبند۔ وآلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام: ص ۱۷۴)۔ واللہ اعلم۔

خطیب کے علاوہ دوسرے شخص کا نمازِ جمعہ پڑھانا:

سوال: ایک شخص مسلسل کئی ہفتوں سے خطبہ پڑھ کر نمازِ جمعہ دوسرے شخص کو سپرد کرتا ہے یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس شخص کا یہ عمل خلافِ اولیٰ ہے ہر جمعہ کو اس طرح کرنے سے

اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

(لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب لأنهما كشيء واحد) قوله لأنهما أي الخطبة و الصلاة كشيء واحد لكونهما شرطًا ومشروطًا لاتتحقق المشروط بدون شرطه فالمناسب أن يكون فاعلهما واحد. (شامي: ۲/ ۱٦۲، باب صلاة الجمعة، سعيد)

وفي الطحطاوي: (قوله: لاينبغي) الظاهر أن اختلافهما مكروه تنزيهًا.

(حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/ ۳٤۸)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ: ۸/ ۲۱۵ مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)۔ واللہ اعلم۔

خطبہ کے بعد نماز سے قبل امام کے لئے اعلان کرنے کا حکم:

سوال: خطبہ کے بعد نماز سے قبل امام کے لئے کوئی مسئلہ بیان کرنا یا مثلاً یہ کہنا صفیں سیدھی کرلیں یا پہلے مسجد کے اندر سے پُر کریں یا وعظ و نصیحت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کے لئے نماز سے قبل یہ اعلان کرنا کہ صفیں درست کرلیں یا پہلے مسجد کو اندر سے پُر کرلیں یا مختصر مسئلہ بیان کردینا جائز ہے، طویل وعظ درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فإذا أتم أي الإمام الخطبة أقيمت بحيث يتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وتنتهي الإقامة بقيام الخطيب مقام الصلاة ...... ويكره الفصل بأمر الدنيا ذكره العيني ...... اما بنهي عن منكر أو أمر بمعروف فلا و كذا الوضوء ...... حتى لو طال الفصل استأنف الخطبة.

(شامي: ۲/ ۱٦۲، باب صلاة الجمعة، سعيد)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

مختصر طور پر کوئی مسئلہ بتانا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جائز ہے طویل وعظ جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

(احسن الفتاوى: ٤/ ۱۲۲، باب الجمعة و العيدين)

خطبہ کا مختصر ہونا اور نماز کا طویل ہونا سنت ہے:

سوال: جمعہ کا خطبہ اتنا لمبا پڑھنا کہ نماز کی قراءت اس کے مقابلہ میں چوتھائی نہ ہو ائمہ اربعہ کے مذہب کی روشنی میں کیسا ہے؟

الجواب: ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ خطبہ کو مختصر کرنا اور نماز کو طویل کرنا سنت ہے۔ اور اس کے خلاف کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے خلافِ سنت ہے، اور یہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مکروہ ہے، جب کہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک خلافِ اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن واصل بن حيان قال: قال أبو وائل خطبنا عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فأوجز وأبلغ فلما نزل قلنا يا أبا اليقظان لقد أبلغت وأوجزت فلو كنت تنفست فقال: إني سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول: إن طول صلاة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فأطيلوا الصلاة وأقصروا الخطبة وإن من البيان سحرًا. (رواه مسلم: ۱/۲۸۶، كتاب الجمعة)

وعن جابر بن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كنت أصلي مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم الصلوات فكانت صلاته قصدًا وخطبته قصدًا. (رواه مسلم: ۱/۲۸٤، كتاب الجمعة)

بدائع الصنائع میں ہے:

واما سنن الخطبة ...... ومنها أن لا يطول الخطبة لان النبي صلی اللہ علیہ وسلم أمر بتقصير الخطبة وعن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه قال: طولوا الصلاة وقصروا الخطبة وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ طول الصلاة وقصر الخطبة من فقه الرجل.

(بدائع الصنائع: ۱/۲٦۳، سعید۔ وكذا في شامي: ۲/۱٤۸، باب صلاة الجمعة۔ والفتاوى الهندية: ۱/۱٤۷)

شرح المہذب میں ہے:

ويستحب أن يقصر الخطبة لما روي عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه خطب وأوجز فقيل له لو كنت تنفست فقال: سمعت النبي صلی اللہ علیہ وسلم يقول: الخ...... (شرح المهذب: ٤/٥۲٦)

مغنی میں ہے:

ويستحب تقصير الخطبة لما روى عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ......

(المغني لابن قدامة الحنبلي: ۲/۱٥٥)

الفقہ الاسلامی میں ہے:

مكروهات الخطبة عند الحنفية والمالكية: هي ترك السنن المتقدمة ومن أهمها تطويل الخطبة، وليس ترك السنن المتقدمة عند الشافعية والحنابلة مكروهاً على اطلاقه، بل منه

ماهو مكروه، ومنه ماهو خلاف الأولى. والله اعلم.

(الفقه الاسلامي وادلته: ۲/۲۹۳، ۲۹۸، ۲۹۹۔ وكذافي الفقه على مذاهب الاربعة: ۱/۳۹۴۔ وكذافي حاشية الدسوقي: ۱/۵۹۸، فصل في الجمعة، دارالفكر۔ ومذهب الخليل: ۲/۵۳۸)

احتیاط الظہر کا حکم:

سوال: کیا جمعہ کی نماز کے بعد ظہر کی نماز ادا کی جائے گی یا نہیں؟ ادا نہ کرنے کے دلائل پیش کریں؟

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق احتیاط الظہر نہیں پڑھنا چاہئے، صرف جمعہ پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

أقول وقد كثر ذلك من جهلة زماننا أيضًا ومنشأ جهلهم صلاة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر وإنما وضعها بعض المتأخرين عند الشك في صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها في مصر واحد وليست هذه الرواية بالمختارة وليس هذا القول أعني اختيار صلاة الاربع بعدها مرويًا عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وصاحبيه رحمهما الله تعالى حتى وقع لي أني أفتيت مرارًا بعدم صلاتها خوفًا على اعتقاد الجهلة بانها الفرض وان الجمعة ليست بفرض.

(البحر الرائق: ۲/۱۳۹، باب صلاة الجمعة، الماجدية)

امداد الفتاح میں ہے:

تنبيه آخر في بيان صلاة الاربع بعد الجمعة بنية آخر ظهر عليه: قال: الشيخ زين ما في القنية من أمر مشايخ مرو بأداء أربع ركع بعد الجمعة حتمًا احتياطًا مبني على القول الضعيف المخالف للمذهب، وهو منع جواز تعدد الجمعة فليس الاحتياط فعلها لان الاحتياط العمل بأقوى الدليلين، وهو اطلاق الجواز وفي المنع حرج وهو مدفوع وفي فعل الأربع مفسدة عظيمة وهي اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست فرضاً لما يشاهدون من صلاة الظهر فيتكاسلون عن أداء الجمعة يعني أو اعتقادهم افتراض الجمعة والظهر بعد الجمعة أيضًا، وقد شوهد الآن صلاتها بالجماعة والاقامة لها، ونيتهم فرض الظهر الحاضر إمامًا ومؤتمًا بغالب المساجد والخطيب إمامًا بعد إمامته بالجمعة والجماعة وهو ظاهر الشناعة.

(امداد الفتاح: ص ۵۵۳، مطلب، الاحتياط هو العمل باقوى الدليلين، بيروت)

امداد الاحکام میں ہے:

اگر شرائط صحت موجود ہیں تب تو ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں اور اگر شرائط صحت موجود نہیں تو جمعہ پڑھنا جائز نہیں ظہر ہی پڑھنا جماعت کے ساتھ واجب ہے، اس لئے ظہر احتیاطی سے ہر حال میں منع کیا جاوے۔

(امداد الاحکام: ۱/۷۲۵، فصل فی الجمعۃ، کراچی)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (شامی: ۲/۱۴۵-۱۴۶، مطلب فی نیۃ آخر ظہر بعد صلاۃ الجمعۃ، سعید۔ وحاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۳۳۸، ۳۴۲۔ وکفایت المفتی: ۳/۲۱۵۔ واحسن الفتاوی: ۴/۱۳۹۔ وفتاوی محمودیہ: ۸/۳۴۶، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ۔ وآپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/۴۰۳۔ وامداد المفتین: ۲/۳۹۴، دار الاشاعت۔ وعمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۴۲، المجددیۃ)۔ **واللہ اعلم۔**

جمعہ کے بعد سنت کی تعدادِ رکعات:

سوال: جمعہ کی نماز کے بعد کتنی رکعت مسنون ہے؟ اور ان میں مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کتنی ہیں؟

الجواب: عام طور پر کتبِ فقہ میں چار رکعت سنتِ مؤکدہ مذکور ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے چھ رکعت مروی ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تطبیق اس طرح دی ہے کہ چار سنتِ مؤکدہ اور دو غیر مؤکدہ ہیں۔ اور کبیری وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چار سنتِ مؤکدہ پہلے پڑھنی چاہئے اور دو بعد میں۔ البتہ حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے دو رکعت پہلے پڑھنے کو ترجیح دی ہے، اور چھ رکعت کا ثبوت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے، اس میں دو کا تذکرہ پہلے ہے۔ لہٰذا دو پہلے پڑھنے کی بھی اجازت ہے بلکہ کبھی کبھی اس پر بھی عمل کرنا چاہئے۔ نیز "لایصلی صلاۃ مثلها" کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ کوئی فرض نماز مکرر نہ پڑھی جائے، نیز جمعہ خطبہ کی وجہ سے چار رکعت کے حکم میں ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربعًا. وفي رواية له عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا صليتم بعد الجمعة فصلوا أربعًا، وفي رواية له عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه أنه كان إذا صلى الجمعة انصرف فسجد سجدتين في بيته ثم قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع ذلك.

(مسلم شریف: ۱/۲۸۸، فصل فی استحباب اربع رکعات ......)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن أبي عبد الرحمن قال: قدم علينا ابن مسعود رضي الله تعالى عنه فكان يأمرنا أن نصلي

بعدالجمعة أربعًا فلما قدم علينا علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ أمرنا أن نصلي ستًا، فأخذنا بقول علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتركنا قول عبد الله قال: كان يصلي ركعتين ثم أربعًا. وفي رواية له عن عطاء قال: كان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ إذا صلى الجمعة صلى بعدها ست ركعات ركعتين ثم أربعًا وفي رواية له عن أبي بكر بن أبي موسى عن أبيه: كان يصلي بعدالجمعة ست ركعات.

(مصنف ابن ابی شیبة: ۱۱۸/۴، ۵٤۱۰، ۵٤۱۳، المجلس العلمی)

ترمذی شریف میں ہے:

روی عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ كان يصلي قبل الجمعة أربعًا وبعدها أربعًا. وروى عن علي بن أبي طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه أمر أن يصلي بعدالجمعة ركعتين ثم أربعًا.

وقال العلامة الشاه الكشميري رحمہ اللہ تعالیٰ في شرح هذه الأحاديث: وأما بعدالجمعة فركعتان عند الشافعي رحمہ اللہ تعالیٰ وأربع عند أبي حنيفة رحمہ اللہ تعالیٰ وست ركعات عند صاحبيه رحمہما اللہ تعالیٰ وفي الست طريقان والمختار عندي أن يأتي بالركعتين قبل الأربع لعمل ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ في سنن أبي داؤد.

(ترمذی شریف مع العرف الشذی: ۱/۱۱۸-۱۱۸، باب فی الصلاۃ قبل الجمعة وبعدها)

مزید ملاحظہ ہو: (شرح منیة المصلی: ص۳۸۸، فصل فی السنن، سہیل۔ وکذا فی معارف السنن: ۴۱۱/٤، بحث السنن قبل الجمعة وبعدها، سعید۔ واعلاء السنن: ۱۳/۷-۱۵، باب النوافل والسنن، ادارۃ القرآن۔ وفتاوی محمودیہ: ۳٤٤/۸، مبوب ومرتب۔ وفتاوی دارالعلوم دیوبند: ۱۳٦/۵، دارالاشاعت۔ تعلیم الاسلام: ۱٤۸/٤، مکمل، دارالاشاعت)۔ واللہ اعلم۔

عید و جمعہ جمع ہو جائیں تو نمازِ جمعہ کا حکم:

سوال: جمعہ کے دن نمازِ عید پڑھنے کے بعد جمعہ پڑھنا لازم ہے یا نہیں؟ احادیث کی روشنی میں کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث کی روشنی میں عید کی نماز کے بعد جمعہ پڑھنا لازم وضروری ہے۔

ملاحظہ ہو صحیح مسلم شریف میں ہے:

عن النعمان بن بشير رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقرأ في العيدين وفي الجمعة

بسبح اسم ربك الأعلى وهل أتاك حديث الغاشية قال: وإذا اجتمع العيد والجمعة في يوم واحد يقرأ بهما أيضًا في الصلاتين.

(رواه مسلم: ۲۸۸/۱۔ والنسائی: ۲۱۰/۱۔ وکذافی تفسیر القرطبی: ۱۰۷/۲۱۔ وتفسیر ابن کثیر: ۵۲۸/٤)

احکام القرآن میں ہے:

لايسقط الجمعة كونهما في يوم واحد خلافًا لأحمد رحمہ اللہ تعالیٰ حين قال: إذا اجتمع عيد وجمعة سقط الجمعة لتقدم العيد عليها واشتغال الناس به عنها وتعلق في ذلك بماروى أن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ أذن في يوم العيد لأهل العوالي أن يتخلفوا عن الجمعة وقول الواحد من الصحابة ليس بحجة إذا خولف فيه ولم يجتمع معه عليه والأمر بالسعي متوجه يوم العيد كتوجهه في سائر الأيام. (احکام القرآن لابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ: ٦٥/٥)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اشکال: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن جمعہ نہ پڑھنے کی رخصت مرحمت فرمائی۔ ملاحظہ ہو ابن ماجہ میں ہے:

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: اجتمع عيدان على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فصلى بالناس ثم قال: من شاء أن يأتي الجمعة فليأتها ومن شاء أن يتخلف فليتخلف. وفي رواية له عن زيد بن أرقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ...... ثم قال: من شاء أن يصلي فليصل ...... وفي رواية له عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أنه قال: قد اجتمع عيدان في يومكم هذا فمن شاء أجزأه من الجمعة وإنا مجمعون إن شاء الله تعالى.

(ابن ماجہ شریف: ص ۹۳، باب ماجاء اذا اجتمع العیدان فی یوم)

الجواب: (۱) اولاً تو یہ تمام احادیث ضعیف ہیں دکتور بشار عواد نے ابن ماجہ کی تعلیق میں ان کی تضعیف فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں جبارہ بن مغلس راوی ضعیف ہے، اور اس کے شیخ مندل بن علی العنزی بھی ضعیف ہے۔

(۲) زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ایاس بن ابی رملہ مجہول ہے۔

(۳) عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بقیہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(تعليق الدكتور بشار عواد على ابن ماجة: ٤٥١/٢/ ١٣١٠، ١٣١١، ١٣١٢، باب ماجاء فيما اذا اجتمع العيدان في يوم واحد، بيروت)

الجواب: (۲) یہ رخصت اور خطاب دیہات والوں کے لئے تھا جو مدینہ منورہ کے ارد گرد سے نمازِ عید کے لئے جمع ہوئے تھے۔ پھر دوبارہ جمعہ کے لئے جمع ہونے میں حرج تھا اس وجہ سے ان کو رخصت واجازت مرحمت فرمائی۔ کیوں کہ دیہات والوں پر ایسے بھی جمعہ فرض نہیں ہے بلکہ وہ اپنی بستی میں ظہر پڑھ لیں۔

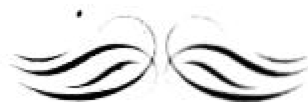
نیز حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے اشارہ بھی ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "إنا مجمعون إن شاء اللّٰه تعالیٰ" ہم یعنی مدینہ منورہ میں رہنے والے تو جمعہ قائم کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

كان أهل القرى يجتمعون لصلاة العيدين مالايجتمعون لغيرهما، كما هو العادة، وكان في انتظارهم الجمعة بعد الفراغ من العيدحرج عليهم،فلما فرغ رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم من صلاة العيد نادى مناديه "من شاء منكم أن يصلي الجمعة فليصل، ومن شاء الرجوع فليرجع" وكان ذلك خطابًا لأهل القرى المجتمعين هناك، والقرينة على ذلك بانه قدصرح فيه بانامجمعون، والمراد من جمع المتكلم أهل المدينة بلاشك وفيه دلالة واضحة على أن الخطاب بقوله: "من شاء منكم أن يصلي" لأهل القرى دون اهل المدينة. عن ابن شهاب عن أبي عبيد مولى ابن أزهر أنه قال: شهدت العيد مع عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه فجاء فصلى ثم انصرف فخطب وقال: إنه قد اجتمع لكم في يومكم هذا عيدان، فمن أحب من أهل العالية أن ينتظر الجمعة فلينتظرها، ومن أحب أن يرجع فقد أذنت له. رواه مالك في موطئه: (ص٦٣) وهذاالإسنادقدأخرجه البخاري: (ص٢٦٧) في باب صوم يوم الفطر.

(اعلاء السنن: ٩٢/٨، ٩٣، باب اذااجتمع العيد والجمعة لاتسقط الجمعة به)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (بذل المجهود: ٥٦/٦۔ ومعارف السنن: ٤٣١/٤۔ ٤٣٤، بحث عدم سقوط الجمعة عنداجتماع العيد والجمعة۔ واعلاء السنن: ٩٢/٨۔ ٩٨، باب اذااجتمع العيد والجمعة لاتسقط الجمعة به)۔ **واللہ اعلم۔**



بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى"﴾

(رواه البخاری)

وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

﴿"زينوا أعيادكم بالتكبير"﴾

(المعجم الكبير)

عید مبارک باب......﴿۱۷﴾ عید مبارک

نمازِ عیدین کا بیان

باب ......﴿۱۷﴾

نمازِ عیدین کا بیان

عیدین کی نماز شہر کے پارک میں ادا کرنے کا حکم:

سوال: اگر نمازِ عید بجائے صحراء کے شہر کے میدان یا پارک میں ادا کی تو عیدگاہ کی سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: عیدین کی نماز کو آبادی سے باہر نکل کر عیدگاہ یا میدان میں ادا کرنا سنت ہے، آنحضور ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مسجدِ نبوی کی فضیلت چھوڑ کر عیدگاہ میں پڑھنے کا اہتمام فرمایا، لہٰذا بلا کسی عذر کے مساجد میں عیدین کی نماز نہیں پڑھنا چاہئے خلافِ سنت ہے، ہاں شہر کے میدان یا پارک وغیرہ میں عیدین کی نماز پڑھنے سے سنت ادا ہوجائے گی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كان النبی ﷺ يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى فأول شيء يبدأ به الصلاة ثم ينصرف فيقوم مقابل الناس والناس جلوس على صفوفهم فيعظهم ويوصيهم ويأمرهم......

(رواه البخاری: ۱/۱۳۱/۹۴۶،باب الخروج الى المصلى بغير منبر)

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أن البروز إلى المصلى والخروج إليه، ولا يصلى فى المسجد إلا عن ضرورة، وروى ابن زياد عن مالك رحمہ اللہ تعالیٰ قال: السنة الخروج إلى الجبانة إلا لأهل مكة ففى المسجد، وقال الشافعى رحمہ اللہ تعالیٰ "فى الأم": بلغنا أن رسول الله ﷺ كان يخرج فى العيدين إلى المصلى بالمدينة وكذا من بعده إلا من عذر مطر ونحوه، وكذا عامة أهل البلدان إلا مكة، شرفها الله تعالى. (عمدة القاری شرح صحيح البخاری: ۵/۱۷۱،باب الخروج الى المصلى،دارالحديث ملتان)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میدان میں عیدین کی نماز پڑھنا سنت ہے۔ یہی آنحضور ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ تھا۔ نیز ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے کھلے

میدان میں نمازِ عید ادا فرمائی اور سترہ کے لئے نیزہ سامنے گاڑ دیا گیا اس لئے کہ نہ دیوار تھی نہ چھت تھی۔

ملاحظہ ہو ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يغدو إلى المصلى في يوم عيد والعنزة تحمل بين يديه فاذا بلغ المصلى نصبت بين يديه فيصلي إليها وذلك أن المصلى كان فضاء ليس فيه شيء يستتر به. (رواه ابن ماجه: ۹۲، باب ما جاء في الحربة يوم العيد)

اعلاء السنن میں ہے:

وأخرج الطبراني في الكبير بضعف عن علي رضي الله تعالى عنه قال: الخروج إلى الجبان في العيدين من السنة كذا في جمع الفوائد: (۱/۱۰۷) وانجبر ضعفه بماله من الشواهد ...... وفي الدر المختار والخروج إليها أي الجبانة لصلاة العيد سنة، وان وسعهم المسجد الجامع.

(اعلاء السنن: ۸/۱۱۲/۲۱۱۰، باب الخروج يوم الفطر والأضحى الى المصلى الا لعذر، ادارة القرآن۔ كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۵۳۱ باب أحكام العيدين، قديمي۔ وعمدة الفقه: كتاب الصلاة حصه دوم: ۴۶۰۔ و فتاوى محموديه: ۸/۴۰۴ باب العيدين، جامعه فاروقيه)

کھلے میدانوں میں عید کی نماز پڑھنے پر اشکالات:

(۱) یہ جگہ اکثر شہر سے باہر نہیں ہوتی؟

(۲) یہ جگہ وقف شدہ نہیں ہوتی؟

(۳) عید کی نماز ختم ہونے کے بعد وہاں سیاح اور عورتیں اور کبھی کبھی جانور گھومتے ہیں، بلکہ اس میں جانوروں کی نمائش ہوتی ہے اور ناجائز امور بھی ہوتے ہیں اس لئے وہ میدان ناپاک بھی ہو جاتا ہے۔

اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات سے جوابات:

زمانہ گذشتہ میں اس قسم کے اشکالات بعض مقامی حضرات نے تحریراً حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور مفتی عبدالحی بسم اللہ مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک کی خدمت میں پیش کئے تھے، تو ان دونوں حضرات نے مفصل جواب مرحمت فرمایا۔ جس کی نقل ہمارے پاس موجود تھی لہٰذا مناسب سمجھا کہ برکت کے طور پر اس کا خلاصہ پیش کر دیا جائے، ملاحظہ ہو حضرت مفتی عبدالحی بسم اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے:

(۱) یہ صحیح ہے کہ عیدگاہ شہر سے باہر ہو مگر عیدگاہ وسط شہر میں ہو یا آجائے یا وسط شہر میں کوئی میدان برائے نمازِ عید تجویز کیا جائے اور وہاں باقاعدہ نمازِ عیدین کے لئے جو سنت باہر جانا ہے وہ ایسی حالت میں بھی ادا

ہو جائے گی اور نماز بطریق مسنون اداشدہ یقیناً کہی جائے گی اور دلیل دیکھنا ہو تو: (وفاء الوفاء: ۳/ ۷۸۰)۔

نیز فتح الباری ملاحظہ فرمائیں:

وحکی ابن بطال عن ابن حبیب أن مصلی الجنائز بالمدینة کان لاصقا بمسجد النبی ﷺ من ناحیة جهة المشرق. انتهی، فان ثبت ما قال والا فیحتمل أن یکون المراد بالمسجد هنا المصلی المتخذ للعیدین والاستسقاء.

(فتح الباری شرح صحیح البخاری: ۳/ ۱۹۹، باب الصلاۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد، دارنشر الکتب الاسلامیة)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی عیدگاہ بالکل شہر سے باہر نہیں تھی ایسی حالت میں متعین جگہ میں نمازِ عیدین ادا کرنا بلا شک وشبہ جائز ہے بلکہ بطریقِ مسنون صحیح ہے۔ کیونکہ جب گورمنٹ غیر مسلم ہے عیدگاہ کے لئے جگہ دیتی نہیں یہ عمدہ میدان بلا اجرت برائے نمازِ عیدین مل رہا ہے تو کیوں موقع کو جانے دیا جائے ضرور وہاں متفقہ طور پر جا کر نمازِ عیدین ادا کی جائے۔ تاکہ شانِ اجتماعی مسلمانوں کی معلوم ہو اور غیر قوموں پر اثر بھی پڑے، ایسی حالت میں روکنے کی تجویز بلا وجہ اعتراض کر کے لگانا جائز اور درست نہیں۔

(۲) یوں کہنا کہ جگہ کا وقف ہونا صحتِ صلاۃ عید کے لئے شرط ہے غلط ہے کیونکہ نمازِ عید فرض نہیں، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ سنتِ مؤکدہ فرماتے ہیں اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ واجب فرماتے ہیں جو صحیح ہے اور مفتی بہ ہے، اور ظاہر ہے کہ جب نمازِ فرض عین کے لئے جگہ کا وقف ہونا ضروری نہیں: **لقول رسول اللہ ﷺ "جعلت لی الأرض کلها مسجدا** (مشکوۃ: ۵٤) تو پھر دیگر نماز کے لئے کیسے شرط اور ضروری ہوگی علاوہ ازیں عام طور پر تمام فقہاءِ احناف بالاجماع وبالاتفاق یہی فرماتے ہیں کہ سوائے خطبہ کے نمازِ عیدین کے لئے بھی وہی تمام شرائط ہیں جو جمعہ کے لئے ہے، ملاحظہ: شامی مع درمختار ۲/ ۱٦٦، بحر شرح کنز ۲/ ۱٤۰، ھدایہ اولین وغیرھم۔ اور شرائطِ جمعہ کے لئے علاوہ چند شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مصر یعنی شہر ہو یا فناء مصر ہو صاحب بحر شارح کنز جلد ثانی میں فرماتے ہیں: **أو مصلاه أی مصلی المصر لأنه من توابعه فکان فی حکمه والحکم غیر مقصور علی المصلی بل یجوز فی جمیع أفنیة المصر.**

(البحر الرائق: ۲/ ۱٤۰ باب الجمعة)

اس سے معلوم ہوا کہ فناء مصر کے ہر ایک میں جس طرح جمعہ صحیح ہے عید بھی صحیح ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فناء کا وقف ہونا ضروری نہیں ہے۔ **والفناء فی اللغة سعة أمام البیوت وقیل ما امتد من جوانبه کذا فی المغرب** (البحر الرائق: ۲/ ۱٤۰) علاوہ ازیں فقہاء فرماتے ہیں کہ نمازِ جمعہ قلعہ وغیرہ میں اگر اذنِ عام ہو تو پڑھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ: (شامی مع درمختار ۲/ ومراقی الفلاح وغیرہ)۔ ایسی حالت میں صحت نماز عید کے لئے جگہ کا وقف ضروری قرار دینا اور عوام کو ادائیگی سنت مؤکدہ سے روکنا جائز اور درست نہیں۔ شریعت نے جس چیز کو ضروری قرار نہ دیا ہو اس کو اپنے من گھڑت طریقہ سے ضروری قرار دینا شریعت پر جسارت اور انتہائی درجہ کی جسارت ہے جو کبھی معاف نہیں ہو سکتی۔

(۳) احناف کا متفقہ مسئلہ ہے کہ ناپاک شدہ زمین سوکھ جائے تو وہ جگہ برائے نماز پاک ہو جاتی ہے اور وہاں نماز پڑھنا بلا کسی کراہت جائز اور درست ہے: **وتطهر الأرض بيبسها وذهاب أثرها كلون وريح لأجل صلاة عليها، وفي الشامي: قوله بيبسها لما في سنن أبي داؤد باب طهور الأرض إذا يبست وقوله أي جفافها المراد به ذهاب الندوة.** (الدر المختار مع الشامي: ۱/ ۳۱۱ باب الأنجاس، سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

وإذا ذهب أثر النجاسة عن الأرض وجفت جازت الصلاة عليها،قوله وقد جفت ولو بغير الشمس على الصحيح طهرت وجازت الصلاة عليها لقوله ﷺ: أيما أرض جفت فقد زكت. (مراقي الفلاح مع نور الإيضاح: ۶۵ باب الأنجاس والطهارة عنها، مكة المكرمة)

ایسی حالت میں یوں کہنا کہ وہاں جانوروں کی نمائش ہونے کی وجہ سے ناپاک ہے صحیح نہیں، سوکھ جانے سے برائے نماز جگہ پاک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ احقر الوریٰ اسمٰعیل بن محمد بسم اللہ۔

(جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک ضلع سورت ۱۴/ رمضان ۱۳۷۸ھ، ۲۴/ مارچ ۱۹۵۹ء۔ الجواب صحیح عبد الغفور غفر لہ وعبد الحی بسم اللہ عفی عنہ)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

اقول وباللہ التوفیق مولانا مفتی بسم اللہ صاحب کا جواب دربارہ عیدگاہ بالکل صحیح اور کافی وافی ہے پھر مفتی صاحب موصوف نے زیادہ وضاحت اور مکمل ثبوت پیش فرما دیا اس کے بعد کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں، صرف ایک مختصر عبارت علامہ ابن قیم کی زاد المعاد سے نقل کرتا ہوں: کان ﷺ **يصلي العيدين في المصلى وهو المصلى الذي على باب المدينة الشرقي وهو المصلى الذي يوضع فيه محمل الحاج، ولم يصل العيد بمسجده الا مرة واحدة أصابهم المطر فصلى بهم العيد في المسجد.**

(رواه أبو داؤد وابن ماجه كذا في زاد المعاد ۱/ ۴۴۱ فصل في هديه صلى الله عليه وسلم في العيدين، مؤسسة الرسالة)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو روایت بحوالہ ابوداؤد وابن ماجہ نقل کی ہے اس سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(۱) آنحضرت ﷺ کی عید گاہ کہیں شہر سے دور نہیں تھی بلکہ مدینہ طیبہ کے دروازہ شرقی کے متصل واقع تھی جو اس وقت تو زمانہ دراز سے وسطِ شہر میں آ گئی ہے لہذا عہدِ نبوی میں اگر وسطِ شہر میں نہیں تو بالکل شہر سے متصل ضرور تھی۔

(۲) آنحضرت ﷺ کی عید گاہ ایک ایسا میدان تھا جس میں حجاج کے اونٹ بیٹھتے اور ان کے شغوف رکھے جاتے تھے جس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ زمین نمازِ عید کے لئے وقف نہیں تھی۔

(۳) آنحضرت ﷺ نے تمام عمر نمازِ عید ایسی مسجد چھوڑ کر اس میدان میں ادا فرمائی صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے اپنی مسجد میں ادا فرمائی ہے، حالانکہ مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار کے برابر ہے۔

امورِ مذکورہ بالا میں مخالفت کرنے والوں کے سب سوالوں کے جوابات ہیں اور ان سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے عیدین کی نماز کو مسجد میں پڑھنا درست نہیں سمجھا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ، دارالعلوم کراچی، ۶/ رمضان ۱۳۷۹ھ، ۴/ مارچ ۱۹۶۰ء۔

مذکورہ بالا ان اکابر حضرات کے فتاویٰ کے بعد مزید کسی قسم کی تفصیل کی چنداں حاجت وضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم اگر کوئی مزید تفصیل کا خواہاں ہو تو ملاحظہ ہو:

("خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفى: ۱/ ۱۸۱-۱۸۸") پر علامہ سمہودی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی عید گاہ کے جائے وقوع کے بارے میں مکمل تحقیق فرمائی ہے۔

نیز دیگر اکابر کے مختلف فتاویٰ بھی موجود ہیں مثلاً حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت مفتی رشید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ صاحبِ احسن الفتاوی، حضرت مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب مدظلہ جن کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں رسالہ ''عید گاہ کی سنیت'' از حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ ۲۹-۴۱۔ واللہ اعلم۔

نمازِ عیدین چھوٹی بستی میں ادا کرنے کا حکم:

سوال: کیا نمازِ عیدین چھوٹی بستی میں پڑھ سکتے ہیں جہاں جمعہ نہیں پڑھ سکتے شرائطِ جمعہ مفقود ہونے کی وجہ سے؟

الجواب: نمازِ جمعہ وعیدین شہر اور بڑی بستی میں پڑھی جا سکتی ہے۔ چھوٹے دیہات میں پڑھنا جائز اور درست نہیں۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وأما شرائط وجوبها وجوازها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلاة العيدين وجوازها من الإمام والمصر والجماعة والوقت إلا الخطبة ...... وكذا المصر لما روينا عن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال: لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع ...... والمراد من لفظ الفطر والأضحى صلاة العيدين ولأنها ماثبتت بالتوارث من الصدر الأول إلا في الأمصار. (بدائع الصنائع: ۱/۲۷۵، شرائط العیدین، سعید)

مبسوط میں ہے:

والحاصل أنه يشترط لصلاة العيد مايشترط لصلاة الجمعة إلا الخطبة فانها من شرائط الجمعة وليست من شرائط العيد ولهذا كانت الخطبة في الجمعة قبل الصلاة وفي العيد بعدها لانها خطبة تذكير وتعليم لما يحتاج إليه في الوقت فلم تكن من شرائط الصلاة كالخطبة بعرفات والخطبة يوم الجمعة بمنزلة شطر الصلاة ......

(المبسوط للامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲/۳۷، باب صلاۃ العیدین، ادارۃ القرآن)

نیز ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۲/۱۵۷، الماجدیۃ۔ وکذا فی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: شرائط صلاۃ العیدین۔ وتبیین الحقائق: ۱/۲۲۳، باب صلاۃ العیدین، امدادیہ ملتان۔ والموسوعۃ الفقہیۃ: حکم وجوب الجمعۃ علی اہل القری)۔ واللہ اعلم۔

عورتوں کے لئے عیدگاہ جانے کا حکم:

سوال: جب صحیح احادیث کی روشنی میں عورتیں عیدگاہ جاتی تھیں تو ساؤتھ افریقہ میں مسلمانوں کی عورتیں کیوں عیدگاہ نہیں جاتی؟

الجواب: زمانہ نبوی میں عورتیں عیدگاہ جایا کرتی تھیں نیز دیگر نمازوں کے لئے بھی نکلنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں فسادِ زمانہ کی وجہ سے متأخرین علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عورتوں کے لئے عیدگاہ یا مساجد جانا ممنوع ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیلی بحث ''ابواب الامامۃ فصل دوم جماعت کے احکام'' کے تحت گذر چکی وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ واللہ اعلم۔

احادیث اور مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں عیدگاہ کی حیثیت:

سوال: عیدگاہ (مصلی) کی کیا حیثیت ہے احادیث اور مذاہبِ اربعہ کی روشنی میں؟

الجواب: احادیث کی روشنی میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل عیدگاہ میں عیدین کی نماز ادا کرنے کا تھا

نیز ائمہ اربعہ کے ہاں بھی عیدین کی نمازِ عیدگاہ میں ادا کرنا سنت ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ عید کی نمازِ عیدگاہ میں ادا کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔

عیدگاہ احادیث کی روشنی میں:

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ثم کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلی......

(رواہ البخاری:باب الخروج الی المصلی بغیرمنبر۔وباب الزکاۃ علی الاقارب)

سنن ابی داؤد میں ہے:

عن بکر بن مبشر الأنصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنت أغدو مع أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی المصلی.

یوم الفطر ویوم الأضحی...... (سنن ابی داؤد:باب اذالم یخرج الامام للعیدمن یومہ یخرج من الغد۔وسنن النسائی:باب استقبال الامام الناس بوجھہ فی الخطبۃ)

سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغدو إلی المصلی فی یوم عید.

(سنن ابن ماجہ:باب ماجاء فی الحربۃ یوم العید)

نیز ملاحظہ ہو: (مؤطاامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ: باب ترک الصلاۃ قبل العیدین وبعدھما۔والمستدرک علی الصحیحین: کتاب صلاۃ العیدین۔ومصنف ابن ابی شیبۃ: باب فی الطعام یوم الفطرقبل ان یخرج الی المصلی۔ومصنف عبدالرزاق: کتاب صلاۃ العیدین۔المعجم الاوسط: رقم ۷۵۲۲۔المعجم الکبیر: رقم ۱۱٦٤۸۔صحیح ابن خزیمۃ: باب الخروج الی المصلی لصلاۃ العیدین۔صحیح ابن حبان: ذکر ما یستحب للامام سوال رعیتہ الصدقۃ علی الفقراء اذا علم الحاجۃ بھم)

مذہبِ احناف:

درمختار میں ہے:

ماشیًا إلی الجبانۃ وھی المصلی العام والخروج إلیھا أی الجبانۃ لصلاۃ العید سنۃ وإن وسعھم المسجد الجامع ھو الصحیح. (الدرالمختار:باب العیدین)

نیز ملاحظہ ہو: (الهداية:باب صلاة العيدين ـ بدائع الصنائع:فصل صلاة العيدين ـ و درر الحكام شرح غرر الاحكام:باب صلاة العيدين ـ و البحر الرائق:باب صلاة العيدين ـ و الفتاوى الهندية:الباب السابع عشر فى صلاة العيدين ـ مُلتقى الابحر:باب صلاة العيدين)

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہو مدونہ میں ہے:

وقال مالك رحمہ اللہ تعالیٰ: لايصلى في العيدين في موضعين ولايصلون في مسجدهم، ولكن يخرجون كماخرج النبي ﷺ قال ابن وهب عن يونس عن ابن شهاب قال: "كان رسول الله ﷺ يخرج إلى المصلى ثم استن بذلك أهل الأمصار". (المدونة:كتاب الصلاة صلاة العيدن)

نیز ملاحظہ ہو: (المدخل: فصل في خروج الامام الى صلاة العيدين ـ التاج والاكليل لمختصر الخليل: فصل في حكم صلاة العيدين ـ مواهب الجليل في شرح مختصر الخليل:فصل صلاة العيدين ـ و حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: فصل في احكام صلاة العيد)

مذہبِ شافعیہ:

شرح المہذب میں ہے:

والسنة أن يصلى صلاة العيد في المصلى إذاكان مسجد البلد ضيقًا لماروى أن النبي ﷺ "كان يخرج إلى المصلى" ولأن الناس يكثرون في صلاة العيد فاذاكان المسجد ضيقًا تأذوا ...... قال الشافعي رحمہ اللہ تعالیٰ: فان كان المسجد واسعًا فصلى في الصحراء لابأس به وإن كان ضيقًا فصلى فيه ولم يخرج إلى الصحراء كرهت ...... وان لم يكن عذروضاق المسجد فلا خلاف ان الخروج إلى الصحراء أفضل وإن اتسع المسجد ولم يكن عذر فوجهان (أصحهما) وهو المنصوص في الأم وبه قطع المصنف وجمهور العراقيين والبغوى وغيرهم أن صلا تهافي المسجد أفضل (والثاني) وهو الأصح عند جماعة من الخراسانين وقطع به جماعة منهم أن صلا تهافي الصحراء أفضل "لأن النبي ﷺ واظب عليها في الصحراء.

(شرح المهذب:٥/٥،٤،باب صلاة العيدين،دار الفكر)

نیز ملاحظہ ہو: (اسنى المطالب: فصل صلاة العيدين ـ و نهاية المحتاج الى شرح المنهاج: باب صلاة العيدين ـ مغني المحتاج: باب صلاة العيدين ـ الغرر البهية:باب صلاة العيد ـ حاشية قليوبى:باب صلاة العيدين)

مذہبِ حنابلہ:

ملاحظہ ہو مغنی میں ہے:

السنة أن يصلى العيد في المصلى أمر بذلك على رضی اللہ تعالیٰ عنہ واستحسنه الأوزاعى وأصحاب الرأى وهو قول ابن المنذر ...... ولنا أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم كان يخرج إلى المصلى ويدع مسجده وكذلك الخلفاء بعده ولا يترك النبى صلی اللہ علیہ وسلم الأفضل مع قربه ويتكلف فعل الناقص مع بعده ولا يشرع لأمته ترك الفضائل ولأننا قد أمرنا باتباع النبى صلی اللہ علیہ وسلم والاقتداء به ولا يجوز ان يكون المأمور به هو الناقص والمنهى عنه هو الكامل ولم ينقل عن النبى صلی اللہ علیہ وسلم أنه صلى العيد بمسجده وضيقه وكان النبى صلی اللہ علیہ وسلم يصلى فى المصلى مع شرف مسجده......

(المغنى لابن قدامة الحنبلى رحمہ اللہ تعالیٰ: باب صلاة العيدين، مسئلة ان يصلى العيد فى المصلى)

نیز ملاحظہ ہو: (كشاف القناع عن متن الاقناع: باب صلاة العيدين۔ الفروع: باب صلاة العيدين)۔ واللہ اعلم۔

عیدین میں سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: عیدین میں سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟ اگر عیدین کی تکبیرات چھوٹ جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر مقتدی مانوس اور سمجھدار ہوں تو سجدۂ سہو کر لینا چاہئے، ورنہ سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں۔ اگر واپس قیام میں آجائے تو اس کی بھی گنجائش ہے آخر میں سجدۂ سہو کر لے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

قوله ولا يأتى الإمام بسجود السهو فى الجمعة والعيدين، أى والمأموم كذلك لانه تابع له، وظاهره كراهة الاتيان به فيها، والظاهر أنها تنزيهية لا تحريمية. قوله دفعًا للفتنة أى افتتان الناس وكثرة الهرج، قوله بكثرة الجماعة ...... وأخذ العلامة الدانى من هذه السببية أن عدم السجود مقيد بما إذا حضر جمع كثير أما إذا لم يحضروا، فالظاهر السجود لعدم الداعى إلى الترك وهو التشويش.　(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح: ص ٤٦٥، باب سجود السهو، قديمى)

بدائع الصنائع میں ہے:

لو ركع الإمام بعد فراغه من القراءة فى الركعة الأولى فتذكر انه لم يكبر فانه يعود و يكبر وقد انتقض ركوعه ولا يعيد القراءة. واللہ اعلم.　(بدائع الصنائع: ١/٢٧٨، سعيد)

نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ خطبہ کے بعد کرتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نماز کے بعد دعا کا ثبوت بکثرت احادیث میں موجود ہے جس کا تذکرہ پہلے گذر چکا لہذا صورتِ مسئولہ میں نمازِ عیدین کے بعد اجتماعی دعا کرنا درست اور صحیح ہے، لیکن خطبہ کے بعد دعا کرنے کا ثبوت نہیں ملتا، لہذا نماز کے بعد دعا کرنے پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو امداد الاحکام میں ہے:

مناجات بعد صلاۃ العید کے بارے میں روایات دستیاب ہوگئیں، وھی ھذہ: **عن أم عطية** رضی اللہ تعالیٰ عنہا **قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد حتى تخرج البكر من خدرها حتى تخرج الحيض فيكن خلف الناس فيكبرن بتكبيرهم ويدعون بدعائهم يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته،** أخرج البخاري في صحيحه كذا في فتح الباري: ص۳۸٦ ج۲۔ **وأخرج الترمذي عن أم عطية** رضی اللہ تعالیٰ عنہا **أن رسول الله** ﷺ **كان يخرج الأبكار والعواتق وذوات الخدر والحيض في العيدين فأما الحيض فيعتزلن المصلى ويشهدن دعوة المسلمين،** الحديث ص:۷۰، وقال الترمذي رحمہ اللہ تعالیٰ: حديث ام عطية حديث حسن صحيح۔ اس حدیث میں دعا سے دعاءِ خطبہ مراد نہیں ہوسکتی، کیوں کہ خطبہ میں صرف امام دعا کرتا ہے، سامعین دعا نہیں کرسکتے، اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حائض عورتیں عیدین میں مردوں کے پیچھے کھڑی رہتیں، اور مردوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتیں، اور ان کی دعا کے ساتھ دعا کرتیں، اور اس سے مردوں اور عورتوں سب کا دعا کرنا ثابت ہوتا ہے، اور یقیناً نماز سے پہلے تکبیر و دعا کا وقت نہیں، یقیناً نماز کے بعد ہی دعا کی جاتی تھی، اور ترمذی میں اسی حدیث کے اندر یہ الفاظ ہیں ویشھدن دعوۃ المسلمین، کہ عورتیں مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوتی تھیں، اس لیے عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنا جائز و مستحب یقیناً ہے، استحباب و جواز کا انکار نہیں ہوسکتا۔ (امداد الاحکام: ۱/۷۴۲، فصل فی الجمعہ والعیدین، دارالعلوم کراچی)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

نمازِ عید کے بعد دعاء کریں، بعد خطبہ دعاء کرنا بے اصل ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۸/۴۶۴، مبوب ومرتب، جامعہ فاروقیہ)

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاویٰ: ۴/۱۱۵۔ وامداد الفتاویٰ: ۱/۴۰۷)۔ واللہ اعلم۔

مسبوق کے لئے تکبیراتِ زوائد کا حکم:

سوال: اگر کسی کی ایک رکعت چھوٹ گئی یا دونوں تو تکبیراتِ زوائد کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر پہلی رکعت میں شریک ہوا اور امام نے قراءت شروع کردی تو تکبیر تحریمہ کے بعد تکبیرات کہے گا، اگر رکوع میں امام کو پایا اور غالب گمان ہے کہ تکبیرات کہنے کے بعد امام کو پالے گا تو حالتِ قیام میں ادا کرے ورنہ رکوع میں بغیر ہاتھ اٹھائے کہے گا، اور اگر دوسری رکعت میں شامل ہوا تو امام کے سلام کے بعد جب اپنی نماز پڑھے گا تو قراءت کے بعد تکبیرات کہے اور اگر تشہد میں شامل ہوا تو امام کے طریقہ پر نماز پوری کرے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ولو أدرك المؤتم الإمام في القيام بعد ماكبر كبر في الحال. وفي الشامي: قوله في القيام أي الذي قبل الركوع أما لو أدركه راكعًا فان غلب على ظنه ادراكه في الركوع كبر قائمًا برأي نفسه ثم ركع والاركع وكبر في ركوعه ولا يرفع يديه لان الوضع على الركبتين سنة في محله والرفع لافي محله وان رفع الإمام رأسه سقط عنه مابقي من التكبير لئلا تفوته المتابعة ولو أدركه في قيام الركوع لايقضيهافيه لانه يقضي الركعة مع تكبيراتها،فتح وبدائع،قوله كبر في الحال أي وإن كان الإمام قد شرع في القراءة كمافي الحلية.ولوسبق بركعة يقرأ ثم يكبر لئلا يتوالى التكبير. (الدرالمختارمع الشامي: ۲/۱۷۳-۱۷۴، باب العيدين، سعيد. وكذافي حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص ۵۳۴، باب احكام العيدين، قديمي. وشرح منية المصلي: ص ۵۷۲، سهيل)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإذا أدرك الإمام في صلاة العيد بعد ما تشهد الإمام قبل أن يسلم أو بعد ماسلم قبل أن يسجد للسهو أو بعدماسجد للسهو ولم يسلم الإمام فانه يقوم ويقضي صلاة العيد. والله اعلم.

(الفتاوى الهندية: ۱/۱۵۱،في صلاة العيدين)

شافعی امام کے پیچھے تکبیراتِ زوائد میں اتباع کا حکم:

سوال: حنفی مقتدی شافعی امام کے پیچھے عید کی نماز میں تکبیراتِ زوائد میں امام کی اتباع کرے گا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں امام کی اتباع واجب اور ضروری ہونے کی وجہ سے پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ کہے گا یعنی امام کی اتباع کرے گا ہاں مسبوق اپنی بقیہ نماز میں اپنے مذہب کی اتباع کرے گا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قوله ولو زاد تابعه لأنه تبع لإمامه فتجب عليه متابعته وترك رأيه برأى الإمام لقوله عليه الصلاة والسلام: "إنما جعل الإمام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه" فمالم يظهر خطؤه بيقين كان اتباعه واجبًا ولا يظهر خطؤه فى المجتهدات. (شامی: ۲/۱۷۲، باب العیدین، سعید)

قال فى الدر: ولو أدرك المؤتم الإمام فى القيام بعد ما كبر كبر فى الحال برأى نفسه لانه مسبوق. وفى الشامى: قوله برأى نفسه أى ولو كان إمامه شافعيًا كبر سبعًا فانه يكبر ثلاثًا.

(الدر المحتار مع الشامی: ۲/۱۷۴، باب العیدین)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قول محمد فى الجامع: إذا دخل الرجل مع الإمام فى صلاة العيد وهذا الرجل يرى تكبير ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فكبر الإمام غير ذلك اتبع الإمام إلا إذا كبر الإمام لم يكبره أحد من الفقهاء فحينئذٍ لايتابعه كذا فى المحيط. والله اعلم.

(الفتاوی الهندية: ۱/۱۵۱، صلاة العيدين۔ وكذا فی بدائع الصنائع: ۱/۲۷۷، سعید۔ وشرح منية المصلی: ص ۵۷۲، سهیل)

امام کا تکبیرات کے لئے قیام کی طرف لوٹنے کا حکم:

سوال: اگر کوئی امام عید کی نماز میں دوسری رکعت میں تکبیرات زوائد بھول گیا اور لوگوں کے لقمہ دینے پر واپس قیام کی طرف لوٹا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سابقہ رکوع پر اکتفاء کرلے تو نماز درست ہوگی۔ لیکن اگر دوسرا رکوع کرلیا تو بھی نماز ہوگئی بلکہ دوسرا رکوع کرنا چاہئے تاکہ نماز کی ترتیب صحیح ہوجائے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وذكر فى كشف الأسرار أن الإمام إذا سها عن التكبيرات حتى ركع فانه يعود إلى القيام بخلاف المسبوق. (الفتاوی الهندية: ۱/۱۲۸، صلاة العيدين)

طحطاوی میں ہے:

واعادة الركوع لاتفسد أيضًا فلو أدركه رجل فى الركوع الثانى كان مدركًا لتلك الركعة.

(حاشية الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۲۸۲)

البحر الرائق میں ہے:

فان عاد إلى القيام وقنت ولم يعد الركوع لم تفسد صلاته لان ركوعه قائم لم يرتفض.

(البحرالرائق:۲/۴۳، کوئٹہ)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اگر قیام کی طرف لوٹا تب بھی جائز ہے اور نماز فاسد نہ ہوگی یہی صحیح ہے لیکن رکوع کا اعادہ کرے قراءت کا نہ کرے۔ واللہ اعلم۔ (عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ص ۴۶۵، عیدین کے متفرق مسائل، المجددیہ)

عیدین کے موقع پر مبارک بادی دینا:

سوال: عید کے موقع پر مبارک بادی دینے کا ثبوت احادیث وخیر القرون سے ہے یا نہیں؟

الجواب: عیدین کے موقع پر تقبل الله منا ومنك کہنا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ عام لوگ اس کی جگہ عید مبارک کہتے ہیں وہ بھی درست ہے، اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو قبول فرماتے ہیں تو اس کو بڑھاتے ہیں اور اس میں برکت دیتے ہیں قرآنِ کریم میں ہے: ﴿فتقبلها ربها بقبول حسن وأنبتها نباتًا حسنًا﴾ قبولیت کے ساتھ برکت لازم ہے۔

ملاحظہ ہو سنن کبریٰ میں ہے:

عن خالد بن معدان قال: لقيت واثلة بن الأسقع رضي الله تعالى عنه في يوم عيد فقلت: تقبل الله منا ومنك فقال: نعم تقبل الله منا ومنك، قال واثلة رضي الله تعالى عنه لقيت رسول الله ﷺ يوم عيد فقلت: تقبل الله منا ومنك قال: نعم تقبل الله منا ومنك. عن أدهم مولى عمر بن عبدالعزيز رحمه الله تعالى قال كنا نقول لعمر بن عبد العزيز رحمه الله تعالى في العيدين تقبل الله منا ومنك يا أمير المؤمنين فيرد علينا ولا ينكر ذلك علينا.

(السنن الكبرى للبيهقي:۳/۳۱۹۔ وكذا في مجمع الزوائد:۲/۲۰۶)

الجوہر النقی میں ہے:

قلت: في هذا الباب حديث جيد اغفله البيهقي وهو حديث محمد بن زياد قال: كنت مع أبي أمامة الباهلي رضي الله تعالى عنه وغيره من اصحاب النبي ﷺ فكانوا إذا رجعوا يقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنك قال أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى إسناده جيد.

(الجوهر النقي على هامش السنن الكبرى:۳/۳۱۹)

نیز کتبِ فقہ سے بھی اس کے استحباب کا ثبوت ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وندب ...... إظهار البشاشة وإكثار الصدقة والتختم والتهنية بتقبل الله منا ومنكم لاتنكر.

وفي الشامي: وإنما قال كذلك لانه لم يحفظ فيها شيء عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى وأصحابه رحمهم الله تعالى ...... وقال المحقق ابن أمير حاج: بل الأشبه أنها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثارًا بأسانيد صحيحة عن الصحابة رضي الله تعالى عنهم في فعل ذلك ثم قال: والتعامل في البلاد الشامية والمصرية "عيد مبارك عليك" ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلك في المشروعية والاستحباب لمابينهما من التلازم فان من قبلت طاعته في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركًا على انه قد ورد الدعاء بالبركة في امور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا أيضًا. والله اعلم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۶۹، صلاة العيدين، سعيد۔ وكذا في شرح منية المصلي: ۵۷۳، سهيل)

ایک اشکال اور جواب:

اشکال: بعض حضرات اشکال کرتے ہیں کہ عید کے دن عید مبارک کہنا بدعت ہے اس لئے کہ ثابت نہیں ہے اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: خوشی کے موقع پر مبارک باد دینا احادیث سے ثابت ہے، اور کسی چیز کے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ احادیث میں اس نام بھی بالتعیین وارد ہو بلکہ عموماتِ حدیث سے بھی احکام بکثرت ثابت کئے جاتے ہیں، اگر عمومات سے حکم ثابت نہ ہو سکے تو پھر دنیا کی بہت سی چیزوں کا جواز واستحباب ثابت نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا عمومی احادیث جو خوشی ومسرت کے موقع پر وارد ہیں ان کے پیشِ نظر عیدین کے موقع پر بھی مبارک باد دینا یعنی عید مبارک کہنا جائز اور درست ہوگا جب کہ اس کو ضروری یا مسنون نہ سمجھے ہاں اگر رسم بن گئی ہو جیسے عام لوگ اس کو بہت اہمیت دیتے ہیں تو پھر نہ کہنا مناسب ہے۔

خوشی کے وقت مبارک باد دینے کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) شادی جو کہ خوشی کا وقت ہے "بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما في خير" کہنا ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا رفأ الإنسان إذا تزوج قال: "بارك الله وبارك عليك وجمع بينكما في خير".

(رواه الترمذي: ۱/۲۰۷، باب ماجاء للمتزوج۔ والبخاري: ۲/۷۷۴، ۴۹۶۱، باب كيف يدعى للمتزوج)

(۲) حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ذی الخلصہ کے بتکدہ کو توڑا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک باد دی اور دعا فرمائی۔ قال: ”اللّٰهم بارك لأحمس فى خيلها ورجالها“.

(مجمع الزوائد: ۲/۲۸۹، باب سجود الشكر، دار الفكر۔ والمعجم الكبير للطبراني: ۲/۲،۴۵/۲۲٤۷، حديث جرير)

(۳) بچے کی پیدائش کے وقت مبارک باد دینا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن السرى بن يحيي أن رجلاً ممن كان يجالس الحسن رحمه الله تعالىٰ ولد له ابن فهنأه رجل فقال: ليهنك الفارس، فقال الحسن رحمه الله تعالىٰ: ”وما يدريك أنه فارس لعله نجار لعله خياط“ قال: فكيف أقول؟ قال: ”قل جعله الله مباركًا عليك وعلى أمة محمد صلى الله عليه وسلم“. وعن حماد بن زيد قال: كان أيوب إذا هنأ رجلاً بمولود قال: ”جعله الله مباركًا عليك وعلى امة محمد صلى الله عليه وسلم“. (رواهما الطبراني فى الدعاء: ۲/۲٤،۲۵/۸۷۰،۸۷۱، باب كيف التهنئة بالمولود)

(۴) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توبہ قبول ہوئی تو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مبارک باد دی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عبداللّٰه بن كعب بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه عن أبيه فى حديث طويل ...... قال كعب رضي الله تعالىٰ عنه حتى دخلت المسجد فإذا برسول الله صلى الله عليه وسلم جالس حوله الناس فقام اليّ طلحة بن عبيدالله رضي الله تعالىٰ عنه يهرول حتى صافحني وهنّاني والله ماقام إليّ من المهاجرين غيره ......

(رواه البخاري: ۲/٦۳٦)

(۵) ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث سے استدلال فرمایا کہ مبارک مہینوں کے شروع میں مبارک باد دینا درست ہے۔ ملاحظہ ہو مرقات میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتاكم رمضان شهر مبارك ...... رواه أحمد والنسائى. قال الملاعلى القارى رحمه الله تعالىٰ: (شهر مبارك) وظاهره الإخبار أى كثر خيره الحسي والمعنوى كما هو مشاهد فيه ويحتمل أن يكون دعاء أى جعله الله مباركًا علينا وعليكم وهو أصل فى التهنئة المتعارفة فى أول الشهور بالمباركة.

(المرقات المفاتيح: ٤/۲۳۵، كتاب الصوم، الفصل الثالث، مكتبة امدادية ملتان)

(٦) عیدین میں ”تقبل الله منا ومنك“ کا ثبوت تو یقیناً ہے اور تقبل کے معنی قبول کرنا جب اللہ تعالیٰ قبول کر لیتے ہیں تو ایک حسنہ کا ثواب بڑھا دیتے ہیں اور برکت میں بھی نمو کا معنی پایا جاتا ہے، لہٰذا مبارک بادی

تقبل اللہ میں ضمناً شامل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عیدین کے موقعہ پر عید مبارک کہنا درست ہے جب کہ سنت اور ضروری نہ سمجھا جائے، اور کہنے والے کو مبتدع کہنا بھی درست نہیں، اور نہ کہنے والے پر کوئی نکیر بھی نہ کرے لیکن چونکہ اس نے ایک رسم کی شکل اختیار کرلی ہے لہٰذا اس کا نہ کرنا مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

عید کے دن دف بجانے کا حکم:

سوال: عید کے دن دف وغیرہ بجانا مباح ہے یا مکروہ یا ناجائز؟ اور دف کے علاوہ باجا وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: احادیث میں خوشی کے موقع پر دف بجانے کی اجازت وارد ہے لہٰذا عید کے دن دف بجانے کی گنجائش ہے لیکن شرعی حدود کی پابندی لازم ہے یعنی جدید آلاتِ موسیقی کے استعمال کی اجازت نہیں ہوگی۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

قالت الربيع بنت معوذ بن عفراء جاء النبی ﷺ فدخل حين بنى علیّ فجلس على فراشى كمجلسك منى فجعلت جويريات لنا يضربن بالدف ويندبن من قتل من آبائى يوم بدر إذ قال احداهن وفينا نبى يعلم ما فى غد فقال دعى هذه وقولى بالذى كنت تقولين.

(رواه البخاری: ۲/۷۷۳/۴۹۵۳، باب ضرب الدف فی النكاح والوليمة،فيصل)

ابن ماجہ شریف میں ہے:

عن أبى الحسين خالد المدنى قال: كنا بالمدينة يوم عاشوراء والجوارى يضربن بالدف ويتغنين فدخلنا على الربيع بنت معوذ فذكرنا ذلك لها فقالت دخل على رسول الله ﷺ صبيحة عرسى وعندى جاريتان تغنيان وتندبان...... (رواه ابن ماجة: ۱۳۶)

عمدۃ القاری میں علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولا يلزم من إباحة الضرب بالدف فى العرس ونحوه إباحة غيره من الآلات كالعود ونحوه، وسئل أبويوسف رحمه الله تعالى عن الدف: أتكرهه فى غير العرس مثل المرأة فى منزلها و الصبى؟ قال: فلا كراهة وأما الذى يجىء منه اللعب الفاحش والغناء فانى أكرهه.

(عمدة القارى: ۵/۱۵۸، باب الحراب والدرق يوم العيد، دارالحديث ملتان)

البحر الرائق میں ہے:

وفى الذخيرة وغيرها: لابأس بضرب الدف فى العرس والوليمة والأعياد وكذا لا بأس

بالغناء فی العرس والولیمة والأعیاد حیث لا فسق.

(البحر الرائق:۷/۱۸۸، کتاب الکراهیة فصل فی الأکل والشرب، کوئٹہ)

امداد الاحکام میں ہے:

عید الفطر کے دن کسی قدر لہو ولعب کی اجازت ہے، غربال ودف سے گانا بھی جائز ہے بشرطیکہ گانے والا مرد یا عورت نہ ہو اور گانا بجانا قاعدۂ موسیقی پر نہ ہو اور دف یا غربال بھی قاعدۂ موسیقی پر نہ بجایا جائے بلکہ ویسے ہی بلا قاعدہ بجایا جائے۔ (امداد الاحکام ۴/۳۷۵)

مزید ملاحظہ ہو: (شامی: ۶/۵۵، ۳۵۰، سعید۔ والفتاوی الهندیة:۵/۳۵۲۔ والمحیط البرهانی:۵/۲۳۳ کراهیة، الفصل الثامن عشر۔ وکفایت المفتی:۹/۱۸۶، حظر واباحت باب ۱۵)۔ **واللہ اعلم۔**

عید کے دن قبرستان جانے کا حکم:

سوال: عید کے دن قبرستان جانا کیسا ہے؟

الجواب: عیدین کے دن قبرستان جانا درست ہے بلکہ علماء نے افضل ایام میں شمار فرمایا ہے اس لئے مستحب ہوگا۔ لیکن اس کو لازم اور سنت نہیں سمجھنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وأفضل أیام الزیارة أربعة ...... وکذلک فی الأزمنة المتبرکة کعشر ذی الحجة والعیدین...... (الفتاوی الهندیة:۵/۳۵۰، فی زیارة القبور)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

جمعہ یا ہفتہ یا پیر یا جمعرات کے دن زیارتِ قبور مستحب ہے سب سے افضل جمعہ کا دن اور صبح کا وقت ہے، شبِ برات میں اور ذی الحجہ کے دس دنوں میں اور عیدین میں اور عشرۂ محرم میں بھی قبروں کی زیارت کرنا افضل ہے۔ (عمدۃ الفقہ: کتاب الصلاۃ حصہ دوم: ۵۳۸، زیارتِ قبور کا بیان، المجددیہ)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ:۹/۲۰۱، عید کے دن زیارتِ قبور، جامعہ فاروقیہ)۔ **واللہ اعلم۔**

نمازِ عید پڑھنے کے بعد دوسرے ملک میں عید کی نماز پڑھانے کا حکم:

سوال: ایک مولانا صاحب نے عید کی نماز حرمین میں پڑھی اور دوسرے دن ساؤتھ افریقہ آ گئے یہاں دوسرے دن عید ہے تو مولانا صاحب عید کی نماز پڑھا سکتے ہیں؟ یا دوسرے کی اقتداء میں پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں مولانا صاحب ساؤتھ افریقہ میں نمازِ عید کی امامت نہیں کر سکتے ہاں دوسرے امام کی اقتداء میں پڑھنا درست ہے بلکہ مسلمانوں کے ساتھ موافقت کے لئے پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

جن امام صاحب نے عید کی نماز ایک دفعہ پڑھادی پھر کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی پڑھاؤ امام صاحب نے ان کو بھی پڑھادی تو یہ دوسری نماز صحیح نہیں ہوئی۔

(فتوی محمودیہ ۸/ ۴۳۶، باب العیدین۔ وکذا فی فتاوی دار العلوم دیو بند: ۵/ ۲۲۴، مسائل نماز عیدین، دار الاشاعت)

دوسری جگہ مذکور ہے:

سوال: ایک شخص مکہ سے روزہ افطار کر کے یا عید کی نماز ادا کر کے ہندوستان آیا ہے کہ یہاں لوگ روزے سے ہیں اور نماز عید ادا نہیں کی ہے اب کیا کرے روزہ رکھے، عید کی نماز دوبارہ ادا کرے یا نہیں؟

جواب: احتراما للوقت وموافقةً للمسلمین وہ نماز بھی پڑھے اور روزہ بھی رکھے، اگر چہ اس کا فریضہ ادا اور مکمل ہو چکا۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/ ۳۷، کتاب الصوم، جامعہ فاروقیہ)

بدائع الصنائع میں ہے:

أن النبي ﷺ صلى بالناس صلاة الخوف وجعل الناس طائفتين وصلى لكل طائفة شطر الصلاة لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه ولو جاز اقتداء المفترض خلف المتنفل لأتم الصلاة بالطائفة ثم نوى النفل وصلى بالطائفة الثانية لينال كل فريق فضيلة الصلاة خلفه من غير الحاجة إلى المشي وافعال كثيرة. (بدائع الصنائع: ۱/ ۱۴۳، سعيد)

امداد الفتاح میں ہے:

وأن لايكون الإمام أدنى حالاً من المأموم كان يكون متنفلاً والمقتدى مفترضًا أومعذورًا والمقتدى خاليًا منه.

(امدادالفتاح: ص ۳۳۳، شروط صحة الاقتداء، بيروت۔ و كذافي الدر المختار: ۱/ ۵۴۲، باب الامامة، سعيد)

البتہ احسن الفتاویٰ میں امامت کا جواز مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ: ۴/ ۱۲۴۔ اور دلیل میں جو نظیر پیش فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہلال رمضان دیکھنے والے کی شہادت رد کر دی گئی ہو تو بالاتفاق اس شخص پر تکمیل ثلاثین کے بعد بھی دوسروں کے ساتھ روزہ وعید لازم ہے لہٰذا ساؤتھ افریقہ آنے والے پر بھی دوبارہ عید لازم ہے تو امامت کرنا درست ہے لیکن احوط یہ ہے کہ امامت نہ کرے بصورتِ اقتداء نماز ادا کرے۔

لیکن یہ تبعاً ہے یعنی کبھی کبھی تبعاً رمضان کے روزے تو اکتیس ہو سکتے ہیں جیسے کسی نے چاند کی گواہی دی اور قبول نہیں ہوئی تو یہ اپنا روزہ رکھے گا اور پھر دوسرے دن سے لوگوں کے ساتھ رکھے گا اور ممکن ہے کہ اس کے روزے اکتیس ہو جائیں لیکن یہ تبعاً ہے اور عید کی نماز جب پڑھی تو لوگوں کو نہ پڑھائیں۔ واللہ اعلم۔

خطبہ عیدین میں تکبیرات کا ثبوت:

سوال: عیدین کے پہلے خطبہ میں ۹، مرتبہ اور دوسرے خطبہ میں ۷، مرتبہ تکبیر کہنے کا ثبوت احادیث وآثار سے ہے یا نہیں؟

الجواب: پہلے خطبہ میں ۹، مرتبہ اور دوسرے خطبہ میں ۷، مرتبہ تکبیر کہنے کا ثبوت احادیث اور آثار سے ملتا ہے، نیز فقہاء نے بھی مستحب فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہو مصنفِ ابن عبدالرزاق میں ہے:

عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود أنه قال: يكبر الإمام يوم الفطر قبل أن يخطب تسعًا حين يريد القيام وسبعًا في عالجته على أن يفسر لي أحسن من هذا فلم يستطع فظننت أن قوله حين يريد القيام في الخطبة الآخرة. وفي طريق آخر عنه قال: السنة التكبير على المنبر يوم العيد يبدأ خطبته الأولىٰ بتسع تكبيرات قبل أن يخطب ويبدأ الآخرة بسبع.

(مصنفِ عبدالرزاق: ۳/۲۹۰۔ وكذا في مصنفِ ابن ابی شيبة: ۱/۲۵۲۔ وكذا في السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۳/۲۹۹۔ والسنن الصغرىٰ للبيهقي: ۱/۲۳۱۔ ومعرفة السنن والآثار: ۳/۴۹، ۵۰، باب السنة في الخطبة)

اعلاء السنن میں ہے:

قال أصحابنا الحنفية: ويستحب أن يستفتح (الخطبة) الأولىٰ (في العيدين) بتسع تكبيرات تترىٰ أي متتابعات، والثانية بسبع هو السنة، ولعلهم ذهبوا إلى عموم قوله ﷺ: "زينوا أعيادكم بالتكبير" وهو حديث حسن كما قد ذكرناه وإلى خصوص ما أخرجه الشافعي رحمه الله تعالىٰ في الأم: أخبرنا إبراهيم بن محمد عن عبدالرحمن بن محمد بن عبدالله عن إبراهيم بن عبدالله عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة قال: السنة في التكبير يوم الأضحى، والفطر على المنبر قبل الخطبة أن يبتدئ الإمام قبل أن يخطب وهو قائم على المنبر بتسع تكبيرات تترىٰ لا يفصل بينها بكلام، ثم يخطب ثم يجلس جلسة ثم يقوم في الخطبة الثانية فيفتتحها بسبع تكبيرات تترىٰ لا يفصل بينها بكلام ثم يخطب، قلت: ...... ولكن الحديث

أخذ به الشافعي رحمه الله تعالىٰ، فلا أقل من أن يكون حسنًا عنده وقد تقدم ان قول التابعي. "السنة كذا" مرفوع مرسل عند بعضهم، فلابأس بالأخذ به في فضائل الأعمال ويجوز اثبات الاستحباب بمثله.

قال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: أخبرني من وثق به من أهل العلم من أهل المدينة قال: أخبرني من سمع عمر بن عبدالعزيز وهو خليفة يوم فطر فظهر على المنبر فسلم ثم جلس ثم قال: إن شعائر هذا اليوم التكبير، والتحميد، ثم كبر مرارًا الله أكبر الله أكبر ولله الحمد، ثم تشهد للخطبة ثم فصل بين التشهد بتكبيرة.

قلت: فهذه دلائل ماذهب إليه أصحابنا الحنفية في الباب.

(اعلاء السنن: ۸/۱۶۱، تکبیرات التشریق، ادارۃ القرآن)

نیز ملاحظہ ہو: (الدر المختار: ۲/۱۷۵، سعید۔ والبحر الرائق: ۲/۱۶۲۔ واحسن الفتاویٰ: ۴/۱۲۷۔ وفتاویٰ محمودیہ: ۸/۴۵۴، مبوب ومرتب)۔ واللہ اعلم۔

عیدین کا خطبہ سننے کا حکم:

سوال: ایک شخص خطبہ عید کے وقت بیٹھا تھا پھر جب شروع ہوا تو چلا گیا اب اس شخص پر گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب: عیدین کا خطبہ سنت ہے اور اس کے لئے بیٹھنا واجب نہیں ہے، لیکن پہلے سے بیٹھا ہو پھر شروع ہو جائے تو اب سننا واجب ہے۔ لہٰذا اٹھ کر چلے جانے پر گنہگار ہوگا اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

قال الشيخ: ولم أطلع على رواية فقهية في هذا الباب أنه هل يجب الجلوس لاستماع هذه الخطبة أم لا؟ نعم، ذكر في "الدر المختار" في باب الجمعة أنه يجب الاستماع لسائر الخطب، كخطبة النكاح وخطبة عيد وختم على المعتمد، لكن لايلزم منه وجوب الجلوس كما في خطبة النكاح لايجب الجلوس لكن ان جلس يجب استماعه، والظاهر أن يقال: إنه لايجب الجلوس لخطبة العيد كما لايجب نفس خطبة العيد، ولكن إن جلس يجب استماعه، كما قالوا: إن من حضر التلاوة يجب استماعه مع عدم وجوب الجلوس له، فان ظفر أحد بالرواية الفقهية في هذا الباب فليخبرنا أو يلحق بهذا المقام.

فثبت أن التخلف عن خطبة العيد جائز. وأما إذا جلس لها فيكره الكلام وترك الاستماع

لها، كما صرح به في الدر. (اعلاء السنن: ۱٤٤/۸، كيفية صلاة العيدين، ادارة القرآن)

ابن ماجہ شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنا واجب نہیں ہے بلکہ اختیار ہے۔ ملاحظہ ہو:

عن عبداللّٰه بن السائب رضي الله تعالى عنه قال حضرت العيد مع رسول اللّٰه ﷺ فصلى بنا العيد ثم قال: قد قضينا الصلاة فمن أحب أن يجلس للخطبة فليجلس ومن أحب أن يذهب فليذهب.

(رواه ابن ماجة: ص ۹۱، باب ماجاء في انتظار الخطبة بعد الصلاة، قديمي۔ وابو داؤد: ۱۶۳/۱، باب الجلوس للخطبة، وقال: هذا حديث مرسل۔ والنسائي: ۲۳۳/۱، باب التخيير بين الجلوس للخطبة)

شراح حدیث نے بھی یہی تشریح فرمائی ہے کہ بیٹھنا واجب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو: (عون المعبود: ۱۲/٤۔ وحاشية السندي على سنن النسائي: ٤۳/۳۔ وفتح الباري لابن رجب الحنبلي: ۱٤۸/٦)

امداد المفتین میں ہے:

خطبہ عید کا پڑھنا اور سننا سنتِ مؤکدہ ہے، لیکن جب خطبہ پڑھا جائے تو خطبہ سننا واجب ہوجاتا ہے اس وقت کلام وغیرہ کرنا ناجائز ہے اور شور مچانا سخت گناہ ہے۔ واللہ اعلم۔

(امداد المفتین: ۳۳۰/۱، بحوالہ درمختار۔ وامداد الفتاوی: ۴۵۸/۱۔ وفتاوی محمودیہ: ۴۵۶/۸، مبوب ومرتب۔ واحسن الفتاوی: ۳۵/۵)

عیدین میں مصافحہ اور معانقہ کا حکم:

سوال: عیدین میں مصافحہ اور معانقہ جائز ہے یا بدعت؟ اس کو روکنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب: اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض نے مکروہ بعض نے بدعت وغیرہ کہا ہے۔ لیکن واضح اور بے غبار بات یہ ہے کہ جو کام مسنون و مستحب نہ سمجھا جائے اس کے لئے نفسِ ثبوت کافی ہے یا یہ کہ نصوصِ شریعت سے متصادم نہ ہو جیسے تعویذات یا دم اس کے لئے مطلق ثبوت یا اصولِ شریعت سے متصادم نہ ہونا کافی ہے خصوصی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

بنابریں اگر مصافحہ ومعانقہ عیدین میں اظہارِ مسرت کا ذریعہ سمجھا جائے تو اس کے لئے خوشی کے وقت مصافحہ ومعانقہ کا ثبوت کافی ہے اور متعدد احادیث میں خوشی کے وقت مصافحہ ومعانقہ کا ثبوت ملتا ہے۔

مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند احادیث پیشِ خدمت ہیں:

بخاری شریف میں ہے:

(۱) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: خرج النبي ﷺ في النهار لايكلمني ولا أكلمه حتى

إلى سوق بني قينقاع فجلس بفناء بيت فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقال: أثم لكع؟ أثم لكع؟ فحبسته شيئًا فظننت أنها تلبسه سخابًا أو تغسله فجاء يشتد حتى عانقه وقبله فقال: أحبه وأحب من أحبه. (رواه البخاري: ۱/۲۸۵، ماذكر في الاسواق) وأخرجه مسلم أيضًا في فضائل الحسين رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظه: حتى اعتنق كل واحد منهما صاحبه فقال:.......

(رواه مسلم: ۲/۲۸۲، فضائل الحسين رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۲) وأخرج البخاري في قصة هجر عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابن الزبير بسبب منعه اياها عن كثرة الصدقة وشفاعة المسور بن مخرمة وعبدالرحمن بن الأسود إلى عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقال: في آخر الحديث ...... فلما دخلوا دخل ابن الزبير رضی اللہ تعالیٰ عنہ الحجاب فاعتنق عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا وطفق يناشدها ويبكي....... (رواه البخاري: ۲/۸۹۷، كتاب الادب)

(۳) وأخرج الترمذي عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: قدم زيد بن حارثة رضی اللہ تعالیٰ عنہ المدينة ورسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في بيته فأتاه فقرع الباب فقام إليه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم عريانًا يجر ثوبه والله ما رأيته عرياناً قبله ولا بعده فاعتنقه وقبله (رواه الترمذي: ۲/۱۰۲، المعانقة)

(٤) وأخرج أحمد في مسنده بسنده عن عبدالله بن محمد انه سمع جابر بن عبدالله رضی اللہ تعالیٰ عنہ يقول: بلغني حديث عن رجل سمعه من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فاشتريت بعيرًا ثم شددت على رحلي فسرت إليه شهرًا حتى قدمت عليه الشام فاذا عبدالله بن أنيس فقلت للبواب قل له جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ على الباب فقال: ابن عبدالله قلت: نعم فخرج يطأ ثوبه فاعتنقني واعتنقته....... (مسند الامام احمد بن حنبل: ۳/٤٩٥/١٦٤٦٥)

(۵) وعن ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: بينما رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في بيتي يومًا إذ قالت الخادم إن عليًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالسدة قالت: فقال لي قومي فتنحي لي عن أهل بيتي، قالت: قمت فتنحيت في البيت قريبًا فدخل علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ومعهما الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ والحسين رضی اللہ تعالیٰ عنہ وهما صبيان صغيران فاخذ الصبيين فوضعهما في حجره فقبلهما قال: واعتنق عليًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ باحدى يديه وفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا باليد الأخرى فقبل فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا وقبل عليًا.......

(مسند الامام احمد: ٦/٢٩٦/٢٧٢٩٩ـ و ٥/١٦٢/٢٢٠٥٧، حديث ابی ذر الغفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(٦) وأخرج الترمذی عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنہ فی قصة خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بيته فی ساعة لايخرج فيها ولقاء ه أبابكر رضی الله تعالیٰ عنہ وعمر رضی الله تعالیٰ عنہ...... وذهابهم إلی منزل أبی الهيثم بن التيهان الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنہ وأنه لم يكن حاضرًا فقال فيه: فلم يلبث أن جاء أبو الهيثم بقربة...... ثم جاء يلتزم النبی صلی اللہ علیہ وسلم. (رواه الترمذی: ٢/٦١، معيشة اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

(٧) وأخرج الطبرانی عن عون بن ابی جحيفة عن أبيه قال: لما قدم جعفر رضی الله تعالیٰ عنہ من هجرة الحبشة تلقاه النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعانقه وقبل مابين عينيه.

(مسند ابی يعلی الموصلی: ٤/٤٤٣-ومجمع الزوائد: ٢/٢٢٩، دار الفكر)

(٨) وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنہ قال: كان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأصحابه يسبحون فی غدير فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ليسبح كل رجل منكم إلی صاحبه فسبح كل رجل منهم إلی صاحبه وبقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وأبوبكر رضی الله تعالیٰ عنہ فسبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلی أبی بكر حتی عانقه وقال: أناْ إلی صاحبی، أناْ إلی صاحبی. (مجمع الزوائد: ٨/٧٤٠٣-وطبرانی كبير ٩/٤٥٨)

(٩) عن عطاء بن أبی رباح رحمہ الله تعالیٰ يقول: خرج أبو أيوب إلی عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنہ وهو بمصر يسأله عن حديث سمعه من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولم يبق أحد سمعه من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم غيره وغير عقبة رضی الله تعالیٰ عنہ فلما قدم أتی إلی منزل سلمة بن مخلد الأنصاری وهو أمير مصر فاخبر به فجعل يخرج إليه فعانقه ثم قال: ما جاء بك يا أبا أيوب. فقال: حديث سمعته من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لم يبق أحد سمعه من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم غيری وغير عقبة رضی الله تعالیٰ عنہ فابعث من يدلنی علی منزله فبعث معه من يدله علی منزله فاخبر عقبة رضی الله تعالیٰ عنہ به فعجل فخرج إليه فعانقه...... (مسند الحميدی: ١/١٨٩، حديث ابی ايوب الانصاری رضی الله تعالیٰ عنہ)

(١٠) وعن عمرو بن ميمون بن مهران يقول: كنت مع أبی ونحن نطوف بالكعبة فلقی أبی شيخ فعانقه...... (حلية الاولياء: ٤/٩٠، ميمون بن مهران)

(١١) وعن الحسن قال: خرج رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فلما رآه عثمان رضی الله تعالیٰ عنہ عانقه فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: قد عانقت أخی عثمان فمن كان له أخ فليعانقه.

(الجامع الكبير للسيوطی: ١/رقم ١٥، كنز العمال: رقم: ٣٦٢٤٠)

(١٢) وعن عبادة بن منصور قال: كان رجل منا يقال له كابس بن ربيعة فرآه أنس بن مالك رضی الله تعالیٰ عنہ فعانقه وبكی وقال: من أحب أن ينظر إلی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فلينظر إلی

كابس بن ربيعة. (جامع الاحاديث: ۳۳/۲۱۹/۳۶۱۰۸، مسند انس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۱۳) وعن علي رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: إن الرجل من أهل الجنة يشتاق إلى أخيه في الله فيؤتى بنجيبة من نجائب الجنة فيركبها إلى أخيه وبينه وبينه مسيرة ألف ألف عام بقدر مسير أحدكم فرسخًا أو فرسخين فيلقاه ويعانقه.

(جامع الاحاديث: ۲۹/۳۶۰۔ مسند علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کنز العمال: رقم ۳۹۷۸۳)

ان تمام احادیث میں اظہارِ محبت کے لئے معانقہ کا ثبوت ملتا ہے۔

نیز اظہارِ محبت ومسرت کے لئے مصافحہ بھی جائز ہے جب حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توبہ قبول ہوئی اور حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کے ساتھ مصافحہ کیا دوسرے حضرات کا مصافحہ نہ کرنا اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مصافحہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بوقتِ خوشی ومسرت مصافحہ جائز ہے، لیکن مصافحہ نہ کرنے والے زیادہ تھے، جس سے معلوم ہوا کرنے کی گنجائش اور نہ کرنا اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

(۱۴) عن عبدالله بن كعب بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن أبيه في حديث طويل ...... قال كعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حتى دخلت المسجد فاذا برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم جالس حوله الناس فقام إليّ طلحة بن عبيدالله رضی اللہ تعالیٰ عنہ يهرول حتى صافحني وهنّاني والله ماقام إليّ من المهاجرين غيره ...... والله اعلم. (رواه البخاري: ۲/۶۳۶)

ایک اشکال اور جواب:

اشکال: مذکورہ بالا مسئلہ پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ عام فتاوی میں مرقوم ہے کہ عیدین کے بعد یا نمازِ پنجگانہ کے بعد مصافحہ ومعانقہ بدعت ہے نیز ہمارے علماء نے اس پر زور بھی دیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: اگر عید کے دن مصافحہ ومعانقہ عید کی نماز کی وجہ سے کرتا ہو تو نماز کے بعد مصافحہ ومعانقہ بدعت ہے، اور اگر عید کی خوشی کی وجہ سے ہو جیسا کہ معمول ہے کہ نماز کے بعد ایک دو دن تک لوگ کرتے ہیں تو پھر اگر سنت نہ سمجھے تو خوشی کے اظہار کے لئے گنجائش ہے لیکن لوگوں نے اس کو ایک رسم بنایا ہے لہذا اس کا ترک کرنا مناسب ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی محمودیہ میں ہے:

مصافحہ کے لئے شریعت نے ابتداء ملاقات کا وقت تجویز کیا ہے کسی نماز کے بعد اس کا وقت تجویز کرنا شرعاً بے دلیل ہے غلط ہے، بدعت مکروہہ ہے طریقہ روافض ہے، حنفیہ مالکیہ شافعیہ وغیرہ سب سے علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رد المحتار میں ایسا ہی نقل کیا ہے:

ونقل في تبيين المحارم عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلاة بكل حال لأن الصحابة رضي الله تعالى عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة، ولأنها من سنن الروافض ثم نقل عن ابن حجر رحمه الله تعالى عن الشافعية أنها بدعة مكروهة لا أصل لها في الشرع وأنه ينبه فاعلها أولاً ويعذر ثانيًا ثم قال: وقال إبن الحاج من المالكية في المدخل إنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخيه لا في أدبار الصلوات فحيث وضعها الشرع يضعها فينهى عن ذلك ويزجر فاعله لما أتى به من خلاف السنة ثم أطال في ذلك فراجعه. ("الشامي: ٦/ ٣٨١")۔ (فتاوی محمودیہ: ٣/ ١٤٣، مبوب ومرتب)

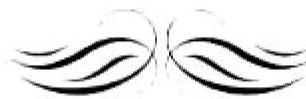
فتاویٰ فریدیہ میں ہے:

گلے ملانے کو معانقہ کہا جاتا ہے جو کہ بذاتِ خود مسنون ہے البتہ اس کا کسی وقت سے مثلاً نمازِ عید کے بعد تخصیص کرنا مختلف فیہ ہے قیل مسنونۃ وقیل مباحۃ وقیل مکروہۃ پس احتیاط یہ ہے کہ اس سے اجتناب کیا جائے البتہ کرنے والے پر اشد انکار نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ فریدیہ: ۱/ ۳۰۲)

فتاویٰ مفتی محمود میں ہے:

یہ عید کے روز نماز کے بعد معانقے اور مصافحے اور مبارک بادیاں سلف صالحین کے زمانے میں نہیں تھیں، اس لئے اس کا ترک ہی مناسب ہے۔ (فتاویٰ مفتی محمود: ۲/ ۵۲۳)

مزید ملاحظہ ہو: (فتاویٰ رشیدیہ: ص ۱۴۷۔ وامداد الاحکام: ۱/ ۱۸۸۔ وامداد الفتاویٰ ۱/ ۴۸۱۔ واحسن الفتاویٰ: ۱/ ۳۵۴۔ وفتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۲۸۰)۔ واللہ اعلم۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿"من دخل البيت دخل فی حسنة وخرج من سيئة مغفورًا له"﴾

(المعجم الکبیر)

باب......﴿۱۸﴾

مسائل شتّٰی

باب ﴿۱۸﴾

نماز کے متفرق مسائل

خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی کوئی فضیلت وارد ہے یا نہیں؟

الجواب: خانہ کعبہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنا ثابت ہے، لہذا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنا مستحب ہو گا اگر کسی کو موقع ملے تو پڑھ لینا چاہئے لیکن آج کل خانہ کعبہ میں داخل ہونا دشوار ترین ہے اس وجہ سے حطیم کعبہ میں پڑھنا بھی فضیلت سے خالی نہیں ہے، روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حطیم بھی کعبۃ اللہ کا ایک حصہ ہے۔

ملاحظہ ہو خانہ کعبہ میں داخل ہونے کی فضیلت:

أخرج ابن خزيمة في باب استحباب دخول الكعبة عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: "من دخل البيت دخل في حسنة وخرج من سيئة مغفورًا له".

(رواه الطبراني في الكبير والبزار بنحوه، صحيح ابن خزيمة: ۲/۱۰/۲۱٤۱، المكتب الاسلامي۔ مجمع الزوائد: ۳/۲۹۳، دار الفكر)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا ثبوت:

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنه كان إذا دخل الكعبة مشى قبل وجهه حين يدخل وجعل الباب قبل ظهره فمشى حتى يكون بينه وبين الجدار الذي قبل وجهه قريبًا من ثلاثة أذرع صلى يتوخى المكان الذي أخبره به بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم صلى فيه وليس على أحد بأس أن يصلي في أي نواحي البيت شاء. (بخاری شریف ۱/۷۲/۵۰۰، فیصل)

دوسری روایت میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم دخل الكعبة وأسامة بن زيد رضی اللہ تعالیٰ عنہ وبلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعثمان بن طلحة الحجبي رضی اللہ تعالیٰ عنہ فأغلقها عليه ومكث فيها فسألت بلالاً

رضی اللہ تعالیٰ عنہ حين خرج ما صنع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: جعل عمودًا عن يساره وعمودًا عن يمينه وثلاثة أعمدة وراءه وكان البيت يومئذٍ على ستة أعمدة ثم صلى......

(بخاری شریف: ۱/۷۲/۴۹۹، باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، فیصل)

حطیم کعبۃ اللہ کا ایک حصہ ہے۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: سألت النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن الجدار أمن البيت هو؟ قال: نعم قلت: فما لهم لم يدخلوه في البيت؟ قال: إن قومك قصرت بهم النفقة ...... ولو أن قومك حديث عهدهم بالجاهلية فأخاف أن تنكر أن أدخل الجدار في البيت. (بخاری شریف: ۱/۲۵۱)

صحیح ابن خزیمۃ میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: كنت أحب أن أدخل البيت فأصلي فيه فأخذ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بيدي فأدخلني الحجر فقال يا عائشة إن قومك لما بنوا الكعبة استقصروا فأخرجوا الحجر من البيت فإذا أردت أن تصلين في البيت فصلي في الحجر فإنما هو قطعة من البيت.

(صحیح ابن خزیمۃ: ۲/۱۴۱۳، باب استحباب الصلاۃ فی الحجر اذا لم یکن دخول الکعبۃ اذ بعض الحجر من البیت، المکتب الاسلامی)

بیت اللہ کے دروازے کے پاس بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز پڑھنا ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح ابن خزیمہ میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخل النبي صلی اللہ علیہ وسلم البيت فجئت فإذا هو قد خرج وإذا بلال قائم عند باب الكعبة قلت: يا بلال أين صلى النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقال ههنا قال ثم خرج فصلى ركعتين بين الحجر والباب...... واللہ اعلم. (صحیح ابن خزیمۃ: ۲/۱۴۱۱، المکتب الاسلامی)

طلبہ سے سزا کے طور پر نماز پڑھوانا:

سوال: بعض مدارس میں طلبہ سے سزا کے طور پر ۳۰ یا ۵۰ رکعت نوافل پڑھوائی جاتی ہے کیا نماز کو سزا کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اور کیا اس نماز کا ثواب اس کو ملے گا؟

الجواب: مدارس میں طلبہ سے سزا کے طور پر نماز پڑھوانا درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے نیز نماز کا ثواب بھی اس کو ملے گا جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کسرِ شہوت کے لئے روزہ رکھنے کو فرمایا تو اس میں روزہ کا ثواب بھی ہے اور کسرِ شہوت بھی ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يامعشر الشباب من استطاع

منكم الباءة فليتزوج فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء. (بخاري شريف: ٢/٧٥٨، ومشكاة: ٢/٢٦٧)

ظاہر ہے کہ یہ روزہ براہِ راست رضاءِ الٰہی کے لئے نہیں بلکہ زنا سے بچنے کے لئے کسرِ شہوت ہے یہاں بھی نماز پڑھوانا نفس کو سزا دینے اور مدرسہ کے احکام بجالانے کے لئے ہے۔ واللہ اعلم۔

فرض نماز کی ایک رکعت چھوٹنے پر بطورِ جرمانہ ۲ رکعت کا حکم:

سوال: اگر کسی نے نذر مانی جب بھی فرض نماز کی ایک رکعت چھوٹ جائے تو دو رکعت نماز جرمانہ کے طور پر پڑھے گا پھر اس منت سے نکلنا چاہے تو خلاصی کی کیا صورت ہے؟

الجواب: اس قسم کی منت لازم ہوتی ہے لہٰذا اس کا پورا کرنا لازم ہے یعنی جب بھی ایک رکعت چھوٹ جائے دو رکعت نفل لازم ہوگی اور اگر نہیں پڑھی تو اس کا فدیہ دینا زندگی میں درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها أن رسول الله ﷺ قال: من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصيه فلا يعصيه. (مشكوة شريف: ٢/٢٩٧) فيه دليل على أن من نذر طاعة يلزم الوفاء به.

درمختار میں ہے:

ثم إن المعلق فيه تفصيل فإن علقه بشرط يريده كأن قدم غائبي أو شفي مريضي يوفي وجوبًا إن وجد الشرط. وفي الشامي: (قوله ثم إن المعلق) اعلم أن المذكور في كتب ظاهر الرواية أن المعلق يجب الوفاء به مطلقًا: أي سواء كان الشرط مما يراد كونه أي يطلب حصوله كإن شفى الله مريضي أو لا كإن كلمت زيدًا أو دخلت الدار فكذا. والله اعلم.

(الدر المختار مع الشامي: ٣/٧٣٨ أحكام النذر، سعيد)

نماز کے ابتدائی وقت میں وفات پاجائے تو اس نماز کے فدیہ کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کا انتقال نماز کے ابتدائی وقت میں ہوجائے اور اب تک نماز نہیں پڑھی تھی تو اس نماز کا فدیہ واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس نماز کا فدیہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ اعتبار آخری وقت کا ہے اور آخری وقت میں زندہ نہیں تھا۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

(والمعتبر في تغيير الفرض آخر الوقت) وهو قدر ما يسع التحريمة فان كان المكلف في آخره مسافرًا وجب ركعتان وإلا فأربع لأنه المعتبر في السببية عند عدم الأداء قبله. وفي الشامي: قوله وجب ركعتان أي وإن كان في أوله مقيمًا وقوله: وإلا فأربع أي وإن لم يكن في آخره مسافراً بأن كان مقيماً في آخره فالواجب أربع. قال في النهر: وعلى هذا قالوا: لو صلى الظهر أربعًا ثم سافر أي في الوقت فصلى العصر ركعتين ثم رجع إلى منزله لحاجة فتبين أنه صلاهما بلا وضوء صلى الظهر ركعتين والعصر أربعًا لأنه كان مسافرًا في آخر وقت الظهر ومقيمًا في العصر ...... قوله عند عدم الأداء قبله أي قبل الآخر والحاصل أن السبب هو الجزء الذي يتصل به الأداء أو الجزء الأخير إن لم يؤد قبله وإن لم يؤد حتى خرج الوقت فالسبب هو كل الوقت. قال في البحر: وفائدة إضافته إلى الجزء الأخير اعتبار حال المكلف فيه فلو بلغ صبي أو أسلم كافر أو أفاق مجنون أو طهرت الحائض أو النفساء في آخره لزمتهم الصلاة. والله اعلم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۳۱، باب صلاة المسافر، سعيد. وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٤۲۸، باب صلاة المسافر، قديمي)

بچہ رات کے وقت بالغ ہو تو قضاء کا حکم:

سوال: اگر نابالغ عشاء کے بعد سو گیا اور فجر کے وقت بیدار ہوا اور منی کے اثرات دیکھے تو عشاء کی قضاء کرے گا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں احتیاطاً نمازِ عشاء کی قضاء کرے گا اور یہی مختار قول ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

صبي احتلم بعد صلاة العشاء واستيقظ بعد الفجر لزمه قضاؤها.

وفي الشامي: قوله لزمه قضاؤها لأنها وقعت نافلة، ولما احتلم في وقتها صارت فرضا عليه، لأن النوم لا يمنع الخطاب فيلزمه قضاؤها في المختار، ولذا لو استيقظ قبل الفجر لزمه إعادتها إجماعًا كما قدمناه أول كتاب الصلاة عن الخلاصة. وفي الظهيرية: حكى عن محمد بن الحسن رحمه الله تعالى: أنه جاء إلى الإمام أول احتلامه فقال: ما تقول في غلام احتلم في الليل بعد ما صلى العشاء هل يعيدها؟ قال نعم فقام محمد إلى زاوية المسجد وأعادها و هي أول

مسألة تعلمها من الإمام. (شامی مع الدر: ۲/ ۷۶، قضاء الفوائت، سعید)

مزید ملاحظہ ہو: (البحر الرائق: ۲/ ۹۰، تتمة باب قضاء الفوائت، الماجدیة۔ وشرح منیة المصلی: ۵۳۴ فصل فی قضاء الفوائت، سہیل)۔ واللہ اعلم۔

دماغی مریض کی فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کا حکم:

سوال: ایک شخص کی نانی کا انتقال ہوا گذشتہ تین سالوں سے انھیں دماغ کی کمزوری کی شکایت تھی اور اس حد تک سرایت کر چکی تھی کہ ۵ منٹ پہلے کیا ہوا کام بھی یاد نہیں رہتا تھا اس وجہ سے کافی عرصہ سے انھوں نے نمازیں نہیں پڑھی تھی، اب ان کے انتقال کے بعد فوت شدہ نمازوں کا فدیہ لازم ہے یا نہیں؟ اور اس کی ادائیگی کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب: دماغی مریض کے بالکل ہوش وحواس نہ رہیں اور یہ کیفیت مسلسل ایک دن یا اس سے زیادہ دن تک ہو تو نماز کی قضاء نہیں ہے اور نہ فدیہ وغیرہ لازم ہے۔ لیکن صورتِ مسئولہ میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کیفیت نہیں تھی یعنی نماز کے وقت میں صحیح طور پر نماز پڑھ سکتی تھی تو نماز پڑھنا لازم تھا نہ پڑھنے پر قضاء لازم تھی اب چونکہ انتقال ہو چکا ہے لہٰذا فدیہ ادا کیا جائے ہر نماز کا علیحدہ علیحدہ یعنی رات دن کی کل ۵ نمازوں کا وتر کے ساتھ اور فدیہ وہی ہے جو صدقۃ الفطر میں ادا کیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ومن أغمي عليه خمس صلوات أو دونها قضى وإن كان أكثر من ذلك لم يقض وهذا استحسان، والقياس أن لا قضاء عليه إذا استوعب الإغماء وقت صلاة كاملًا ...... وفي فتح القدير: والقياس أن لا ...... وهو قول الشافعي رحمه الله تعالى والمالك رحمه الله تعالى وتوسط أصحابنا فقالوا: إن كان أكثر من يوم وليلة سقط القضاء وإلا وجب، والزيادة على يوم وليلة من حيث الساعات وهو رواية عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى فإذا زاد على الدورة ساعة سقط، وعند محمد رحمه الله تعالى من حيث الأوقات فإذا زاد على ذلك وقت صلاة كامل سقط وإلا لا، وهو الأصح تخريجًا ...... عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال في الذي يغمى عليه يومًا وليلةً قال: يقضي ...... وقال عبد الرزاق: أخبرنا الثوري عن ابن أبي ليلى عن نافع أن ابن عمر رضي الله تعالى عنه أغمي عليه شهرًا فلم يقض ما فاته.

(فتح القدير مع الهداية: ۲/ ۹، دار الفكر۔ وكذا في بدائع الصنائع: ۱/ ۵۶۱، قضاء الفوائت، سعید۔ وكذا في المبسوط: ۱/ ۲۱۷ باب صلاة المريض۔ وكذا في الدر المختار: ۱/ ۳۵۶، سعید۔ والبحر الرائق: ۲/ ۱۱۵، باب صلاة المريض۔ کوئٹہ)

درمختار میں ہے:

ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة وكذا حكم الوتر والصوم. (الدر المختار ٢/٧٢، باب قضاء الفوائت، سعيد)

مراقی الفلاح میں ہے:

فيخرج عنه وليه ...... لصوم كل يوم ...... وصلاة كل وقت من فرض اليوم والليلة حتى الوتر ...... نصف صاع من بر ...... أو قيمته وهى أفضل لتنوع حاجات الفقير، وإن لم يوص و تبرع عنه وليه أو أجنبى جاز إن شاء الله تعالىٰ. وفى الطحطاوى: (لتنوع حاجات الفقير) فإنه قد يكون مستغنيًا عن هذه الأعيان ويحتاج إلى الدراهم ليصرفها فى حاجاته. والله اعلم.

(مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی:٤٣٨، قدیمی کتب خانه)

جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: سماحة المفتى من فضلك أريد استفتاءً على ما يلى بين لى بالتفصيل من النصوص أثابكم الله.

(١) لماذا صلى النبى ﷺ فى نعليه وموسىٰ علیہ الصلاۃ والسلام صلى بخلع نعليه والله سبحانه وتعالىٰ يقول: ﴿فبهداهم اقتده﴾؟

(٢) لماذا نصلى بخلع نعالنا و نبينا ﷺ صلى فى نعليه؟

(٣) هل يجوز لنا أن نصلى فى نعالنا؟

(٤) هل صلى النبى ﷺ على البساط بغير نعليه؟

(٥) ما هو أراء الفقهاء فى الصلاة فى النعال؟

(٦) لماذا أمرنا النبى ﷺ بخلاف اليهود فى خلع النعال وهم كانوا يتبعون موسىٰ علیہ الصلاۃ والسلام؟

الجواب: (١) أن أمره سبحانه وتعالىٰ لرسوله ﷺ بالاقتداء هو خاص عند المفسرين فى التوحيد وأصول الدين والأخلاق الفاضلة والصفات الكاملة دون الشرائع لأن الشرائع مختلفة.

(٢) لأنه لا يمكن لنا التحفظ من وطء الأقذار والرشاش على النعال ومع هذا،

الصلاة في النعال خلاف الأدب والعرف في زماننا ولم تكن نعله عليه الصلاة والسلام مظنة إصابة قذر أصلاً.

(۳) نعم إذا كانا طاهرين ويتمكن معهما من إتمام السجود بأن يسجد على جميع أصابع رجليه ومع ذلك الأدب خلع النعلين وأما إذا لم يكن طاهرين أو لم يتمكن من إتمام السجود فخلعهما واجب.

(٤) نعم.

(٥) لأنهم قد غيروا الشريعة ولا يتبعون موسى عليه الصلاة والسلام كما حقه كما قال سبحانه وتعالى ﴿وقالت اليهود عزير بن الله﴾ وما جاء موسى عليه الصلاة والسلام بهذا، وقد بين سبحانه وتعالى أنهم ضلوا وأضلوا، وقال أيضًا: ﴿اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضّالين﴾ فلهذا ينبغي لنا أن نجتنب كل الاجتناب.

وفي تفسير القرطبي:

قوله تعالى: ﴿فبهداهم اقتده﴾ قيل: المعنى اصبر كما صبروا وقيل معنى ﴿فبهداهم اقتده﴾ التوحيد والشرائع مختلفة. (تفسير القرطبي: ٧/٣٥)

وفي تفسير روح المعاني:

والمراد بهداهم عند جمع طريقهم في الإيمان بالله تعالى وتوحيده وأصول الدين دون الشرائع القابلة للنسخ فإنها بعد النسخ لا تبقى هدى وهم أيضاً مختلفون فيها فلا يمكن التأسي بهم جميعا ومعنى أمره صلى الله عليه وسلم بالاقتداء بذلك الأخذ به لا من حيث أنه طريق أولئك الفخام بل من حيث أنه طريق العقل والشرع ففي ذلك تعظيم لهم وتنبيه على أن طريقهم هو الحق الموافق لدليل العقل والسمع ...... وحقق القطب الرازي في حواشيه على الكشاف أنه يتعين أن الاقتداء المأمور به ليس إلا في الأخلاق الفاضلة والصفات الكاملة كالحلم والصبر والزهد وكثرة الشكر والتضرع ونحوها. (روح المعاني: ٧/٢١٦)

وفي سنن أبي داؤد:

وعن عبد الله بن السائب رضي الله تعالى عنه قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يصلي يوم الفتح ووضع نعليه عن يساره، وفي رواية عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالى عنه

قال رأيت رسول الله ﷺ يصلي حافياً متنعلاً.

وفي رواية له ...... عن يعلى بن شداد بن أوس عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ "خالفوا اليهود فإنهم لايصلون في نعالهم ولاخفافهم. (سنن أبو داؤد: ١/٩٥)

وفي بذل المجهود:

قلت: دل هذا الحديث على أن الصلاة في النعال كانت مأمورة لمخالفة اليهود وأما في زماننا فينبغي أن تكون الصلاة مأمورة بهما حافيًا لمخالفة النصارى فإنهم يصلون متنعلين لايخلعون عن أرجلهم.

(بذل المجهود: ٤/٣٢٠۔ وكذا في إعلاء السنن: ٥/١٩٠۔ وكذا في شرح النووي للمسلم: ١/٢٥٤۔ وكذا في شرح ابن بطال: ٢/٤٩۔ وكذا في فيض الباري: ٢/٢٦۔ وكذا في شرح المسلم لقاضي عياض: ٢/٤٨٨)

وفي المرقاة شرح المشكاة:

أن الأدب الذي استقر عليه آخر أمره عليه الصلاة والسلام خلع نعليه أو الأدب في زماننا عند عدم اليهود والنصارى أو عدم اعتيادهما الخلع ثم سنح لي أن معنى الحديث خالفوا اليهود في تجويز الصلاة مع النعال والخفاف فإنهم لايصلون أي لايجوزن الصلاة فيهما ولايلزم منه الفعل وإنما فعله عليه الصلاة والسلام تاكيداً للمخالفة وتأييدًا للجواز.

(مرقاة شرح المشكاة: ٢/٢٣٧)

وفي الشامي:

(قوله وصلاته فيهما) أي في النعل والخف الطاهرين أفضل مخالفة لليهود تاترخانية: وفي الحديث: "صلوا في نعالكم ولاتشبهوا باليهود" رواه الطبراني كما في الجامع الصغير رامزًا لصحته وأخذ منه جمع من الحنابلة أنه سنة ولو كان يمشي بها في الشوارع لأن النبي ﷺ وصحبه رضي الله تعالى عنهم كانوا يمشون بها في طرق المدينة ثم يصلون بها، قلت: لكن إذا خشي تلويث فرش المسجد بها ينبغي عدمه وإن كانت طاهرة، وأما المسجد النبوي فقد كان مفروشًا بالحصا في زمنه ﷺ بخلافه في زماننا ولعل ذلك محمل ما في عمدة المفتي من أن دخول المسجد متنعلاً من سوء الأدب تأمل. (شامي ١/٦٥٧، سعيد)

وفي مقالات الكوثري:

وأما الصلاة بالنعل فصحيحة إذا كانت طاهرة لاتمانع وضع باطن رؤوس الأصابع على

الأرض كما هو شأن تمام السجدة على ما ذكره الخطابي وغيره وكان مسجد النبي عليه الصلاة والسلام مفروشًا بالحصباء وحجرات أزواج النبي صلى الله عليه وسلم كانت في اتصال المسجد فلم تكن نعله عليه الصلاة والسلام مظنة إصابة قذر أصلًا لأنه لم يكن يطأ بها شوارع قذرة وكانت المدينة المنورة طاهرة الأزقة من الأرواث والأرجاس انصياعًا من الصحابة رضي الله تعالى عنهم ...... بخلاف شوارع اليوم ومراحيض اليوم فإنها لا يمكن فيها التحفظ من وطء الأقذار والرشاش على النعال لكون مراحيضها صلبة ترش حتما على النعال ولاسيما إذا بال الشخص وهو قائم لأنها على طراز أفرنجي لا يتمكن من البول فيها إلا وهو قائم. وقد صح أنه عليه الصلاة والسلام خلع نعله عند الصلاة في فتح مكة فيكون هذا آخر الأمرين كما أنه خلع حينما أعلمه جبريل عليه الصلاة والسلام أن بنعله أذى والترخيص عند التحقق من إظهار النعل هو مقتضى الأدلة عند المحققين ومن يرى استحباب لبسها بشرطه إنما استحب لمخالفة اليهود لكن أهل الكتاب أصبحوا اليوم يدخلون كنائسهم ويصلون بنعالهم فتكون المخالفة لهم في خلع النعال لا في لبسها ...... وقد تطابقت كلمات أهل العلم على أن الصلاة في نعال الشوارع اليوم خلاف الأدب وإن كانت طاهرة بل سوء الأدب كما تجد تفصيل ذلك في منية المفتي للسجستاني رحمه الله تعالى وفتح المتعال للعلامة المقري رحمه الله تعالى وشرح المشكاة لعلي القاري رحمه الله تعالى وغاية المقال للمحدث عبد الحي اللكهنوي رحمه الله تعالى وغيرها. والله اعلم. (مقالات الكوثري: ۱۷٤، دار شمسی)

نماز سے قبل شلوار موڑنے کا حکم:

سوال: اگر کسی شخص کی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکی ہوئی ہے تو نماز سے پہلے اسکو موڑنا چاہئے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کپڑے کو موڑنا نہیں چاہئے اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ موڑنے کی صورت میں کپڑا الٹا ہو جاتا ہے اور یہ ممنوع ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب: جو چیز نماز سے باہر مکروہ ہے نماز میں بطریق اولیٰ مکروہ ہے اور کراہت کا ازالہ نماز سے قبل کرنا چاہئے لہٰذا اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہاں اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کو سمجھا دیں کہ یہ فعل خارج الصلاۃ بھی مکروہ ہے لہٰذا پاجامہ اور شلوار ٹخنوں سے اوپر سلوالیا کریں۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار".

(رواه البخاري: ۲/۸۶۱/۵۵۵۹، باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار، فيصل)

نماز میں کپڑا لٹکانا مکروہ ہے لہٰذا فقہاء نے فرمایا کہ نماز سے قبل ٹھیک کرلے۔

ملاحظہ ہو فتاوی لکھنوی میں ہے:

ويكره السدل وهو أن يرسله من غير أن يضم جانبه وقيل: هو أن يلقيه على رأسه ويرخيه ...... قال في فتح القدير: (۱/۳۰۹) يصدق على ما إذا كان المنديل مرسلاً في كتفيه كما يعتاده كثير فينبغي لمن يعتاده أن يضعه عند الصلاة. (فتاوى اللكهنوى: ۱۰۳، بيروت)

نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ کراہت کا ازالہ نماز میں بھی جائز ہے تو خارج الصلاۃ بدرجہ اولیٰ جائز بلکہ مستحب ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاوی لکھنوی میں ہے:

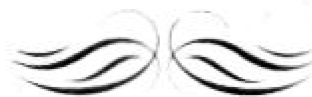
فان سقطت قلنسوة من رأسه وأمكنه أن يرفعها بيد واحدة، الأولىٰ أن لا يصلي مكشوف الرأس كذا في خزانة الروايات. (فتاوى اللكهنوى: ۱۰۳، بيروت)

نیز حدیث شریف میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ رات کی نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہوا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے داہنی طرف کردیا یعنی نماز میں کراہت کا ازالہ فرمایا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال ...... فتوضأ ثم قام يصلي فقمت عن يساره فأخذني فجعلني عن يمينه. والله اعلم. (بخاری شریف: ۱/۹۷)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"من شهد الجنازة حتىٰ يصلى عليها فله قيراط ومن شهد حتىٰ تدفن كان له قيراطان"﴾

(رواه البخارى)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

﴿"من حمل جوانب السرير الأربع كفر اللّٰه عنه أربعين كبيرة"﴾

(المعجم الأوسط)

باب......﴿۱۹﴾

أحكام الجنائز

فصلِ اول

قریب المرگ سے متعلق احکام

قریب المرگ شخص کولٹانے کا طریقہ:

سوال: آدمی جب مرنے لگے تو اس کو کس طرح لٹانا چاہئے؟

الجواب: قریب المرگ شخص کو لٹانے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ قبلہ رخ کر کے داہنی کروٹ پر کردے، لیکن اگر چت لٹادے اور سر کو تکیہ کے ذریعہ قبلہ رخ کردے تو اس کی بھی گنجائش ہے، اور بوقتِ دشواری جس میں سہولت ہو اس کو اختیار کرے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

إذا احتضر الرجل وجه إلى القبلة على شقه الأيمن وهو السنة كذا في الهداية، وهذا إذا لم يشق عليه فإذا شق ترك على حاله كذا في الزاهدی.

(الفتاوی الهندية: ۱/۱۵۷، الفصل الأول في المحتضر)

درمختار میں ہے:

(يوجه المحتضر) وعلامته استرخاء قدميه واعوجاج منخره وانخساف صدغيه (القبلة على يمينه هو السنة (وجاز الاستلقاء على ظهره وقدماه إليها وهو المعتاد في زماننا ولكن يرفع قليلاً ليتوجه للقبلة وقيل يوضع كما تيسر على الأصح صححه في المبتغى وإن شق عليه ترك على حاله. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۸۹، سعید کمپنی)

بدائع الصنائع میں ہے:

إذا احتضر الإنسان فالمستحب أن يوجه إلى القبلة على شقه الأيمن كما يوجه في القبر لأنه قرب موته فيضجع كما يضجع الميت في اللحد. (بدائع الصنائع: ۱/۲۹۹، سعید کمپنی)

مرنے کے بعد غسل کے وقت بھی یہی بہتر ہے کہ قبلہ رخ میت کو لٹایا جائے۔ واللہ اعلم۔

مرض الموت میں ہدیہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کینسر میں مبتلاء ہے وہ کسی رشتہ دار کو کچھ مال ہدیہ کرنا چاہتا ہے اور کچھ مال اجنبی شخص کو دینا چاہتا ہے کیا اس کا ہدیہ دینا درست ہوگا اور یہ وصیت نافذ ہوگی؟

الجواب: مرض الموت میں کسی شخص کا ہدیہ یا وصیت اجنبی کے حق میں صرف ایک ثلث میں نافذ ہوگی۔ اس سے زیادہ میں نہیں اور وارث کے حق میں ہدیہ یا وصیت نافذ نہ ہوگی، ہاں دوسرے ورثاء کی اجازت سے وارث کے حق میں بھی نافذ ہوگی، اور ثلث سے زائد میں بھی۔

ملاحظہ ہو حدیث میں ہے:

عن سعد بن أبي وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: عادني رسول اللّٰه ﷺ وأنا مريض فقال: أوصيت؟ قلت: نعم، قال: بكم؟ قلت: بمالي كله في سبيل اللّٰه تبارك وتعالىٰ قال: فما تركت لولدك قلت: هم أغنياء بخير فقال: أوص بالعشر فمازلت أناقصه حتى قال: أوص بالثلث والثلث كثير. رواه الترمذي. وعن أبي أمامة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللّٰه ﷺ يقول: في خطبته عام حجة الوداع إن اللّٰه تبارك وتعالىٰ قد أعطىٰ كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث. رواه أبو داود وابن ماجة والترمذي. (مشكاة شريف: ١/٢٦٥، باب الوصايا، قديمي كتب خانه)

درمختار میں ہے:

إعتاقه ومحاباته وهبته ووقفه وضمانه كل ذلك حكمه كحكم وصيته فيعتبر من الثلث. وفي الشامي: إذا اتصل بها القبض قبل موته أما إذا مات ولم يقبض فتبطل الوصية لأن هبة المريض هبة حقيقة وإن كانت وصية حكمًا.

(الدر المختار مع الشامي: ٦/ ٦٨٠، سعيد)۔ واللہ اعلم۔

مرض الموت کی تعریف:

سوال: مرض الموت کس کو کہتے ہیں کیا کینسر کا مریض اس میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مرض میں مریض اپنی ذاتی ضرورتوں کے لئے نہ نکل سکے، اسی طرح اس مرض سے صحت کی امید بہت کم ہو اور موت کا غالب گمان ہو، لہٰذا اس تعریف کے پیشِ نظر کینسر کا مریض جس سے صحت کی امید بہت کم ہے مرض الموت میں کہلائے گا۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

المريض مرض الموت من لايخرج إلى حوائج نفسه وهو الأصح كذا في خزانة المفتي. مرض الموت تكلموا فيه والمختار للفتوىٰ أنه إذا كان الغالب منه الموت كان مرض الموت سواء كان صاحب الفراش أم لم يكن كذا في المضمرات.

(الفتاوى الهندية: ٤/١٧٦)۔ واللہ اعلم۔

مریض کی وصیت کا حکم:

سوال: کسی مریض نے اپنے رشتہ دار کو یہ وصیت کی کہ تم ہر ہفتہ میری قبر پر حاضری دو کیا یہ وصیت واجب العمل ہے یا نہیں؟

الجواب: مذکورہ بالا وصیت واجب نہیں ہے، البتہ ان کی خواہش کی بنا پر زیارت کے لئے جانا بہتر ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

أوصى بأن يصلي عليه فلان أو يحمل بعد موته إلى بلد آخر أو يكفن في ثوب كذا أو يطين قبره أو يضرب على قبره قبة أو يقرأ عنده شيئًا معينًا فهي باطلة.

(الدر المختار: ٦/٦٦٦، ٦٩٠، سعيد كمپنى)

شامی میں ہے:

أقول: في الولوالجية: لو زار قبر صديق أو قريب له وقرأ عنده شيئًا من القرآن فهو حسن، أما الوصية بذلك فلا معنى لها.

(شامى: ٦/٦٩٠، قبيل باب الوصية بالخدمة، سعيد كمپنى)۔ واللہ اعلم۔

غسل دینے سے پہلے میت کے پاس تلاوت کا حکم:

سوال: مرنے کے بعد غسل دینے سے پہلے میت کے پاس تلاوت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگر میت کا جسم چھپا ہوا ہے تو میت کے پاس تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر جسم کھلا ہوا ہے تب بھی اصح قول یہ ہے کہ میت میں حدث ہے نجاست و غلاظت نہیں، لہٰذا اس کے قریب تلاوت کرنا درست ہے، تاہم احتیاط اس میں ہے کہ غسل دینے سے پہلے جہراً تلاوت نہ کی جائے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

اختلفوا فی نجاسة المیت فقیل نجاسة خبث، وقیل: حدث ویشهد للثانی مارویناه من تقبیله رضی الله تعالیٰ عنه عثمان بن مظعون رضی الله تعالیٰ عنه وهو میت قبل الغسل، اذ لو کان نجسًا لما وقع فاه الشریف علی جسده. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح:ص٥٦٤،احکام الجنائز،قدیمی)

درمختار میں ہے:

تکره القراءة عنده حتی تغسل ...... تنزیهًا للقرآن عن نجاسة المیت لتنجسه بالموت قیل نجاسة خبث وقیل حدث وعلیه فینبغی جوازها کقراءة المحدث ...... فإنه إذا جاز للمحدث حدثًا أصغر القراءة فجوازها عندالمیت المحدث بالأولی.

(الدرالمختار مع الشامی:٢/١٩٤،سعید کمپنی)

شامی میں ہے:

قوله ویقرأ القرآن فی بعض النسخ ولایقرأ بلا والصواب إسقاطها.

تنبیه: الحاصل أن الموت إن کان حدثاً فلاکراهة فی قراءة القرآن عنده وإن کان نجسًا کرهت والظاهر أن هذا أیضًا إذا لم یکن المیت مسجی بثوب یستر بدنه، لأنه لو صلی فوق نجاسة علی حائل من ثوب أوحصیر لایکره فیما یظهر فکذا إذا قرأ عند نجاسة مستورة وکذا ینبغی تقیید الکراهة بما إذا قرأ جهرًا ...... فتحصل من هذا إن کان الموضع معدًا للنجاسة کالمخرج والمسلخ کرهت القراءة مطلقًا وإلافإن لم یکن هناك نجاسة ولاأحد مکشوف العورة فلاکراهة مطلقاً وإن کان فانه یکره رفع الصوت فقط.

(الشامی:٢/١٩٣،١٩٤، مطلب فی القراءة عندالمیت،سعید)۔واللہ اعلم۔

میت کے پاس حائضہ عورت کے بیٹھنے کا حکم:

سوال: جس کمرہ میں میت موجود ہو وہاں حائضہ عورت بیٹھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر میت کے سرہانے نہ بیٹھے بلکہ ذرا دور بیٹھے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ حائضہ کے نکالنے میں اختلاف ہے لہٰذا اس میں تشدد اور سختی کرنا مناسب نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

فی النهر: ینبغی إخراج الحائض ...... وفی نورالإیضاح: واختلف فی إخراج الحائض.

(شامی:٢/١٩٣،سعید)

وفی حاشیة نور الإیضاح: قوله واختلفوا: اختلاف المشایخ فی إخراج هؤلاء فی الأولویة وعدمها، لاعلی سبیل الوجوب، ووجه الإخراج امتناع حضور الملائکة محلاً به حائض أونفساء ووجه عدم الإخراج به قد لایمکن الإخراج للشفقة أوللاحتیاج إلیهن.

(حاشیة نور الایضاح للشیخ محمداعزازعلی:ص١٢٧۔وکذافی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص٥٦٣،باب احکام الجنائز، قدیمی)

فتاوی قاضیخان میں ہے:

ولابأس بجلوس الحائض والجنب عنده وقت الموت.

(فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة: ١/١٨٨،باب فی غسل المیت ومایتعلق به)۔واللہ اعلم۔

موت کے بعد بیوی کا چہرہ دیکھنے کا حکم:

سوال: کیا شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی کی موت کے بعد اس کا چہرہ دیکھے؟

الجواب: موت کے بعد بیوی کا چہرہ دیکھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر إلیها علی الأصح منیة، وفی الشامی: ولعل وجهه أن النظر أخف من المس فجاز لشبهة الاختلاف.

(الدرالمختارمع الشامی: ٢/١٩٨، سعید۔وکذا فی الهندیة: ١/١٦٠، الفصل الثانی فی الغسل۔ والفتاوی الخانیةعلی هامش الهندیة: ١/١٨٧، باب فی غسل المیت ومایتعلق به)

احسن الفتاوی میں ہے:

بیوی سب کچھ کر سکتی ہے مگر شوہر دیکھ سکتا ہے نہلا نہیں سکتا اور بلا حائل چھو نہیں سکتا جنازہ اٹھا سکتا ہے اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی: ٤/٢١٥۔وفتاوی رشیدیه: ص٢٥٧)

موت کے بعد شوہر کے لئے بیوی کا چہرہ یا ہاتھ چھونے کا حکم:

سوال: موت کے بعد شوہر بیوی کے چہرے یا ہاتھ کو چھو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: موت کے بعد بیوی کو چھونا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویمنع زوجھامن غسلھا ومسھا لامن النظر إلیھاعلی الأصح، منیة.

(الدرالمختارمع الشامی:۲/۱۹۸، باب صلاۃ الجنازۃ،سعید)

مبسوط میں ہے:

ولنا حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن امرأة تموت بین رجال فقال: تیمم الصعید ولم یفصل بین أن یکون فیھم زوجھا أو لایکون والمعنی فیه أن النکاح بموتھا ارتفع بجمیع علائقه فلا یبقی حل المس. واللہ اعلم.

(المبسوط للامام السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۲/۷۱،باب غسل المیت، ادارۃ القرآن۔واحسن الفتاوی:۴/۲۱۵)

پوسٹ مارٹم کا شرعی حکم:

سوال: پوسٹ مارٹم کی شرعی کیا حیثیت ہے؟ کیا یہ میت کی توہین میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے ساتھ ہر وہ کام کرنا جس سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے جائز اور درست نہیں ہے،اور پوسٹ مارٹم میں جسم کی تقطیع ہے اور یہ معاملہ اگر زندہ کے ساتھ کیا جائے تو ضرر رساں ہے لہٰذا میت کے ساتھ بھی درست نہیں ہوگا اس میں جسمِ انسانی کی توہین ہے حتی الامکان اپنی میت کو اس سے بچانا چاہئے، لیکن اگر مجبوراً کرانا پڑے تو اس کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو عصرِ حاضر کے فقہی مسائل میں ہے:

میت کی لاش کا پوسٹ مارٹم اب محض ایک طبی ضرورت ہی نہیں رہی بلکہ تفتیشِ جرائم کے لئے قانون وانصاف کے شعبہ میں بھی اس کا سہارہ لینا ناگزیر ہو گیا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ایسا عمل جس میں انسانی جسم کی قطع وبرید اور چیر پھاڑ نے کے بغیر کام نہ چلتا ہو اس کی کیوں کر گنجائش ہو سکتی ہے۔

(عصرِحاضر کے فقہی مسائل: ص۷۴۔وجدیدمسائل کاشرعی حل:ص۲۴۸)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

پوسٹ مارٹم بھی اگر کسی ضرورت کے پیشِ نظر ناگزیر ہو جائے تو جائز ہے مثلاً مقدمہ کی تحقیق کے لئے موت کی وجہ معلوم کرنی ہو، یا کوئی شخص اپنا اندرونی عضو ہبہ کردے اور علماء اس کے جواز کا فتوی دے دیں، اس لیے اس عضو کو نکالنا ہو وغیرہ، اور اس کی نظیر یہ ہے کہ فقہاء نے اس مردہ حاملہ عورت کا پیٹ چاک کرنے کی اجازت دی ہے جس کے پیٹ کا بچہ ابھی زندہ ہے تا کہ اس طرح اس کو نکالا جا سکے۔

(جدید فقہی مسائل: جلداول: ص۲۰۳،پوسٹ مارٹم،پرو گریسو بکس)

کفایت المفتی میں ہے:

طبی معائنہ (پوسٹ مارٹم) کی بہت سی صورتیں شرعی ضرورت کے بغیر واقع ہوتی ہیں جو ناجائز ہیں اور اگر کوئی خاص صورت شرعی ضرورت کے ماتحت جائز بھی ہوتا ہم اس میں شرعی احکام متعلقہ ستر واحترام میت کا التزام ضروری ہوگا اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میت کے جسم کو پھاڑ نا چیر نا اس کے احترام کے منافی ہے اور جب تک کوئی ایسی قوی وجہ نہ ہو کہ اس کے سامنے اس بے حرمتی کو نظر انداز کیا جا سکے چیر پھاڑ مباح نہیں ہو سکتی عورت کی برہنہ میت غیر محرم مرد کے ہاتھوں میں جانا تو درکنار اس کی نظر کے نیچے بھی نہیں جا سکتی۔ واللہ اعلم۔

(کفایت المفتی:۴/۲۰۰، آٹھواں باب، کتاب الجنائز، دارالاشاعت۔ ونظام الفتاوی:۱/۴۱۲، پوسٹ مارٹم کا حکم، اسلامک فقہ اکیڈمی۔ وامداد الفتاوی:۱/ ۵۰۸)

میت کے سامنے کھڑے ہوکر معاف کرنے کا حکم:

سوال: ایک عورت کا انتقال ہوا تو کسی عورت نے خاندان کی عورتوں سے کہا آپ سب اس میت کو معاف کردیں اس طرح کہ آپ ان کے سامنے کھڑی ہوکر کہو کہ ہم نے معاف کردیا جو ہمارے درمیان ہوا تھا اس لئے کہ میت سنتی ہے اور شوہر اکیلا میت کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرتا ہے اور قبر میں اتارتا ہے اور اس کا چہرہ دیکھتا ہے شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں اس طرح عورتوں کا میت کو خطاب کرنا اور معاف کرنا وغیرہ درست نہیں ہے اس لئے کہ میت سنتی ہے یا نہیں سنتی اس میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک مردے سنتے ہیں بعض کے نزدیک نہیں سنتے جن کے نزدیک سنتے ہیں تو ہر بات ہر وقت نہیں سنتے بلکہ جب اللہ تعالیٰ سنادے تو سنتے ہیں لہذا یہ عمل درست نہیں اور نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

شوہر میت کے پاس بیٹھ کر تلاوت کرسکتا ہے، اور چہرہ بھی دیکھ سکتا ہے نیز محارم کے ساتھ قبر میں اتر کر دفن کرنے میں مدد بھی کرسکتا ہے، البتہ میت کو غسل دینا اور چھونا درست نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(قوله أو كلمتك) إنما تقيد بالحياة لأن المقصود من الكلام الإفهام والموت ينافيه لأن الميت لايسمع ولايفهم وأورد أنه عليه الصلاة والسلام قال لأهل القليب قليب بدر هل وجدتم ما وعدربكم حقًا؟ فقال عمر: يارسول الله ما تكلم من أجساد لاأرواح لها فقال النبي ﷺ والذى نفسى بيده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم وأجيب بأنه غير ثابت يعنى من جهة المعنى

والإفهو في الصحيح وذلك أن عائشة رضي الله تعالى عنها ردته بقوله تعالى: ﴿وماأنت بمسمع من في القبور﴾ و ﴿إنك لاتسمع الموتى﴾ وقوله من جهة المعنى ينظرماالمراد به فإن ظاهره يقتضي ورود اللفظ عن الشارع رضي الله تعالى عنه وأن المعنى لايستقيم وفيه مافيه وأجيب أيضًا بأنه إنما قاله على وجه الموعظة للأحياء لالإفهام الموتى كماروى عن علي رضي الله تعالى عنه أنه قال: السلام عليكم دارقوم مؤمنين أما نساؤكم فنكحت وأما أموالكم فقسمت وأمادوركم فقدسكنت فهذا خيركم عندنا فماخيرنا عندكم ويرده أن بعض الأموات رد عليه بقوله: الجلود تمزقت والأحداق قد سئلت ...... إلى قوله ورده عليه الصلاة والسلام أن الميت ليسمع خفق نعالهم إذا انصرفوا، كمال وفي النهر أحسن ما أجيب به أنه كان معجزة له رضي الله تعالى عنه.

(حاشية الطحطاوي على الدرالمختار:۲/۳۸۲،باب اليمين في الضرب والقتل، كوئته)

درمختار میں ہے:

ويمنع زوجها من غسلها ومسهالا من النظر إليها على الأصح، منية. وفي الشامي: ولعل وجهه أن النظر أخف من المس فجاز لشبهة الاختلاف. (الدرالمختارمع الشامي:۲/۱۹۸،سعيد)

کفایت المفتی میں ہے:

سوال: مردے قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں یا نہیں؟

جواب: قبروں میں پکارنے والے کی پکار کو نہیں سنتے اور نہ جواب دیتے ہیں۔

(كفايت المفتي:۴/۵۰،دارالاشاعت)

امدادالفتاویٰ میں ہے:

سوال: بعد مرنے کے مرد اپنی بی بی کا منہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں اور قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: دیکھ سکتا ہے اور قبر میں اتارنا جب محارم نہ ہوں زوج کو درست ہے لأنه مس من حائل.

واللہ اعلم. (امدادالفتاوی:۱/۵۰۳،وكذافي فتاوى رحيميه:۳/۹۳)

میت کی آنکھوں کی کونٹیک لینس نکالنے کا حکم:

سوال: اگر کسی کا انتقال ہو جائے اور اس کی آنکھوں میں کونٹیک لینس ہے تو اس کو نکالا جائے یا نہیں؟

الجواب: کونٹیک لینس دوسرے کے لئے استعمال نہیں کر سکتے اور نکالنے میں بھی دقت ہے اور یہ ایک زائد چیز بھی معلوم نہیں ہوتی لہٰذا نہیں نکالنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو احسن الفتاویٰ میں ہے:

اگر دانت منہ سے نکالنا مشکل ہو اور زیادہ محنت کرنے میں میت کی بے حرمتی ہو تو اندر ہی چھوڑ دیئے جائیں غسل وکفن میں کوئی محذور نہیں، مال کی حرمت سے میت کی حرمت زیادہ ہے۔ (احسن الفتاوی:۴/۲۴۰)

شامی میں ہے:

وإن كان حرمة الآدمي أعلى من صيانة المال لكنه زال احترامه بتعديه كما في الفتح ومفاده أنه لو سقط في جوفه بلا تعد لا يشق اتفاقًا. والله اعلم. (شامي: ۲/۲۳۸، سعيد)

میت دوبارہ زندہ ہو جائے تو جائداد واپس لینے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص دوبارہ زندہ ہو گیا تو وہ اپنی جائداد واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی شخص دوبارہ زندہ ہو جائے تو جو جائداد ورثاء کے پاس باقی ہے وہ اس کو ملجائیگی اور جو باقی نہیں ہے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

لكن لو عاد حيًا بعد الحكم بموت أقرانه قال ط: الظاهر أنه كالميت إذا حيي والمرتد إذا أسلم، فالباقي في يد ورثته له ولا يطالب بما ذهب.

(شامي: ٤/٢٩٧ كتاب المفقود، سعيد۔ وكذا في الطحطاوي على الدر المختار: ١/١٧٤، كوئته۔ والبزازية على هامش الهندية: ٦/٢٢٥)

شامی میں دوسری جگہ مذکور ہے:

قال ح: كأنه نظير الميت إذا أحياه الله تعالىٰ فإنه يأخذ ما بقي من ماله في أيدي ورثته فيعطى له حكم الأحياء. والله اعلم. (شامي: ١/٣٦١، مطلب لو ردت الشمس بعد غروبها، سعيد)

موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر بیوی کا حکم:

سوال: اگر کسی کی موت کا فیصلہ کیا گیا اور اس کی بیوی نے دوسری جگہ نکاح کیا تو اس کے واپس آنے کے بعد بیوی اس کو ملے گی یا موجودہ شوہر کے نکاح میں رہے گی؟

الجواب: بعض فقہی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی اس کو واپس نہیں ملے گی زوجِ ثانی کے پاس رہے گی۔

لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی کو ملے گی اور عقل کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اصلاً اس کی بیوی ہے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

فإن عاد زوجها بعد مضی المدة فهو أحق بها وإن تزوجت فلاسبيل له عليها.

(الفتاوى الهندية ٢/ ٣٠٠، كتاب المفقود)

شامی میں ہے:

لكن لو عاد حيًا بعد الحكم بموت أقرانه ...... ثم بعد رقمه رأيت المرحوم أباالسعود نقله عن الشيخ شاهين ونقل أن زوجته له والأولاد للثاني، تأمل. والله اعلم.

(شامی: ٤/ ٢٩٧، كتاب المفقود، سعيد كمپنی)

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے:

سوال: کیا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا دنیا میں ممکن ہے یا نہیں؟ قادیانی اس کو ناممکن بتلاتے ہیں، اس مسئلہ میں ان کے استدلال کی کیا حقیقت ہے؟ اور صحیح مذہب کیا ہے؟

الجواب: حضرت مولانا حبیب احمد کیرانوی صاحب نے حل القرآن میں اچھی تحقیق فرمائی ہے چنانچہ آیتِ کریمہ ﴿ثم بعثناكم من بعد موتكم لعلكم تشكرون﴾ سورة البقرة: الآية: کے تحت فرماتے ہیں ملاحظہ ہو:

اس مقام پر سمجھنا چاہئے کہ موت وحیات دونوں کی دو، دو قسمیں ہیں: ایک اصلی دوسری عارضی، موتِ اصلی وہ ہے جس سے مقصود تکالیفِ شرعیہ کا ختم کرنا ہو، اور موتِ عارضی وہ ہے جس سے تکالیفِ شرعیہ کے ختم کرنے کے علاوہ کوئی اور مطلوب ہو، جیسے تنبیہ یا اظہارِ قدرت وغیرہ، اسی طرح حیاتِ اصلی وہ ہے جس سے مقصود تکالیفِ شرعیہ ہوں، اور حیاتِ عارضی وہ ہے جس سے علاوہ تکالیفِ شرعیہ کے امر آخر مطلوب ہے، جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ موتِ اصلی کے بعد حیاتِ اصلی نہیں ہو سکتی، ہاں حیاتِ عارضی ممکن ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے معجزوں سے مردے زندہ ہوتے تھے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت کا ثبوت مطلوب تھا، اور عمل کے لئے ان کو دنیا میں دوبارہ بھیجنا منظور نہ تھا، اسی لئے وہ پھر فوراً مر جاتے تھے...... اور موتِ عارضی کے بعد حیاتِ اصلی بھی ممکن ہے جیسا کہ آیاتِ زیرِ بحث میں اور دوسری آیات میں مذکور ہے، پس اس تقریر پر تمام آیتیں منطبق ہو گئیں، اور کسی آیت میں اس تحریف کی ضرورت نہ رہی جو قادیانی لوگ اپنی اباطیل کی ترویج کے لئے

کرتے ہیں، اور معلوم ہوگیا کہ ﴿وحرام علی قرية أهلكناها أنهم لا يرجعون﴾ کے معنیٰ یہ نہیں ہے کہ جس کو ہم مار چکے ہیں، اسے ہم کبھی زندہ نہ کریں گے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی میعاد دنیا میں ختم ہو چکی ہے وہ دنیا میں دوبارہ عمل کے لئے واپس نہ ہوں گے۔ (حل القرآن:۱/۴۴)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (حل القرآن:۱/۱۲۳-۱۲۴)

نیز اس موضوع پر علامہ ابن ابی الدنیا نے مستقل رسالہ "من عاش بعد الموت" تحریر فرمایا ہے، جس میں مرنے کے بعد زندہ ہونے کے کچھ واقعات بھی نقل فرمائے ہیں۔

ان میں چند ملاحظہ فرمائیں:

(۱) أخرج بسنده عن ثابت البناني، عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: عدت شابًا من الأنصار فما كان بأسرع من أن مات، فأغمضناه ومددنا عليه الثوب فقال بعضنا لأمه: احتسبيه، قالت: وقد مات؟ قلنا: نعم، قالت: أحق ما تقولون؟ قلنا: نعم، فمدت يديها إلى السماء، وقالت: اللّٰهم إني آمنت بك وهاجرت إلى رسولك فإذا أنزلت بي شدة شديدة دعوتك، ففرجتها، فاسئلك اللّٰهم لا تحمل على هذه المصيبة اليوم قال: فكشف الثوب عن وجهه فما برحنا أكلنا وأكل معنا. (من عاش بعد الموت: ص ۲)

(۲) وقصة زيد بن خارجة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: وهي أنه توفي بين الظهر والعصر ثم تكلم بعد المغرب، وقال: كلمات في شأن النبي صلی اللہ علیہ وسلم وأبي بكر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأوصى الناس بالخير. (من عاش بعد الموت:ص:۴)

(۳) عن ربعي بن حراش رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كنا إخوة ثلاثة وكان أعبدنا وأصومنا وأفضلنا الأوسط منا، فغبت غيبة إلى السواد، ثم قدمت على أهلي، فقالوا: أدرك أخاك فإنه في الموت، فخرجت أسعى إليه فانتهيت وقد قضى وسجي بثوب، فقعدت عند رأسه أبكيه قال: فرفع يده، فكشف الثوب عن وجهه، وقال: السلام عليكم، قلت: أي أخي أحياة بعد الموت؟ قال: نعم، إلى لقيت ربي عزوجل فلقيني بروح وريحان ورب غير غضبان ...... فعجلوا جهازي، ثم طفئ فكان أسرع من حصاة لو القيت في الماء ...... فبلغ ذلك عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فصدقته، وقالت: كنا نسمع أن رجلاً من هذه الأمة سيتكلم بعد موته. (من عاش بعد الموت:ص:۹)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: واللہ اعلم۔

(رسالة "من عاش بعد الموت" لابن أبي الدنيا، ص ۲-۵۶، موقع جامع الحديث)

میت کی تجہیز وتکفین کسی کمپنی سے کرانے کا حکم:

سوال: ایک شخص ایک کمپنی میں ملازم ہے اس کمپنی میں تجہیز وتکفین کی پولسی (policy) ہے، یعنی جب اس کا یا اس کے اہل وعیال میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تو وہ کمپنی اپنی طرف سے تجہیز وتکفین کا خرچہ دیتی ہے تو اس کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں تجہیز وتکفین کی پولسی (policy) پر جو رقم ملتی ہے وہ حکومت یا کمپنی کی طرف سے عطیہ اور ایک قسم کا تعاون ہے لہذا اس کا وصول کرنا اور استعمال کرنا درست ہے جس طرح پراویڈنٹ فنڈ بونس اور پینشن وغیرہ کی رقم لینا شرعاً درست ہے۔

ملاحظہ ہو کفایت المفتی میں ہے:

جو رقم تنخواہ سے لازمی طور پر کاٹ لی جاتی ہے اور جو رقم کہ بونس کے نام سے بڑھائی جاتی ہے اور جو رقم کہ ان دونوں رقموں پر سود کے نام سے لگائی جاتی ہے ان تینوں رقموں کو لے لینا مسلم ملازمین یا ان کے ورثاء کے لئے جائز ہے...... بونس تو عطیہ ہی ہے مگر وہ رقم جو سود کے نام سے لگائی جاتی ہے شرعاً سود کی حد میں داخل نہیں وہ بھی عطیہ ہی کا حکم رکھتی ہے۔ (کفایت المفتی: ۸/۹۶، کتاب الربوا، دار الاشاعت)

دوسری جگہ مرقوم ہے:

پینشن جو ملازم کو ملازمت سے سبکدوشی پر ملتی ہے جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

(کفایت المفتی: ۸/۹۷، کتاب الربوا، دار الاشاعت)



فصلِ دوم

میت کوغسل دینے کا بیان

میت کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے تو غسل کا حکم:

سوال: اگر میت قابلِ غسل نہیں مثلاً میت کا جسم ریزہ ریزہ ہو رہا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: میت اگر غسل کے قابل نہیں ہے تو اس پر پانی بہادینا کافی ہے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو فقط تیمّم کرادیا جائے۔

ملاحظہ ہو فتاوی ہندیہ میں ہے:

ولو كان الميت متفسخًا يتعذر مسحه كفى صب الماء عليه.

(الفتاوى الهندية:الفصل الثاني في غسل الميت:١/١٥٨)

البحرالرائق میں ہے:

فأما الخنثى المشكل المراهق إذا ماتت ففيه اختلاف والظاهر أنه ييمم وإذا ماتت المرأة في السفر بين الرجال ييممها ذو رحم محرم منها وإن لم يكن لف الأجنبي على يديه خرقة ثم ييممها وإن كانت أمة ييممها الأجنبي بغير ثوب وكذا إذا مات رجل بين النساء تيممه ذات رحم محرم منه أو زوجته أو أمته بغير ثوب وغيرهن بثوب. والله اعلم.

(البحر الرائق:٢/١٧٤)

نجاست سے کفن ملوث ہو جائے تو دھونے کا حکم:

سوال: میت کو غسل دیا گیا بعد میں اس کے بدن سے خون بہنے لگا تو کفن بدلنے کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

الجواب: غسل دینے کے بعد کفن بھی پہنا دیا گیا پھر کوئی نجاست نکلے اور کفن ملوث ہو جائے تو کفن بدلنا اور دھونا ضروری نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

قوله ولم يعد غسله لأن الغسل عرفناه بالنص وقد حصل مرة وكذا لا تجب إعادة وضوءه لأن الخارج منه من قبل أو دبر أو غيره هما ليس بحدث لأن الموت حدث كالخارج فلما لم يؤثر الموت في الوضوء وهو موجود لم يؤثر الخارج. (البحر الرائق:۲/۱۷۳،الماجدية)

فتاوی درمختار میں ہے:

ولا يعاد غسله ولا وضوءه بالخارج منه لأن غسله ما وجب لرفع الحدث لبقائه بالموت بل لتنجسه بالموت كسائر الحيوانات الدموية إلا أن المسلم يطهر بالغسل كرامة له وقد حصل، بحر وشرح ومجمع. والله اعلم. (الدر المختار مع الشامي:۲/۱۹۷،سعيد)

مسلمان میت کو غیر مسلم کا غسل دینا:

سوال: میت مسلمان عورت ہے تو غیر مسلم عورت غسل دے تو کیا حکم ہے؟ نیز اگر مسلمان مرد کو غیر مسلم مرد غسل دے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: مسلمان شخص کی موجودگی میں کسی کافر نے غسل دیا تو مکروہ ہے لیکن اگر کوئی مسلمان موجود نہیں ہے اور کافر غسل دے تو درست ہے البتہ خلافِ سنت ہوگا، اور بظاہر مرد اور عورت کے درمیان فرق نہیں ہے مگر یہ کہ میت مسلمان مرد ہے اور صرف عورتیں ہیں تو وہ مسلمان عورتیں کسی کافر کو غسل سکھلا دیں پھر وہ کافر مسلمان کو غسل دے۔ لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف.

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

وليس للكافر غسل قريبه المسلم وفي الشامي: أي إذا لم يكن للمسلم قريب مسلم بين نساء معهن كافر يعلمنه الغسل ثم يصلين عليه فتغسل الكافر المسلم فيه للضرورة فلا يدل على أنه يمكن من تجهيز قريبه المسلم عند عدمها خلافا للزيلعي رحمه الله تعالى، أفاده في البحر.

(الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۳۱، سعيد۔ وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۳۷۹۔ والبحر الرائق: ۲/۱۹۱۔ والفتاوى الهندية: ۱/۱۵۹)

بدائع الصنائع میں ہے:

ولو لم يكن فيهن امرأته ولكن معهن رجل كافر علمنه غسل الميت ويخلين بينهما موافقة في الدين. (بدائع الصنائع:۱/۳۰۴،سعيد)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل، غسل کے حکم میں تو آتا ہے اس لئے کہ غسل دینے والے کا مکلف ہونا شرط نہیں ہے۔ وأنه يسقط وإن لم يكن الغاسل مكلفًا. (شامی: ۱/۸۰۵) مگر اس میں دو خرابیاں ہیں:

(۱) غیر مسلم کے ہاتھوں دیا گیا غسل مطابقِ سنت نہیں ہے۔

(۲) مسلم کی تجہیز و تکفین مسلمانوں پر لازم ہے اس کی ذمہ داری ان پر رہ جاتی ہے لہٰذا مسلمانوں کے ہاتھوں مسنون طریقہ کے مطابق دیا جانا ضروری ہے چاہے وہ ہسپتال میں ہو یا گھر میں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی رحیمیه: ۱/۳۷۳)

میت بغیر غسل کے دفن کیا گیا تو غسل کا حکم:

سوال: اگر میت بغیر غسل دئے دفن کیا گیا تو دوسرے دن اس کو نکال سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں دفن کرنے کے بعد فریضہ غسل ساقط ہوگیا لہٰذا مردہ کو زمین سے نہیں نکالا جائے گا۔

ملاحظہ ہو الجوہرۃ النیرۃ میں ہے:

ولو دفنوه بعد الصلاة عليه ثم ذكروا أنهم لم يغسلوه فإن لم يهيلوا عليه التراب أخرجوه وغسلوه وصلوا عليه ثانيًا وإن أهالوا عليه التراب لم يخرجوه ويعيدون الصلاة عليه ثانيًا على القبر استحسانًا لأن تلك الصلاة لم يعتد بها لترك الطهارة مع الإمكان والآن زال الإمكان وسقطت فريضة الغسل. (الجوهرة النيرة: ۱/۱۲۹، مکتبه امدادیه)

البحر الرائق میں ہے:

فلو دفن بلا غسل ولم يمكن إخراجه إلا بالنبش صلى على قبره بلا غسل للضرورة بخلاف ما إذا لم يهل عليه التراب بعد فإنه يخرج ويغسل ولو صلى عليه بلا غسل جهلًا مثلًا ولا يخرج إلا بالنبش تعاد لفساد الأولى. (البحر الرائق: ۲/۱۷۹، ۱۹۵، الماجدية)

فتاوی بزازیہ میں ہے:

دفن بغير كفن أو قبل غسل أهيل عليه التراب أو لا لا ينبش لأن الكفن والغسل مامور والنبش منهي والنهي راجح على الأمر.

(الفتاوی البزازية على هامش الهندية: ۴/۸۰۔ و كذا في الهندية: ۱/۱۶۳)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

بے غسل وکفن اگر دفن ہو گیا تو نکالا نہ جائے ویسے ہی قبر پر نماز پڑھ لے۔ واللہ اعلم۔

(امدادالفتاوی: ۱/۴۸۶)

میت کو غسل دیتے وقت لٹانے کا طریقہ:

سوال: جب مسلمان مر جائے تو غسل دیتے وقت لٹانے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: اس مسئلہ میں احناف کے ہاں تین اقوال ہیں اور راجح یہ ہے کہ جس طرف لٹانے میں سہولت وآسانی ہو اس کو اختیار کیا جائے۔

ملاحظہ ہو حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

ویوضع المیت کیف ما اتفق علی الأصح قاله شمس الأئمة السرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ، وقیل: إلی القبلة فتکون رجلاه إلیها کالمریض إذا أراد الصلاة إیمًاء. وفی القهستانی عن المحیط وغیره أنه السنة. (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص ۵۶۷، قدیمی کتب خانہ)

درمختار میں ہے:

ویوضع کما مات کما تیسر فی الأصح علی سریر مجمروترًا. وفی الشامی: قوله فی الأصح، وقیل یوضع إلی القبلة طویلاً وقیل: عرضًا کما فی قبره. والله اعلم.

(الدرالمختار مع الشامی: ۲/۱۹۵، باب صلاۃ الجنائز، سعید کمپنی۔ وشرح عنایۃ: ۱/۷۰)

خنثی مشکل کو غسل دینے کا حکم:

سوال: خنثی مشکل کو غسل کیسے دیا جائے گا؟

الجواب: خنثی مشکل اگر مراہق ہو تو غسل نہ دیا جائے بلکہ تیمّم کرا دیا جائے اور اگر مراہق نہ ہو بلکہ چھوٹا بچہ ہو تو پھر مرد وعورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو مراقی الفلاح میں ہے:

وكذا الخنثى المشكل ييمم في ظاهر الرواية وقيل يجعل في قميص لايمنع وصول الماء إليه ويجوز للرجل والمرأة تغسيل صبي وصبية لم يشتهيالأنه ليس لأعضائهما حكم العورة.

(مراقی الفلاح ص ۲۱۱، باب احکام الجنائز، مکۃ المکرمۃ۔ و کذافی الشامی: ۲/۲۰۱، سعید)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

والخنثى المشكل المراهق لايغسل رجلاً ولا امرأةً ولايغسلها رجل ولاامرأة وييمم وراء الثوب. واللہ اعلم. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۰، الفصل الثاني في الغسل)



فصلِ سوم

نمازِ جنازہ کا بیان

مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم:

سوال: مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جو مسجد نمازِ پنجگانہ کے لئے بنائی گئی ہو اس میں نمازِ جنازہ پڑھنا مکروہ ہے، نیز ظاہر الروایۃ کے مطابق اگر میت مسجد سے باہر ہو تو بھی مسجد میں جنازہ پڑھنا مکروہ ہے اور اسی پر فتوی ہے، ہاں ضرورت ہو تو گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم: "من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شیء له".

(رواه ابو داؤد: ۹۸/۲، باب الصلاة علی الجنازة فی المسجد، سعید۔ والبیهقی فی سننه الکبری: ۵۲/٤۔ وابن ابی شیبة: ۲٤۲/۳۔ وعبدالرزاق: ۶۵۷۹/۵۲۷/۳)

ہدایہ میں ہے:

ولایصلی علی میت فی مسجدجماعة لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "من صلی علی جنازة فی المسجد فلا أجر له" ولأنه بنی لأداء المکتوبات ولأنه یحتمل تلویث المسجد وفیما إذا کان المیت خارج المسجد اختلف المشایخ.

(الهدایة: ۱۸۱/۱، فصل فی الصلاة علی المیت، شرکت علمیة)

فتح القدیر میں ہے:

ولایصلی علی میت فی مسجدجماعة فی الخلاصة: مکروه سواء کان المیت والقوم فی المسجد أو کان المیت خارج المسجد والقوم فی المسجد. واللہ اعلم.

(فتح القدیر: ۱۲۸/۲، دار الفکر۔ وکذا فی الشامی: ۲۲٤/۲، سعید۔ والبحر الرائق: ۱۸۶/۲، کوئٹه)

نمازِ جنازہ کا حقدار:

سوال: نمازِ جنازہ کا حقدار کون ہے؟

الجواب: شرعی خلیفہ اور قاضی نہ ہونے کی صورت میں محلّہ کا امام زیادہ حقدار ہے اور امام نہ ہو یا اجازت دے تو ولی حقدار ہوگا۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ذکر الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ عن أبی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ: أن الإمام الأعظم وهو الخليفة أولىٰ إن حضر وإن لم يحضر فإمام المصر فإن لم يحضر فالقاضی فإن لم يحضر فصاحب الشرط فإن لم يحضر فإمام الحی فإن لم يحضر فالأقرب من ذوی قرابته وبهذه الرواية أخذ كثير من مشايخنا رحمہم اللہ تعالیٰ. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۶۳، الفصل الخامس فی الصلاة على الميت)

مراقی الفلاح میں ہے:

ويقدم الأقرب فالأقرب كترتيبهم فی النكاح ولكن يقدم الأب على الابن فی قول الكل على الصحيح لفضله وقال شيخ مشايخی العلامة نور الدين علی المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ: لتقديم الأب وجه حسن وهو أن المقصود الدعاء للميت ودعوته مستجابة روى أبو هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "ثلاث دعوات مستجابات دعوة المظلوم ودعوة المسافر ودعوة الوالد لولده". واللہ اعلم.

رواه الطيالسی فی مسنده برقم: ۲۵۱۷۔ وابن ماجة فی الدعاء برقم ۳۸۶۲۔ (مراقی الفلاح مع الحاشية: ص ۲۱۵، باب احكام الجنائز، مكة المكرمة۔ وكذا فی الشامی: ۲/۲۲۰۔ سعيد)

تکثیرِ جماعت کے لئے نمازِ جنازہ کو مؤخر کرنے کا حکم:

سوال: تکثیر جماعت کے لئے نمازِ جنازہ کو مؤخر کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: نمازِ جنازہ میں تعجیل مطلوب ومقصود ہے لہٰذا محض تکثیر جماعت کے لئے مؤخر کرنا مکروہ تنزیہی ہوگا۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

وكره تأخير صلاته ودفنه ليصلی عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة فالأفضل أن يعجل

بتجهيزه بتمامه من حين يموت بحر، وظاهره أن الكراهة تنزيهية. والله اعلم.

(حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۳۸۰، كوئٹه۔ والبحرالرائق: ۲/۱۹۱، كوئٹه۔ والشامي: ۲/۲۳۲، مطلب في حمل الميت، سعيد)

خنثیٰ مشکل کی نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال: خنثیٰ مشکل کی نمازِ جنازہ کیسے پڑھی جائے، یعنی مذکر کی طرح یا مؤنث کی طرح؟

الجواب: خنثیٰ مشکل اگر جوان ہوتو عام طور پر نمازِ جنازہ جس طرح پڑھی جاتی ہے اسی طرح پڑھی جائے کیونکہ مرد وعورت کی نمازِ جنازہ میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اگر بچہ ہوتو دونوں میں اختیار ہے، اگر مذکر کی دعاء پڑھی تو ضمیر میت کی طرف راجع ہوگی اور اگر مؤنث کی پڑھی تو بتاویل نفس ہوکر نفس کی طرف راجع ہوگی۔

ملاحظہ ہو امداد الفتاح میں ہے:

وسننها أربع: الأولى قيام الإمام بحذاء صدر الميت ذكراً كان الميت أو أنثى لأن الصدر موضع القلب، وفيه نور الإيمان ...... والرابعة من السنن الدعاء للميت ولنفسه ولأبويه ولجماعة المسلمين بعدالتكبيرة الثالثة، ولايتعين له أي: الدعاء، شيء سوى كونه بأمور الآخرة ولكن إن دعا بالمأثورعن النبي ﷺ فهو حسن وأبلغ لرجاء قبوله ...... وفي حديث إبراهيم الأشهل عن أبيه كان رسول الله ﷺ إذا صلى على الجنازة قال: "اللّٰهمّ اغفر لحيّنا وميّتنا، وشاهدنا وغائبنا، وصغيرنا وكبيرنا، وذكرنا وأنثانا". رواه الترمذي والنسائي عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، وزادفيه: "اللّٰهمّ من أحييته منا فأحيه على الإسلام ومن توفيته منا فتوفه على الإيمان".

(امدادالفتاح: ص۶۱۸، سنن الصلاة مطلب سنن الجنازة، بيروت)

مزید ملاحظہ ہو: (مراقي الفلاح: ص۲۱٤، مكة المكرمة۔ وعمدة الفقه: كتاب الصلاة حصه دوم ص۵۱۹، نمازجنازه كا مفصل طريقه، المجددية)۔ **واللہ اعلم۔**

نمازِ جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا استحباب:

سوال: نمازِ جنازہ کی صفوف میں طاق عدد کا خیال رکھنا مستحب ہے تو کیا طاق عدد کی رعایت کرتے ہوئے اگلی صف کو ناقص چھوڑ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: احادیث اور کتب فقہ سے ۳ عدد کا استحباب واہتمام ثابت ہوتا ہے اگر چہ لوگ کم ہوں تین صفوف بنالی جائے، اور اگر لوگ زیادہ ہیں تو ۵، ۷ وغیرہ طاق عدد میں بنالی جائے، اور اگر ۴ صف بنتی ہو تو چوتھی کو ناقص رکھ کر پانچویں نہ بنائے کیونکہ استحباب وفضیلت تین میں حاصل ہوگئی۔

ملاحظہ ہو ترمذی شریف میں ہے:

عن مرثد بن عبد الله اليزني قال كا ن مالك بن هبيرة إذا صلى على جنازة فتقالّ الناس عليها جزاهم ثلاثة أجزاء ثم قال: قال رسول الله ﷺ من صلى عليه ثلاثة صفوف فقد أوجب، وفي الباب عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا وأم حبيبة رضی اللہ تعالیٰ عنہا وأبي هريرة ﷺ وميمونة رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوج النبي ﷺ.

(رواه الترمذي: ١/ ٢٠٠، باب كيف الصلاة على الميت والشفاعة له، فيصل)

مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا عن النبي ﷺ قال: ما من ميت تصلى عليه أمة من المسلمين يبلغون مأة كلهم يشفعون له إلا شفعوا فيه، كذا عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ.

(رواه مسلم: ١/ ٣٠٨، فيصل)

قال النووي رحمہ اللہ تعالیٰ: ويحتمل أن يكون النبي ﷺ أخبر بقبول شفاعة مأة فأخبر به ثم بقبول شفاعة أربعين ثم ثلا ثة صفوف وإن قل عددهم. (شرح المسلم: ١/ ٣٠٨، فيصل)

ابوداؤد شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت النبي ﷺ يقول ما من مسلم يموت فيقوم على جنازة أربعون رجلاً لايشركون بالله شيئًا إلا شفعوا فيه.

(رواه ابو داؤد: ٢/ ٤٥٢، باب فضل الصلاة على الجنائز وتشييعها، فيصل)

عون المعبود میں ہے:

والحديث عند أحمد ومسلم أيضًا وتقدم حديث مالك بن هبيرة مرفوعًا بلفظ "مامن ميت يموت فيصلي عليه ثلاثة صفوف من المسلمين" الحديث ثم ذكر كلام النووي.

(عون المعبود: ٨/ ٤٥٢)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

إذا كان القوم سبعة قاموا ثلثة صفوف يتقدم واحد وثلاثة بعده، واثنان بعدهم وواحد

بعدهما كذا في التاتار خانية. (فتاوى الهندية: ١٦٤/١، الفصل الخامس في الصلاة على الجنائز)

شامی میں ہے:

ولهذا قال في المحيط: يستحب أن يصف ثلاثة صفوف، حتى لو كانوا سبعة يتقدم أحدهم للإمامة ويصف وراءه ثلاثة ثم اثنان ثم واحد. (شامي: ٢١٤/٢، سعيد)

النّتف فی الفتاوی میں ہے:

فأما القوم إذا قاموا على الجنازة ينبغي أن يقوموا ثلاثة صفوف وإن قلوا لأن ذلك أفضل، وقد جاءت الآثار بذلك. (النّتف في الفتاوى: ص ٨٢، مطلب الصلاة على الجنازة)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

ويستحب أن يصفوا ثلاثة صفوف، ذكره في المحيط لقوله عليه السلام: "من صلى عليه ثلاثة صفوف غفر له". رواه أبوداؤد والترمذي والحاكم وقال صحيح على شرط مسلم۔

(شرح منية المصلي: ٥٨٨، سهيل۔ وكذا في الفقه الحنفي وأدلته: ٣٠٩/١، دار الفكر)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

نمازِ جنازہ میں طاق عدد کی صفوں کا لحاظ رکھا جائے یہی شرعاً مستحب ہے اس طاق عدد سے نابالغوں کی صف کو بھی شمار کیا جائے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوى محموديه: ٥٩٨/٨، مبوب و مرتب، جامعه فاروقيه)

شراب پینے والے کی نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص شراب پیتا ہے تو کیا اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور شراب پینے والے کو کافر کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے پس بے نمازی، شرابی، سب کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، ہاں علماء مقتداء وغیرہ شرکت نہ کریں عبرت کے لئے تو مضائقہ نہیں نیز محض شراب پینے کی وجہ سے کسی کو کافر کہنا درست نہیں، الا یہ کہ شراب کو حلال سمجھے۔

کنز العمال میں ہے:

قال النبي ﷺ صلوا خلف كل بر وفاجر وصلوا على كل بر وفاجر. والله اعلم.

(كنز العمال: ٥٤/٦)

نمازِ جنازہ میں عورت کی امامت کا حکم:

سوال: کیا عورت نمازِ جنازہ پڑھا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عام حالات میں عورتوں کو جنازہ میں نہیں جانا چاہئے، البتہ اگر کوئی مرد موجود نہ ہو تو عورت نمازِ جنازہ پڑھا سکتی ہے اور امامت کے وقت عورتوں کے درمیان کھڑی رہے۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

وإذا صلين النساء جماعة على جنازة قامت الإمامة وسطهن كما في الصلاة المفروضة المعهودة. والله اعلم. (بدائع الصنائع:۱/۳۱٤،سعید)

نمازِ جنازہ میں امام کا سینہ کے مقابل کھڑا ہونا:

سوال: نمازِ جنازہ میں امام میت کے سینہ کے پاس کھڑا رہے مذہبِ احناف میں اس کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، شعبی، عطاء، ابراہیم نخعی، حسن بصری، ابن جریج وغیرہ سب سے عند الصدر مروی ہے تو احناف نے ان روایات کے پیشِ نظر سینہ کے پاس قیام کو اصل وافضل قرار دیا اور سر یا پشت کے برابر کھڑے ہونے کو جواز پر محمول کیا۔

الاستذکار میں ہے:

عن أنس صلى الله عليه وسلم أنه أتي جنازة رجل فقام عند رأس السرير وأتي جنازة امرأة فقام أسفل من ذلك عند الصدر فقال العلاء بن زياد يا أبا حمزة هكذا رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يصنع؟ قال: نعم فأقبل عليه العلاء فقال: احفظوا. (رقم الحديث:۱۱٤٦٨)

وقال الشعبي: يقوم الذي يصلي على الجنازة عند صدرها. (رقم الحديث:۱۱٤٧١)

وعن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه وعطاء بن إبراهيم: يقوم الذي يصلي على الجنازة عند صدرها ولم يفرقوا بين الرجل والمرأة. (الاستذكار لابن عبد البر: ۸/۲۸۰/۱۱٤٧٤)

شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی میں ہے:

لما روى عن غالب الخياط قال شهدت أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه صلى على جنازة فقام عند رأسه فلما رفعت أتي بجنازة امرأة فصلى عليها فقام وسطها وفينا العلاء ابن زياد العدوى فلما رأى اختلاف قيامه على الرجل والمرأة فقال ياأبا حمزة هكذا كان رسول الله رضي الله تعالى عنه

يقوم من الرجل حيث قمت ومن المرأة حيث قمت؟ قال نعم. رواه أحمد وأبو داود والترمذي وحسنه وابن ماجة وفي لفظ رواه أحمد: قال أبو غالب صليت خلف أنس رضي الله تعالى عنه على جنازة فقام حيال صدره، وذكر الحديث. (رقم الحديث: ١٠٨٦)

وفي الصحيحين عن سمرة بن جندب رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى على امرأة ماتت في نفاسها فقام وسطها ونقل عنه حرب رأيته قام عند صدر المرأة......

(شرح الزركشي على مختصر الخرقي: ٢/٣٢٩/١٠٨٧)

مصنف عبد الرزاق میں ہے:

عبد الرزاق عن الثوري عن مغيرة عن إبراهيم قال: يقوم الإمام عند صدر الرجل و منكب المرأة. (رقم الحديث: ٦٣٥١)

عبد الرزاق عن معمر عن مغيرة عن إبراهيم قال: يقوم الإمام عند صدر الرجل ومنكب المرأة. (رقم الحديث: ٦٣٥٢)

عبد الرزاق عن ابن جريج قال: حدثني من أصدق عن الحسن أنه قال يقوم الرجل من المرأة إذا صلى عليها عند صدرها. (مصنف عبد الرزاق: ٣/٤٦٨/٦٣٥٤، ادارة القرآن)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن الحسن قال يقام من المرأة حيال ثديها و من الرجل فوق ذلك. وعن أبي الحسن قال: كان عبد الله إذا صلى على الجنازة قام وسطها ويرفع من صدر المرأة شيئًا. وعن عطاء قال: إذا صلى الرجل على الجنازة قام عند الصدر. وعن إبراهيم قال: يقوم الذي يصلي على الجنازة عند صدرها. والله اعلم.

(المصنف لابن أبي شيبة: ٣/٣١٣، في المرأة اين يقام منها في الصلاة والرجل اين يقام منه، ادارة القرآن)

ائمہ اربعہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ کا حکم:

سوال: ائمہ اربعہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ کی کیا تفصیل ہے؟ کیونکہ مختلف ممالک کے مسلمان یہاں رہتے ہیں تو رشتہ دار کی موت پر نماز کے لئے ہمیں کہا جاتا ہے، اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔

الجواب: شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، البتہ احناف اور مالکیہ کے نزدیک غائبانہ نمازِ جنازہ جائز نہیں ہے، لہٰذا کسی حنفی کو نمازِ جنازہ پڑھانا درست نہیں بہتر یہ ہے کہ لوگوں کو

سمجھا جائے اور ان میں سے ہی ایک شخص امامت کرائے ہاں اگر کوئی حنفی مجبوری کی صورت میں دعا کی نیت سے اقتداء کرے تو درست ہے۔

ملاحظہ ہو الفقہ الاسلامی میں ہے:

رأى الحنفية والمالكية: عدم جواز الصلاة على الغائب، وصلاة النبى ﷺ على النجاشى لغوية أوخصوصية، وتكون الصلاة حينئذٍ مكروهة. ورأى الشافعية الحنابلة: جواز الصلاة على الميت الغائب عن البلد وإن قربت المسافة ولم يكن فى جهة القبلة لكن المصلى يستقبل القبلة لما روى جابر رضي الله تعالى عنه: "أن النبى ﷺ صلى على أصحمة النجاشى، فكبر أربعًا" وتتوقف الصلاة على الغائب عند الحنابلة بشهر كالصلاة على القبر لأنه لايعلم بقائه من غير تلاش أكثر من ذلك.

(الفقه الاسلامى وادلته: ٢/٤٠٥، الصلاة على الغائب، دار الفكر)

مذہبِ حنفیہ:

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

فلا تصح على غائب ..... وصلاة النبى ﷺ على النجاشى لغوية أوخصوصية. وفى الشامى: أو لأنه رفع سريره حتى رآه عليه الصلاة والسلام بحضرته فتكون صلاة من خلفه على ميت يراه الإمام وبحضرته دون المأمومين، وهذا غير مانع من الاقتداء، فتح.

(الدر المختار مع الشامى: ٢/٢٠٩، باب صلاة الجنازة، سعيد۔ وكذافى الفتاوى الهندية: ١/١٦٤)

مزید ملاحظہ ہو: (احسن الفتاوی ۴/۲۰۰۔ وفتاوی رحیمیہ ۶/۲۷۲)۔

مذہبِ مالکیہ:

ملاحظہ ہو حاشیۃ الدسوقی میں ہے:

ولايصلى على غائب أى يكره وأما صلاته عليه الصلاة والسلام وهو بالمدينة على النجاشى لمابلغ موته بالحبشة فذلك من خصوصياته، أو أن صلاته لم تكن على غائب لرفعه له ﷺ حتى رآه فتكون صلاته عليه كصلاة الإمام على ميت رآه ولم يكن يره المأمومون ولاخلاف فى جوازها. (حاشية الدسوقى: ١/٦٦٩، احكام الجنائز، دار الفكر)

مذہبِ شافعیہ:

شرح المہذب میں ہے:

تجوز الصلاه على الميت الغائب لماروى أبوهريرة رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نعى النجاشي لأصحابه وهوبالمدينة وصلى عليه وصلوا خلفه وإن كان الميت معه في البلد لم يجز إن صلى عليه حتى يحضر عنده لأنه يمكنه الحضور من غير مشقة.

(شرح المهذب: ٥/ ٢٥٠، دار الفكر)

مذہبِ حنابلہ:

شرح کبیر میں ہے:

(مسئلة: ويصلى على الغائب بالنية فإن كان في أحد جانبي البلد لم تصح عليه بالنية في أصح الوجهين) تجوز الصلاة على الغائب في بلد آخر بالنية بعيدًا كان البلد أو قريبًا، فيستقبل القبلة ويصلي عليه كصلاته على الحاضر. والله اعلم.

(الشرح الكبير: ٢/ ٣٥٤، دار الكتب العلمية)۔

متعدد اموات پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا طریقہ:

سوال: اگر متعدد جنازے اکھٹے پڑھادئے جائیں اوران میں مرد وعورت اور بچے شامل ہوں تو ان کو امام کے سامنے کس طرح رکھنا چاہئے؟

الجواب: افضل یہ ہے کہ ہرایک پر علیحدہ نماز پڑھی جائے لیکن سب پر ایک ساتھ بھی جائز ہے، اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) ایک یہ ہے کہ ایک میت امام کے سامنے رکھی جائے، اس کے پاؤں کی طرف دوسری کا سر اوراسکے پاؤں کی طرف تیسری کا سر (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جو میت امام کے سامنے ہے اس سے قبلہ کی طرف دوسری اور اس سے قبلہ کی طرف تیسری، سب کا سینہ امام کے سامنے ہو، (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ پہلی میت کے قبلہ کی طرف دوسری میت اس طرح رکھی جائے کہ پہلی کے کندھوں کے برابر دوسری کا سر ہو اسی طرح دوسری کے کندھوں کے برابر تیسری کا سر ہو، تینوں صورتوں میں امام کے قریب مرد کی میت ہو پھر لڑکا پھر عورت۔

(احسن الفتاوی: ٤/ ٢٠٨ ـ وعمدة الفقه: كتاب الصلاة حصه دوم: ص ٥٢٣، المجددية)

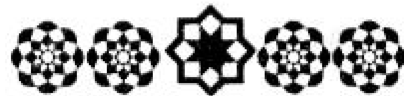
فتاوی رحیمیہ میں ہے:

پہلی صورت: سب جنازوں کی شمالاً جنوباً قطار بنائی جائے اولاً مرد کا جنازہ رکھیں، اس کی پائنتی پر نابالغ بچہ کا جنازہ اوراس کی پائنتی پرعورت کا جنازہ اوراس کی پائنتی پر ناپالغ بچی کا جنازہ اور امام سب سے افضل کے پاس کھڑا ہو

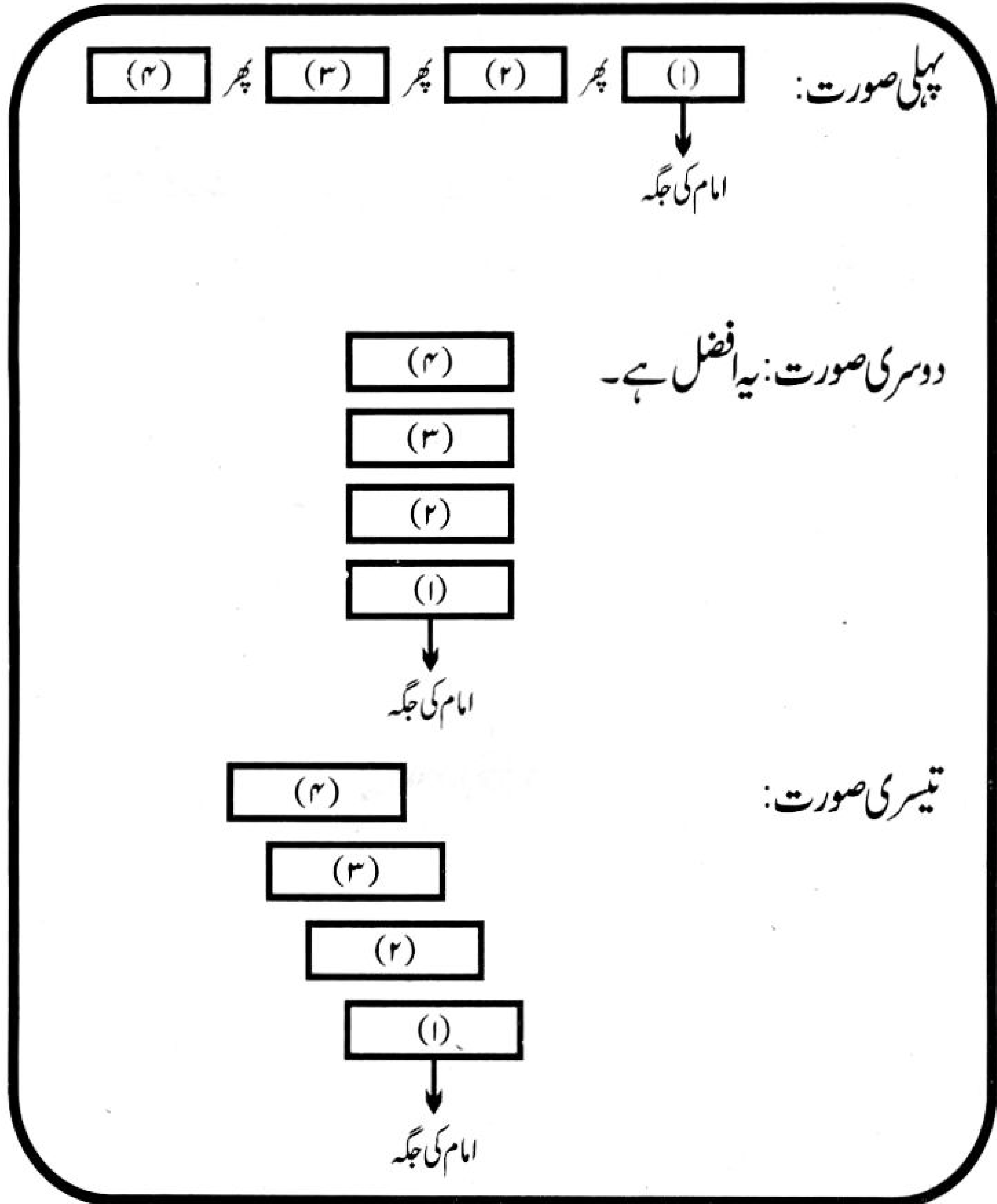
دوسری صورت: سب جنازے امام کے سامنے یکے بعد دیگر اس طرح رکھے جائیں کہ امام تمام جنازوں کے سینوں کے مقابل ہو، اولاً مرد کا جنازہ اس کے بعد نابالغ بچہ کا، اس کے بعد عورت کا اوراس کے بعد نابالغ بچی کا جنازہ ہو، یہ صورت پہلی صورت سے اولیٰ ہے۔

تیسری صورت: یہ بھی جائز ہے کہ پہلے جنازے کے بعد دوسرا جنازہ تھوڑا نیچے ہٹا کر اس طرح رکھا جائے کہ دوسری میت کا سر پہلی میت کے کندھے کے پاس ہو اور تیسری میت کا سر دوسری میت کے کندھے کے پاس ہو اور چوتھی میت کا سر تیسری میت کے کندھے کے پاس ہو (سیڑھی کی طرح)۔

(فتاوی رحیمیه:۵ / ۱۰۰، رحیمیه)



تینوں صورتیں نقشۂ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:



ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

وإذا اجتمعت الجنائز فأفرد الصلاة على كل واحدة أولىٰ من الجمع وتقديم الأفضل أفضل وإن اجتمع جاز، ثمر إن شاء جعل الجنائز صفًا واحدًا وقام عند أفضلهم، وإن شاء جعلها صفًا واحدًا مما يلي القبلة واحدًا خلف واحد بحيث يكون صدر كل جنازة مما يلي الإمام ليقوم بحذاء صدر الكل وإن جعلها درجًا فحسن لحصول المقصود وراعى الترتيب المعهود خلفه حالة الحياة، فيقرب منه الأفضل فالأفضل الرجل مما يليه،فالصبي، فالخنثى فالبالغة فالمراهقة، والصبي الحر يقدم على العبد،والعبدعلى المرأة. وفي الشامي:قوله وإن جمع جاز أي بأن صلى على الكل صلاة واحدة،قوله صفًا واحدًا أي كما يصطفون في حال حياتهم عندالصلاة بدائع: أي بأن يكون رأس كل عندرجل الآخر فيكون الصف على عرض القبلة،(قوله وإن شاء جعلها صفًا واحدًا) ذكرفي البدائع التخيير بين هذا والذي قبله، ثمر قال هذا جواب ظاهر الرواية. وروى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ في غيررواية الأصول أن الثاني أولىٰ لأن السنة هي قيام الإمام بحذاء الميت،وهويحصل في الثاني دون الأول. والله اعلم.

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۲۱۹، سعید۔ وکذافي البحرالرائق: ۲/۱۸۸، کوئٹہ۔ والفتاوی الهندية: ۱/۱۶۵۔ وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ص۵۹۳، قدیمی)

ثناء میں ’’وجلّ ثناؤک‘‘ پڑھنے کا حکم:

سوال: ثناء میں ’’وجلّ ثناؤك‘‘ پڑھنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: بعض روایات میں اس کا ثبوت ملتا ہے لہٰذا نمازِ جنازہ میں پڑھنا جائز اور درست ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: ...... اللّٰهمّ كن لي جارًا من شرهمر جلّ ثناؤك وعزجارك وتبارك اسمك ولاإله غيرك. (مصنف ابن ابي شيبة: ۱۰/۲۰۳،کتاب الدعاء)

الفردوس میں ہے.

ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه إن من أحب الكلام إلى الله عزوجلّ أن يقول العبد: ”سبحانك اللّٰهمّ وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك وجلّ ثناؤك ولاإله غيرك.

(الفردوس بمأثور الخطاب للديلمي: ۱/۲۱۴)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

إن زاد في دعاء الاستفتاح بعدقوله وتعالىٰ جدك وجلّ ثناؤك لايمنع من زيادته وإن سكت عنه لايؤمربه لأنه لمريذكرفي الأحاديث المشهورة وقدروى عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه من قوله في حديث ذكره ابن أبي شيبة وابن مردويه في كتاب الدعاء ورواه الحافظ ابن شجاع في كتاب الفردوس عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه إن من أحب الكلام إلى الله عزوجل......

(شرح منية المصلي:ص ۳۰۲،سهيل اكيڈمی)

طحطاوی میں ہے:

قال في سكب الأنهر: والأولىٰ ترك وجلّ ثناؤك إلا في صلاة الجنازة.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص ۵۸۴،فصل الصلاة على الميت،قديمي كتب خانه)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

اور ثناء وہی ہے جو اور نمازوں میں پڑھتے ہیں اس میں "وتعالىٰ جدك" کے بعد "وجل ثناؤك" زیادہ کرنا بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔ (عمدة الفقه: كتاب الصلاة حصه دوم: ص ۵۱۹،نمازجنازه كامفصل طريقه)

نمازِ جنازہ کے درود میں اضافہ کرنے کا حکم:

سوال: نمازِ جنازہ کے درود میں "كماصليت وسلمت وباركت ورحمت" کا اضافہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ میں بھی درودِ ابراہیم جو عام نمازوں میں پڑھا جاتا ہے وہی افضل اور بہتر ہے، البتہ کچھ اضافہ کردیا جائے تب بھی درست ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم كمافي التشهد. وفي الشامي: أي المراد الصلاة الإبراهيمية التي يأتي بها المصلي في قعدة التشهد. (الدرالمختارمع الشامي:۲/۲۱۲،سعيد)

طحطاوی میں ہے:

قوله كما في التشهد بأن يذكر الصلاة والبركة والرحمة مع زيادة السيادة ندبًا وتكرار إنك حميد مجيد وفي القهستاني عن الجلابي: يصلي بمايحضره، واتباع

المسنون أولٰی. واللہ اعلم.

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۷۳، کوئٹہ۔ وکذافی فتح القدیر: ۲/۱۲۲، دارالفکر۔ ومجمع الانہر: ۱/۱۸۳۔ وفتاوی محمودیہ: ۸/۵۶۲، مبوب ومرتب)

نمازِ جنازہ میں جانبین سلام پھیرنے کا ثبوت:

سوال: نمازِ جنازہ میں جانبین سلام پھیرنے کا ثبوت کہاں سے ہے؟ بعض لوگ صرف ایک جانب سلام پھیرتے ہیں۔

الجواب: مذہبِ احناف کے مطابق دونوں جانب پھیرنا چاہئے، احادیث میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو بیہقی سنن کبری میں ہے:

عن إبراهيم الهجری قال: أمنا عبد اللّٰه بن أبی أوفٰی علی جنازة ابنته فكبر أربعًا فمكث ساعة حتی ظننا أنه سيكبر خمسًا ثم سلم عن يمينه وعن شماله فلماانصرف قلنا له ماهذا؟ قال: إنی لاأزيدكم علی مارأيت رسول اللّٰه ﷺ يصنع أوهكذاصنع رسول اللّٰه ﷺ ثم ركب دابته وقال للغلام: أين أنا قال: أمام الجنازة قال: ألم أنهك وكان قدكف يعنی بصره. وفی رواية له عن علقمة والأسودعن عبد اللّٰه قال: ثلاث خلال كان رسول اللّٰه ﷺ يفعلهن تركهن الناس إحداهن التسليم علی الجنازة مثل التسليم فی الصلاة.

(السنن الکبری للبیہقی: ۴/۴۳، کتاب الجنائز، باب من قال یسلم عن یمینہ وعن شمالہ، بیروت)

اعلاء السنن میں ہے:

عن عبد اللّٰه بن أبی أوفٰی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ "أنه كبر علی جنازة ابنة له أربع تكبيرات ...... الخ، رواه البيهقی فی السنن الكبری، قال الحاكم أبوعبداللّٰه: هذاحديث صحيح، كذا فی الأذكار للإمام النووی.

(اعلاء السنن: ۸/۲۶۲، ۲۶۳، کیفیۃ صلاۃ الجنازۃ، ادارۃ القرآن کراچی۔ ورواہ الطبرانی فی الکبیر: ۱۰/۸۲)

دوسری جگہ مذکورہ ہے:

قال المؤلف رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: وفی التلخيص: وروی البيهقی عن عبداللّٰه التسليم علی الجنازة كالتسليم فی الصلاة، وسكت عنه الحافظ، فهوحسن أو صحيح، كماذكرناه قبل ودلالته علی الباب ظاهرة. (اعلاء السنن: ۸/۲۶۱، کیفیۃ صلاۃ الجنازۃ، ادارۃ القرآن کراچی)

وذكره الهيثمي في مجمع الزوائد وقال: رواه الطبراني في الكبير ورجاله ثقات

(مجمع الزوائد:۳/۳٤،باب الصلاة على الجنازة،دار الفكر)

مزید ملاحظہ ہو: (بدائع الصنائع: ۱/۳۱۳، فصل في بيان كيفية الصلاة على الجنازة، سعيد۔ والفتاوى الهندية: ۱/۱٦٤، الفصل الخامس في الصلاة على الميت۔ وعمدة الفقه: كتاب الصلاه حصه دوم: ص ۵۲۰، المجددية)۔ **واللہ اعلم۔**

نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:

سوال: نمازِ جنازہ کے بعد کوئی دعا منقول ہے یا نہیں؟

الجواب: نمازِ جنازہ کے بعد کوئی دعا منقول نہیں ہے بلکہ اجتماعی جہری دعا کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے۔
ملاحظہ ہو عالمگیری میں ہے:

كره أن يقوم رجل بعد ما اجتمع القوم للصلاة ويدعو للميت ويرفع صوته.

(الفتاوى الهندية:۳۱۹/۵،الباب الرابع في الصلاة والتسبيح......)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

فقہاء نے نمازِ جنازہ سے فارغ ہو کر بعد سلام میت کے لئے مستقلاً کھڑے ہو کر اجتماعی دعا کرنے سے منع فرمایا ہے، فقہ حنفی کی معتبر کتاب خلاصۃ الفتاوی میں اس کو منع کیا ہے۔ **لا يقوم بالدعاء بعد صلاة الجنازة. والله اعلم.** خلاصة الفتاوى: ۱/۲۲۵، الفصل الخامس العشرون في الجنائز، رشيديه۔

(فتاوی محمودیہ:۷۱۰/۸،مبوب ومرتب)

جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے کی فضیلت:

سوال: جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے کی کوئی فضیلت ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: جنازہ کے ساتھ چالیس قدم چلنے پر چالیس سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔
ملاحظہ ہو مجمع الزوائد میں ہے:

عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: من حمل جوانب السرير الأربع كفر الله عنه أربعين كبيرة. رواه الطبراني في الأوسط: (١٣/١٦٠/٦٠٨٢)، وفيه علي بن أبي سارة وهو ضعيف۔ (مجمع الزوائد: ٣/٢٦، باب حمل السرير، دار الفكر)

مراقی الفلاح میں ہے:

وينبغي لكل واحد حملها أربعين خطوة يبدأ الحامل بمقدمها الأيمن فيضعه على يمينه أي على عاتقه الأيمن ويمينها أي الجنازة ما كان جهة يسار الحامل لأن الميت يلقى على ظهره ثم يضع مؤخرها الأيمن عليه أي على عاتقه الأيمن ثم مقدمها الأيسر على يساره أي على عاتقه الأيسر ثم يختم الجانب الأيسر يحملها عليه أي على عاتقه الأيسر فيكون من كل جانب عشر خطوات لقوله ﷺ: من حمل جنازة أربعين خطوة كفرت عنه أربعين كبيرة.

(مراقي الفلاح: ص ٢١٩، باب احكام الجنائز، مكة المكرمة)

نیز ملاحظہ ہو: (شرح النقاية: ١/٣٢٥۔ والدر المختار مع الشامي: ٢/٢٣١، سعيد)۔ **واللہ اعلم۔**



فصلِ چہارم
دفن کرنے کا بیان

کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کا حکم:

سوال: کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: کافر کے جنازہ اور تدفین میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے البتہ اس کے وارثوں کی تعزیت کرنا جائز ہے۔

ملاحظہ ہو قرآنِ کریم میں ہے:

(۱) ﴿ولاتصل على أحد منهم مات أبدًا ولاتقم على قبره﴾. (سورة التوبة:۸٤)

(۲) ﴿ماكان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾. (سورة التوبة:۱۱۳)

تفسیر مظہری میں ہے:

ولاتصل: المراد بالصلاة الدعاء والستغفار للميت فيشتمل صلاة الجنازة أيضًا لأنها مشتملة على الدعاء والاستغفار ...... مات أبدًا ولاتقم على قبره للدفن أوللزيارة.

(تفسیر مظهری: ٤/٢٧٦)

معارف القرآن میں ہے:

اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کافر کے اعزاز واکرام کے لئے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کے لئے جانا حرام ہے عبرت حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی مجبوری کی وجہ سے ہو تو اس کے منافی نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کا کافر رشتہ دار مرجائے اور اس کا کوئی ولی وارث نہیں تو مسلمان رشتہ دار اس کو اسی طرح بغیر رعایتِ طریقِ مسنون کے گڑھے میں دبا سکتا ہے۔

(معارف القرآن:۴/۴۳۷،سورۂ توبہ:۸۴،بحوالہ بیان القرآن)

فتاوی شامی میں ہے:

وفي النوادر جار يهودي أومجوسي مات ابن له أوقريب ينبغي أن يعزيه،ويقول أخلف الله

علیك خیرًا منه، وأصلحك وكان معناه أصلحك الله بالإسلام یعنی رزقك الإسلام ورزقك ولدًا مسلمًا كفایة. (فتاوی الشامی: ۳۸۸/۶، كتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع، سعید۔ والفتاوی الهندیة: الباب الرابع عشر فی اهل الذمة۔ وتبیین الحقائق: فصل فی البیع)

امدادالمفتین میں ہے:

کافر کی عیادت جائز ہے اور جب مر جائے تو اس کے وارثوں کی تعزیت بھی جائز ہے مگر تعزیت اس مضمون سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے بہتر بدلا عطا فرمائے، لیکن کافر کے جنازہ کے ساتھ مرگھٹ تک جانا یہ جائز نہیں کیوں کہ اس میں جیفہ کافر کی تعظیم وتکریم ہے اور وہ مستحقِ اہانت ہے نہ کہ مستحقِ تعظیم، نیز جنازہ کے ساتھ جانے کا ایک مقصد شفاعت کرنا بھی ہے اور ظاہر ہے کہ کافر شفاعت کا اہل نہیں ہے۔

(امدادالمفتین: اول ودوم: ص ۳۶۶، امدادیہ دیوبند)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

مسلم کی غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت کرنا جائز نہیں، تعزیت کرسکتا ہے۔ (احسن الفتاوی: ۲۳۳/۴)

الغرض مصلحت کی وجہ سے جاسکتا ہے دعائے مغفرت کے لئے نہیں جاسکتا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جاکر باپ کی لاش کو دفن کردو۔

ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ میں ہے:

وقال أبوداود الطیالسی: حدثناشعبة، عن أبی إسحاق سمعت ناجیة بن كعب یقول: سمعت علیًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: لما توفی أبی أتیت رسول الله رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقلت: إن عمك قد توفی فقال: "اذهب فواره" فقلت: إنه مات مشركًا، فقال: "اذهب فواره ولاتحدثن شیئًا حتی تأتی" ففعلت فأتیته، فأمرنی أن أغتسل. ورواه النسائی، عن محمد بن المثنی، عن غندر، عن شعبة. ورواه أبوداود والنسائی من حدیث سفیان، عن أبی إسحاق، عن ناجیة، عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ...... والله اعلم.

(البدایة والنهایة: ۱۳۶/۳، فصل وفاة أبی طالب عم رسول الله س، بیروت)

میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کرنے کا حکم:

سوال: میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کرنا ضرورت کے وقت جائز ہے، اور اس وقت مناسب یہ

ہے کہ نیچے مٹی بچھادی جائے اور اوپر والے حصہ کو بھی مٹی سے لیپ دیا جائے اور دونوں طرف پکی اینٹیں رکھدی جائے تاکہ لحد کی طرح ہو جائے۔ اور ضرورت کے بغیر میت کو صندوق میں دفن کرنا مکروہ ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولابأس باتخاذ تابوت أي يرخص ذلك عندالحاجة وإلا كره كما قدمناه آنفًا قال في الحلية: نقل غيرواحد من الإمام ابن الفضل أنه جوزه في أراضيهم لرخاوتها وقال: لكن ينبغي أن يفرش فيه التراب وتطين الطبقة العليا مما يلي الميت ويجعل اللبن الخفيف على يمين الميت ويساره ليصيربمنزلة اللحد. (الشامي: ۲/ ۲۳٤، مطلب في دفن الميت، سعيد)

طحطاوی میں ہے:

قوله ولابأس باتخاذ التابوت ولومن حديد ويكون من رأس المال إذاكانت الأرض رخوة، أوندية، ويكره التابوت في غيرها باجماع العلماء. واللہ اعلم۔

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: ٦٠٨، فصل في حملها ودفنها، قديمي۔ وكذافي بدائع الصنائع: ۱/ ۳۱۸، سعيد۔ والبحرالرائق: ۲/ ۱۹٤۔ وحاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/ ۳۸۱)

کسی میت کو اس کے رشتہ دار کی قبر میں دفن کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ اپنے رشتہ دار کو کسی دوسرے رشتہ دار کی قبر میں دفن کرتے ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر غالب گمان ہے کہ میت بوسیدہ ہو کر خاک ہوگئی ہوگی تو اس وقت دوسری میت کو اس میں دفن کرنا درست ہے ورنہ نہیں۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

قال في الفتح ولايحفرقبرلدفن آخرإلاان بلى الأول فلم يبق له عظم إلاأن لايوجد فتضم عظام الأول ويجعل بينهماحاجزمن تراب ...... وقال الزيلعي: ولوبلى الميت وصار تراباجازدفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه ...... قلت: فالأولى إناطة الجوازبالبلا إذ لايمكن أن يعد لكل ميت قبرلايدفن فيه غيره وإن صارالأول ترابًا لاسيمافي الأمصار الكبيرة الجامعة. (شامي: ۲/ ۲۳۳، مطلب في دفن الميت، سعيد۔ وكذافي فتح القدير: ۲/ ۱٤۱، دارالفكر۔ والبحرالرائق: ۲/ ۱۹٥۔ وفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹٥)

فتاوی دار العلوم دیو بند میں ہے:

دیدہ ودانستہ پرانی قبر کو بحالت موجودگی میت کے بدون ضرورت کے کھودنا جائز نہیں اور اگر اتفاقاً قبر کھودتے ہوئے دوسری میت کی ہڈیاں نکلیں تو ان کو ایک طرف کریں اور کس قدر بیچ میں پردہ رکھ کر دوسری میت کو دفن کریں یہ جائز ہے کیوں کہ مردہ کے بوسیدہ ہونے کے بعد جواز ہی مختار ہے چنانچہ شامی میں بعد نقل اقوالِ علماء یہ لکھا ہے:

فالأولیٰ إناطة الجواز بالبلا إذلایمکن أن یعدلکل میت قبر لایدفن فیه غیره. والله اعلم.

(فتاوی دارالعلوم دیوبند:۵/۳۸۵،مسائل دفن،مدلل مکمل، دارالاشاعت)

شوہر بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے:

سوال: شوہر بیوی کو قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں جبکہ اس کے محارم موجود ہیں؟

الجواب: بہتر یہ ہے کہ محارم عورت کو قبر میں اتارے ہاں شوہر اتارنے میں مدد کرے تو درست ہے ورنہ بلا حائل چھونا درست نہیں۔

ملاحظہ ہو درمختار میں ہے:

ویمنع زوجها من غسلها ومسها لامن النظر إلیها علی الأصح منیة. وفی الشامی: قوله لا من النظر إلیها علی الأصح عزاه فی المنح إلی القنیة، نقل عن الخانیة أنه إذاکان للمرأة محرم یمسها بیده وأما الأجنبی فبخرقة علی یده ویغض بصره عن ذراعها وکذا الرجل فی امرأته إلا فی غض البصر، ولعل وجهه أن النظر أخف من المس فجاز شبهة الاخلاف والله أعلم.

(الدرالمختار مع الشامی:۲/۱۹۸،باب صلاۃ الجنازۃ،سعید)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وذوالرحم المحرم أولیٰ بادخال المرأة من غیرهم کذا فی الجوهرة النیرة، وکذا ذوالرحم غیرالمحرم أولیٰ من الأجنبی فإن لم یکن فلابأس للأجانب وضعها کذا فی البحرالرائق. (الفتاوی الهندیة: ۱/۱٦٦، الفصل السادس فی القبر والدفن۔ والبحرالرائق ۲/۱۹۳، کوئٹہ)

احسن الفتاوی میں ہے:

بیوی سب کچھ کرسکتی ہے مگر شوہر دیکھ سکتا ہے نہلا نہیں سکتا اور بلا حائل چھو نہیں سکتا، جنازہ اٹھا سکتا ہے اور قبر میں اتار سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (احسن الفتاوی:۴/۲۱۵)

حاملہ عورت کا انتقال ہوجائے تو بچہ کا حکم:

سوال: اگر حاملہ عورت کا انتقال ہوجائے اور بچہ بھی اندر مرا ہو تو کیا بچہ کو نکال کر الگ سے دفنایا جائے گا یا نہیں؟ اور غیر ترقی یافتہ علاقوں میں یہ کام کس طرح سرانجام دیا جائے جب کہ وہاں ڈاکٹر اور ہسپتال نہیں ہے؟

الجواب: اگر بچہ ماں کے پیٹ میں زندہ ہے اور ماں کا انتقال ہوگیا تو اس بچہ کو نکال سکتے ہیں، اور اس میں دایہ وغیرہ سے مدد لے سکتے ہیں جس طرح ولادت کے وقت مدد کرتی ہے، اور اگر بچہ زندہ نہیں ہے تو اس کو نہیں نکال سکتے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

حامل ماتت وولدهاحيي يضطرب شق بطنهامن الأيسرويخرج ولدهاولوبالعكس وخيف علـى الأم قطع وأخرج لوميتًا وإلالا كمافى كراهة الاختيار (قوله ولوبالعكس) بأن مات الولد فى بطنهاوهى حية قوله قطع أى بأن تدخل القابلة يدهافى الفرج وتقطعه بآلة فى يدها بعد تحقق موته (قوله لوميتًا لاوجه له بعد قوله ولوبالعكس قوله وإلالاأى ولوكان حياً لايجوزتقطيعه لأن موت الأم به موهوم فلايجوزقتل آدمى حى لأمرموهوم.

(الدرالمختارمع الشامی:۲/۲۳۸،سعید)۔واللہ اعلم۔

سر سے مٹی ڈالنے کی ابتداء کا ثبوت:

سوال: قبر میں دفن کرتے وقت مٹی ڈالنے کی ابتداء سر سے کرنے کا ثبوت حدیث میں ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کو قبر میں رکھنے کے بعد مٹی ڈالنے کی ابتداء سر سے کرنے کا ثبوت احادیث میں ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو سنن ابن ماجہ میں ہے:

عن أبى هريرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول الله صلى على جنازة ثم أتى قبرالميت فحثى عليه من قبل رأسه ثلاثًا. (سنن ابن ماجه:۱۱۲، باب ماجاء فى حثو التراب فى القبروقال السيوطى فى مصباح الزجاجة هذا اسناد صحيح رجاله ثقات)

نیز ملاحظہ ہو: (المعجم الأوسط للطبرانى: ۶۵/۵۔ وسنن الدارقطنى: ۴۴۰/۳، باب حى التراب على الميت)۔ واللہ اعلم۔

سیلاب کی وجہ سے میت کو منتقل کرنے کا حکم:

سوال: اگر قبر سیلاب کی زد میں آ گئی اور میت کے بہہ جانے کا خطرہ ہے تو میت کو دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: پانی کے غلبہ سے میت کے منتقل کرنے میں اختلاف ہے قرینِ قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر گمان غالب کے موافق صاحبِ قبر کا جسد صحیح سالم ہے تو اس کو منتقل کرنے میں حرج نہیں جیسے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد کو احد میں منتقل کیا تھا کیوں کہ شہداء کے اجساد کو مٹی نہیں کھاتی اور اگر ایسا نہ ہو تو منتقل نہ کیا جائے۔

ملاحظہ ہو طحطاوی میں ہے:

إذا غلب الماء على القبر فقيل: يجوز تحويله لماروى أن صالح بن عبيد الله رؤى في المنام وهو يقول حولوني عن قبري فقد آذاني الماء ثلاثًا فنظروا فإذا شقه الذي يلي الماء قد أصابه الماء فأفتى ابن عباس رضي الله تعالى عنه بتحويله وقال الفقيه أبو جعفر: يجوز ذلك أيضًا ثم رجع ومنع. واللہ اعلم۔ (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح:ص ٦١٥،قديمي)

قبر کے گرنے کا خطرہ ہو تو قبر مستحکم کرنے کا حکم:

سوال: اگر قبر کے گرنے کا اندیشہ ہو تو اس کو مستحکم بنانے کے لئے قبر کے اردگرد اینٹیں وغیرہ لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: قبر درمیان میں کچی رہے اور اردگرد گرنے کے اندیشہ سے اینٹیں رکھدی جائے تو درست ہے، ورنہ نفسِ قبر کو پختہ بنانے کی ممانعت احادیث سے ثابت ہے لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو مسلم شریف میں ہے:

عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبر وأن يقعد وأن يبنى عليه.

(رواه مسلم: ١/ ٣١٢ـ والترمذي: ١/ ٢٠٣)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

قبر پر ہر قسم کی بناء بغرضِ زینت حرام ہے اور بغرضِ استحکام مکروہِ تحریمی ہے گناہ میں مکروہِ تحریمی بھی حرام ہی کے برابر ہے چاردیواری خواہ ایک ہی اینٹ کی ہو اس کا بنا ہونا ظاہر ہے اور چبوترہ بلکہ اصل مٹی سے زائد مٹی ڈالنا بھی بناء میں داخل ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/ ۱۸۹)

کفایت المفتی میں ہے:

قبر کو چار طرف سے پختہ بنانا اس طرح کہ میت کے جسم کے محاذ میں نیچے سے اوپر تک کچی رہے مباح ہے یعنی میت کا جسم چاروں طرف سے مٹی کے اندر رہے پرے پختہ ہو جائے تو حرج نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

(کفایت المفتی ۴/ ۵۰، فصل چہارم قبر و دفن، دار الاشاعت)

دفن کرتے وقت کچھ رقم گر جائے تو نکالنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے کسی کو قبر میں دفن کیا اور اس قبر میں اس کی رقم گر گئی تو کیا قبر کھود کر نکالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں قبر کھود کر نکالنا درست ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولو بقی فیه متاع لإنسان فلابأس بالنبش، ظهیریة.

(شامی ۲/ ۲۳۶، مطلب فی دفن المیت، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وإن وقع فی القبر متاع فعلم بذلك بعد ماأهالوا علیه التراب ینبش کذا فی فتاوی قاضیخان، قالوا ولو کان المال درهمًا کذا فی البحر الرائق. والله اعلم.

(الفتاوی الهندیة: ۱/ ۱۶۷، فصل فی القبر والدفن)

ایک مردہ کی قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کرنے کا حکم:

سوال: اگر قبر کے اندر کسی مردے کی ہڈیاں ظاہر ہو جائیں تو اس میں دوسرے مردہ کو دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: میت کو دفن کرنے کے لئے کسی دوسرے مردے کی قبر کو نہیں کھودا جائے گا، اگر کھدائی کے وقت قبر میں کچھ ہڈیاں ظاہر ہوں تو ان کو ایک طرف کر کے دوسری میت کو دفن کرنے کی گنجائش ہے دوسری علیحدہ قبر کھودنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولایحفر قبر لدفن آخر إلاإن بلی الأول فلم یبق له عظم إلاأن لایوجد فتضم عظام الأول ویجعل بینهما حاجز من تراب ...... قال فی الإمداد: ویخالفه مافی التاتر خانیة: إذا

صار الميت ترابًا في القبر يكره دفن غيره في قبره، لأن الحرمة باقية، وإن جمعوا عظامه في ناحية ثم دفن غيره فيه تبركًا بالجيران الصالحين ويوجد موضع فارغ يكره ذلك، قلت: لكن في هذا مشقة عظيمة فالأولى إناطة الجواز بالبلا إذ لايمكن أن يعد لكل ميت قبر لايدفن فيه غيره وإن صار الأول ترابًا لاسيما في الأمصار الكبيرة الجامعة وإلا لزم أن تعم القبور السهل والوعر على أن المنع من الحفر إلى أن لايبقى عظم عسر جدًا وإن أمكن ذلك لبعض الناس، لكن الكلام في جعله حكمًا عامًا لكل أحد فتأمل.

(شامی: ۲/۲۳۳، مطلب فی دفن المیت، سعید۔ و کذا فی فتح القدیر: ۲/۱۴۱، دارالفکر۔ والفتاوی الهندیة: ۱/۱۶۷۔ والبحرالرائق: ۲/۱۹۵)

فتاوی محمودیہ میں ہے:

اگر قبر اتنی پرانی ہوجائے کہ میت بالکل مٹی بن جائے تو اس قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، ورنہ بلاضرورت ایسا کرنا منع ہے اور بوقتِ ضرورت جائز ہے اور ایسی حالت میں جب میت کی ہڈیاں وغیرہ کچھ قبر میں موجود ہوں تو ایک طرف علیحدہ قبر میں رکھ دی جائیں۔ واللہ اعلم۔

(فتاوی محمودیه: ۹/۹۷، مبوب و مرتب)

تلقین بعد الدفن کا حکم:

سوال: مذہبِ احناف کے مطابق تلقین بعد الدفن کا کیا حکم ہے:

الجواب: مذہبِ احناف میں ظاہر الروایۃ کے مطابق دفن کرنے کے بعد تلقین نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

ولايلقن بعد تلحيده ذكر في المعراج أنه ظاهر الرواية.

(شامی: ۲/۱۹۱، مطلب فی التلقین بعد الموت، سعید)

فتاوی ہندیہ میں ہے:

وأما التلقين بعد الموت فلايلقن عندنا في ظاهر الرواية كذا في العيني شرح الهداية ومعراج الدراية. والله اعلم.

(الفتاوی الهندیة: ۱/۱۵۷، الفصل الاول فی المحتضر۔ و کذا فی فتح القدیر: ۲/۶۸، دارالفکر۔ و کفایة: ۲/۶۸۔ والفتاوی اللکنوی: ص ۵۰۸، بیروت)

دفن کرنے کے بعد اجتماعی دعا کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو تحریر کیجئے تا کہ مسئلہ واضح ہو جائے اور شکوک دور ہو جائیں۔

الجواب: میت کو دفن کرنے کے بعد لوگوں کے رخصت ہونے سے پہلے دعا کا ثبوت ابوداود شریف کی روایت میں موجود ہے، اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دعا اجتماعی تھی۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: استغفروا لأخيكم واسئلوا له بالتثبيت فإنه الآن يسأل.

(رواه ابو داود: ۲/۱۰۳، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، سعيد)

بذل المجہود میں اس کے عنوان کی تشریح یوں ہے: "**باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف أي الرجوع عن دفنه.**" (بذل المجهود: ۴/۲۱۶)

فتح الباری میں ہے:

في حديث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم في قبر عبدالله ذي البجادين، الحديث وفيه "فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعًا يديه" أخرجه أبو عوانة في صحيحه.

(فتح الباری: ۱۱/۱۴۴، باب الدعاء مستقبل القبلة، دار نشر الكتب، لاهور)

درمختار میں ہے:

ويستحب حثيه من قبل رأسه ثلاثًا، وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ماينحر الجزور ويفرق لحمه. وفي الشامي: وكان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها.

(الدر المختار مع الشامي: ۲/۲۳۷، مطلب في دفن الميت، سعيد)

کفایت المفتی میں یہ مسئلہ وضاحت سے مذکور ہے:

سوال: **في سنن أبي داود كان النبي صلی اللہ علیہ وسلم إذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره**...... الخ، مرقومہ بالا حدیث سے مغفرت مانگنا جمعاً ثابت ہوتا ہے یا فرادیٰ فرادیٰ؟

جواب: ہاں اس حدیث کے سیاق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تمام حاضرین ایک ساتھ دعا کرتے

تھے، کیوں کہ دفن سے فارغ ہونے کے بعد واپس آنے کا موقع تھا لیکن حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ واپسی میں کچھ تاخیر وتوقف فرماتے تھے اور میت کی تثبیت ومغفرت کی خود بھی دعا فرماتے تھے اور حاضرین کو بھی اس وقت دعا کرنے کا حکم کرتے تھے ...... الخ۔

(کفایت المفتی: ٤/ ٧١، فصل هفتم، دارالاشاعت)

نیز ملاحظہ ہو: (فتاویٰ محمودیہ ۹/ ۱۴۸، مبوب ومرتب۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۵/ ۴۰۰، مدلل ومکمل دار الاشاعت)۔ **واللہ اعلم۔**

قبرستان میں بوقتِ دعا استقبالِ قبلہ کا حکم:

سوال: قبرستان میں بوقتِ دعا استقبالِ قبلہ کرے یا قبر کی طرف متوجہ ہو؟

الجواب: قبرستان میں اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے تو استقبالِ قبلہ کرے تا کہ شرک کا وہم نہ رہے اور اگر بغیر ہاتھ اٹھائے دعا کرتا ہے تو قبر کی طرف متوجہ ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

فإذا بلغ المقبرة يخلع نعليه ثم يقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه الميت ويقول السلام عليكم ...... وإذا أراد الدعاء يقول مستقبل القبلة كذا في خزانة الروايات.

(الفتاوى الهندية ٥/ ٣٥٠، الباب السادس عشر في زيارة القبور)

شامی میں ہے:

قال في الفتح والسنة زيارتها قائمًا والدعاء عندها قائمًا كما كان يفعله ﷺ في الخروج إلى البقيع ويقول السلام عليكم ...... ومن آدابها أن يسلم بلفظ السلام عليكم على الصحيح ...... ثم يدعو قائمًا طويلاً. (شامي: ٢/ ٢٤٢، مطلب في زيارة القبور، سعيد)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

دعا بغیر ہاتھ اٹھائے بھی کی جا سکتی ہے اور ہاتھ اٹھا کر بھی حضرت نبی اکرم ﷺ نے دفن کے بعد قبلہ کی طرف رخ فرما کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا چاہے تو آنحضرت ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے قبر کی طرف رخ نہ کیا جائے بلکہ قبلہ کی طرف رخ کر لیا جائے۔ **وفي حديث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رأيت رسول الله ﷺ في قبر عبد الله ذي البجادين الحديث فيه فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه أخرجه أبو عوانة في صحيحه.** (فتح الباري شرح بخاري شريف: ١١/ ١٤٤۔ وشرح صحيح مسلم شريف للنووي: كتاب الجنائز فصل في الذهاب الى زيارة القبور: ١/ ٣١٣) **والله اعلم.**

(فتاوى محموديه: ٩/ ١٤٧، مبوب ومرتب۔ واحسن الفتاوى: ٤/ ٢١٢)

کسی قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا حکم:

سوال: قبر یا کسی شخص کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی بچہ یا کوئی شخص مجمع کے سامنے تلاوت کر رہا ہو تو ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟ اور آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے اس طرح کھڑے ہونے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہو اور کوئی قبر وغیرہ سامنے نہ ہو تو قرآنِ کریم کے احترام میں بطریقِ اولیٰ جائز ہے، اس میں سامعین کی تعظیم نہیں بلکہ قرآنِ کریم کا احترام مطلوب ہے، ہاں کسی شخص کے سامنے اس طرح کھڑے رہنے سے اجتناب کرنا بہتر ہے جیسے حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا زیارۃ القبور کے وقت آنحضرت ﷺ کی قبر کے علاوہ خلافِ اولیٰ ہے۔

ملاحظہ ہو ارشاد الساری میں ہے:

ثم توجه بالقلب مع رعاية غاية الأدب فقام تجاه الوجه الشريف متواضعًا خاضعًا خاشعًا مع الذلة والانكسار والخشية والوقار أي السكينة ...... واضعًا يمينه على شماله أي تأدبًا في حال إجلاله مستقبلاً لوجه الكريم.

(ارشادالساری الی مناسك الملاعلی القاری:ص۵۵۸، فصل ولو توجه إلى الزيارة،بیروت)

شفاء السقام میں ہے:

وقال القاضي عياض في الشفاء: قال بعضهم: رأيت أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أتى قبر النبي ﷺ فوقف فرفع يديه حتى ظننت أنه افتتح الصلاة فسلم على النبي ﷺ ثم انصرف. (شفاء السقام:ص ۷۳)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سعایہ میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل درج ہے:

قلت: الحق الحقيق بالقبول هو أنه لابأس بهذه الهيأة عندزيارة قبر النبي ﷺ بل هو الأولى للمتأدب وأماعندزيارة قبر غيره فهو خلاف الأولى خصوصًا عندزيارة قبر العوام فاحفظه فإنه تنبيه مهم قل من ذكره.

(السعاية في كشف مافي شرح الوقاية:۲/۱۵۹، ۱۶۰،باب صفة الصلاة، سهيل اكيڈمی)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

بعض حضرات اکابر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر نماز کی طرح ہاتھ باندھنے کو منع فرمایا ہے مگر دوسرے بعض اکابر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو آداب میں شمار کیا ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: ''ودر وقتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقوفِ درآں جناب باعظمت دستِ راست بردستِ چپ نہند، چنانچہ درحالتِ نماز کند، کرمانی کہ از علمائے حنفیہ است تصریح بایں معنی کردہ است'' (جذب القلوب ص۲۱۷) لہٰذا اس میں تشدد نہیں چاہئے۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیہ:۳/۱۲۰،مبوب ومرتب)

مسلمانوں کے قبرستان میں غیر مسلم کی قبر ہو تو اس کا حکم:

سوال: حکومت نے مسلمانوں کو قبرستان کے لئے زمین دی اس میں عیسائی کی ایک قبر ہے، باقی زمین بالکل خالی ہے جو بہت بڑی ہے اب اس ایک قبر کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں غیر مسلم کی قبر کو اکھاڑا نہیں جائے گا بلکہ دیوار کے ذریعہ احاطہ کرلیا جائے گا، چنانچہ غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے قبرستان کے درمیان دیوار کا احاطہ ہوتا ہے اور اسی کو حائل سمجھا جاتا ہے، اسی طرح ایک قبر میں دو آدمیوں کو دفن کرتے وقت مٹی سے آڑ بنانے سے عندالضرورۃ دو قبروں کے حکم میں ہو جاتی ہے، لہٰذا درمیان میں دیوار لگانے سے علیحدگی ہو جائے گی۔

ملاحظہ ہو البحر الرائق میں ہے:

وفی الواقعات عظام الیهود لها حرمة إذا وجدت فی قبورهم کحرمة عظام المسلمین حتی لاتکسر. (البحر الرائق:۲/۱۹۵، کوئٹہ)

مراقی الفلاح میں ہے:

ولابأس بدفن أکثر من واحد فی قبر واحد للضرورة قاله قاضیخان،ویحجز بین کل اثنین بالتراب هکذا أمر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض الغزوات. وفی الطحطاوی قوله:ویحجز بین کل اثنین بالتراب ندبًا إن أمکن کما فی ابن أمیر حاج لیکون فی حکم قبرین کمافی العینی علی البخاری. (حاشیة الطحطاوی مع مراقی الفلاح:۲/۶۱۲، فصل فی حملها و دفنها،قدیمی)

البحر الرائق میں ہے:

ویجعل بین کل میتین حاجزًا من التراب لیصیر فی حکم قبرین هکذا أمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی شهداء أحد. (البحر الرائق:۲/۱۹۴،کوئٹہ)

نیز فقہاء نے ''احیاء الموات'' کے تحت فرمایا ہیں کہ حد بندی سے بھی زمین الگ ہو جاتی ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

والتحجير للإعلام سمى به لأنهم كانوا يعلمونه بوضع الأحجار أو يعلمونه لحجر غيرهم عن إحياءه، ثم التحجير قد يكون بغير الحجر بأن غرز حولها أغصانًا يابسة أو نقى الأرض وأحرق ما فيها من الشوك وخضد ما فيها من الحشيش أو الشوك و جعلها حولها و جعل التراب عليها. واللہ اعلم (هدايه ٤/٤٧٩)

میت کے کفن پر آیاتِ قرآنیہ لکھنے کا حکم:

سوال: میت کے کفن پر آیاتِ قرآنیہ لکھی جاتی ہیں یا آیات لکھی ہوئی چادریں میت پر ڈالی جاتی ہیں بعض جگہ اس کا دستور ہے کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس میں آیاتِ قرآنی کی توہین ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے کفن پر آیاتِ قرآنی کا لکھنا یا آیات لکھی ہوئی چادریں میت پر ڈالنا از روئے شرع درست نہیں اس میں آیاتِ قرآنیہ کی اہانت ہے۔

ملاحظہ ہو نفع المفتی والسائل میں ہے:

الاستفسار: قد تعارف في بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوبًا مكتوبًا فيه سورة الإخلاص هل فيه بأس؟

الاستبشار: هو استهانة بالقرآن لأن هذا الثوب إنما يلقى تعظيماً للميت، ويصير هذا الثوب مستعملًا مبتذلًا، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله، كذا في نصاب الاحتساب في باب الاحتساب على من يحضر للتعزية في الأيام المعهودة في المقابر.

قلت: وأشنع من هذا ما يفعله أهل الدكن من إلقاء الثياب التي فيها اسم الله تعالىٰ أو سورة القرآن على جميع القبور، وإن لم يكن المقبور من أهل الزهد والورع.

(نفع المفتي والسائل: ص ٤٠٣، ما يتعلق بتعظيم اسم الله الخ، بيروت)

شامی میں ہے:

وقد أفتى ابن صلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يٰس والكهف ونحوهما خوفًا من صديد الميت، والقياس المذكور ممنوع لأن القصد ثم التمييز وهنا التبرك، فالأسماء المعظمة باقية على حالها فلا يجوز تعريضًا للنجاسة، والقول بأنه يطلب فعله مردود، لأن

مثل ذلك لايحتج به إلا إذا صح عن النبى ﷺ طلب ذلك وليس كذلك. وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش وما ذلك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة فالمنع هنا بالأولىٰ ما لم يثبت عن المجتهد أوينقل فيه حديث ثابت، فتأمل.

(شامی:۲/ ۲٤٦،مطلب فيما يكتب على كفن الميت،سعيد)

نیز آیاتِ قرآنیہ والی چادریں میت کے صندوق پر ڈالی جاتی ہیں ان سے بھی اجتناب بہتر ہے اس لئے کہ بے وضوء چھونے کا اندیشہ ہے اور آیاتِ قرآنیہ بلا وضو چھونا ناجائز ہے۔

ملاحظہ ہو در مختار میں ہے:

ويحرم به أى بالأكبر وبالأصغر مس مصحف: أى ما فيه آية كدرهم وجدران. وفى الشامية: (قوله أى ما فيه آية) أى المراد مطلق ماكتب فيه قرآن مجازًا، من إطلاق اسم الكل على الجزء، أومن باب الإطلاق والتقييد، قال ح: لكن لايحرم فى غير المصحف إلا بالمكتوب: أى موضع الكتابة كذا فى باب الحيض من البحر. والله اعلم.

(الدرالمختار مع الشامی: ۱/ ۱۳۳،سعید)

قبر پر پودے لگانے کا حکم:

سوال: قبروں پر پودے اور گھاس لگانے کی شرعا کیا حیثیت ہے؟

الجواب: قبروں پر پودے گھاس لگانے کی شرعا گنجائش ہے البتہ اس کو ضروری نہ سمجھے اور بالیقین تخفیفِ عذاب کا اعتقاد نہ رکھے صرف امید ہونی چاہئے، لیکن موجودہ دور میں قبروں پر پھول ڈالنے کی رسم چلی ہے خصوصاً اولیاء اللہ کی قبروں پر اس سے قطعاً احتراز کرنا چاہئے یہ بدعت ہے اس میں بہت سارے مفاسد ہیں جن سے عوام الناس کے اعتقادات خراب ہوتے ہیں۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه قال مر النبى ﷺ بحائط من حيطان المدينة أومكة فسمع صوت إنسانين يعذبان فى قبورهما، فقال النبى ﷺ يعذبان وما يعذبان فى كبير ثم قال: بل كان أحدهما لايستتر من بوله وكان الآخر يمشى بالنميمة ثم دعا بجريدة فكسرها كسرتين فوضع على كل قبر منهما كسرة، فقيل له يا رسول الله لم فعلت هذا قال لعله أن

يخفف عنهما ما لم ييبسا. (بخاری شریف: ۱/ ۱۸۴ ـ ومشکوۃ شریف: ۱/ ۴۳)

مرقات میں ہے:

أما وضعهما على القبر فقيل أنه عليه السلام سأل الشفاعة لهما فاجيب بالتخفيف إلى أن ييبسا وقد ذكر مسلم في آخر الكتاب في حديث جابر رضي الله تعالى عنه أن صاحبي القبرين، أجيبت شفاعتي فيهما، وقيل أنه كان يدعو لهما في تلك المدة وقيل لأنهما يسبحان ما داما رطبتين، قال كثير من المفسرين في قوله تعالى: ﴿وإن من شيء إلا يسبح بحمده﴾ معناه إن من شيء حي ثم قال وحياة كل شيء بحسبه فحياة الخشب ما لم ييبس وحياة الحجر ما لم يقطع والمحققون على العموم وان التسبيح على حقيقته لأن المراد الدلالة على الصانع...... (مرقاة: ۱/ ۳۵۱، ملتان)

شامی میں ہے:

تتمة: يكره أيضاً قطع النبات الرطب والحشيش من المقبرة دون اليابس وعلله في الإمداد: بأنه مادام رطباً يسبح الله تعالىٰ فيونس الميت وتنزل بذكره الرحمة.

أقول: دليله ما ورد في الحديث من وضعه عليه الصلاة والسلام الجريدة الخضراء بعد شقها نصفين على القبرين اللذين يعذبان وتعليله بالتخفيف عنهما ما لم ييبسا أي يخفف عنهما ببركة تسبيحهما. (شامی: ۲/ ۲۴۵، مطلب فی وضع الجرید، سعید۔ واعلاء السنن: ۸/ ۳۴۴/ ۲۳۲۳، باب استحباب غرز الجريدة الرطبة على القبر)

قبر پر پھول ڈالنا بدعت ہے۔

ملاحظہ ہو: (فتاوی محمودیہ: ۹/ ۱۷۴، مبوب ومرتب۔ وفتاوی رحیمیہ: ۵/ ۹۸)۔ واللہ اعلم۔

قبر پر کتبہ لگانے کا حکم:

سوال: قبر پر کتبہ لگانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: قبر پر کوئی چیز لگانا یا پختہ کرنا سب ممنوع ہے البتہ قبر سے علیحدہ سرہانے پر کتبہ لگانے کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يجصص القبور وأن يكتب عليها وأن

يبنى عليها وأن توطأ. (رواه الترمذي وقال: هذا حديث حسن صحيح، ۱/۲۰۳، باب ماجاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها، فيصل)

شامی میں ہے:

قوله لابأس بالكتابة لأن النهي عنها وإن صح فقد وجد الإجماع العملي بها فقد أخرج الحاكم من طرق ثم قال: هذه الأسانيد صحيحة وليس العمل عليها فإن أئمة المسلمين من المشرق إلى المغرب مكتوب على قبورهم وهو عمل أخذ به الخلف عن السلف، ويقوى بما أخرجه أبو داود بأسانيد جيد: "أن رسول الله ﷺ حمل حجراً فوضعها عند رأس عثمان بن مظعون رضي الله تعالى عنه وقال: أتعلم بها قبر أخي وأدفن إليه من تاب من أهلي" فإن الكتابة طريق إلى تعرف القبر بها، نعم يظهر أن محل هذا الإجماع العملي على الرخصة فيها ما إذا كانت الحاجة داعية إليه في الجملة كما أشار إليه في المحيط بقوله وإن احتيج إلى الكتابة، حتى لايذهب الأثر ولايمتهن فلابأس به فأما الكتابة بغير عذر فلا، حتى يكره كتابة شيء عليه من القرآن أو الشعر أو اطراء مدح له ونحو ذلك حلية ملخصًا.

(شامی: ۲/۲۳۷، مطلب في دفن الميت، سعيد۔ والبحر الرائق: ۲/۱۹۷، كوئٹه)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

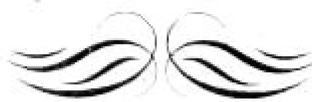
ويكره إلصاق اللوح بها والكتابة عليها ولايبنى على بيت ولايجصص.

(الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ۴/۸۱، نوع آخر)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

وكره أبويوسف الكتابة أيضًا. والله اعلم.

(شرح منية المصلي: ص ۵۹۹، السادس في الدفن، سهيل اكيڈمی)



فصلِ پنجم

ایصالِ ثواب کا بیان

میت کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کا ثبوت:

سوال: میت کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کا ثبوت کسی حدیث یا کتبِ فقہ میں ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب: میت کے دعاء استغفار اور ایصالِ ثواب کرنے کا ثبوت بعض روایات میں ملتا ہے۔

ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے:

عن عثمان بن عفان رضي الله تعالى عنه قال: كان النبي ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: استغفروا لأخيكم واسئلوا له بالتثبيت فإنه الآن يسأل.

(ابو داؤد شریف: ۲/۱۰۳، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، سعيد)

مسلم شریف میں ہے:

عن عائشة رضي الله تعالى عنها كان رسول الله ﷺ كلما كان ليلتها من رسول الله ﷺ يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: "السلام عليكم دار قوم مؤمنين وأتاكم ما توعدون غداً مؤجلون إنا إن شاء الله بكم لاحقون اللّٰهم اغفر لأهل بقيع الغرقد".

(مسلم شریف: ۱/۳۱۳، باب ما يقول اذا زار القبور)

کتاب الروح میں ہے:

أخبرني الحسن بن الهيثم سمعت أبابكر بن الأطروش ابن بنت أبي نصر بن التمار يقول كان رجل يجيء إلى قبر أمه يوم الجمعة فيقرأ سورة يٰس فجاء في بعض أيامه فقرأ سورة يٰس ثم قال: اللّٰهم إن كنت قسمت لهذه السورة ثوابا فاجعله في أهل هذه المقابر فلما كان يوم الجمعة التي تليها جاء ت امرأة فقالت: أنت فلان ابن فلانة فقال: نعم قالت: إن بنتًا لي ماتت فرأيتها في النوم جالسة على شفير قبرها

فقلت ما أجلسك ههنا؟ فقالت: إن فلان ابن فلانة جاء إلى قبر أمه فقرأ سورة يٰس وجعل ثوابها لأهل المقابر فأصابنا من روح ذلك أو غفر لنا أو نحو ذلك.

(كتاب الروح: ص ١١، المسئلة الأولىٰ وهي تعرف الأموات زيارة الأحياء وسلامهم أم لا، بيروت)

حدیث شریف میں ہے:

عن الحسن عن أبيه علي بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من مر على المقابر وقرأ قل هو الله أحد إحدى عشر مرة ثم وهب أجره للأموات أعطى من الأجر بعدد الأموات.

(من فضائل سورة الأخلاص وما لقارئها: ١/١٠٢/٥٤ ـ واعلاء السنن: ٨/٣٤٣/٣٢٠ زيارة القبور، ادارة القرآن كراچي)

یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے لیکن فضائل میں ثواب کی نیت سے عمل کرنا درست ہے اسی وجہ سے فقہاء نے اس حدیث کو ذکر فرمایا ہے۔ (جلد اول میں اس حدیث پر کلام گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)

ملاحظہ ہو: (شامي: ٢/٥٩٦، باب الحج عن الغير، مطلب فيمن أخذ في عبادته شيئاً من الدنيا، سعيد ـ فتح القدير: ٣/١٤٣، دار الفكر ـ مراقي الفلاح: ٢٣٣، مكة المكرمة ـ مواهب الجليل في شرح مختصر الخليل: ٥/٤٥٢ ـ مطالب أولي النهى: ٥/٩)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وحكي عن أبي بكر بن أبي سعيد أنه قال: يستحب عند زيارة القبور قراءة سورة الإخلاص سبع مرات فإنه بلغني من قرأها سبع مرات إن كان ذلك الميت غير مغفور له يغفر له وإن كان مغفوراً له غفر لهذا القارى ووهب ثوابه للميت كذا في الذخيرة في فضل قراءة القرآن. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٥٠، كتاب الكراهية، باب زيارة القبور)

وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من دخل المقابر ثم قرأ "فاتحة الكتاب" و "قل هو الله أحد" و "ألهاكم التكاثر" ثم قال: اللّٰهم إني قد جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له إلى الله تعالىٰ". أخرجه أبو القاسم سعد بن علي الزنجاني في فوائده.

(شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور: ص ٣٠٣، باب في قرءة القرآن للميت أو على القبر، بيروت)

وعن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس خفف الله عنهم وكان له بعدد من فيها حسنات".

أخرجه عبد العزيز صاحب الخلا ل بسنده۔ (شرح الصدوربشرح حال الموتى والقبور:ص ٣٠٤،باب في قرء ة القرآن للميت أوعلى القبر،بيروت)

وعن عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنه قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذا مات أحدكم فلا تحبسوه وأسرعوا به إلى قبره،وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة وعند رجليه بفاتحة البقرة".

رواه البيهقي في شعب الإيمان وقال: والصحيح أنه موقوف عليه(٢/٢١٥)وفي الأذكارللنووي: ٧٤وروينافي سنن البيهقي بإسناد حسن"ان ابن عمر رضي الله تعالى عنه استحب أن يقرأ على القبربعدالدفن أول سورةالبقرة وخاتمتها" وهوموقوف في حكم المرفوع، فانه غيرمدرك بالرأي. (اعلاء السنن: ٨/٣٤٢،زيارة القبور،ادارة القرآن)

شامی میں ہے:

صرح علماؤنا في باب الحج عن الغيربأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصومًا أوصدقةً أوغيرهاكذا في الهداية بل في زكاة التتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم و لاينقص من أجره شيء. هومذهب أهل السنة والجماعة. والله اعلم.

(شامي:٢/٢٤٣،مطلب في القراءة للميت واهداء ثوابها له،سعيد۔ وكذا في الفتاوى الهندية:١/٢٥٧، الباب الرابع عشرفي الحج عن الغير۔وكذا في فتح القدير مع الهداية:٣/١٤٢،باب الحج عن الغير،دار الفكر)

زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب کرنے کا حکم:

سوال: کیا زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نیز بچے اور نبی کے لئے مغفرت کی دعا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: زندہ شخص اور پیغمبر کو ایصالِ ثواب کرنا صحیح ہے لیکن بچے اور نبی کے لئے مغفرت کی دعا نہ کریں بلکہ رفعِ درجات کی دعا کریں اس وجہ سے کہ وہ معصوم ہیں۔

ہدایہ میں ہے:

الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصومًا أو صدقةً أوغيرهاكتلاوةالقرآن والأذكار، فتح القدير، عند أهل السنة والجماعة لماروى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه ضحى بكبشين أملحين أحدهما عن نفسه والآخرعن أمته ممن أقر بوحدانية الله تعالىٰ وشهد له بالبلاغ.

(هدايه:١/٢٩٦، كتاب الحج،باب الحج عن الغير،شركة علمية)

شامی میں ہے:

وفی البحر: من صام أو صلی أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع، ثم قال: ولهذا علم أنه لافرق بين أن يكون المجعول له ميتًا أو حيًا ...... قلت: وقول علمائنا له أن يجعل ثواب عمله لغيره يدخل فيه النبي ﷺ فإنه أحق بذلك حيث أنقذنا من الضلالة، ففي ذلك نوع شكر و اسداء جميل له، والكامل قابل لزيادة الكمال.

(شامی: ۲/۲۴۳، ۲۴۴، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، سعيد)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

درجات میں ترقی بہر حال ہوتی ہے، اس لئے ایصالِ ثواب میں کیا اشکال ہے معصوم کے لئے استغفار کی حاجت نہیں۔ واللہ اعلم۔ (فتاوی محمودیه: ۹/۲۳۸، باب إهداء الثواب للميت)

رسول اللہ ﷺ کو ایصالِ ثواب کرنے کا حکم:

سوال: رسول اللہ ﷺ کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے یا نہیں اگر ہوسکتا ہے تو اس کے دلائل کیا ہیں؟

الجواب: رسول اللہ ﷺ کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے بلکہ کرنا چاہئے اور یہ مطلب نہیں کہ آپ ﷺ کو اس کی ضرورت ہے بلکہ یہ ہدیہ پیش کرنے والوں کی طرف سے اظہارِ تعلق و محبت کا ایک ذریعہ ہے جس سے جانبین کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کا نفع خود ایصالِ ثواب کرنے والوں کو پہونچتا ہے، اور آپ ﷺ کے درجات میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

ملاحظہ ہو رد المحتار میں ہے:

ذكر ابن الحجر في الفتاوى الفقهية: أن الحافظ ابن تيمية زعم منع اهداء ثواب القراءة للنبي ﷺ لأن جنابه الرفيع لايتجرأ عليه إلابما أذن فيه، وهو الصلاة عليه و سؤال الوسيلة له قال: وبالغ السبكي وغيره في الرد عليه، فإن مثل ذلك لايحتاج لإذن خاص، ألا ترىٰ أن ابن عمر رضي الله تعالى عنه كان يعتمر عنه ﷺ عمرًا بعد موته من غير وصية، وحج ابن الموفق وهو في طبقة الجنيد عنه سبعين حجة، وختم ابن السراج عنه ﷺ أكثر من عشرة آلاف ختمة، وضحى عنه مثل ذلك. قلت: رأيت نحو ذلك بخط مفتي الحنفية الشهاب أحمد بن الشلبي شيخ صاحب البحر نقلا عن شرح الطيبة للنويري، ومن جملة ما نقله: أن ابن عقيل من

الحنابلة قال: يستحب إهداؤها له ﷺ.

قلت: وقول علمائنا له أن يجعل ثواب عمله لغيره يدخل فيه النبي ﷺ فإنه أحق بذلك حيث أنقذنا من الضلالة، ففي ذلك نوع شكر وإسداء جميل له، والكامل قابل لزيادة الكمال، وما استدل به بعض المانعين، من أنه تحصيل الحاصل لأن جميع أعمال أمته في ميزانه ...... يجاب عنه بأنه لامانع من ذلك، فإن الله تعالى أخبرنا بأنه صلى عليه ثم أمرنا بالصلاة عليه، بأن نقول: اللّٰهم صل على محمد.

(رد المحتار: ۲/۲۴۴، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي ﷺ، سعيد)

''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں ہے:

امت کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے لئے ایصالِ ثواب نصوص سے ثابت ہے۔

چنانچہ ایصالِ ثواب کی ایک صورت آپ ﷺ کے لئے مقامِ وسیلہ کی درخواست ہے۔

عن عبد الله بن عمرو بن عاص رضي الله تعالى عنه أنه سمع النبي ﷺ يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا عليّ فإنه من صلى عليّ صلاة صلى الله عليه بها عشراً ثم سلوا لي الوسيلة فإنها منزلة في الجنة لاتنبغي لأحد من عباد الله وأرجو أن أكون أنا هو، فمن سئل لي الوسيلة حلت عليه الشفاعة. (مسلم شريف: ۱/۱۶۶)

عن جابر ابن عبد الله رضي الله تعالى عنه أن رسول الله ﷺ قال من قال حين يسمع النداء: اللّٰهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقامًا محمود الذي وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيامة. (مسلم شريف: ۱/۸۶)

ایصالِ ثواب کی ایک صورت آپ ﷺ کے لئے ترقیٔ درجات کی دعاء ہے۔

عن عمر رضي الله تعالى عنه قال استأذنت النبي رضي الله تعالى عنه في العمرة فأذن لي وقال لاتنسنا يا أخيّ من دعائك وفي رواية أشركنا يا أخيّ في دعائك.

(ابو داؤد شریف: ۱/۲۱۰، ترمذی شریف: ۲/۱۹۵)

جس طرح حیاتِ طیبہ میں آپ ﷺ کے لئے دعاء مطلوب تھی اسی طرح وصال شریف کے بعد بھی آپ ﷺ کے لئے دعاء مطلوب ہے۔

ایصالِ ثواب کی ایک صورت یہ ہے کہ آپ کی طرف سے قربانی کی جائے۔

حدثنا محمد بن عبيد المحاربي الكوفي حدثنا شريك عن أبي الحسناء عن الحكم عن حنش عن علي رضي الله تعالىٰ عنه أنه كان يضحي بكبشين أحدهما عن النبي صلى الله عليه وسلم والآخر عن نفسه فقيل له فقال: أمرني به يعني النبي صلى الله عليه وسلم فلا أدعه أبدا. هذا حديث غريب لانعرفه إلا من حديث شريك۔ (ترمذی شریف:١/١٨٠،باب فی التضحية بكبين.فيصل۔وابو داؤد شریف:٢/٢٩،باب الاضحية عن الميت،سعيد) (آپ کے مسائل اوران کا حل:٣/١٧٧۔١٧٨،ایصال ثواب)

صاحبِ تحفۃ الاحوذی نے مذکورہ بالا حدیث کی سند پر اشکال کیا ہے ملاحظہ ہو:

وقال المنذري: حنش هو أبو المعتمر الكناني الصنعاني وتكلم فيه غير واحد حتى صار مما لا تحتج به، وشريك هو ابن عبد الله القاضي فيه مقال وقد أخرج له مسلم في المتابعات، قلت: وأبو الحسناء شيخ عبد الله مجهول كما عرفت فالحديث ضعيف. (تحفة الأحوذي:٦/٢٩٠)

اشکال کا جواب ملاحظہ ہو:

(١) حنش أبو المعتمر الصنعاني الكوفي:

تہذیب التہذیب میں مذکور ہے:

قال أبو داؤد: هو ثقة، وقال العجلي: هو تابعي ثقة.

(تهذيب التهذيب: ٣/٥٣/١٦٥٣، بيروت۔ وتهذيب الكمال: ٧/٤٣٣، مؤسسة الرسالة)

معرفۃ الثقات میں مذکور ہے: حنش بن عبد الله ثقة. (معرفة الثقات:١/٣٢٦)

(٢) شريك:

تہذیب التہذیب میں مذکور ہے:

وقال يزيد بن الهيثم عن ابن معين: شريك ثقة، وهو أحب إليّ من أبي الأحوص و جرير وهو يروي عن قوم لم يرو عنهم سفيان الثوري، قال ابن معين: ولم يكن شريك عند يحيى يعني القطان بشيء وهو ثقة ثقة، ...... وقال العجلي: كوفي ثقة، وكان حسن الحديث، وكان أروى الناس عنه إسحاق الأزرق. (تهذيب التهذيب:٤/٣٠٥/٢٨٨٣،بيروت)

(٣) أبو الحسناء:

اعلاء السنن میں ہے:

قال الدولابي في الكنى: حدثنا العباس بن محمد عن يحيى بن معين قال: أبو الحسناء روى عنه شريك والحسن بن صالح الكوفي وهذا كما ترى قد عرفه يحيى بن معين

وناهيك بمن قد عرفه ولم يذكره بجرح ولا تعديل فهو ثقة، قال ابن معين: لايسكت عن جرح المجروحين، وقد روى عن أبي الحسناء اثنان من الثقات وليس بمجهول من روى عنه اثنان(كما مر في المقدمة)واندحض بذلك قول الهيثمي في مجمع الزوائد:فيه أبوالحسناء ولايعرف روى عنه غيرشريك. (اعلاء السنن: ۱۷/ ۲٦٨،۹،۲٦۸ باب التضحية،ادارة القرآن)

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''لانعرفه إلامن حديث شريك'' اس کے بارے میں علی بن المدینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:قد رواه غيرشريك. (عارضه الأحوذی:٦/ ۲۹۰)

لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے اور قابلِ استدلال ہے۔

اور اسی حدیث کی مثل مرقاۃ میں ایک صحیح حدیث ہے:

وفي رواية صححها الحاكم أنه(علي رضي الله تعالى عنه) كان يضحي بكبشين عن النبي صلى الله عليه وسلم وبكبشين عن نفسه وقال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم أمرني أن أضحي عنه أبداً فأنا أضحي عنه أبدًا.

(مرقاة شرح المشكاة:۳/ ۳۰۹،باب التضحية، الفصل الثاني ،امداديه، ملتان)

عن عائشة رضي الله تعالى عنها وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يضحي اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوأين فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد لله بالتوحيد وشهد له بالبلاغ وذبح الآخرعن محمد صلى الله عليه وسلم وآل محمد صلى الله عليه وسلم.

(ابن ماجہ شریف:ص ۲۲۵،باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،آرام باغ کراچی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں یقیناً ایسے حضرات ہیں جو مغفور لہم ہیں جب ان کو ایصالِ ثواب ہوسکتا ہے تو معصوم کو کیوں نہیں ہوسکتا؟ واللہ اعلم۔

ایصالِ ثواب پر اجرت لینے کا حکم:

سوال: ایک بستی کے باشندوں میں سے بہت کم لوگ قرآن خواں ہیں،بستی میں جب کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو میت کے رشتہ دار کسی حافظ صاحب کو معاوضہ دے کر قرآن شریف برائے ایصالِ ثواب ختم کراتے ہیں، کیا حافظ صاحب کے لئے اس معاوضہ کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا حافظ صاحب ایک قرآن شریف پڑھ کر متعدد اموات کو ایصالِ ثواب کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: قرآن شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کرنے پر اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے،ایصالِ ثواب بذاتِ خود ایک مستحسن اور اچھا کام ہے،میت کے رشتہ دار کو چاہئے کہ خود جتنا پڑھ سکتے ہیں قرآن یا اذکار وغیرہ پڑھ کر

میت کو ایصالِ ثواب کردے، پورا قرآن پڑھنا یا پڑھوانا ضروری نہیں ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے: "شفاء العليل وبل الغليل في حكم الوصية باالختمات والتّهاليل" اس میں آپ نے اس مسئلہ پر بالتفصیل کلام فرمایا ہے، عدمِ جواز پر چند احادیث پیش فرمائی مثلاً۔

(۱) قال رسول الله ﷺ اقرئوا القرآن ولاتأكلوبه ولا تجفواعنه ولا تغلّوا فيه ولاتستكثروا به. (رواه اسحاق في مسنده و عبدالرّزاق في مصنّفه)

(۲) حديث عبادة بن الصّامت، وذكرفيه تعليم عبادة بعض الصحابة القرآن واهداء رجل منهم إليه قوسا، ولما سئل النبي ﷺ عن ذلك قال: إن أردت أن يطوّقك الله طوقاً من النارفاقبلها. وكذا قصة أبي بن كعب رضي الله تعالیٰ عنه في ذلك.

اس رسالہ میں بہت سی فقہی کتب اور فتاوی سے نقل کیا گیا ہے کہ تلاوتِ مجردہ پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، مثلاً: كتاب الكراهية من الخلاصة، فتاوى قاضي خان، مجمع الانهر. الفتاوى البزازيه.

رسائل ابن عابدین میں ہے:

وقال الشيخ الرّملي على هامش البحر: المفتىٰ به جوازالأخذ استحساناً على تلاوة القرآن لاعلى القراءة المجردة كما في التاتارخانية. (رسائل ابن عابدين: ص ١٦٨)

محیطِ برہانی میں ہے:

إذا أوصى أن يدفع إلى إنسان كذا من ماله كذا ليقرء القرآن عند قبره فهذه الوصية باطلة وهي بدعة ولم يفعلها أحد من الخلفاء رضي الله تعالیٰ عنهم. (المحيط البرهاني: ٢٣/٣٩)۔

فتاوی محمودیہ میں ہے:

یہ لینا بھی ناجائز دینا بھی ناجائز ہے، قال تاج الشريعة في شرح الهداية: ان القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لالميت ولاللقاري. (فتاوى محموديه: ٩/ ٢١٦، مبوب و مرتب)

کفایت المفتی میں ہے:

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن مجید پڑھوانا، اور اس کے معاوضہ میں پڑھنے والوں کو کچھ دینا جائز نہیں، ہاں اگر بطورِ تبرع کے دے دیا جائے تو مباح ہے، مگر شرط یہ ہے کہ نہ دینے پر پڑھنے والا دل تنگ نہ ہو اور شکایت نہ کرے۔ واللہ اعلم۔ (کفایت المفتی: ۴/ ۱۳۵، فصل دوم، دار الاشاعت)

ریڈیو اسلام پر قراءت نشر کر کے ایصالِ ثواب کرانے کا حکم:

سوال: ریڈیو اسلام پر مختلف قراء کی قراءت نشر کرتے ہیں بعض حضرات کچھ رقم دیتے ہیں تا کہ اس کا ثواب ان کے مرحوم رشتہ داروں کو پہنچ جائے کیا اس طرح ایصالِ ثواب کرانا صحیح ہے؟ اور اس طرح رقم لینا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر قاری کچھ رقم لے کر ایصالِ ثواب کے لئے قرآن پڑھ لے تو یہ ناجائز ہے، لیکن قاری کچھ نہ لے بلکہ کچھ رقم ریڈیو اسلام کے وقت کو مخصوص کرنے اور ریڈیو کے دوسرے اخراجات کے لئے ہو تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے، نیز جب قرآن کریم کا پڑھنا ثواب ہے سننا بھی باعثِ اجر ہے لہذا اس کا ایصالِ ثواب کرنا بھی درست اور صحیح ہے۔

ملاحظہ ہو مشکوۃ شریف میں ہے:

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال جلست فی عصابة من ضعفاء المهاجرين و ان بعضهم ليستتر ببعض من العرى وقارئ يقرأ علينا إذ جاء رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقام علينا فلما قام رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم سكت القارى فسلم ثم قال ماكنتم تصنعون قلنا كنا نستمع إلى كتاب الله فقال الحمد لله الذى جعل من امتى من أمرت أن أصبر نفسى معهم قال فجلس وسطنا ليعدل بنفسه فينا ثم قال بيده هكذا فتحلقوا وبرزت وجوههم له فقال أبشروا يا معشر صعاليك المهاجرين بالنور التام يوم القيمة تدخلون الجنة قبل أغنياء الناس بنصف يوم و ذلك خمس مأة سنة. رواه أبو داؤد. والله اعلم. (مشکوۃ شریف: ۱/۱۹۱، فضائل القرآن)



فصلِ ششم

تعزیت کا بیان

تعزیت کے متعلق ضروری ہدایات:

تعزیت کے فضائل:

عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من عزی مصابًا فلہ مثل أجرہ.

(رواہ ابن ماجۃ: ۱۱۵، باب ماجاء فی ثواب من عزی۔ والترمذی: ۱/۲۰۵، باب ماجاء فی اجر من عزی، فیصل۔ والبیہقی فی السنن الکبری: ۲/۳۲۲/۷۳۳۹، باب مایستحب من تعزیۃ اھل)

ترجمہ: جو شخص مصیبت زدہ کی تعزیت کرے خدا تعالیٰ اس کو اتنا ثواب دے گا جتنا مصیبت زدہ کو (اس کے صبر کرنے پر)۔

وعن أبی برزۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من عزی ثکلی کسی بردًا فی الجنۃ.

(رواہ الترمذی: ۱/۲۰۶، باب آخر فی فضل التعزیۃ، فیصل)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسی عورت کی تعزیت کرے جس کا بچہ مر گیا ہو تو اس کو جنت میں چادر اڑھائی جائے گی۔

وعن عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من مؤمن یعزی أخاہ بمصیبۃ إلا کساہ اللہ عزوجل من حلل الکرامۃ یوم القیامۃ.

(رواہ ابن ماجۃ بإسناد حسن: ص ۱۱۵، باب ماجاء فی ثواب من عزی)

یعنی جو شخص مصیبت و پریشانی کے وقت اپنے بھائی کو تسلی دے اور اس کی تعزیت کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو بزرگی اور کرامت کا لباس پہنائیں گے۔

وعن أنس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من عزی أخاہ المؤمن من مصیبۃ کساہ اللہ یوم القیمۃ حلۃ خضراء یحبر بھا یوم القیمۃ قیل: یا رسول اللہ ما یحبر؟ قال یغبط.

(تاریخ بغداد: ۷/۳۹۷، بیروت)

وقال الإمام النووی رحمہ اللہ تعالیٰ: التعزية مشتملة على الأمر بالمعروف والنهي عن المنكروهي داخلة أيضا في قول الله تعالى: ﴿وتعاونوا على البر والتقوى﴾ وهذا من أحسن ما يستدل به في التعزية وثبت في الصحيح أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: والله في عون العبد ماكان العبد في عون أخيه.

وعن عبد الله بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ في حديث طويل أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال لفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماأخرجك يا فاطمة من بيتك؟ قالت: أتيت أهل هذا الميت فترحمت إليهم ميتهم أو عزيتهم به. (رواه أبو داؤد:٢/٨٩،باب في التعزية،سعيد،والنسائي)

وعن أبي بكر الصديق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمران بن حصين رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: قال موسىٰ علیہ الصلاۃ والسلام لربه عزوجل ما جزاء من عزى الثكلى قال: أجعله في ظل يوم لاظل إلاظلي. (رواه ابن السني في عمل اليوم والليلة:ص١٥٨،دائرة المعارف العثمانية)

تعزیت کا مسنون طریقہ:

تعزیت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ تدفین کے بعد یا تدفین سے قبل میت کے گھر والوں کے یہاں جا کر ان کو تسلی دے ان کی دل جوئی کرے، صبر کی تلقین وترغیب دے اوران کے اور میت کے حق میں دعائیہ جملے کہے۔

(فتاوی رحیمیہ و کفایت المفتی)

تعزیت کی منقول دعائیں:

(١) إن لله ما أخذ وله ما أعطى وكل شيء عنده لأجل مسمى فلتصبر ولتحتسب.

(بخاري شريف:١/١٧١،باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم يعذب الميت، قديمي)

یعنی جو لیا وہ بھی خدا کا ہے اور جو کچھ دیا وہ بھی اس کی ملکیت ہے، ہر ایک چیز کا اس کے پاس وقت مقرر ہے (یعنی مرحوم کی زندگی متعین تھی) پس صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔

(٢) اللّٰهم اغفرله وارفع درجته في المهديين واخلفه في عقبه في الغابرين وغفرلنا وله يا رب العالمين وافتح له في قبره ونورله فيه. (مسلم شريف:١/٣٠٣، كتاب الجنائز)

(٣) اللّٰهم اخلفه في أهله وبارك له في صفقة يمينه،قالها ثلاث مرات. (مسند أحمد)

(٤) أعظم الله أجرك وأحسن عزاءك وغفرلميتك.

(الأذكار للنووي رحمہ اللہ تعالیٰ: ص١٣٦، باب التعزية،مكتبة القدس)

خدا تم کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور تمہارے صبر کا بہترین صلہ عنایت فرمائے اور آپ کی میت کی بخشش کرے۔

(۵) إنالله و إنا إليه راجعون ما شاء الله كان وما لايشأ لايكون غفر الله له وأسكنه جنة الفردوس وأفاض عليه شأبيب غفرانه وادعوا الله تعالىٰ أن يفرغ على قلوبكم صبرًا جميلاً وعلى من فقد تم أجرًا جزيلاً بلطفه ورحمته آمين بحرمة سيد المرسلين ﷺ.

(فتاوی رحیمیہ)

تعزیت بذریعۂ خط بھی مسنون ہے:

مجبوری یا دوری کی بنا پر بذاتِ خود حاضر نہ ہو سکے تو بذریعۂ خط بھی تعزیت کرے کہ یہ بھی سنت ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے صاحبزادے کی وفات پر تعزیتی خط لکھا تھا، وہ خط مبارک یہ ہے:

وكتب النبي ﷺ إلى معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه يعزيه في ابن له:

"بسم الله الرحمن الرحيم: من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل سلام عليك فاني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو، أما بعد فأعظم الله لك الأجر وألهمك الصبر ورزقنا وإياك الشكر، ان أنفسنا وأهلينا وأموالنا وأولادنا من مواهب الله عزوجل الهنيّة وعواريّة المستودعة يمتع بها إلى أجل معلوم ويقبض لوقت محدود ثم افترض علينا الشكر إذا أعطى والصبر إذا ابتلى وكان ابنك من مواهب الله الهنيّة وعواريّه المستودعة متّعك به في غبطة وسرور وقبضه منك بأجر كبير، الصلاة والرحمة والهدى، إن احتسبته فاصبر ولايحبط جزعك أجرك فتندم، واعلم أن الجزع لايرد شيئاً ولايدفع حزنًا وما هو نازل فكان قد والسلام".

(حلية الاولياء: ۱/۲۴۳، دارالفكر، مع المستدرك على الصحيحين: ۳/۳۴۱/۵۱۹۳، دارابن حزم)

یعنی: نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے لڑکے کی تعزیت کے بارے میں لکھا ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اللہ کے رسول محمد ﷺ کی جانب سے معاذ بن جبل کے نام، تم پر سلامتی ہو، میں تمہارے سامنے اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، حمد وثنا کے بعد اللہ تعالیٰ تمہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے اور صبر کی توفیق دے اور ہمیں اور تمہیں شکر کی توفیق نصیب فرمائے، اس لئے کہ بے شک ہماری جانیں اور ہمارا مال اور ہماری بیویاں اور ہماری اولاد (سب) اللہ بزرگ وبرتر کے مبارک عطیے عاریت کے طور پر سپرد کی ہوئی چیزیں ہیں جن سے ہمیں ایک خاص مدت تک فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جاتا ہے اور مقررہ وقت پر اللہ تعالیٰ

ان کو واپس لے لیتا ہے، پھر ہم پر فرض عائد کیا گیا ہے کہ جب وہ عطا کرے تو ہم شکر ادا کریں اور جب وہ آزمائش کرے (اور ان کو واپس لے لے) تو صبر کریں، تمہارا بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کی ان خوشگوار نعمتوں اور سپرد کی ہوئی امانتوں میں سے ایک امانت تھا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے قابل رشک اور لائق مسرت صورت میں نفع پہونچایا، اور (اب) اجرِ عظیم،، رحمت ومغفرت اور ہدایت کے بدلہ اسے اٹھالیا اگر تم ثواب چاہتے ہو تو صبر کرو، کہیں تمہاری بے صبری (اور تمہارا رونا دھونا) تمہارا ثواب نہ کھودیں، پھر تمہیں پشیمانی اٹھانی پڑے اور یاد رکھو کہ رونا دھونا کوئی چیز لوٹا کر نہیں لاتا اور نہ ہی غم واندوہ کو دور کرتا ہے اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا، والسلام۔ (حصن حصین ص۱۸۰، پانچویں منزل بروز پیر)

تسلی بخش اور عبرت خیز کلمات:

دنیا میں ہر آنے والے کو ایک دن جانا ہے یہ خدا کا اٹل فیصلہ ہے:

کل نفس ذائقة الموت وکل روح مازرة الفوت

ترجمہ: زندگی کے سانس معدود اور اجل کا وقت مقرر ہے، لہٰذا موت ہونے پر ملامت اور بری بات نہیں کہنی چاہئے۔

لاتقل فیما جری کیف جری کل شیء بقضاء وقدر

ترجمہ: جو کچھ ہوا اس کے متعلق یوں نہ کہو کہ یہ کیسے ہوا، ہر چیز قضا وقدر کے موافق ہوتی ہے۔

ألا یا ساکن القصر المعلی ستدفن عن قریب فی التراب

ترجمہ: اے اونچے محل کے رہنے والے ہوشیار ہو جا، عنقریب تو مٹی میں دفن کیا جائے گا۔

لہ ملك ینادی کل یوم لِدوا للموت وابنوا للخراب

ترجمہ: فرشتہ ہر روز پکارتا ہے کہ مرنے کے لئے بچے جنو اور اجڑنے کے لئے عمارت بناؤ۔

قلیل عمرنا فی دار دنیا ومرجعنا إلی بیت التراب

ترجمہ: ہماری عمر دنیا میں بہت تھوڑی ہے اور ہم سب کا مرجع مٹی کا گھر ہے۔

اور جب وقتِ مقرر آجاتا ہے تو کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

وإذا المنیة أنشبت أظفارها ألفیت کل تمیمة لا تنفع

ترجمہ: جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے تو کوئی تعویذ اور علاج نفع نہیں پہنچاتا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی تو ایک بدوی نے ان کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعزیت کی اور یہ اشعار کہے:

اصبر تكن بك صابرين فإنما　　صبر الرعية بعد صبر الرأس

خير من العباس أجرك بعده　　والله خير منك للعباس

ترجمہ: یعنی آپ صبر کیجئے کہ ہم آپ کی وجہ سے صبر کریں اس لئے کہ بڑوں کو صبر کرتا ہوا دیکھ کر چھوٹے صبر کرتے ہیں، صبر کرنے پر آپ کو اجر ملے گا وہ آپ کے لئے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر ہے اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا کا جو قرب حاصل ہوا وہ ان کے لئے آپ کی بہ نسبت زیادہ نفع بخش ہے۔

منقول ہے کہ ان اشعار سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تسلی اور سکون قلبی حاصل ہوا۔ واللہ اعلم۔　(ملخص از فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۳۴۱۔۳۴۶، تعزیت کا مسنون طریقہ اور بذریعہ خط تعزیت کرنا، مسائل شتیٰ)

تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا حکم:

سوال: بعض علاقوں میں کسی کے انتقال کے بعد لوگ تعزیت میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں شرعاً یہ ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: تعزیت میں دو باتیں ہوتی ہیں ایک تو میت کے گھر والوں کو تسلی دینا اور صبر کی تلقین وغیرہ کرنا اور دوسری یہ کہ میت کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا اور دعاءِ مغفرت کے وقت ہاتھوں کے اٹھانے کا ثبوت روایات میں ملتا ہے لہذا ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے کی گنجائش ہے لیکن چونکہ تعزیت میں اکثر میت کے اہلِ خانہ کو تسلی اور صبر کی تلقین ہوتی ہے اس لئے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے۔ ہاں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه قال لما فرغ النبي صلى الله عليه وسلم من حنين بعث أبا عامر رضي الله تعالى عنه على جيش إلى أوطاس فلقي دريد بن الصمة فقتل دريد وهزم أصحابه قال أبوموسى رضي الله تعالى عنه وبعثني مع أبي عامر رضي الله تعالى عنه فرماه أبو عامر في ركبته، رماه جشمي بسهم فأثبته في ركبته فانتهيت إليه ...... قال يا ابن أخي اقرئ النبي صلى الله عليه وسلم السلام وقل له استغفر لي واستخلفني أبوعامر على الناس فمكث يسيرًا ثم مات فرجعت فدخلت على النبي صلى الله عليه وسلم في بيته على سرير مرمل وعليه فراش قد أثر رمال السرير بظهره وجنبيه فأخبرته بخبرنا وخبر أبي عامر وقال

قل له استغفر له فدعا بماء فتوضأ ثم رفع يديه فقال: " اللّٰهم اغفر لعبيد أبى عامر ورأيت بياض ابطيه ثم قال: اللّٰهمّ اجعله يوم القيمة فوق كثير من خلقك ومن الناس.

(رواه البخاري ٢/٦١٩/٤١٥٣، باب غزوة أوطاس، فيصل)

شامی میں ہے:

ولابأس بتعزية أهله وترغيبهم فى الصبر أى تصبيرهم والدعاء لهم به،قال فى القاموس: العزاء الصبر أوحسنه وتعزى:انتسب فالمراد هنا الأول ...... قال فى شرح المنية: ويستحب التعزية للرجال والنساء اللاتى لايفتن لقوله عليه الصلاة والسلام "من عزى أخاه بمصيبة كساه الله من حلل الكرامة يوم القيامة" رواه ابن ماجة وقوله عليه الصلاة والسلام" من عزى مصابًا فله مثل أجره" رواه الترمذى وابن ماجة،والتعزية أن يقول: أعظم الله أجرك وأحسن عزائك وغفر لميتك. والله اعلم. (شامی: ٢/٢٣٩، سعید کمپنی)

تعزیت اور نمازِ جنازہ دونوں میں فرق:

سوال: کیا تعزیت نمازِ جنازہ سے علیحدہ ہے یا نمازِ جنازہ تعزیت کے لئے کافی ہے؟

الجواب: تعزیت نمازِ جنازہ سے علیحدہ چیز ہے نمازِ جنازہ میت کا حق ہے اور تعزیت میت کے اہلِ خانہ کے لئے تسلی اور صبر کی تلقین کا نام ہے، ہاں اگر جنازہ میں میت کے رشتہ داروں سے ملاقات ہوئی اور ان کی تعزیت کی تو دوبارہ تعزیت کرنے کی ضرورت نہیں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

التعزية لصاحب المصيبة حسن كذا فى الظهيرة وروى الحسن بن زياد إذا عزى أهل الميت مرة فلا ينبغى أن يعزيه مرة أخرى كذا فى المضمرات ووقتها من حين يموت إلى ثلاثة أيام ويكره بعدها إلاأن يكون المعزى أو المعزى إليه غائبًا فلا بأس بها وهى بعد الدفن أولى منها قبله هذا إذا لم ير منهم جزع شديد فإن رؤى ذلك قدمت التعزية.

(الفتاوى الهنديه: ١/١٦٧)

شامی میں ہے:

وفى الإمداد: وقال كثير من متأخرى ائمتنا يكره الاجتماع عند صاحب الميت و يكره له الجلوس فى بيته حتى يأتى إليه، من يعزى، بل إذا فرغ ورجع الناس من الدفن فليتفرقوا

ویشتغل الناس بأمورهم وصاحب البیت بأمره. واللہ اعلم.

(شامی: ۲/۲۴۱، مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت، سعید)

تعزیتی جلسہ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام کہ اگر کسی بڑی شخصیت کا انتقال ہو جائے اور بغیر کسی دن کی تعیین کے ان کے متعلقین کا اجتماع بلالیا جائے اور اس کا مقصد اس شخصیت کے کارناموں کا بیان ہو اور ان کے اعمال واخلاق کا تذکرہ ہو تا کہ ان کے متعلقین ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان کے طریقہ کو زندہ کریں اور ایک دوسرے کی آراء سے استفادہ کریں، ہاں آسانی کی وجہ سے ایک دن معین کیا جائے لیکن وہ تعیین آسان کے لئے ہوں شریعت کا حکم سمجھ کر نہیں کیا گیا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ نیز اس اجتماع کا مقصد ان حالات کے مقابلہ کی تیاری ہوتی ہے جو کسی بزرگ کی وفات سے پیدا ہو جاتے ہیں، نیز اس اجتماع کو لازم اور ضروری یا سنت نہیں سمجھا جاتا چنانچہ نہ کرنے والوں پر کوئی نکیر نہیں ہوتی؟

الجواب: جب اجتماع کسی ایسی شخصیت کے متعلق ہو جس سے بے شمار فوائد دین وابستہ ہوں ان کی زندگی کا ہر پہلو قابل تشریح اور قابلِ تقلید ہو ان کے اعمال واخلاق کے پھیلانے کی ضرورت ہو ان کے متعلقین ایک دوسرے سے استفادہ کرتے ہوں ان کے مشن کو بڑھانے کی ضرورت ہو تو متعلقین کی آسانی کے لئے ایک دن مقرر ہو سکتا ہے، آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد ان گنت فتنوں کو دبانے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس اجتماع سے خطاب فرمایا تھا جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جمع ہوا تھا، نیز بخاری شریف کی روایت سے بھی تائید ہوتی ہے ملاحظہ ہو:

عن زیاد بن علاقة قال: سمعت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوم مات المغیرة بن شعبة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قام فحمد اللہ وأثنی علیه وقال علیکم باتقاء اللہ وحده لا شریك له والوقار والسکینة حتی یأتیکم أمیر فإنما یأتیکم الآن ثم قال: استغفروا لأمیرکم فإنه کان یحب العفو، الحدیث. واللہ اعلم.

(رواه البخاری: ۱/۱۴/۵۸، باب قول النبی ﷺ الدین النصیحة، فیصل)

مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنے کا حکم:

سوال: مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنے کا کیا حکم ہے؟ عام کتابوں میں مکروہ لکھتے ہیں اس میں بظاہر حرج ہے۔

الجواب: مقبرہ میں جوتے کے ساتھ چلنا آداب کے خلاف ہے، البتہ اگر حرج ہو اور جوتے گندگی وآلائش وغیرہ سے صاف ہو نیز چلنے میں تکبر کا اظہار نہ ہو بلکہ قبور کا احترام کرتے ہوئے تواضع وانکساری کے ساتھ چلے تو اس کی گنجائش ہے۔

ملاحظہ ہو بذل المجہود میں ہے:

عن بشير مولى رسول الله ﷺ...... بينما أنا أماشي مع رسول الله ﷺ...... ثم مر بقبور المسلمين ...... فإذا رجل لم أقف على تسميته يمشي في القبور عليه نعلان فقال يا صاحب السبتيتين ويحك ألق سبتيتيك فنظر الرجل فلما عرف رسول الله ﷺ خلعهما فرما بهما ...... وأمره بالخلع احترامًا بالنعال بين القبور قلت: لايتم ذلك إلا على بعض الوجوه المذكورة. (بذل المجهود: ٤/٢١٣)

آنحضور ﷺ کے زمانہ میں بال اترے ہوئے جوتے فیشن ایبل سمجھے جاتے تھے تو حدیث میں اس بات کی تلقین ہے کہ مقبرہ میں تواضع کی ہیئت اختیار کرے تکبر والی چیزوں سے اجتناب کرے اس لئے موجودہ زمانہ میں صاف بغیر بالوں کے جوتے عام استعمال کی چیز ہے لہٰذا مقبرہ میں اس کا استعمال کرنا درست ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

والمشي في المقابر بنعلين لايكره عندنا كذا في السراج الوهاج.

(الفتاوى الهندية: ١/١٦٧، الفصل السادس في القبر والدفن)

فتاوی رحیمیہ میں ہے:

قبروں پر جوتے پہن کر یا بغیر پہنے ہوئے چلنا سخت ممنوع اور مکروہ ہے، مگر جس جگہ پر قبر نہیں خالی جگہ ہے تو جوتے پہن کر چلنے میں کوئی حرج نہیں بلا کراہت جائز ہے، عالمگیری میں ہے: والمشي في القبور لايكره عندنا. ہاں احتیاط رکھے بالخصوص قبر کے پاس فاتحہ خوانی کے وقت جوتے اتار دے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

(فتاوى رحيميه: ٣/٩٧، كتاب الجنائز)

خواتین کے لئے زیارتِ قبور کا حکم:

سوال: احناف اور شوافع کے یہاں عورتوں کا قبروں پر جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: احادیث اور فقہاء کے کلام کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو قبرستان جانے کی اجازت ہے، ہاں فتنہ، شرک اور بدعت وغیرہ مفاسد کا اندیشہ ہو تو اجتناب کرنا چاہئے۔

ملاحظہ ہو احادیث کی روشنی میں:

(١) أخرج ابن عبد البر في التمهيد عن عبدالله بن أبي مليكة وكذا الحاكم في المستدرك عنه "أن عائشة رضي الله تعالى عنها أقبلت ذات يوم من المقابر فقلت لها: يا أم المؤمنين من أين أقبلت؟ قالت من قبر أخي عبد الرحمن بن أبي بكر رضي الله تعالى عنه فقلت لها: "أليس كان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن زيارة القبور؟ قلت: نعم، كان ينهى عن زيارتها. ثم أمر بزيارتها.

(التمهيد لابن عبد البر:٣/٢٣٣، مكتبة المؤيد. والمستدرك للحاكم:١/ ٤٩٥ /١٣٩٢، وقال الذهبي: صحيح)

وأخرجه ابن عبد البر بطريق آخر عن ابن أبي مليكة يقول: ركبت عائشة رضي الله تعالى عنها عنها فخرج إلينا غلامها، فقلت: أين ذهبت أم المؤمنين؟ قال: ذهبت إلى قبر أخيها. (التمهيد: ٣/٢٣٥)

(٢) وأخرج الترمذي في الجنائز عن عبدالله بن أبي مليكة قال: توفي عبد الرحمن بن أبي بكر رضي الله تعالى عنه بالحبشي قال: فحمل إلى مكة فدفن بها، فلما قدمت عائشة رضي الله تعالى عنها أتت قبر عبد الرحمن بن أبي بكر رضي الله تعالى عنه فقالت:

وكنا كندماني جذيمة حقبة	الدهر حتى قيل لن يتصدعا
فلما تفرقنا كأني ومالكا	لطول اجتماع لم نبت ليلة معا

إلى آخر الحديث. (ترمذی شریف:١/٢٠٣)

(٣) وأخرج مسلم أيضًا في الجنائز عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كيف أقول لهم يارسول الله؟ قال: قولي: "السلام على أهل الديار من المؤمنين والمسلمين، ويرحم الله المستقدمين منا والمستأخرين، وإنا إنشاء الله بكم لاحقون. (مسلم شریف:١/٣١٤)

(٤) وأخرج سعد في الطبقات الكبرى قال: أخبرنا موسى بن داؤد سمعت مالك بن أنس رحمه الله تعالى يقول: قسم بيت عائشة رضي الله تعالى عنها باثنين: قسم كان القبر، وقسم كان تكون فيه عائشة رضي الله تعالى عنها، وبينهما حائط، فكانت عائشة رضي الله تعالى عنها ربما دخلت حيث القبر فضلاً، فلما دفن عمر رضي الله تعالى عنه لم تدخل إلا وهي جامعة عليها ثيابها.

(طبقات ابن سعد: ٢/٢٢٤، دار الكتب العلمية، بيروت، فصل ذكر حفر قبر رسول الله)

(٥) وفي الطبقات الكبرى أيضًا قال: أنا عبد الله بن نمير قال: أنا زياد بن المنذر عن أبي جعفر قال: كانت فاطمة رضي الله تعالى عنها تأتي قبر حمزة رضي الله تعالى عنه ترمه و تصلحه.

(الطبقات الكبرى لابن سعد: ٣/١٣، طبقات البدريين من المهاجرين ذكر الطبقة الاولى حمزة بن عبد المطلب)

(٦) وفي التمهيد لابن عبد البر عن جعفر بن محمد، قال: كانت فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم تزور قبر حمزة بن عبد المطلب رضي الله تعالى عنه كل جمعة، وعلمته بصخرة.

(التمهيد لابن عبد البر: ٣/٢٣٤)

(٧) أخرج البخاري بسنده عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال مر النبي صلى الله عليه وسلم بامرأة تبكي عند قبر فقال: اتقي الله واصبري قالت: إليك عنّي فإنك لم تصب بمصيبتي......

(رواه البخاري: ١/١٧١)

قال الحافظ في الفتح بعد ذكر مذاهب العلماء في هذا الباب:

ويؤيد الجواز حديث الباب، وموضع الدلالة منه أنه لم ينكر على المرأة قعودها عند القبر، وتقريره حجة. (فتح الباري: ٣/١٤٨)

(٨) أخرج ابن ماجة عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان في جنازة فرأى عمر امرأةً فصاح بها فقال النبي صلى الله عليه وسلم دعها يا عمر...... (ابن ماجة: ١/١١٤، جنائز)

فقہاء کی عبارتیں ملاحظہ ہو:

درمختار میں ہے:

لابأس ...... بتعزية أهله ...... و بزيارة القبور ولو للنساء لحديث "كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها".

طحطاوی میں ہے:

قوله ولو للنساء ...... وقيل تحريم عليهن والأصح أن الرخصة ثابتة لهن، بحر.

(طحطاوي على الدر: ١/٣٨٣، كوئته)

شامی میں ہے:

وقال الخير الرملي: ان كان لتجديد الحزن والبكاء والندب على ماجرت به عادتهن فلا تجوز، وعليه حمل حديث لعن الله زائرات القبور، وان كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك لزيارة قبور الصالحين فلا بأس إذا كن عجائز، ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد. (شامي: ١/٢٤٢، سعيد)

مبسوط میں ہے:

وعن بريدة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: نهيتكم عن ثلاث: عن زيارة القبور،

فزوروها، فقد اذن لمحمد فی زیارة قبر أمه، ولا تقولوا هجرا، وعن لحم الأضاحی فوق ثلاثة أیام، فأمسكوه ما بدالكم وتزوّدوا، فإنما نهیتكم لیتسع به موسركم علی معسركم، وعن النبیذ فی الدباء والحنتم والمزفت، فاشربوا فی كل ظرف، فإن الظرف لایحل شیئًا ولایحرمه، ولا تشربوا مسكرًا ...... ومن العلماء من یقول: الإذن للرجال، دون النساء، والنساء یمنعن من الخروج إلی المقابر لما روی أن فاطمة رضی الله تعالی عنها خرجت فی تعزیة لبعض الأنصار ...... لعلك أتیت المقابر قالت لا ......، والأصح أن الرخصة ثابتة فی حق الرجال والنساء جمیعًا. فقد روی أن عائشة رضی الله تعالی عنها عنها كانت تزور قبر رسول الله صلی الله علیه وسلم فی كل وقت وانها لما خرجت حاجة زارت قبر أخیها عبد الرحمن رضی الله تعالی عنه، وانشدت عند القبر قول القائل: وكنا كندمانی ...... الخ. (المبسوط: ۱۰/ ۲٤، الاشربة، ادارة القرآن)

البحر الرائق میں ہے:

ولم یتكلم المصنف رحمه الله تعالی علی زیارة القبور، ولابأس ببیانه تكمیلاً للفائدة ...... وصرح فی المجتبی بأنها مندوبة، وقیل: تحرم علی النساء والأصح أن الرخصة ثابتة لهما .... (البحر الرائق: ۲/ ۱۹۵، کوئٹہ)

مراقی الفلاح میں ہے:

ندب زیارتها من غیر أن یطأ القبور للنساء والرجال، وقیل تحرم علی النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة للرجال والنساء، لأن السیّدة فاطمة رضی الله تعالی عنها كانت تزور قبر حمزة رضی الله تعالی عنه كل جمعة، وكانت عائشة رضی الله تعالی عنها تزور قبر أخیها عبد الرحمن رضی الله تعالی عنه بمكة، كذا ذكره البدر العینی رحمه الله تعالی فی شرح البخاری.

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۶۲۰، قدیمی)

اشکال اور جواب:

اشکال: اس مسئلہ پر اشکال یہ ہے کہ حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم زائرات القبور. (ابو داؤد: ۱/ ۴۶۱)

وفی روایة: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم زوّارات القبور. (ابن ماجۃ: ۱/ ۱۱۳)۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب: پہلی روایت یعنی "زائرات القبور" پر بہت کلام ہے اور دوسری روایت یعنی "لعن رسول

اللہ ﷺ زوّارات القبور"۔ صحیح ہے لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ بہت زیادہ جانا ممنوع ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو یا دیگر مفاسد ہوں مثلاً نوحہ وغیرہ تو جائز نہیں ہے ورنہ نفسِ جواز مذکورہ بالا روایات کے پیشِ نظر ثابت ہے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احکام الجنائز میں مذکورہ بالا روایت پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

لایجوز لهن الإكثار من زيارة القبور والتردد عليها لأن ذالك قد يفضي بهن إلى مخالفة الشريعة، من مثل الصياح والتبرج واتخاذ القبور مجالس للنزهة وتضييع الوقت في الكلام الفارغ كما هو مشاهد اليوم في بعض البلاد الإسلامية وهذا هو المراد إن شاء الله بالحديث المشهور: لعن رسول الله وفي لفظ: لعن الله زوّارات القبور.

وقد روى عن جماعة من الصحابة: أبو هريرة رضي الله تعالى عنه، حسان بن ثابت رضي الله تعالى عنه، وعبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنه.

(١) أما حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه فهو من طريق عمر بن أبي سلمة عن أبيه عنه، أخرجه الترمذي، وابن ماجة، وابن حبان، والبيهقي، والطيالسي، وأحمد، واللفظ الآخر للطيالسي والبيهقي، وقال الترمذي: حديث حسن صحيح وقد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبي ﷺ في زيارة القبور، فلما رخص دخل في رخصته الرجال والنساء، وقال بعضهم: إنما كره زيارة القبور في النساء لقلة صبرهن وكثرة جزعهن.

قلت: ورجال إسناد الحديث ثقات كلهم. غير أن في عمر بن أبي سلمة كلامًا لعل حديثه لاينزل به عن مرتبة الحسن، لكن حديثه هذا صحيح لما له من الشواهد الآتية:

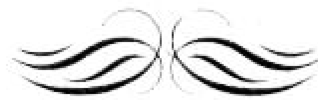
(٢) وأما حديث حسان بن ثابت رضي الله تعالى عنه فهو من طريق عبد الرحمن بن بهمان عن عبد الرحمن بن ثابت عن أبيه به. أخرجه ابن أبي شيبة، وابن ماجة، والحاكم، والبيهقي، وأحمد، وقال البوصيري في الزوائد: إسناده صحيح رجاله ثقات، كذا قال: وابن بهمان هذا لم يوثقه غير ابن حبان، والعجلي وهما معروفان بالتساهل في التوثيق، وقال ابن المديني فيه: لانعرفه، ولذا قال الحافظ في التقريب: مقبول يعني عند المتابعة، ولم أجد له متابعًا، لكن الشاهد الذي قبله وبعده في حكم المتابعة: فالحديث مقبول.

(٣) وأما حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنه فهو من طريق أبي صالح عنه باللفظ الأول إلا أنه

قال: زائرات القبور وفی روایة زوّارات، أخرجه ابن أبی شیبة، وأصحاب السنن الأربعة،وابن حبان، والحاكم، والبیهقی، والطیالسی، والروایة الأخری لهما وأحمد، وقال الترمذی: حدیث حسن. وأبوصالح هذامولی أم هانی بنت أبی طالب واسمه:باذان ویقال باذام.

قلت: وهوضعیف بل اتهمه بعضهم وقد أوردت حدیثه فی "سلسلة الأحادیث الضعیفة" لزیادة تفرد بها فیه، وذكرت بعض أقوال الأئمة فی حاله فیراجع، قد تبین من تخریج الحدیث أن المحفوظ فیه إنما هوبلفظ زوّارات لاتفاق حدیث أبی هریرة رضی الله تعالی عنه وحسان رضی الله تعالی عنه علیه، وكذا حدیث ابن عباس رضی الله تعالی عنه فی روایة الأكثرین علی ما فیه من ضعف فهی إن لم تصلح للشهادة فلاتضر، كما لایضرفی الاتفاق المذكورالروایة الأخری من حدیث ابن عباس رضی الله تعالی عنه كما هو ظاهر، وإذاكان الأمر كذلك فهذه اللفظ: "زوّارات" إنما یدل علی لعن النساء اللاتی یكثرن الزیادة بخلاف غیرهن فلایشملهن اللعنة، فلا یجوز حینئذ أن یعارض بهذا الحدیث ما سبق من الأحادیث الدالة علی استحباب الزیارة للنساء، لأنه خاص وتلك عامة، فیعمل كل منهما فی محله، فهذا الجمع أولی من دعوی النسخ وإلی نحوما ذكرنا ذهب جماعة من العلماء، فقال القرطبی: اللعن المذكورفی الحدیث إنما هو للمكثرات من الزیارة لما تقتضیه الصیغة من المبالغة، ولعل السبب ما یفضی إلیه ذلك من تضییع حق الزوج والتبرج، وما ینشأ من الصیاح ونحوذلك وقد یقال: إذا أمن جمیع ذلك فلا مانع من الإذن لهن، لأن تذكرالموت یحتاج إلیه الرجال والنساء.

قال الشوكانی فی نیل الأوطار: وهذا الكلام هوالذی ینبغی اعتماده فی الجمع بین أحادیث الباب المتعارضة فی الظاهر. والله اعلم. (أحكام الجنائز للشیخ الألبانی: ص۱۴۸)



فصلِ ہفتم

شہید کے احکام کا بیان

ظلماً قتل کیا جاوے وہ شہید ہے:

سوال: کسی مسلمان کو اگر غیر مسلم دکان وغیرہ میں قتل کردے تو شہید کے حکم میں ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں ظلماً قتل کیا جانے والا مسلمان شہید ہے یعنی اس پر شہید کے احکام جاری ہوں گے، لہٰذا اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور اسی خون آلودہ کپڑوں میں دفن کیا جائے گا۔

ملاحظہ ہو بدائع الصنائع میں ہے:

ولونزل عليه اللصوص ليلاً فى المصرفقتل بسلاح أوغيره أوقتله قطاع الطريق خارج المصربسلاح أوغيره فهوشهيدلأن القتيل لم يخلف فى هذه المواضع بدلاً هومال ولوقتل فى المصرنهارًا بسلاح ظلمًا بأن قتل بحديدة أومايشبه الحديدة كالنحاس والصفروماأشبه ذلك، أومايعمل عمل الحديدة من جرح أوقطع أوطعن بأن قتله بزجاجة أوبليطة قصب أوطعنه برمح لازج له أورماه بنشابة لانصل لهاأوأحرقه بالناروفى الجملة كل قتل يتعلق به وجوب القصاص فالقتيل شهيد. (بدائع الصنائع:۱/۳۲۱،فصل فى الشهيد،سعيد)

درمختار میں ہے:

وهو كل مسلم طاهر ...... قتل ظلمًا بغيرحق بجارحة أى بمايوجب القصاص ولم يجب بنفس القتل المال بل قصاص حتى لووجب المال بعارض كالصلح أوقتل الأب ابنه لاتسقط الشهادة. (الدرالمختار:۲/۲۴۷۔والشامی:۲/۲۵۰،سعيد۔وكذافى الفتاوى الهندية:۱/۱۶۷،الفصل السابع فى الشهيد۔وفتاوی محمودیہ:۹/۲۹۵،باب احكام الشهيد)

بہشتی زیور میں ہے:

شہید کے جو احکام یہاں بیان کرنا مقصود ہیں وہ اس شہید کے ساتھ خاص ہیں جس میں یہ شرائط پائی جائیں:

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) مکلّف یعنی عاقل بالغ ہونا۔

(۳) حدث اکبر سے پاک ہونا۔

(۴) بے گناہ مقتول ہونا۔

(۵) آلہ جارحہ کے ساتھ مارا گیا ہو۔

(۶) اس قتل کی سزا میں ابتداءً شریعت کی طرف سے کوئی مالی عوض نہ مقرر ہو بلکہ قصاص واجب ہوا ہو۔

(۷) بعد زخم لگنے کے پھر کوئی امرِ راحت وتمتعِ زندگی مثل کھانے پینے سونے دوا کرنے وغیرہ کے اس سے وقوع میں نہ آئے اور نہ بمقدار وقت ایک نماز کے اس کی زندگی حالتِ ہوش وحواس میں گذرے۔

جس شہید میں یہ سب شرائط پائی جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے اور اس کا خون جسم سے زائل نہ کیا جائے اسی طرح اس کو دفن کر دیں، دوسرا حکم یہ ہے کہ جو کپڑے پہنے ہوئے ہو ان کپڑوں کو اس کے جسم سے نہ اتاریں، ہاں اگر اس کے کپڑے عدد مسنون سے کم ہوں تو عدد مسنون کے پورا کرنے کے لئے اور کپڑے زیادہ کردئے جائیں، اسی طرح زائد کپڑے اتار لئے جائیں ...... اگر کسی شہید میں ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جاوے تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور مثل دوسرے مردوں کے نیا کفن بھی پہنایا جاوے گا۔ واللہ اعلم۔

(بہشتی زیور گیارہواں حصہ: ص ۱۰۰، مدلل ومکمل، دار الاشاعت)

سنامی میں شہید ہونے والوں کا حکم:

سوال: سنامی میں جو لوگ شہید ہوئے بعض لوگ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث "عصفور من عصافير الجنة" سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کو شہداء نہیں کہنا چاہئے کیا یہ صحیح ہے؟ ان کو شہداء کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں سنامی میں انتقال کرنے والوں کو شہداء کہنا صحیح اور درست ہے، کیوں کہ غریق بھی شہید کے اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

ملاحظہ ہو حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الشهداء خمس المطعون والمبطون

الغريق وصاحب الهدم والشهيد في سبيل الله.

(رواه الترمذي: ۱/ ۲۰۴، باب كاجاء في الشهداء من هم، فيصل)

ہاں قطعی فیصلہ بغیر وحی کے نہیں ہوسکتا اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے قطعی فیصلہ کرنے والوں پر تنبیہ فرمائی البتہ ان شاء اللہ کے ساتھ شہید کہنے میں کوئی حرج نہیں لہٰذا اب ان دونوں احادیث کی وجہ سے کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت ملاحظہ ہو:

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن شهاب قال: أخبرني خارجة بن زيد بن ثابت رضي الله تعالى عنه أن أم العلاء امرأة من الأنصار رضي الله تعالى عنها بايعت رسول الله ﷺ أخبرته أنهم اقتسموا المهاجرين قرعة قالت: فطار لنا عثمان بن مظعون رضي الله تعالى عنه وأنزلناه في أبياتنا فوجع وجعة الذي توفي فيه فلما توفي غسل وكفن في أثوابه دخل رسول الله ﷺ قالت: فقلت رحمة الله عليك أبا السائب فشهادتي عليك لقد أكرمك الله فقال رسول الله ﷺ وما يدريك أن الله أكرمه فقلت: بأبي أنت يارسول الله فمن يكرمه الله فقال رسول الله ﷺ: أما هو فوالله جاءه اليقين والله إني لأرجو له الخير ووالله ما أدري وأنا رسول الله ماذا يفعل بي فقالت: والله لا أزكي بعده أحدًا أبدًا. (رواه البخاري: ۲/ ۱۰۳۷، ۶۷۳۳، باب رؤيا النساء)

"عصفور من عصافير الجنة" والی روایت ملاحظہ ہو:

عن عائشة أم المؤمنين رضي الله تعالى عنها قالت: دعي رسول الله ﷺ إلى جنازة صبي من الأنصار فقلت: يارسول الله طوبى لهذا عصفور من عصافير الجنة لم يعمل السوء ولم يدركه قال: أو غير ذلك ياعائشة إن الله خلق للجنة أهلاً خلقهم لها وهم في أصلاب آبائهم فخلق للنار أهلاً خلقهم لها وهم في أصلاب آبائهم. والله اعلم. (رواه مسلم: ۲/ ۳۳۷)

نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے شہید ہونے والے کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص کسی نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے شہید ہوجائے تو اس کو غسل دیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: نامعلوم ظالم کے ہاتھ سے قتل ہونے والا شخص شہید کے حکم میں لہٰذا اس پر شہداء کے احکام جاری ہوں گے یعنی حنفیہ کے ہاں غسل نہیں دیا جائے گا۔

مبسوط میں ہے:

ومن صار مقتولاً من جهة قطاع الطريق لم يغسل أيضًا لأنه قتل دافعًا عن ماله وقد قال ﷺ: "من قتل دون ماله فهو شهيد" فلهذا لا يغسل. (المبسوط: ۵۲/۲، باب الشهيد، ادارة القرآن)

ہدایہ میں ہے:

ومن قتله أهل حرب أو أهل البغي أو قطاع الطريق فبأي شيء قتلوه لم يغسل لأن شهداء أحد ما كان كلهم قتيل السيف والسلاح.

(الهداية: ۱۸۳/۱، باب الشهيد، شركة علمية۔ ودرر الحكام شرح غرر الاحكام: ۱۶۹/۱، باب الشهيد)

بہشتی زیور میں ہے:

شہید کے جو احکام یہاں بیان کرنا مقصود ہیں وہ اس شہید کے ساتھ خاص ہیں جس میں یہ شرائط پائی جائیں:

(۱) مسلمان ہونا۔

(۲) مکلّف یعنی عاقل بالغ ہونا۔

(۳) حدثِ اکبر سے پاک ہونا۔

(۴) بے گناہ مقتول ہونا۔

(۵) آلہ جارحہ کے ساتھ مارا گیا ہو۔

(۶) اس قتل کی سزا میں ابتداءً شریعت کی طرف سے کوئی مالی عوض نہ مقرر ہو بلکہ قصاص واجب ہوا ہو۔

(۷) بعد زخم لگنے کے پھر کوئی امرِ راحت وتمتعِ زندگی مثل کھانے پینے سونے دوا کرنے وغیرہ کے اس سے وقوع میں نہ آئے اور نہ بمقدار وقت ایک نماز کے اس کی زندگی حالتِ ہوش وحواس میں گذرے۔

جس شہید میں یہ سب شرائط پائی جائیں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہ دیا جائے اور اس کا خون جسم سے زائل نہ کیا جائے اسی طرح اس کو دفن کر دیں، دوسرا حکم یہ ہے کہ جو کپڑے پہنے ہوئے ہو ان کپڑوں کو اس کے جسم سے نہ اتاریں، ہاں اگر اس کے کپڑے عدد مسنون سے کم ہوں تو عدد مسنون کے پورا کرنے کے لئے اور کپڑے زیادہ کر دئے جائیں، اسی طرح زائد کپڑے اتار لئے جائیں...... اگر کسی شہید میں ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جاوے تو اس کو غسل بھی دیا جائے گا اور مثل دوسرے مردوں کے نیا کفن بھی پہنایا جاوے گا۔ **واللہ اعلم۔** (بہشتی زیور گیارہواں حصہ: ص ۱۰۰، مدلل ومکمل، دار الاشاعت)

اقسام شہداء:

سوال: شہداء کی کتنی قسمیں ہیں اور کون کون سی؟

جواب: شہداء کی بہت ساری قسمیں ہیں علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مستقل رسالہ ''ابواب السعادۃ فی اسباب الشہادۃ'' تحریر فرمایا ہے جس میں ۴۵ سے زیادہ اقسام بیان فرمائی ہے۔

ملاحظہ ہو علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ ''التعلیق الممجد'' میں فرماتے ہیں:

قد ورد في الأخبار عدد كثير لمن يجد ثواب الشهادة فمن ذلك: (۱) المقاتل المجاهد وهو أعلى الشهداء (۲) والمطعون (۳) والمبطون (٤) والغريق (٥) وصاحب ذات الجنب (٦) والحريق (۷) والتي تموت بجُمع (۸) والذي يموت بهدم (۹) ومن يقصد الشهادة ويعزم عليه ولايتفق له ذلك كما هو ثابت في حديثي الباب (۱۰) وصاحب السُّل أخرجه أحمد من حديث راشد بن خنيس والطبراني من حديث سلمان رضي الله تعالى عنه (۱۱) والغريب أي المسافر بأي مرض مات أخرجه ابن ماجة من حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنه والبيهقي في الشعب من حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه والدارقطني من حديث ابن عمر رضي الله تعالى عنه والصابوني في المأتين من حديث جابر رضي الله تعالى عنه والطبراني من حديث عنترة رضي الله تعالى عنه (۱۲) و صاحب الحمى أخرجه الديلمي من حديث أنس رضي الله تعالى عنه (۱۳) واللديغ (١٤) والشريق (١٥) والذي يفترسه السبع (١٦) والخارعن دابته رواها الطبراني من حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنه (۱۷) والمتردي أخرجه الطبراني من حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه (۱۸) والميت على فراشه في سبيل الله من حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه (۱۹) والمقتول دون ماله (۲۰) والمقتول دون دينه (۲۱) والمقتول دون دمه (۲۲) والمقتول دون أهله أخرجه أصحاب السنن من حديث سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه (۲۳) أو دون مظلمته أخرجه أحمد من حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنه (٢٤) والميت في السجن وقد حبس ظلمًا رواه ابن مندة من حديث علي رضي الله تعالى عنه (٢٥) والميت عشقًا وقد عف وكتم أخرجه الديلمي من حديث ابن عباس رضي الله تعالى عنه (٢٦) والميت وهو طالب العلم أخرجه البزار من حديث أبي ذر رضي الله تعالى عنه وأبي هريرة رضي الله تعالى عنه (۲۷) والمرأة في حملها إلى وضعها إلى فصالها ماتت بين ذلك أخرجه أبو نعيم من حديث ابن عمر رضي الله تعالى عنه (۲۸) والصابر القائم ببلد وقع به الطاعون أخرجه

أحمد من حديث جابر رضي الله تعالى عنه (۲۹) والمرابط في سبيل الله (۳۰) ومن قتل بأمره الإمام الجائر بالمعروف ونهيه عن المنكر (۳۱) ومن صبر من النساء على الغيرة أخرجه البزار والطبراني من حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه (۳۲) ومن قال كل يوم خمسًا وعشرين مرة "اللّٰهم بارك لي في الموت وفيما بعد الموت" أخرجه الطبراني من حديث عائشة رضي الله تعالى عنها (۳۳) ومن صلى الضحى وصام ثلاث أيام من الشهر ولم يترك الوتر في السفر ولا الحضر أخرجه الطبراني من حديث ابن عمر رضي الله تعالى عنه (۳٤) والمتمسك بالسنة عند فساد الأمة أخرجه الطبراني من حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه (۳۵) والتاجر الأمين الصدوق أخرجه الحاكم من حديث ابن عمر رضي الله تعالى عنه (۳٦) ومن دعا في مرضه أربعين مرة "لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين" ثم مات أخرجه الحاكم من حديث سعد رضي الله تعالى عنه (۳۷) وجالب طعام إلى بلد أخرجه الديلمي من حديث ابن مسعود رضي الله تعالى عنه (۳۸) والمؤذن المحتسب، أخرجه الطبراني من حديث ابن عمر رضي الله تعالى عنه (۳۹) ومن سعى على امرأته أو ما ملكت يمينه يقيم فيهم أمر اللّٰه ويطعمهم من الحلال (٤۰) ومن اغتسل بالثلج فأصابه برد (٤۱) ومن صلى على النبي صلى الله عليه وسلم مأة مرة، أخرجه الأول ابن أبي شيبة في المصنف عن الحسن والثاني الطبراني في الأوسط من حديث أنس رضي الله تعالى عنه (٤۲) من قال حين يصبح ويمسي "اللّٰهم إني أشهدك انك أنت اللّٰه الذي لا إله إلا أنت وحدك لا شريك لك وأن محمدًا عبدك ورسولك أبوء بنعمتك عليّ وأبوء بذنبي فاغفر لي انه لا يغفر الذنوب غيرك" أخرجه الأصبهاني من حديث حذيفة رضي الله تعالى عنه (٤۳) ومن قال حين يصبح ثلاث مرات أعوذ باللّٰه السميع العليم من الشيطان الرجيم ويقرأ ثلاث آيات من سورة الحشر أخرجه الترمذي من حديث معقل رضي الله تعالى عنه (٤٤) ومن مات يوم الجمعة أخرجه حميد بن منجويه من حديث رجل من الصحابة (٤۵) ومن طلب الشهادة صادقًا أخرجه مسلم فهذه خمسة وأربعون ورد فيهم أن لهم أجر الشهداء وقد ساق الأخبار الواردة فيها السيوطي رحمه الله تعالى في رسالته "أبواب السعادة في أسباب الشهادة" مع زيادة.

(التعليق الممجد على مؤطا امام محمد مع تحقيق الدكتور تقي الدين ندوي: ۲/۸۹، ۹۰، ۹۱، باب ما يكون من الموت شهادة، دار السنة والسيرة بدمشق۔ وكذا في مظاهر حق جديد: ۲/۳۸، دار الاشاعت۔ ودليل الفالحين: ٤/۱۵۷، باب بيان جماعة من الشهداء في ثواب الآخرة ويغسلون۔ والشامي: ۲/۲۵۲، مطلب في تعداد الشهداء، سعيد)

اضافہ کے ساتھ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) راہِ خدا میں جس کو قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔

(۲) طاعون کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(۳) پیٹ کی بیماری میں یعنی دست اور استسقاء میں مرجانے والا شہید ہے۔

(۴) پانی میں بے اختیار ڈوب کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۵) نمونیہ کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(۶) جل کر مرنے والا شہید ہے۔

(۷) کنواری یا حالتِ حمل میں مرجانے والی عورت شہید ہے۔

(۸) دیوار یا چھت کے نیچے دب کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۹) اور جسے شہادت کی پرخلوص تمنا اور لگن ہو مگر شہادت کا موقع اسے نصیب نہ ہو اور اس کا وقت پورا ہوجائے اور شہادت کی تمنا دل میں لئے دنیا سے رخصت ہوجائے وہ شہید ہے۔

(۱۰) دِق ''ٹی بی'' کی بیماری میں مرنے والا شہید ہے۔

(۱۱) حالتِ سفر میں مرنے والا شہید ہے۔

(۱۲) بخار میں مرنے والا شہید ہے۔

(۱۳) جو زہریلے جانور کے کاٹنے سے مرجائے وہ شہید ہے۔

(۱۴) گلے میں پانی پھنس جانے اور دم گھٹ جانے کی وجہ سے مرجائے وہ شہید ہے۔

(۱۵) درندوں یعنی شیر وغیرہ کا لقمہ بن جانے والا شہید ہے۔

(۱۶) سفر جہاد میں سواری سے گر کر مرجانے والا شہید ہے۔

(۱۷) جس شخص کو گھوڑا یا اونٹ کچل اور روند ڈالے اور وہ مرجائے یعنی کسی حادثہ میں مرجائے جیسے کار کا حادثہ، ہوائی جہاز کا حادثہ وغیرہ وہ شہید ہے۔

(۱۸) دورانِ جہاد اپنی موت مرجانے والا شہید ہے۔

(۱۹-۲۳) اپنے مال، اپنے دین، اپنے خون، اپنے اہل وعیال، اور حق کی خاطر قتل کیا جانے والا شہید ہے۔

(۲۴) جس شخص کو حاکم وقت ظلم وتشدد کے طور پر قید خانہ میں ڈال دے اور وہ وہیں مرجائے وہ شہید ہے۔

(۲۵) پاکباز اور پرہیز گار عاشق جس نے اپنے عشق کو چھپایا اور اسی حال میں اس کا انتقال ہو گیا وہ شہید ہے۔

(۲۶) طلب علم میں مرنے والا شہید ہے، اور طلب علم میں مرنے والے سے وہ شخص مراد ہے جو حصول علم اور درس وتدریس میں مشغول ہو، یا تصنیف وتالیف میں مصروف ہو، یا کسی علمی مجالس میں حاضر ہو۔

(۲۷) جو عورت حاملہ ہونے کے بعد سے بچے کی پیدائش تک، یا بچہ کا دودھ چھڑانے تک مر جائے وہ شہید ہے۔

(۲۸) کسی شہر میں طاعون پھیل جائے اس وقت اسی شہر میں صبر کر کے ٹھہر جائے وہ شہید ہے۔

(۲۹) اسلامی مملکت کی سرحدوں کی حفاظت کے دوران مر جانے والا شہید ہے۔

(۳۰) جو شخص ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اسے اچھا اور نیک کام کرنے کا حکم دے اور برے کام سے روکے اور وہ حاکم اس شخص کو مار ڈالے تو وہ شہید ہے۔

(۳۱) جس عورت نے اپنی سوکن کی موجودگی میں صبر وضبط سے کام لیا اسے شہید کا ثواب ملے گا۔

(۳۲) جو شخص روزانہ یہ دعا "**اللّٰھم بارك لی فی الموت وفیما بعد الموت**" پچیس مرتبہ پڑھے گا اور اپنی فطری موت مرے گا اس کو اللہ تعالیٰ شہید کا ثواب عنایت فرمائیں گے۔

(۳۳) جو شخص اشراق اور چاشت کی نماز کا اہتمام کرے اور مہینہ میں تین روزے رکھے، اور حالتِ سفرِ وحضر میں وِتر کی نماز نہ چھوڑے اس کے لئے شہید کا اجر لکھا جاتا ہے۔

(۳۴) جب امت میں اعتقادی اور عملی گمراہی پھیل جائے اس وقت سنت پر مضبوطی سے قائم رہنے والا شہید ہے۔

(۳۵) سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔

(۳۶) جو مسلمان اپنے مرض میں حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کی یہ دعا "**لا إله إلا أنت سبحانك إنی كنت من الظالمین**" چالیس مرتبہ پڑھے اور اسی مرض میں مر جائے تو اسے شہید کا ثواب دیا جاتا ہے۔

(۳۷) جو شخص مسلمانوں کے لئے غلہ فراہم کرے وہ شہید ہے۔

(۳۸) بلا اجرت صرف رضائے الٰہی کی خاطر اذان دینے والا مؤذن۔

(۳۹) جو شخص اپنے اہل وعیال اور اپنے غلام باندی کے لئے کمائے وہ شہید ہے۔

(۴۰) برف سے غسل کرنے کی وجہ سے سردی نے مار ڈالا ہو وہ شہید ہے۔

(۴۱) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار اپنی رحمت نازل فرماتے ہیں، جو شخص مجھ پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس پر سو مرتبہ اپنی رحمت نازل فرماتے ہیں، اور جو شخص مجھ پر سو مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان براءت یعنی نفاق اور آگ سے نجات لکھ دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ رکھے گا۔

(۴۲) جو شخص صبح وشام یہ دعا پڑھے "اللّٰھم إنی أشھدك انك أنت اللّٰہ الذی لاإلٰہ إلا أنت وحدك لا شریك لك و أن محمدًا عبدك ورسولك أبوء بنعمتك علیّ و أبوء بذنبی فاغفرلی انه لایغفر الذنوب غیرك" وہ شہید ہے۔

(۴۳) جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ "أعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم" اورسورۂ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرر کرتے ہیں اور فرشتے اس کے لئے شام تک بخشش کی دعا کرتے ہیں اور وہ شخص اگر اس دن مرجاتا ہے تو اس کی موت شہید کی موت ہوتی ہے، اور جو شخص شام کو یہ آیتیں پڑھتا ہے وہ بھی اسی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

(۴۴) جو شخص جمعہ کی شب میں مرجاتا ہے وہ شہید ہے۔

(۴۵) جو شخص سچے دل سے شہادت طلب کرے اور مرجائے تو وہ شہید ہے۔

(۴۶) منقول ہے کہ جو شخص مرگی کے مرض میں مرجاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

(۴۷) جو شخص حج اور عمرہ کے دوران مرجاتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

(۴۸) جو شخص باوضو مرتا ہے وہ شہید ہوتا ہے۔

(۴۹) اسی طرح رمضان کے مہینے میں بیت المقدس، مکہ یا مدینہ مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے۔

(۵۰) دبلاہٹ کی بیماری میں مرنے والا شخص شہید ہوتا ہے۔

(۵۱) جو شخص کسی آفت وبلا میں مبتلا ہو اور اس آفت وبلا پر صبر ورضا کا دامن پکڑے ہوئے مرجائے وہ شہید ہے۔

(۵۲) جو شخص صبح وشام "له مقالید السموات والأرض" پڑھے وہ شہید ہے۔

(۵۳) منقول ہے کہ جو شخص نوے برس کی عمر میں مرے وہ شہید ہے۔

(۵۴) یا آسیب زدہ ہوکر مرے۔

(۵۵) یا اس حال میں مرے کہ اس کے ماں باپ اس سے خوش ہوں۔

(۵۶) یا نیک بخت بیوی اس حال میں مرے کہ اس کا خاوند اس سے خوش ہو تو وہ شہید ہے۔

(۵۷) اسی طرح عادل حاکم و بادشاہ اور شرعی قاضی، یعنی وہ قاضی جو ہمیشہ حق وانصاف کی روشنی میں فیصلہ کرے وہ شہید ہے۔

(۵۸) جو مسلمان کسی کمزور مسلمان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے وہ بھی شہید ہے۔

(۵۹) گڑھے میں گر کر مر جانے والا شہید ہے۔

(۶۰) جو شخص کشتی میں بیٹھا اور دورانِ سفر قے میں مبتلا ہوا تو اسے شہید کا اجر ملتا ہے۔

(۶۱) جس شخص نے اپنی زندگی لوگوں کی مہمان داری اور خاطر وتواضع میں گزاری وہ شہید ہے۔

(۶۲) جو شخص میدانِ کارزار میں زخمی ہو کر فوراً نہ مر جائے بلکہ کم سے کم اتنی دیر تک زندہ رہے کہ دنیا کی کسی چیز سے فائدہ اٹھائے وہ بھی شہید ہے۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ شہداء کی تعداد ساٹھ کے قریب ہے۔

ملاحظہ ہو اوجز المسالک میں ہے:

وهكذا كما رأيت ترتقي الشهداء إلى قريب من ستين. والله اعلم.

(أوجز المسالك الى مؤطامالك: ٤/٥٤٧، باب النهي عن البكاء على الميت، دمشق)

تمت

ماخذ و مراجع
فتاوی دارالعلوم زکریا جلد دوم

قرآنِ کریم تنزیل من رب العلمین

﴿الف﴾

امداد الفتاح شرح نور الإیضاح	علامہ شرنبلالی	بیروت
آپ کے مسائل اور ان کا حل	مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تعالیٰ شہادت ۱۴۲۱	مکتبہ لدھیانوی
اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء علوم الدین	سید محمد بن محمد الحسینی الشھیر بمرتضٰی حسن	دار الفکر
الأبواب والتراجم	حضرت شیخ محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ	سعید کمپنی
احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الإمام	حضرت مولانا سرفراز خان صفدر	
الاختیار لتعلیل المختار	عبد اللّٰہ بن محمود الموصلی	بیروت
الاستذکار	ابن عبد البر	
اسنی المطالب	ابو یحیی زکریا الآنصاری	بیروت
آکام المرجان فی غرائب الاخبار و أحکام الجان		آرام باغ کراچی
الأشباہ والنظائر	الامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ	بیروت
آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب	کراچی
إعانۃ الطالبین	ابوبکر عثمان محمد	التوفیقیۃ
أحکام القنطرۃ فی أحکام البسملۃ	مولانا عبد الحی لکھنوی	ادارۃ القرآن
اقامۃ الحجۃ علی أن الإکثار فی التعبد لیس ببدعۃ	مولانا عبد الحی لکھنوی	ادارۃ القرآن

الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف	ابن عبد البر	جامع الحدیث
الاعجوبة فی عربية خطبة العروبة	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	
ابو داود شریف	حافظ سلیمان بن اشعث ابو داود سجستانی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۲۰۲ ت ۲۷۵	کتب خانہ مرکز علم کراچی
احسن الفتاوی	حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب	ایچ ایم سعید کمپنی
احکام القرآن	ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن عربی	دار الفکر
اوجز المسالك	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا المهاجر المدنی رحمہ اللہ تعالیٰ	مکتبہ امدادیہ ملتان
امداد الفتاوی	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	مکتبہ دار العلوم کراچی
الاذکار	ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی و ۶۳۱ ت ۶۷۶	دار العربیہ بیروت
احیاء علوم الدین	امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ت ۵۰۵	دار الفکر
ابن ماجہ شریف	ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۲۰۹ ت ۲۷۳	قدیمی کتب خانہ
الاتقان فی علوم القرآن	جلال الدین عبد الرحمن بن أبی بکر السیوطی	دار احیاء العلوم بیروت
امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر أحمد عثمانی و مفتی عبدالکریم گمتھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ	مکتبة دار العلوم کراچی
أحکام الجنائز	محمد ناصر الدین ألبانی	
الآحاد والمثانی	ابن أبی عاصم	جامع الحدیث
أخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم	ابو الشیخ الأصبهانی	جامع الحدیث
اسلامی فق	ولانا مجیب اللہ ندوی	لاهور

آثار السنن	علامہ محمد علی النیموی ت۱۳۲۲ صدیقیہ کتب خانہ	
اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد عثمانی التھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ	ادارۃ القرآن کراچی
الأشباہ و النظائر	زین الدین بن ابراھیم ابن نجیم الحنفی ت۷۰	ادارۃ القرآن کراچی
امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ و۱۳۱۴ت۱۳۹۶	دار الاشاعت
انجاح الحاجۃ حاشیۃ ابن ماجہ	الشیخ عبد الغنی المجددی الدھلوی ۱۲۹۵	قدیمی کتب خانہ
ارشاد الساری الی مناسك الملا علی القاری	حسین بن محمد المکی الحنفی	بیروت
اکمال المعلم بفوائدمسلم	أبو الفضل عیاض بن موسی	دارالوفا
الإصباح حاشیۃ نور الإیضاح	مولانا اعزاز علی دیوبندی	مجیدیہ
امانی الأحبار	مولانا محمد یوسف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	ادارہ تالیفات اشرفیہ
ارواء الغلیل فی تخریج احادیث بناء السبیل	لبانی صاحب	الکمتب الاسلامی

باء

البنایۃ شرح الھدایۃ	علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ	فیصل آباد
بخاری شریف	ابو عبد اللّٰہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ و۱۹۴ت۲۵۶	فیصل پبلیکیشنز، دیوبند
بذل المجھود	محدث خلیل احمد سھارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ت۱۳۴۶	ندوۃ العلماء لکھنؤ
البدایۃ و النھایۃ	حافظ اسماعیل ابن کثیر القرشی الدمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ ت۷۷۴	دار المعرفۃ

بہشتی زیور	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	دار الاشاعت
بہشتی گوہر اصلی	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی	دار الاشاعت
بدایة المجتهد	ابو الولید محمد بن احمد القرطبی	دار نشر الکتب
البیان	ابو الحیسن یحیی بن أبی الخیر	دار المنهاج
البجیرمی علی الخطیب	شیخ سلیمان بن محمد	التوفیقیة
البحر الرائق	شیخ زین الدین ابن نجیم مصری	المکتبة الماجدیة
بلوغ المرام	حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ	
بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علاء الدین أبوبکر بن مسعود الکاسانی ت۵۸۷	سعید کمپنی
برطانیہ واعلی عروض البلاد پر صبح صادق و شفق کی تحقیق	حضرت مولانا یعقوب قاسمی	جمھوسرو برطانیہ

«تاء»

تفسیر ماوردی	ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۳۶۴ت ۴۵۰	دار الکتب العلمیة
تفسیر قرطبی	محمد بن احمد الانصاری القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ	دار الکتب العلمیة
تفسیر طبری	ابو جعفر محمد بن جریر الطبری	دار المعرفة بیروت
تهذیب التهذیب	ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ت ۸۵۲	دار الکتب العلمیة بیروت
تحفة الأحوذی	بو العلی محمد بن عبد الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ تعالیٰ و ۱۲۸۳ت ۱۲۵۳	دار الفکر
ترمذی شریف	ابو عیسی محمد بن عیسی بن سورة الترمزی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۲۰۹ت ۲۷۹	فیصل پبلیکیشنز، دیوبند

تفسیر بیضاوی	ناصر الدین عبد اللہ بن عمر البیضاوی	موقع التفاسیر
تعلیق شعیب علی المراسیل	شعیب الأرناؤط	مؤسسۃ الرسالۃ
التعلیق المحمود علی سنن أبی داؤد	مولانا فخر الحسن گنگوھی	سعید کمپنی
تدویر الفلك فی حصول الجماعۃ بالجن والملك	علامہ لکھنوی	ادارۃ القرآن
التاج والإکلیل لمختصر الخلیل	موقع الإسلام	
تعلیق الألبانی علی الترمذیؒ و ابی داؤد وابن ماجہ وصحیح ابن خزیمہ	محمد ناصر الدین الألبانی	المکتب الاسلامی
تعلیق صحیح ابن حبان	شعیب الأطناؤط	دار السلام
التیسیر شرح جامع الصغیر	زین الدین عبد الرؤوف المنادی	الریاض
التعلیق الحسن	علامہ نیموی	صدیقیہ کتب خانہ
التعلیق الممجد محقق	علامہ عبد الحی لکھنوی بتحقیق الدکتور تقی الدین ندوی	دمشق
تھذیب الکمال	حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف المزّی و۶۵۴ ت۷۴۲	مؤسسۃ الرسالۃ
تاریخ بغداد	حافظ ابو بکر أحمد بن علی الخطیب البغدادی و۳۹۳ت۴۶۳	الکتب العلمیۃ
تقریب التھذیب	احمد بن علی بن حجر العسقلانی و۷۷۳ت۸۵۲	دار نشر الکتب الاسلامیۃ
التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الاخرۃ	ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر الانصاری القرطبی	دار الریان للتراث
تحریر التقریب	الدکتور بشار عواد معروف والشیخ شعیب الرنؤوط	مو سسۃ الرسالۃ بیروت
تاج العروس	سید محمد مرتضی الزبیدی	مطبعہ خیریہ

تنویر الابصار	علامہ شمس الدین محمد بن عبد اللہ تمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ ۹۳۹ت ۱۰۰٤	سعید کمپنی
تلبیس ابلیس	(مترجم) علامہ ابن جوزی (مترجم علامہ ابو محمد عبد الحق اعظم گڑھی)	کتب خانہ مجیدیہ
تفسیر مظہری (عربی)	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ ت۱۲۲۵	بلو چستان بك ڈپو
التمهيد	ابو عمر یوسف بن عبد الله بن عبد البر النمری و۳٦۸ت٤٦۳	مكتبة المؤيد
تفسیر عثمانی	شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ	مدینه منوّرة
الترغيب و الترهيب	حافظ ذكى الدين عبد العليم بن عبد القوى المنذرى ت٦٥٦	دار احياء التراث
تفسير ابن أبي حاطم	ابن أبي حاطم الرازى	
تكملة فتح الملهم	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	مكتبة دار العلوم كراچی
تعليق الشيخ محمد عوامة على نصب الراية	شيخ محمد عوامة	المكتبة المكية
تعليق الدكتور بشار عواد على ابن ماجه	الدكتور بشار عواد معروف	دار الجيل بيروت
تعلیم الاسلام	حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی	تاج کمپنی لاہور
تنقيح الفتاوى الحامدية	سید محمد امین ابن عابدین الشامی	دار الاشاعة العربية
تألیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید أحمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ ت۱۳۲۳	اداره اسلامیات لاهور
تذكرة الموضاعات	أبو الفضل محمد بن طاهر بن علی المقدسی ت۵۰۷	میر محمد کتب خانہ کراچی

تبیین الحقائق	علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	مکتبہ امدادیہ ملتان
تذکرۃ الرشید	حضرت مولوی محمد عاشق الہی رحمہ اللہ تعالیٰ	مکتبہ عاشقیۃ
تعلیق الألبانی علی مشکوٰۃ	شیخ ألبانی	المکتبۃ الاسلامی
تعلیق البشار عواد علی تہذیب الکمال	الدکتور بشار عواد معروف	مؤسسۃ الرسالۃ
تعلیق الشیخ محمد عوامہ علی المصنف	الشیخ محمد عوامہ حفظہ اللّٰہ و رعاہ	المجلس العلمی
تذکرۃ الموضوعات	شیخ طاہر الفتنی الہندی	المطبعۃ الیمنیۃ
تقریرات الرافعی	علامہ رافعی	سعید کمپنی
تفسیر ابن کثیر	حافظ اسماعیل ابن کثیر القرشی الدمشقی ت ٧٧٤	دار السلام
تسہیل الفلکیات	پروفیسر عبد اللطیف	کراچی

«ثاء»

الثمر الدانی	صالح عبد السمیع الأزہری	دار الفکر

«جیم»

جواہر الفقہ	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب	مکتبہ دار العلوم کراچی
جمع الوسائل فی شرح الشمائل	الشیخ ملا علی بن سلطان محمد القاری	ادارہ تالیفات اشرفیہ
الجامع الصغیر	جلال الدین بن أبی بکر السیوطی ت ۹۱۱	دار الکتب العلمیۃ بیروت
الجامع الکبیر	علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ	
الجوہر النقی علی ہامش السنن الکبری	علاء الدین بن علی بن عثمان الماردینی ابن الترکمان ت ٧٤٥	دار المعرفۃ

جامع الأحاديث	جلال الدين عبد الرحمن السيوطى ت ٩١١	دار الفكر
الجوهرة النيرة	أبو بكر بن على بن محمد الحدادى ت ٨٠٠	مكتبة امدادية
جديد فقهى مسائل	مولانا خالد سيف الله رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ	كتب خانه نعيميه ديو بند
جزء رفع اليدين	امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ	

﴿حاء﴾

حاشية الامام السندهى على سنن النسائى	امام سندهى	قديمى كتب خانه
حاشية امداد الفتاح	محقق شيخ عبد الكريم العط	بيروت
حاشية مؤطا امام مالك	مولانا اشفاق الرحمن كاندهلوى	آرام باغ كراچى
حاشية صحيح ابن خزيمة	الدكتور محمد مصطفى الأعظمى	المكتب الاسلامى
حاشية الدسوقى	شمس الدين محمد عرفه الدسوقى	دار الفكر
حاشية تبيين الحقائق	شيخ شبلى	امداديه
حاشيتان على كنز الراغبين حواشى الشيروانى	شهاب الدين احمد بن حجر الهيتمى	دار الفكر
حديث اسماعيل بن جعفر	اسماعيل بن جعفر	موقع الحديث
حاشية قليوبى	شهاب الدين القليوبى و الشيخ عميرة	ابناء السورتى تجارة الكتب
حياة الصحابة	حضرت مولانا محمد يوسف كاندهلوى رحمہ اللہ تعالیٰ	المكتبة التجارية
حياة الصحابة	حضرت مولانا محمد يوسف كاندهلوى رحمہ اللہ تعالیٰ	كتب خانه فيضى
حلية الأولياء	حافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصفهانى ت ٤٣٠	دار الفكر

حياة محمود	فقيه الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوهی	مکتبه محموديه
حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح	علامه السيد أحمد طحطاوی	مير محمد كتب خانه کراچی
الحاوی للفتاوی	جلال الدين السيوطی ت ۹۱۱	فاروقی کتب خانه
حاشية الجمل	شيخ سليمان الجمل	دار الفكر
حجة الله البالغة	حضرت شاه ولی الله صاحب	مكتبه حجاز ديوبند
حاشية لامع الدراری	حضرت شيخ محمد زكريا رحمه الله تعالى	سعید کمپنی

﴿خاء﴾

خير الفتاوی	مولانا خير محمدجالندهری و ديگر مفتيان خير المدارس	شرکت پرنٹنگ لاهور
خلاصة الفتاوی	شيخ طاهربن عبد الرشيد البخاری	مكتبه رشيديه كوئٹه
خزائن السنن	مولانا سرفراز خان صفدر	
خلاصة الوفاء بأخبار دار المصطفی	علامه سمهودی رحمه الله تعالى	
خطبة الجمعة و أحكامها الفقهية		

﴿دال﴾

درّ منثور	عبد الرحمن جلال الدّين السيوطی رحمه الله تعالى و ۸٤۹ ت ۹۱۱	مركز للبحوث و الدّراسة العربية مكة
الدر المختار	علامه علاء الدين محمد بن علی حصكفی رحمه الله تعالى و ۱۰۲٥ ت ۱۰۸۸	ايچ ايم سعيد کمپنی

دلیل الفالحین	محمد بن علان الشافعی المکی	مصر
درر الحکام فی شرح غرر الأحکام	قاضی منلا خسرو حنفی	معارف نظارت حلیلة
درس ترمذی	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	

﴿ذال﴾

الذخیرة	شهاب الدین احمد بن ادریس القرافی	دار الغرب الإسلامی

﴿راء﴾

روح المعانی	شهاب الدین السید محمود الآلوسی البغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ ت ١٢٧	التراث القاهرة
رد المحتار المعروف بالشامی	خاتمة المحققین محمد امین (ابن عابدین الشامی) ت ١٢٥٢	ایچ ایم سعید کمپنی
روضة الطالبین	الإمام النووی	المکتب الإسلامی
رسول اکرم ﷺ کا طریقه نماز	مفتی جمیل احمد نذیری	لاهور
رسائل ابن عابدین	علامه شامی رحمہ اللہ تعالیٰ	سهیل اکیڈمی

﴿زاء﴾

زاد المعاد فی هدی خیر العباد	شمس الدین أبو عبد الله الزرعی و ٦٩١ ت ٧٥١	مؤسسه الرسالة

﴿سین﴾

سلسلة الاحادیث الضعیفة	شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ تعالیٰ	المکتب الاسلامی

سلسلة الأحاديث الصحيحة	محمد ناصر الدين الألباني	مكتبة المعارف الرياض
سنن الكبرى للنسائي	أحمد بن شعيب النسائي	
سير اعلام النبلاء	شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي و۱٧٤٨ت١٣٧٤	مؤسسة الرسالة
سنن دارمي	عبدالله بن عبد الرحمن الدارمي السمرقندي و ۱۸۱ت۲۵۵	قديمي كتب خانه
سنن دارقطني	حافظ على بن أبي بكر الدارقطني و٣٠٦ت٣٨٥	مكتبة المتبنى القاهرة
السنن الصغير	امام بيهق	دار الفكر
السنن الصغرى للبيهقي	امام بيهقي	
سنن سعيد بن منصور	سعيد بن منصور الخراساني ت٢٢٧	الدار السلفية الهند
سنن كبرىٰ	حافظ ابو بكر احمد بن الحسين بن على البيهقي	دار المعرفة
سعايه	علامه لكهنوى	سهيل اكيڈمى
السنن و البدعات		

﴿شين﴾

شرح النقاية	حافظ على بن محمد سلطان القارى الحنفي ت١٠١٤	سعيد كمپنى
شرح الطيبي	شرف الدين حسين بن محمد بن عبد الله الطيبي ت٧٤٣	ادارة القرآن
شرح الزركشي على مختصر الخرقي		
شرح المسلم	أبو الفضل عياض بن موسى	دار الوفاء

شرح بلوغ المرام	شیخ عطیه سالم	بیروت
شرح الوجیز	ابو القاسم عبد الكريم بن محمد	بیروت
شرح المجلة	محمد خالد الاتالسی	رشیدیه
شرح وقایه	عبد اللّٰه بن مسعود بن تاج الشریعة	مطبع مجیدی
شرح عقود رسم	المفتی فقیه العصر ابن عابدین المعروف بالشامی	مکتبه اسعدی
شعب الایمان	الامام ابو بكر احمد بن الحسین البیهقی و ٣٨٤ت٤٥٨	الدار السلفية الهند
شرح معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد بن سلمة بن سلامة الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ	ایچ ایم سعید کمپنی
شرح المسلم للنووی	ابو زکریا یحیی بن شرف الدین النووی و ٦٣١ت٦٧٢	دار احیاء التراث
شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	علامہ سبکی	
الشرح الكبير	شیخ ابن قدامهالمقدسی	بیروت
شرح الصدور	حافظ جلال الدین السیوطی ت ٩١١	دار المؤید الریاض
شرح الزرقانی	علامة محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ	دار احیاء التراث بیروت
شرح مختصر الخلیل	شیخ محمد علیش	دار الفکر

﴿صاد﴾

صحیح و ضعیف سنن نسائی	محمد ناصر الدین الألبانی	
صحیح ابن حبان	محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم التمیمی	مو سسة الرسالة بیروت

﴿طاء﴾

الطبقات الکبری	محمدابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ	دار صادر بیروت
طحطاوی علی الدر المختار	علامہ سید أحمد الطحطاوی	مکتبۃ العربیۃ کوئٹہ

﴿عین﴾

عرف الشذی علیٰ ہامش سنن الترمذی	علامہ المحدث الکبیر انور شاہ الکشمیری	فیصل دیوبند دہلی
عمدۃ المفتیین	الإمام النووی	المکتب الإسلامی
العطر العنبری فی حکم اجابۃ الأذان المنبری	مولانا قاضی رحمۃ اللّٰہ صاحب راندیری	
عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ	مولانا عبد الحی لکھنوی	المجیدی کانفوری
عیدگاہ کی سنیت	حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب اعظمی	
عصر حاضر کے فقہی مسائل	مولانا بدر الحسن القاسمی	حیدر آباد
عارضۃ الأحوذی	الإمام ابن العربی المالکی	دار الکتاب العربی
عمل الیوم و اللیلۃ	أبو عبد اللّٰہ أحمد بن شعیب النسائی ت۳۰۳	دار الفکر
عجالۃ الراغب المتمنی فی تخریج ابن السنی	أبو امامہ بن سلیم بن عبد الهلالی	دار ابن حزم
عمدۃ الفقہ	حضرت مولانا زوار حسین صاحب	مجددیہ
عالمی تاریخ	مولانا عثمان معروف	
عمل الیوم و اللیلۃ	أبو بکر أحمدبن محمدبن اسحاق ابن السنی	دائرۃ المعارف العثمانیۃ
عمدۃ الرعایہ	مولانا عبد الحیّ لکھنوی	مطبع مجیدی

عون المعبود	محمد شمس الحق العظیم آبادی	دار الکتب العلمیة
عنایة شرح هدایة	أكمل الدّين محمد بن محمود البابرتی رحمہ اللہ تعالیٰ ت ۷۸٦	
عمدة القاری فی شرح البخاری	بدر الدين محمد محمود بن احمد العينی رحمہ اللہ تعالیٰ	دار الحدیث ملتان

﴿غین﴾

الغرر البهية	شیخ زکریا بن محمد الأنصاری	
غمز عیون البصائر	شیخ احمد بن محمد الحموی	ادارة القرآن
غنیه المتملی فی شرح منیة المصلی	شیخ ابراهیم الحلبی ت۹۵٦	سهیل اکیڈیمی لاهور

﴿فاء﴾

فتاوی حقانیة	مفتیانِ کرام دار العلوم حقانية	دار العلوم حقانیه
فتاوی مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحبملتان	لاهور
فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابن رجب الحنبلی	دار ابن جوزی
فتاوی واحدی	علامه عبد الواحد سیوستانی	کوئٹه ،پاکستان
الفتاوی السراجية (مجرد)	ابو محمد سراج الدين علی بن عثمان	آرام باغ کراچی
الفتاوی السراجية علی هامش قاضی خان	ابو محمد سراج الدين علی بن عثمان	کوئٹه
الفتاوی الموصلة	شیخ العز بن عبد السلام الشافعی	بیروت
فتاوی خلیلیة	حضرت مولانا خلیل احمد سهارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ	
فتاوی عثمانی	مفتی تقی عثمانی صاحب	کراچی

فتاوی محمودیہ	مفتی محمود حسن گنگوھی رحمہ اللہ تعالیٰ	کتب خانہ مظھری کراچی
فتح الباری فی شرح البخاری	حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۷۷۳ت ۸۵۲	دار نشر الکتب الاسلامیۃ
فتاوی دار العلوم دیوبند(کبیر)	حضرت مولنا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ	کتب خانہ امدادیۃ دیوبند
فتح الملھم	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ	مکتبہ دار العلوم کراچی
فیض القدیر	حافظ محمد المدعو بعبد الرؤف المنادی رحمہ اللہ تعالیٰ	دار الفکر
فتاوی ھندیہ	شیخ نظام الدین و جماعۃ من علماء الھند الاعلام	بلوچستان بک ڈپو
فتاوی ثنائیہ	مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری	اسلامک پبلشنگ ھاوس
فتاوی ابن تیمیہ	الشیخ احمد بن تیمیہ	دار العربیۃ بیروت
فتاوی رحیمیہ	مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری رحمہ اللہ تعالیٰ	مکتبہ رحیمیہ
تح القدیر	کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ابن ھمام ت ۶۸۱	دار الفکر
فیض الباری	حضرت مولانا انور شاہ کشمیری ت ۱۳۵۲	مطبعہ حجازی القاھرۃ
فتاوی رشیدیہ	حضرت مولانا رشید أحمد گنگوھی رحمہ اللہ تعالیٰ ت ۱۳۲۳	مکتبۃ رحمانیہ لاھور
فتح باب العنایۃ	ملا علی القاری	

الفروع	أبو عبد اللّٰه محمد بن مفلح المقدسی	دار الکتاب العربی
فتاوی قاضی خان	فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی الفرغانی ت۲۹۵	بلوچستان بك ڈپو
الفقه الاسلامی و أدلته	الدکتور وهبة الزحیلیدار الفکر	
فتاوی دار العلوم دیوبند (مع امداد المفتیین)	مولانامفتی عزیز الرحمن صاحب و۱۲۷۵ت ۱۳٤٤	دار الاشاعت
فتاوی تاتارخانیة	عالم بن علاء انصاری اندرپتی دهلوی ت۸۷٦	ادارۃالقرآن
فتاوی اللکهنوی	أبو الحسنات عبد الحی اللکهنوی و۱۲٦٤ت۱۳۰٤	دار ابن حزم کراچی
فتاوی بزازیه	حافظ الدین محمد بن محمد بن شهاب البزار الکردی ۸۲۷	بوچستان بك ڈپو
الفقه علی مذاهب الأربعة	شیخ عبد الرحمن الجزائری	دار الفکر
فتاوی فریدیه	حضرت مفتی فرید صاحب اکوڑا کهٹك	
الفردوس بمأثور الخطاب	ابو شجاع الدیلمی	دار الکتب العلمیة

﴿قاف﴾

قواعد فی علوم الحدیث	حضرت مولانا ظفر احمد تهانوی	دار السلام
القاموس الوحید	مولانا وحیدالزمان کیرانوی	حسینیه دیوبند
قیام اللیل	ابو النصرمروزی	بیروت
قواعد الفقه	مولانا عمیم الاحسان	

﴿کاف﴾

کتاب الدعاء	أبو القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی و۲٦۰ت۳٦۰	دار الکتب العلمیة بیروت

کتاب العلل و معرفة الرجال	الإمام أحمد بن حنبل	
کتاب الحجة	امام ابو حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ	
کتاب الجرح و التعدیل	أبو محمد عبد الرهمن بن أبی حاتم الرازی ت۳۲۷	دائرة المعارف العثمانية
کتاب الضعفاء المتروکین	أبو الفرج عبد الرحمن بن علی بن محدم ابن الجوزی	دار الکتب العلمية
کنز العمّال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الهندی ت۹۷۵	مؤسسة الرسالة
کفایت المفتی	مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ دهلوی رحمہ اللہ تعالیٰ	دار الاشاعت کراچی
کشف الخفاء	شیخ اسماعیل بن محمد العجلونی ت۱۱۶۲	دار احیاء التراث بیروت
کتاب الروح	شمس الدین ابو عبد اللہ ابن قیم الجوزیه	دار الفکر
کشاف القناع عن متن الاقناع	منصور بن یونس بن ادریس البهوتی	دار الفکر
کتاب الام	الإمام الشافعی	بیروت

﴿گاف﴾

گیارہ رکعت تراویح مناظرہ	مولانا حبیب الرحمن اعظمی	کراچی

﴿لام﴾

لسان العرب	علامہ ابن منظور رحمہ اللہ تعالیٰ و ۶۳۰ ت ۷۱۱	مکتبة دار الباز مکة المکرمة
لغات الحدیث	علامہ وحید الزمان	آرام باغ کراچی
لامع الدراری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوهی	سعید کمپنی

لسان الميزان	ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی ت۸۵۲	اداره تالیفات اشرفیه ملتان
لاجديد في أحكام الصلوة	أبو زيد بكر بن عبد الله	دار العاصمة
اللجنة الدائمة للبحوث العلمية و الإفتاء	شيخ احمد بن عبد الرزاق ال؟؟	رياض

﴿ميم﴾

مشكوٰة شریف	ابو عبد الله محمد بن عبد الله خطیب طبریزی رحمه الله تعالى	قدیمی کتب خانه کراچی
مرقاة شرح مشكوٰة	ملا علی القاری رحمه الله تعالى	مکتبه امدادیه ملتان
مسلم شریف	ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری رحمه الله تعالى و ۲۰۶ ت ۲۶۱	مكتبة الاشرفية ديو بند
مختصر التحفة المرغوبة في أفضلية الدعاء بعد المكتوبة	للشيخ محمد قاسم السندى	حلب
مختصر القدوری	ابوالحسن احمد بن محمد البغدادی	سعید
مجموعة الرسائل	علامه لكهنوى	
المحيط البرهانى	محمود صدر الشريعة ابن ما؟	الرياض
مختصر المذنى	امام مذنى شافعى	بيروت
منحة الخالق حاشية البحر الرائق	علامه شامى	كوئته
منح الجليل شرح مختصر الخليل	شيخ محمد عليش	دار الفكر
ماہانہ ندائے شاہی		
منظومه ابن وهبان	عبد البر بن محمد ابن الشحنة	الوقف المدنى ديو بند
مجموعة فتاوى و رسائل	ابن عثيمين	بيروت

مجمع بحار الأنوا	شیخ محمد طاهر الفتنی الگجراتی	مدینہ منورہ
المصاحف	امام ابو داؤد	
المبدع شرح (المقنع الفه الحنبلی)		
منتخب نظام الفتاوی المقاییس و المقادیر عند العرب	الشھیدۃ نسیبۃ محمد فتحی الحریری	دار المعارف دیو بند
منتھی الارادات مصفی شرح مؤطا		
الموسوعة الفقهية		وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية الكويت
المدخل	ابو عبد اللہ ابن الحاج	دار الفكر
مغنی المحتاج	محمد بن محمد الخطيب الشربيني	التوفيقية
معرفة السنن والآثار	الإمام البيهقي	جامع الحديث
مطالب اولی النهی فی شرح غاية المنتهی	موقع الإسلام	
معرفة الثقات تراجم و طبقات،	وقع يسرب	
مظاهر حق جديد	نواب قطب الدين خان دهلوی	دار الإشاعت
مستدرك حاكم	ابو عبد الله محمد بن عبد الله المعروف بالحاكم ت۴۰۵ دار الباز للنشر و التوزيع	مكة المكرمة
مجمع الزوائد	حافظ نور الدين علی بن أبی بكر الهيثمی رحمہ اللہ تعالیٰ ت ۸۰۷	دار الفكر
مسند امام احمد بن حنبل	اما م احمد بن حنبل الشيبانی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۱۶۴ ت ۲۴۱	دار الفكر
معارف القرآن	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ت ۱۳۹۶	ادارۃ المعارف کراچی
مصنف ابن ابی شيبة	حافظ ابو بكر عبد الله بن محمد بن أبی شيبة العبسی ت۲۳۵	ادارة القرآن کراچی

معارف القرآن	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ	مکتبۃ المعارف
المجموع شرح المہذب	ابو زکریا یحی بن شرف الدین النووی و ۶۳۱ت ۶۷۲	دار الفکر
میزان الاعتدال	حافظ محمد بن أحمد بن عثمان الذہبی ت۷۴۸	دار الفکر العربی
المعجم الکبیر	حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی و ۲۶۰ت ۳۶۰	مکتبہ ابن تیمیہ
مصباح اللغات	ابو الفضل مولانا عبد الحفیظ بلیاوی	قدیمی کتب خانہ کراچی
مختصر المعانی	علامہ سعد التفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ	سعید کمپنی
مجموعۃ الفتاویٰ	مولانا عبد الحی لکھنوی	میر محمد کتب خانہ
المحلیٰ	ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم الاندلسی	دار الباز مکۃ المکرمہ
المحمود ماہ نامہ		
ملفوظاتِ فقیہ الامت	فقیہ الامت حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی میرٹھ	
مسند ابو عوانہ	ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی	دار المعرفۃ
مستخرج ابو عوانۃ	ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی	دار المعرفۃ
مسند امام اعظم	ابو حنیفۃ النعمان بن ثابت الکوفی التابعی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۸۰ ت ۱۵۰	میر کتب خانہ
مقالات کوثری	شیخ محمد زاہد الکوثری ت ۱۳۷۱	دار شمسی

الموسوعة الفقهية	أبو الحسين أحمد بن محمدالبغدادى القدورى و٣٦٢ت٤٢٨	دار السلام
مدارك التنزيل وحقائق التاويل (تفسير النسفى)	أبو البركات عبد الله بن أحمد بن محمود النسفى ت٨٠١	دار الفكر
موضوعات كبير	على بن سلطان محمد الهروى ملا على القارى ت١٠١٤	مير محمد كتب خانه كراچى
مغنى عن حمل الأسفار علىٰ هامش احياء العلوم	علامه زين الدين أبو الفضل عبد الرحيم العراقى ت٨٠٦	دار الفكر
المقاصد الحسنة	شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوى	دار الكتب العلمية
المدخل	أبو عبد الله محمد بن محمد المالكى ابن الحاج ت٧٣٧	دار الفكر
مسند أبو داؤد طيالسى	أبو داود سليمان بن داود الفارسى الطيالسى ت٢٠٤	دار المعرفة
المعجم الأوسط	أبو القاسم سليمان بن احمد الطبرانى ت٣٦٠	مكتبة المعارف
مسند أبو يعلى	شيخ الاسلام أبو يعلى أحمد بن على الموصلى و٢١٠ ت٣٠٧	مؤسسة علوم القرآن
فضائل سورة الاخلاص و ما لقارئها	أبو محمد الحسن بن محمد الخلال و٣٥٢ ت٤٣٩	مكتبة لينه القاهرة
مواهب الجليل	أبو عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن المغربى ت٩٥٤	دار الكتب العلمية
مسند بزّار	أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار و٢١٥ت٢٩٢	مؤسسة علوم القرآن

لمعجم الصغير	ابو القاسم سليمان بن أحمد الطبرانی و ۲۶۰ت ۳۶۰	المكتب الاسلامی
المبسوط	شمس الائمة ابو بكر محمد احمد السرخسی	دار المعرفة بيروت
مصنف عبد الرزاق	أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعانی و ۱۲۶ ت ۲۱۱	ادارة القرآن كراچی
مؤطا امام مالك	امام مالك بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ	
المنح المطلوبة فی استحباب رفع اليدين بعد الصلوات المكتوبة		
مراقی الفلاح	شيخ حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی ت ۱۰۶۹	مصطفى البانی الحلبی
المغنی	ابن قدامة الحنبلی	دار الكتب العلمية
مقدمات الامام الكوثر	ی الامام محمد زاهد الكوثری و ۱۲۹۶ت ۱۳۷۸	سعيد كمپنی
معارف السنن	علامه بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ	
مجمع الأبحر شرح ملتقى الأبحر	عبد الله بن شيخ محمد دامادافندی	دار إحياء التراث
مراسيل أبی داؤد	امام ابو داؤد	مؤسسة الرسالة
مسند حميدی	ابو بكر عبد الله بن الزبير الحميدی	سملك ڈابهيل الهند
المدونة الكبری	الإمام مالك رحمہ اللہ تعالیٰ	بيروت

«نون»

نصب الرايه	جمال الدين ابو محمد عبد الله بن يوسف الزيلعی الحنفی	المكتبه المكية ۱۵۶

نیل الاوطار	شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ	ادارۃ القرآن کراچی
النتف فی الفتاوی	ابو الحسن علی بن الحسین السغدی	بیروت
النشر فیالقراءات العشر		
النفائس المرغوبۃ فی حکم الدعاء بعدالمکتوبۃ	حضرت مفتی کفایت اللہ	کراچی
نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج	شمس الدین محمد بن أبی العباس	دار الفکر
نسائی شریف	ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۲۱۵ت ۳۰۳	قدیمی کتب خانہ
نور الایضاح	علامہ حسن بن علی الشرنبلالی محیدیہ	

﴿ھاء﴾

ھدایۃ	ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ و ۵۱۱ت ۵۹۳	مکتبۃ شرکۃ علمیۃ
ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری	حافظ ابن الحجر العسقلانی	دار نشر الکتب الإسلامیۃ

تمت بحمد اللہ

نوٹ

